بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاوی دار العلوم زکریا

جلدِ دوم

کتاب الصلاۃ

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمم دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت، عفی عنہ

معین دار الافتاء دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

کتاب کا نام؛............**فتاویٰ دارالعلوم زکریا** جلدِ دوم تصحیح و اضافہ شدہ جدید ایڈیشن۔

اشاعتِ اول؛............ ۲۰۰۸ء زمزم پبلشرز کراچی، پاکستان۔

اشاعتِ دوم؛............ ۲۰۰۹ء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ہندوستان۔

اشاعتِ سوم؛............ ۲۰۱۴ء زمزم پبلشرز کراچی، پاکستان۔

اشاعتِ چہارم؛............۲۰۱۶ء دہلی، ہندوستان۔

کتابت و کمپوزنگ؛......دارالافتاء دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ۔

تعدادِ صفحات:......۸۴۳۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دار العلوم زکریا جلدِ دوم

کتاب الصلاۃ

صفحہ نمبر

﴿فہرستِ عنوانات﴾

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ دوم

فہرستِ عنوانات	صفحہ نمبر

کتاب الصلاۃ

باب......﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

فہرستِ عنوانات	صفحہ نمبر

باب......﴿۲﴾
أذان اور إقامت کا بیان

باب......﴿۳﴾

صفۃ الصلاۃ کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اورواجبات کا بیان

فصلِ دوم
نماز کی سنن اور آداب کا بیان

فصلِ سوم
مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان

باب......﴿۴﴾

نماز کے بعد دعا اور ذکر کا بیان

باب......﴿۵﴾

قراءت وتجویداورقاری کی لغزشوں کابیان

باب ...... (۶)

إمامت کابیان

فصلِ اول

امام سے متعلق احکام

فصلِ دوم
جماعت کے احکام

فصل سوم
جماعتِ ثانیہ کے احکام

فصلِ چہارم
صفیں درست کرنے کے احکام

فصلِ پنجم
محاذات کا بیان

فصلِ ششم
اقتدا کے احکام

فصلِ ہفتم
مسبوق اور لاحق کے احکام

فصلِ ہشتم
حدث اور استخلاف کے مسائل

باب ......﴿۷﴾
فیما یفسد الصلاۃ
و مایکرہ فیہا
فصلِ اول
مفسداتِ نماز کا بیان

فصلِ دوم
مکروہاتِ نماز کا بیان

فصلِ سوم سترہ کے احکام

باب ......﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعا قنوت کا بیان

فصلِ اول وتر کی نماز کا بیان

فصلِ دوم دعاءِ قنوت کا بیان

فصلِ سوم قنوتِ نازلہ کا بیان

باب......﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

باب......﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

باب ...... (۱۱)

قضاء الفوائت

قضا نمازوں کا بیان

باب......﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

باب......﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

باب ...... ﴿۱۴﴾

معذور اور مریض کی نماز کا بیان

باب ...... ﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

باب......﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

باب ...... (۱۷)

نمازِ عیدین کا بیان

باب ...... ﴿۱۸﴾

مسائلِ شتیٰ

نماز کے متفرق مسائل

باب ﴿۱۹﴾

احکام الجنائز

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام

فصلِ دوم
میت کو غسل دینے کا بیان

فصلِ سوم
نمازِ جنازہ کا بیان

فصلِ چہارم
دفن کرنے کا بیان

فصلِ پنجم
ایصالِ ثواب کا بیان

فصلِ ششم
تعزیت کا بیان

فصلِ ہفتم
شہید کے احکام کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات و شبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۳، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ و آلیہ سے تشنگی کی آگ بجھا رہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۳۹۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء و استفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت و تجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت و تجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق و شوق بڑھا اور تقریراً و تحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا

سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۹۶ طلباء اور ۵، اساتذہ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب پوناؒ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔

راقم السطور

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت، عفی عنہ

رفیقِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۰/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق: ۱۴/ جولائی ۲۰۰۸ء

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ ،فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے،حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ،علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے،اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کرکے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل،عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا،جس کے لئے ہر مذہب کے علماء،محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے،بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے،اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے، کتاب کا مطالعہ کرکے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہوجائے۔(ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ''البینات'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطرخواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق

کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف مما لک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور مما لک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرِ علمی سے ایک بڑے استاذ و مفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ''بیّنات'' رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿إن الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا﴾

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سألت النبی ﷺ

”أی العمل أحب إلی اللّٰہ

قال: الصلاۃ علی وقتہا“

(رواہ البخاری)

کتاب الصلاۃ

باب ......﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

باب ...... ﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:

سوال: نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر کیوں تقسیم کیا گیا؟ اس کی مشروعیت کی کیا دلیل ہے؟ نیز اوقات کی حکمت کیا ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی بہت سی آیات سے اوقات کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے، نیز حدیث امامتِ جبرئیل اور اس کے علاوہ احادیث بھی اوقات کی مشروعیت کی دلیل ہیں۔

ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أقم الصلاة لدلوك الشمس إلى غسق الليل وقرآن الفجر إن قرآن الفجر كان مشهوداً﴾(سورة بنی اسرائیل: الآیة:۷۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

جمہور مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے... **﴿لدلوك الشمس إلى غسق الليل﴾** میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء...... **﴿وقرآن الفجر﴾** اس جگہ لفظ قرآن بول کر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا جزو اہم ہے۔ اکثر ائمہ تفسیر، ابن کثیر، قرطبی، مظہری وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ **﴿لدلوك الشمس إلى غسق الليل﴾** کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے۔ اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی

خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن: ۵/۲ ۰ ۵)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فسبحٰن اللّٰہ حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السمٰوٰت والأرض وعشیاً وحین تظهرون﴾ (سورة الروم: الآیة: ۱۷، ۱۸)

درمنثور میں ہے:

أخرج عبد الرزاق والفریابی وابن جریروابن المنذروابن أبی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه عن أبی رزین قال: جاء نافع بن الأزرق إلی ابن عباس رضی اللہ عنہ فقال: هل تجد الصلوات الخمس فی القرآن؟ قال: نعم، فقرأ: ﴿فسبحٰن اللّٰه حین تمسون﴾ صلاة المغرب، ﴿وحین تصبحون﴾ صلاة الصبح، ﴿وعشیاً﴾ صلاة العصر، ﴿وحین تظهرون﴾ صلاة الظهر، وقرأ: ﴿ومن بعد صلاة العشاء﴾ وأخرج ابن أبی شیبة وابن جریر وابن المنذرعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: جمعت هذه الآیة مواقیت الصلاة ﴿فسبحٰن اللّٰه حین تمسون﴾ قال: المغرب والعشاء... (الدر المنثور: ۶/۴۸۸)

معارف القرآن میں ہے:

علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا: ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا...اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ﴿حین تمسون﴾ میں مغرب اور عشاء دونوں داخل ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/۷۲۹)

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب أن عمربن عبد العزیزؒ أخرالصلاة یوماً فدخل علیه عروة بن الزبیر فأخبره أن المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ أخرالصلاة یوماً وهوبالعراق فدخل علیه أبومسعود الأنصاری رضی اللہ عنہ فقال: ماهذا یا مغیرة؟ ألیس قد علمت أن جبرئیل علیہ السلام نزل فصلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم...ثم قال: بهذا أمرت...الخ. (رواه البخاری: ۱/۷۵/۵۱۵، باب مواقیت الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

أن النبي ﷺ قال: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين فصلى الظهر في الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجر حين برق الفجر وحرم الطعام على الصائم وصلى المرة الثانيه الظهر......ثم التفت إلى جبرئيل عليه السلام فقال: يا محمد هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين.(رواه الترمذي:۱/۳۸،ابواب الصلاة۔وأبوداؤد:۱/۵۶)

درس ترمذی میں ہے:

یہ حدیث حدیثِ امامتِ جبرئیل کہلاتی ہے، اور بابِ مواقیت میں اصل ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو یہ بھی ممکن تھا کہ مواقیت کی تعلیم زبانی طور سے دیدی جاتی، لیکن جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اختیار کیا گیا، کیوں کہ وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔(درس ترمذی:۱/۳۹۳).

اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:

فجر کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندگی ملنے کے مترادف ہے، لہذا شکریہ کے طور پر نماز ادا کریں۔ زوال میں انسان کی زندگی کے زوال کی طرف اشارہ ہے لہذا موت کی تیاری میں لگنا چاہئے۔عصر کا وقت گویا موت کے قریب ہونے کی علامت ہے کہ سورج کی طرح میں بھی جانے والا ہوں۔مغرب میں سورج ڈوبنے میں زندگی کے سورج کے ڈوبنے کی طرف اشارہ ہے۔تو عبادت میں مشغول ہونا چاہئے۔اور عشاء میں سورج کے نشانات بھی مٹ جاتے ہیں تو ایک دن آپ کے نشانات اور ذکر بھی ختم ہوجائے گا لہذا خود اپنے لئے تیاری کرلو اور عشاء پڑھ لو۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:

سوال: رمضان المبارک میں حنفی حضرات فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں حالانکہ فجر کی نماز اسفار میں مستحب ہے تو رمضان میں تعجیل کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: اس کی دلیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کے لئے

کھڑے ہوگئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللّٰہ ﷺ ثم قمنا إلی الصلاۃ قال: قلت: کم کان قدر ذلک قال: قدر خمسین آیۃ. (رواہ الترمذی:۱/۱۵۰، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقد تحیر الحافظ فی هذا الحدیث فإن قدر خمسین آیة یمکن فی أقل من أربع دقائق ثم قال: إن هذا التبیین من شان النبوة لایمکن لغیره وهو حقیقة الأمر ودل الحدیث علی تغلیسه علیه الصلاة والسلام فی رمضان وهو عمل قطان دیوبند. (عرف الشذی:۱/۱۵۱، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

نیز علامہ بنوریؒ نے بھی معارف السنن میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (معارف السنن:۵/۳۶۲، سعید)

ہدایہ کے بعض شارحین نے تحریر فرمایا ہے کہ اصل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے اور فجر میں تاخیر تکثیر جماعت کی وجہ سے ہے اور رمضان المبارک میں تکثیرِ جماعت اول وقت میں ہے ورنہ لوگ سحری کھا کر سو جائیں گے اور نماز قضاء ہو جائے گی اسی وجہ سے رمضان المبارک میں اول وقت نماز فجر ادا کرنا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

نعم ذکر شراح الهدایة وغیرهم فی باب التیمم أن أداء الصلاة فی أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخیر فضیلة لاتحصل بدونه کتکثیر الجماعة، ولهذا کان أولیٰ للنساء أن یصلین فی أول الوقت لأنهن لایخرجن إلی الجماعة. کذا فی مبسوط السرخسی وفخر الإسلام. (شامی:۱/۳۶۷، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:

سوال: طویل الایام ممالک میں یا تو شفق غروب نہیں ہوتا ہے یا وقت ہی نہیں ملتا تو نماز، روزہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر معتدل ایام ممالک تین قسم پر ہیں:

(۱) دن رات تو چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن دن کے بعض اجزاء مفقود ہوتے ہیں (مثلاً شفق غروب نہیں ہوتا تو رات نہیں ہوتی یا شفق تو ظاہر ہوتا ہے لیکن سورج طلوع نہیں ہوتا) اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اوقات کا اندازہ لگا کر نماز پڑھیں گے، اور اندازہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) سال بھر میں معتدل ایام کے آخری دن کا حساب غیر معتدل ایام کی پوری مدت پر لگا کر نماز وغیرہ ادا کریں گے۔ (لیکن یہ بہت مشکل ہے، مثلاً آخری دن جب شفق غروب ہوا اور پھر صبح طلوع ہوئی اس میں ۸ منٹ کا فاصلہ تھا تو ۸ منٹ کے انتظار میں بیٹھنا اور نماز ادا کرنا بہت مشکل ہے۔)

(۲) قریب ترین علاقے کا اعتبار کیا جائے جہاں باقاعدہ شفق غروب ہوتا ہے۔

(۳) شفق جب غروب کی طرف مائل ہو تو وہ مغرب وعشاء کا وقت ہوگا، اس طور پر کہ نصفِ اول مغرب کے لئے اور نصفِ ثانی عشاء کے لئے۔ اور جب شفق طلوعِ شمس کی طرف مائل ہو تو وہ فجر کا وقت ہوگا۔

(ان تینوں میں سے جو بھی آسان ہو اس پر عمل کر سکتے ہیں)

(۲) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں اور تمام اوقات بھی پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں نماز اپنے معروف اوقات ہی میں ادا کی جائے گی، اگرچہ وقت بہت کم ہو۔ ہاں سنن اور نوافل کا موقع نہ ملے تو صرف فرض پر اکتفاء کرلے پھر دوسرے وقت میں چھوٹی ہوئی سنتوں کے بقدر نوافل پڑھ لے۔

لیکن وقت اتنا مختصر ہے کہ چار رکعات فرض بھی ادا نہیں کر سکتے ہیں تو دو احتمال ہیں:

(۱) اسی وقت میں نماز پڑھے اگرچہ وقت نکل جانے کے بعد پوری ہو۔

(۲) اندازہ لگا کر نماز پڑھے۔

(۳) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے نہیں ہوتے بلکہ کبھی رات چھ مہینے کی ہوتی ہے اور کبھی دن چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

حکم الصوم:

جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن رات بہت ہی مختصر ہوتی ہے تو اگر روزہ قابلِ تحمل ہے تو پورے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اور اگر قابلِ تحمل نہیں ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے لئے وقت کافی نہیں ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانا کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے۔

نیز جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں بھی قریبی ممالک کا اعتبار کرتے ہوئے اندازہ لگا کر روزہ رکھے اور افطار کرے۔

عید منانے کا طریقہ:

رمضان اور عید منانے کا طریقہ چاند ہی سے معلوم ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

صوموا لرويته وأفطروا لرويته. (ترمذی شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء لاتتقدموا الشهربصوم)

اور اگر چاند نظر نہیں آتا تو تیس دن کا مہینہ شمار کریں گے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"**فان حالت دونه غيابة فأكملوا ثلثين يوماً**". (ترمذی شریف: ۱/۱۴۸، باب ماجاء ان الصوم لروية الهلال الافطارله)

یہ حکم پہلی دو قسموں کے لئے ہے جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں۔

رہی آخری قسمیں جہاں مسلسل رات یا مسلسل دن ہوتا ہے وہاں اندازہ لگائیں گے۔ اور اندازہ لگانے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چوبیس گھنٹوں کو ایک دن شمار کریں اور مہینہ تیس دن کا شمار کریں۔

(۲) قریب ملک کی پیروی کریں جہاں دن رات معتدل ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل حدیثِ دجال ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"**عن النواس بن سمعان رضي الله عنه قال: ذكر رسول الله ﷺ الدجال فقال: إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم إلى قوله...... قلنا يارسول الله ومالبثه فى الأرض قال: أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم، قلنا يارسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أيكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، أقدروا له قدره**. (مشکوٰۃ شریف: ۲/۴۷۳، باب العلامات بين يدى الساعة وذكر الدجال)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعينية الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما) اعلم أن التقدير له معنيان أحدهما :ماسيأتی تقريره فی مسئلة الدجال والثانی :فيه طريقتان :الأولیٰ: أن يعتبر بأقرب البلاد إليهم كما ذكره الشافعية ...... والثانية :أن ينظر إلی وقت العشاء فی القريبة منها ماذا يكون من ليلهم فبقدر هذه النسبة يفعل فی هؤلاء فإن كان السدس جعلنا لهؤلاء سدسه وقت المغرب وبقية وقت العشاء وإن قصر جداً، وكذا يقدرون فی الصوم ليلهم بأقرب بلد يليهم......(قوله واختاره الكمال)حيث قال :ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء أفتی البقال بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ولايرتاب متأمل فی ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلی الذی جعل علامة علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر لجواز تعدد المعرفات للشیء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدليل علی الشیء لايستلزم انتفائه لجواز دليل آخر وقد وجد وهو ما توالت عليه أخبار الإسراء من فرض الله تعالیٰ الصلوات خمساً بعد أمر الله تعالیٰ أولاً بخمسين ثم استقر الأمر علی الخمس شرعاً عاماً لأهل الآفاق لاتفصيل فيه بين قطر وقطر وما روی أنه ﷺ ذكر الدجال قلنا مالبثه فی الأرض قال :أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر......فقد أوجب أكثر من ثلثمأة عصر قبل صيرورة الظل مثلاً أو مثلين وقس عليه فاستفدنا أن الواجب فی نفس الأمر خمس علی العموم غير أن توزيعها علی تلك الأوقات عند وجودها ولايسقط بعدمها الوجوب ولذا قال ﷺ خمس صلوات كتبهن الله علی العباد....... (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۱۷۵ـ۱۷۶)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تکملة فتح الملهم: ٦/ ٣٧٣ـ٣٨٢ـ واللہ ﷻ اعلم۔

مغربی ممالک میں عشاء اور فجر ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: بعض مغربی ممالک میں مئی سے جولائی تک شفق غروب نہیں ہوتی، وہاں عشاء اور فجر کی نماز

کیسے ادا ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علمائے کرام نے اس کے چار طریقے لکھے ہیں:

(۱) اقرب الایام کا اعتبار کیا جائے یعنی آخری دن جو شفق غروب ہونے کا وقت ہے اس کو عشاء کے وقت کی ابتدا سمجھ لیا جائے۔

(۲) اقرب البلاد کا اعتبار کیا جائے یعنی قریبی جگہ میں جس وقت شفق غروب ہوتی ہے اس کا اعتبار کرلیا جائے۔

(۳) آفتاب غروب ہونے سے لیکر طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا جائے نصفِ اول مغرب وعشاء کے لیے مناسب وقفے کے ساتھ ہوگا، مثلاً مغرب کے سوا گھنٹے کے بعد عشاء اور نصفِ اخیر فجر کے لیے ہوگا، اس حساب سے نصفِ ثانی کی ابتدا سے روزہ شروع ہوگا اور اس میں احتیاط ہے۔

(۴) غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو سات حصوں میں تقسیم کر کے چھ حصے رات کے اور ساتواں حصہ فجر کا ہوگا۔ مولوی محمد عثمان صاحب نے تفسیر الایمان سندھی میں بحوالہ الدرالمختار اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ (۹۸/۲) میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر رات کی صبح صادق تا طلوعِ آفتاب پوری رات کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے حضرت مولانا یعقوب قاسمی صاحب کی کتاب ''صبح صادق وشفق'' مطالعہ فرمائیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

دوبارہ وقت داخل ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھی پھر تیز رفتار فلائٹ میں گیا جہاں پہونچا وہاں پھر جمعہ کا وقت داخل ہوا تو دوبارہ نماز فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے فریضہ ادا ہو چکا، البتہ احتراماً للوقت اور مسلمانوں کی موافقت میں پڑھ لینا چاہئے۔ ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

جواب: احتراماً للوقت وموافقة للمسلمين وہ نماز پڑھے اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی

محمودیہ:۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاوقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال:ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب:مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم.قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:(قوله الظاهر نعم)بحث صاحب النهر حيث قال:ذكر الشافعية ان الوقت يعود......قلت:على ان الشيخ إسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعاً للشافعية بان صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها أداءً وما فى الحديث خصوصية على رضي الله عنه كما يعطيه قوله عليه الصلاة والسلام:إنه كان فى طاعتك وطاعة رسولك.قلت:ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاة المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل.

ردالمحتار ١/ ٣٣٤۔(احسن الفتاوی:٤/ ٦٩).واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبح صادق اور طلوع شمس اور غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار:

سوال: صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے یا زیادہ بعض لوگ ۱۸ درجہ کے قائل ہیں اور بعض ۱۵ کے کونسا قول درست ہے؟

الجواب: ان دونوں اوقات کے مابین فاصلہ کی مقدار اکثر حضرات نے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے اڑتیس منٹ کے درمیان تک بتلائی ہے،البتہ حضرت مفتی رشید صاحبؒ صاحبِ احسن الفتاوی نے ۵۷ منٹ بتلائی ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے۔اور ۱۸ درجے والے قول کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایۃ المفتی میں ہے:

یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا

ہوتا ہے اور ستمبر میں وہ سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے۔ (کفایۃ المفتی:۳/۷۲)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

غروب کے بعد عشاء کا وقت عند الامام ابی حنیفہؒ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہو جاوے اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروب آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہو سکتی ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند:۲/۴۲،۴۶، از مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ).

سو سال پہلے صبح صادق کی تحقیق

آج سے تقریباً سو سال پہلے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء صبح صادق کے بارے میں ایک رسالہ بنام ”حل الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق“ عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست رام پور نے تالیف فرمایا تھا، جس میں وہ صبح صادق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

الغرض زمانہ مابین طلوعِ صبح صادق وطلوعِ آفتاب کا برابر ومساوی ہے زمانہ مابین غروبِ آفتاب وغروبِ شفق کے ان دونوں وقتوں کے برابر ہونے کی وجہ ظاہر، علاوہ وجوباتِ نقلیہ کے یہ ہے کہ جب آفتاب زمین کے نیچے سے طلوع ہونے کے واسطے چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو افق سے ۱۸ درجہ طے کرنے باقی رہ جاتا ہیں تو اس وقت سے ایک روشنی افق میں عرضاً ظاہر ہوتی ہے جس کا نام صبحِ صادق ہے اور یہ روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک آفتاب نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب زمین کی طرف بعد غروب کے جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۸ درجہ تک زمین کی طرف پہونچ جاتا ہے تو وہ سفیدی کہ جو بعد غروبِ آفات کے ہوا کرتی ہے اور اس کا نام شفق ہوتا ہے غائب ہو جاتی ہے۔

یہ ظاہر بات ہے کہ جب طلوع کے وقت ۱۸ درجہ پر اس نے روشنی دیدی تھی تو اسی طرح غروب کے وقت ۱۸ درجہ کے بعد اس کی روشنی زائل بھی ہونی چاہئے، اور اس شفق کے غائب ہونے کے بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی پر آج کل عام طور سے تعامل ہے۔ (حل الدقائق:ص:۳۲)

اسی زمانہ میں منشی محمد اعلی رئیس میرٹھ نے بھی ایک رسالہ بنام ”صبح صادق“ تالیف فرمایا تھا اس میں بھی

صبح صادق کو ۱۸ درجہ آفتاب کے زیر افق ہونے پر لکھا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں کی اکابرِ علماء دیو بند میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحبِ "بذل المجهود" اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، نیز حضرت مولانا حافظ احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیو بند قدس اللہ اسرارھم نے تصدیق فرمائی اور ان پر تقاریظ لکھیں۔

نقشہ

(برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق، از مولانا یعقوب قاسمی ص: ۸۰، ۸۱، جامعہ علوم القرآن جمبوسر)۔

صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل:

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی سورۂ تکویر کی آیتِ کریمہ: ﴿والصبح اذا تنفس﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان تنفس الصبح وضياءه بواسطة قرب الشمس إلى الأفق الشرقي بمقدار معين وهوفي المشهورثمانية عشرجزءً. (روح المعانی: ۳۰/۵۹)

ترجمہ: صبح آفتاب کے مشرقی افق پر مقدار معین سے قریب ہونے پر ظاہر ہونے والی روشنی ہے اور مشہور قول کے مطابق وہ ۱۸ درجہ (ڈگری) ہے۔

یہاں صبح سے مراد صبح صادق ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

في الآية إشارة إلى الفجر الثاني الصادق وهو المنتشر ضوءه معترضا بالأفق.

ربع المجیب میں مرقوم ہے:

وعلى قول أبي حنيفةؒ المعتبرفي الحصتين أن يكون الشمس منحطة(۱۸ درجة) والدائرة لإرتفاع ۱۸ بدرجة النظيرهوالحصة لكل منهما فهما مستويان.(ربع المجيب: ۲۳)

دورِ حاضر کے علمِ فلکیات کے ماہر استاد علامہ محمد بن عبدالوہاب مراکشی زیدعمرہ کی کتاب ''ایضاح القول الحق في مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجروغروب الشفق'' میں مرقوم ہے:

(۱)وقد عرف بالتجربة أن انحطاط الشمس عند أول طلوع الفجر ۱۸ جزءاً. (ص ۱۰)

(۲)وممن قال بالثمانية عشر أبوالحسن عبد الرحمن الصوفي البزاز المتوفى ۳۷۶.

(۳)وممن قال بالثمانية عشرفي الفجروفي الشفق الأستاذ الرئيس أبوعلي الحسن بن عيسى المجاصي فقد قال في رسالته تذكرة أولي الألباب في عمل صفة الإصطرلاب، فصل في تخطيط أوقات الصلاة أما الفجرو الشفق فان خطيهما هومقنطرة ثمانية عشر في كل عرض وفي كل زمان.(ص ۱۴)

(۴)عمل طائفة من المتقدمين من فلكي الإسلام على أن حصتي الفجرو الشفق متساويان وان ابتداء طلوع الفجروانتهاء غروب الشفق يكونان عند انحطاط الشمس عن الافق ۱۸ عشر درجة.(ص ۱۶)

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے مولانا محمد عبدالواسع پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) نے اپنی کتاب میں صبح وشفق کی تفصیلی وضاحت کے بعد تحریر فرمایا ہے: صبح کی ابتداء اور شفق (ابیض) کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے عموداً ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے۔ (معیار الاوقات للصیام والصلوات: ۱۵)

پروفیسر عبداللطیف صاحب کراچی اپنی کتاب میں مفصل بحث کے بعد برصغیر ہندوپاک کے اوقات نماز کے نقشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سالہا سال سے برصغیر پاکستان وہندوستان میں اوقات کے قدیم نقشوں اور جنتریوں کے مطابق جس وقت فجر کی اذان دی جاتی ہے یا جس وقت کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے یا وہ وقت جس کو منتہائے وقت سحری بھی کہتے ہیں، وہ اس مخصوص لمحہ کے اوقات ہیں جب کہ سورج طلوع ہونے سے قبل ۱۸ درجات زیر افق کی حد کو پہونچتا ہے اور اس وقت ماہرین فلکیات کے اعتبار سے صبح صادق کا وقت شروع ہوجاتا ہے......

(ملخص از کتاب ''برطانیہ واعلیٰ عروض البلاء پر صبح صادق وشفق کی تحقیق''،ص ۴۳۔۸۷،مؤلف:حضرت مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوری ناشر: جمبوسرو برطانیہ،ڈیوز بری)

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: آج کل گھنٹے گھڑیاں عام ہیں اوقات بتانے والی جنتریاں اور نقشے اکثر مسجدوں میں موجود ہیں ان کے مطابق نمازوں کے وقت کی پابندی کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے گھڑیاں صحیح رکھنا چاہئیں، ہمارے ملک میں طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ کا وقفہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ کا ہے۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۱۲۶ المجددیۃ)

اس مسئلہ میں ۱۸ درجہ کا قول ہی راجح اور معتمد ہے اور یہی زیادہ مشہور اور تجربہ سے بھی ثابت ہے:

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نیز واضح ہو کہ صبح صادق کا وقت طلوعِ شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شروع نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ سوا ایک گھنٹہ قبل شروع ہوتا ہے۔ کما ہو یعلم من المشاهدة و الریاضی. (فتاویٰ فریدیہ:۱۴۵/۲،باب المواقیت)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے بعض ایام کے بارے میں فرمایا ہوگا ورنہ بعض ایام میں سوا گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوتا ہے۔

ہمارے مشاہدہ کی بناء پر غالباً سوا گھنٹہ وقت فجر کا ہوتا ہے اور اسی طرح مغرب کا۔(فتاویٰ فریدیہ: ۱۵۱/۲،باب المواقیت)

جب سورج یقیناً ڈوب جائے اور اس کے بعد سوا گھنٹہ گذر جائے تو عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے ہمارے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہے۔(فتاویٰ فریدیہ ۱۵۶/۲،باب المواقیت)

منہاج السنن میں ہے:

قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق و طلوع الشمس و كذا بين غروب الشمس و غيوب البياض بتفاوت المواسم و البلاد و المشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن: ۲/ ۱۰،باب مواقيت الصلاة)

جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے تو اس کی ایک بہت بڑی دلیل کتاب ''تسہیل الفلکیات'' (مصنفہ پروفیسر عبداللطیف صاحب) پر جامعہ دارالعلوم وزیرستان (وانا) کے مہتمم صاحب مولانا نور محمد کی تقریظ بھی ہے جس کی فوٹو کاپی بھی موجود ہے اور وہ تقریظ حسبِ ذیل ہے:

مکرمی جناب عبداللطیف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مطلوبہ اوقات کے متعلق پہلے بھی تحقیق ارسال کر چکا ہوں اب پھر گذارش ہے کہ میں نے دارالعلوم وزیرستان وانا کے جید علماء کی حسبِ ذیل کمیٹی مقرر کی انہوں نے مؤرخہ ۱۳ جون ۸۸ء سے ۲۱ جون تک صبح صادق اور غروب کے اوقات چیک کئے اور پھر مجھے دیدئے جب میں نے آپ کے ارسال کردہ اوقات کے ساتھ چیک کیا تو بالکل آپ کے نقشہ کے سو فیصد مطابق تھے حالانکہ میں نے مذکورہ علماء کو آپ صاحب کے نقشے کے اوقات نہیں بتائے تھے، اس لئے آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ وانا کے اوقات کے متعلق آپ کا نقشہ بالکل درست ہے۔

کمیٹی کے علماء کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا عبدالوارث صاحب (۲) مولانا عبدالمجید صاحب

(۳) مولانا اصلاح الدین صاحب (۴) مولانا فرید احمد صاحب

والسلام

نور محمد مہتمم دارالعلوم وزیرستان وانا وخطیب مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

اس تقریظ میں یہ بات واضح ہے کہ جناب عبداللطیف صاحب کا نقشہ بالکل صحیح ہے اور یاد رہے کہ ان کا نقشہ ۱۸ درجہ کے مطابق ہے۔

اس موضوع سے متعلق برطانیہ میں منعقد اجلاس، اور اس سے متعلق حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ برطانیہ میں صبح صادق، رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہتا ہے ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں اور ہر ایک اپنی رائے پر مصر ہے، ۱۴۰۳ھ میں جب حضرت مفتی محمود صاحب وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا، آپ نے علماءِ کرام کے دلائل وشواہد کا مطالعہ فرما کر تحریر فرمایا، خلاصہ اس کا یہ ہے:

علاقہ برطانیہ میں صبح صادق، شفقِ بیاض منتشر کا مسئلہ دیر سے چھڑا ہوا ہے، وقت مغرب وعشاء، وقتِ فجر

منتہائے سحر، ابتداءِ صوم کا اس سے خاص تعلق ہے، بندہ ناکارہ علماء کی تحریرات سے مشرف ہوا مگر بصد ندامت اعتراف کرتا ہے کہ مطالعہ کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ احقر محمود غفرلہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ۔

مگراس کے بعد تمام علمائے کرام غور وفکر کے بعد اقرب الایام والی تجویز پر متفق ہوگئے اور سب نے اس تجویز کو قبول کرلیا، حضرت مفتی صاحب نے اس پر دستخط فرمادئے اور اپنی سابقہ تحریر واپس لے لی۔

متفقہ فیصلہ:

آج ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ جمعیۃ العلماء برطانیہ کے زیر اہتمام بریڈفورڈ میں علماء کا ایک اجلاس زیر پرستی حضرت مفتی محمود صاحب منعقد ہوا جس میں برطانیہ میں صبح صادق کے بارے میں طویل غور وفکر کے بعد شریکِ اجلاس علماء نے حسبِ ذیل متفقہ فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے برطانیہ میں جو نوٹیکل ٹورولایٹ ۱۲ درجہ (ڈگری) صبح صادق قرار دیا تھا وہ قطعاً غلط تھا۔

اور برطانیہ میں جن دنوں صبح صادق کا تحقق ہوتا ہے یعنی آفتابِ افق سے ۱۸ درجے نیچے جاتا ہے اس کو اصطلاح میں سٹرونومیکل ٹولائٹ کہا جاتا ہے، ان دنوں میں اسی وقت صبح صادق قرار دی جائے گی کیونکہ یہی وقت دراصل صبح صادق کا صحیح وقت ہے، البتہ جن دنوں برطانیہ کے مختلف عرض البلد پر مختلف ایام میں آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے نہیں جاتا، ان دنوں میں صبح صادق کے بارے میں یہی طے کرالیا گیا کہ اپنی جگہ کے عرض البلد پر آخری تاریخ میں جو صبح صادق کا وقت تھا، اسی کے مطابق اتنے ہی بجے بقیہ دنوں میں بھی صبح صادق کی ابتداء واختتامِ سحر مقرر کی جائے۔ العبد شبیر احمد عفی عنہ۔

حضرت والا نے اس فیصلہ کی تحسین فرمائی اور علماءِ کرام کو مبارک باد دی اور اپنی سابقہ تحریر واپس منگوائی۔

حضرت والاؒ کی بھیجی ہوئی تحریر:

۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ کو صبح صادق، بیاض منتشر منتہائے سحر سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جمعیۃ علماء برطانیہ کی مجلس ہوئی، اس میں احقر بھی شامل تھا، اس سے قبل علمائے کرام کی متعدد تحریرات کا اس مسئلہ پر احقر مطالعہ کرچکا تھا مگر کسی رائے کو ترجیح دینا دشوار ہے... مگر پھر علماء کرام نے گفتگو کرکے ایک رائے پر اتفاق کرلیا اور کسی نے اس کو باطل نہیں کیا تو پھر احقر نے بھی اس پر دستخط کر لئے اور اپنی تحریر واپس منگالی جو احقر کو موصول ہوگئی۔ (ملخص از حیاتِ محمود: ص ۲۰۱۔۲۰۵)۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

دائمی اوقاتِ نماز برائے ضلع اعظم گڑھ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
ا،جنوری	۵:۱۷	۶:۴۳	۱:۲۶	۵:۱۹	۷:۴۱	۱:۲۲
ا،فروری	۵:۱۹	۶:۴۱	۱:۲۲	۵:۴۲	۷:۰۱	۱:۱۹
ا،مارچ	۵:۰۱	۶:۲۱	۱:۲۰	۶:۰۰	۷:۱۷	۱:۱۷
ا،اپریل	۴:۳۰	۵:۵۰	۱:۲۰	۶:۱۴	۷:۳۱	۱:۱۷
ا،مئی	۳:۵۶	۵:۲۳	۱:۲۷	۶:۲۸	۷:۵۰	۱:۲۲
ا،جون	۳:۳۶	۵:۰۸	۱:۳۲	۶:۴۳	۸:۱۳	۱:۳۰
ا،جولائی	۳:۳۶	۵:۱۱	۱:۳۵	۶:۵۲	۸:۲۲	۱:۳۰
ا،اگست	۳:۵۶	۵:۲۵	۱:۲۹	۶:۴۳	۸:۰۹	۱:۲۶
ا،ستمبر	۴:۱۶	۵:۳۹	۱:۲۳	۶:۱۷	۸:۳۸	۱:۲۱
ا،اکتوبر	۴:۲۹	۵:۵۰	۱:۲۱	۵:۴۶	۷:۰۱	۱:۱۵
ا،نومبر	۴:۴۲	۶:۰۵	۱:۲۳	۵:۱۸	۶:۳۶	۱:۱۸
ا،دسمبر	۵:۰۰	۶:۲۶	۱:۲۶	۵:۰۷	۶:۲۸	۱:۲۱

(ایک عالمی تاریخ از حضرت مولانا عثمان معروفی ص ۱۶۱-۱۷۲)۔

نقشہ برائے جوہانسبرغ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۳:۵۰	۵:۲۰	۱:۳۰	۷:۰۶	۸؛۳۳	۱:۲۷
۱،فروری	۴:۱۹	۵:۴۳	۱:۲۴	۷:۰۳	۸:۲۴	۱:۲۱
۱،مارچ	۴:۴۳	۶:۰۲	۱:۱۹	۶:۴۲	۷:۵۷	۱:۱۵
۱،اپریل	۵:۰۰	۶:۱۷	۱:۱۷	۶:۱۰	۷:۲۳	۱:۱۳
۱،مئی	۵:۱۳	۶:۳۱	۱:۱۸	۵:۴۲	۶:۵۷	۱:۱۵
۱،جون	۵:۲۶	۶:۴۷	۱:۲۱	۵:۲۷	۶:۴۶	۱:۱۹
۱،جولائی	۵:۳۳	۶:۵۶	۱:۲۳	۵:۳۱	۶:۵۰	۱:۱۹
۱،اگست	۵:۲۷	۶:۴۷	۱:۲۰	۵:۴۵	۷:۰۱	۱:۱۶
۱،ستمبر	۵:۰۴	۶:۲۱	۱:۱۷	۵:۵۹	۷:۱۳	۱:۱۴
۱،اکتوبر	۴:۳۱	۵:۴۸	۱:۱۷	۶:۱۱	۷:۲۵	۱:۱۴
۱،نومبر	۳:۵۷	۵:۱۹	۱:۲۲	۶:۲۸	۷:۴۷	۱:۱۹
۱،دسمبر	۳:۳۹	۵:۰۸	۱:۲۹	۶:۴۹	۸:۱۵	۱:۲۶

نقشہ برائے دمشق شام

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ
ا،جنوری	۰۵:۰۶	۰۶:۳۲	۱:۲۶	۰۴:۴۷	۰۶:۱۱	۱:۲۴
ا،فروری	۰۵:۰۳	۰۶:۲۶	۱:۲۳	۰۵:۱۴	۰۶:۳۴	۱:۲۰
ا،مارچ	۰۴:۴۱	۰۶:۰۱	۱:۲۰	۰۵:۳۷	۰۶:۵۳	۱:۱۶
ا،اپریل	۰۴:۰۲	۰۵:۲۳	۱:۲۱	۰۵:۵۶	۰۷:۱۵	۱:۱۹
ا،مئی	۰۴:۲۴	۰۵:۵۲	۱:۲۸	۰۷:۱۶	۰۸:۳۹	۱:۲۳
ا،جون	۰۳:۵۷	۰۵:۳۳	۱:۳۶	۰۷:۳۵	۰۹:۰۸	۱:۳۳
ا،جولائی	۰۳:۵۹	۰۵:۳۶	۱:۳۷	۰۷:۴۳	۰۹:۱۸	۱:۳۵
ا،اگست	۰۴:۲۳	۰۵:۵۳	۱:۳۰	۰۷:۳۳	۰۸:۵۹	۱:۲۶
ا،ستمبر	۰۴:۴۹	۰۶:۱۲	۱:۲۳	۰۷:۰۲	۰۸:۲۲	۱:۲۰
ا،اکتوبر	۰۵:۰۸	۰۶:۲۸	۱:۲۰	۰۶:۲۴	۰۷:۴۰	۱:۱۶
ا،نومبر	۰۴:۲۸	۰۵:۴۹	۱:۲۱	۰۴:۵۰	۰۶:۰۹	۱:۱۹
ا،دسمبر	۰۴:۴۹	۰۶:۱۴	۱:۲۵	۰۴:۳۶	۰۵:۵۸	۱:۲۲

احادیث سے استیناس

طلوعِ فجر طلوعِ شمس کے درمیان وقفہ کی مقدار ۷۵ منٹ سے زیادہ ہے حدیثِ پاک میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سنت ادا فرمانے کے بعد کچھ استراحت فرماتے تھے،اس کے بعد نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جاتے ،قراءتِ فجر میں قدرے طول ہوتا،اس کے باوجود وقت میں اتنی گنجائش ہوتی تھی کہ نئے وضو سے دوبارہ نمازِ فجر اطمینان سے ادا کر سکے،نیز بعض روایات میں غلس کا لفظ آتا ہے یعنی اندھیرا

ہوتا تھا، جملہ امور سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ۵۷ منٹ سے زیادہ وقت رہتا تھا۔

عن أنس رضی اللہ عنہ أن زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ حدثه أنهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا إلى الصلاة قلت: كم بينهما قال: قدر خمسين أو ستين يعني آية. (بخاری شریف: ۸۱/۱ باب وقت الفجر).

عن عروة بن الزبير أن عائشة رضی اللہ عنہا أخبرته قالت: كن نساء المومنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلاة لايعرفهن أحد من الغلس. (بخاری شریف: ۸۲/۱، باب وقت الفجر).

قالت أم سلمة رضی اللہ عنہا قرأ النبي صلى الله عليه وسلم بالطور. (بخاری شریف: ۱۰۶، باب القراءة فی الفجر).

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن. (رواه البخاری: ۱۵۵/۱، باب الضجعة علی الشق الایمن بعد رکعتی الفجر).

عن عبد الله بن الحارث بن جزء الزبيدي قال: صلى بنا أبوبكر صلاة الصبح فقرأ سورة البقرة في الركعتين جميعاً. (شرح معانی الاثار: ۱۳۴/۱، ط: فیصل).

وعن عبد الله بن عامر بن ربيعة يقول: صلينا وراء عمر بن الخطاب صلاة الصبح فقرأ فيها بسورة يوسف وسورة الحج قراءة بطيئة فقلت: والله إذاً لقد كان يقوم حين يطلع الفجر قال: أجل. (شرح معانی الاثار: ۱۳۳/۱، ط: فیصل).

نوٹ: جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے۔ تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳۴/۳)

امداد الاحکام میں ہے:

صبح صادق طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے۔ (امداد الاحکام: ۴۰۱/۱، دار العلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم:

سوال: کیا فجر صادق کے طلوع یا شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ مسلمان بھی نہیں۔

الجواب: غیر مسلموں کی تحقیق خالص دین کی باتوں میں قبول نہیں جیسے پانی پاک ہے یا ناپاک ہے یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات بتلادیں جس پر دینی بات مرتب ہو تو ان کی وہ بات معتبر ہے بشرطیکہ دل اسکی صداقت کی گواہی دے، مثلاً یہ کہہ دیں کہ میں نے یہ کھانا فلاں مسلمان سے خریدا ہے تو ظاہر بات ہے کہ مسلمان سے خریدنے کے بعد اس پر حلال ہونے کا حکم مرتب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ویقبل قول کافرولومجوسیاً قال: اشتریت اللحم من کتابی فیحل أوقال: اشتریته من مجوسی فیحرم ولایرده بقول الواحد وأصله أن خبرالکافرمقبول بالإجماع فی المعاملات لافی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنزویقبل قول الکافرفی الحل والحرمة یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لامطلق الحل والحرمة. (الدرالمختارمع الشامی:٦/٣٤٤،٣٤٥، کتاب الحظر والإباحة،سعید)

طحطاوی میں ہے:

وإذا صح قول الواحد فی أخبارالمعاملات عدلاً کان أوغیرعدل فلابد فی ذلک من تغلیب رأیه فیه أن خبره صادق فإن غلب علی رأیه ذلک عمل علیه وإلا لا. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:٤/١٧٤، کتاب الحظر والإباحة، کوئٹة)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ اگر ان کی تحقیق پر ظنِ غالب ہو کہ صحیح ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایقبل قول الکافرفی الدیانات إلا إذاکان قبول قول الکافرفی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذٍ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة هکذا فی التبیین، من أرسل أجیراً له مجوسیاً أوخادماً فاشتری لحماً فقال: اشتریته من یهودی أونصرانی أومسلم وسعه أکله وإن کان غیرذلک لم یسعه أن یأکل منه معناه إذا کان ذبیحة غیرالکتابی والمسلم لأنه لما قبل قوله فی الحل أولیٰ أن یقبل فی الحرمة کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة:٥/٣٠٨، کتاب الکراهیة:الباب الأول فی العمل بخبرالواحد)

صورتِ مسئولہ میں بھی غیر مسلم نے صبح صادق اور شفق کے غروب کی بات بتلادی جو براہِ راست دین کی

بات نہیں بلکہ آسمان کے افق کی تحقیق ہے پھر اس پر نماز کا وقت ہونا یا نہ ہونا روزہ کی ابتداء کا ہونا نہ ہونا مرتّب ہوگا ،لہذا صبح صادق اور شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق معتبر ہے، نیز یہ تحقیق صرف غیر مسلموں کی نہیں بلکہ مسلمان ماہرِ فلکیات کی تحقیق بھی یہی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے:

سوال: ہمارے یہاں عصر کی نماز پانچ بجے ہوتی ہے اور آج کل غروب تقریباً ۵:۲۵ پر ہے اور کافی مسبوق ہوتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ وقت صحیح ہے یا مکروہ یا اس سے جلدی نماز پڑھنا چاہئے تاکہ مکروہ سے بچے؟

الجواب: تاخیر عصر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے درست نہیں ہے اور عام طور پر غروب سے ایک گھنٹہ قبل پڑھنا وقت مکروہ سے بہت پہلے ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں۔وقت مکروہ اس کے بہت بعد شروع ہوتا ہے البتہ صورت مسئولہ میں ۵ بجے شروع کرنا اور تقریباً ۵ بجکر ۱۰ منٹ پر ختم کرنا کراہت کے قریب ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتأخیر عصر صیفاً وشتاءً توسعةً للنوافل مالم یتغیر ذکاء بأن لاتحار العین فیها فی الأصح.قوله فی الأصح صححه فی الهدایه وغیرها وفی الظهیریه:إن أمکنه إطالة النظر فقد تغیرت وعلیه الفتوی وفیها:وینبغي أن لایؤخرتأخیراً لایمکن المسبوق قضاء مافاته. وقیل حد التغیرأن یبقی للغروب أقل من رمح وقیل أن یتغیرالشعاع علی الحیطان کما فی الجوهرة، ابن عبد الرزاق. (الدر المختار مع الشامی:۱/۳۶۷،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویستحب تأخیرالعصرفی کل زمان مالم تتغیرالشمس والعبرة لتغیرالقرص لا لتغیرالضوء فمتی صارالقرص بحیث لاتحارفیه العین فقد تغیروإلا لا کذا فی الکافی . وهوالصحیح کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة:۱/۵۲۔وکذا فی شرح المنیة:ص۲۳۳،سهیل)۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

زوال اور فیئ الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:

سوال: دائرہ ہندیہ کیا چیز ہے اور کیا کام آتا ہے؟

الجواب: دائرہ ہندیہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو:

نقشۂ دائرۂ ہندیہ:

یہ دائرہ ہندیہ کا نقشہ ہے جو زوال اور فیئ الزوال معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

وللظهر من زوالها إلى بلوغ ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال. لابد ههنا من معرفة وقت الزوال. وطريقه ان تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعاً وبعضها منخفضاً اما بصب الماء أوببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية، وينصب في مركزها مقياس قائم بان يكون بعد رأسه عن ثلث نقط من محيط

نقطة الشمال

مدخل ا

قوس

مخرج الظل

نقطة المغرب

هذا خط نصف النهار

نقطة المشرق

قطر الدائرة

مركز

نقطة الجنوب
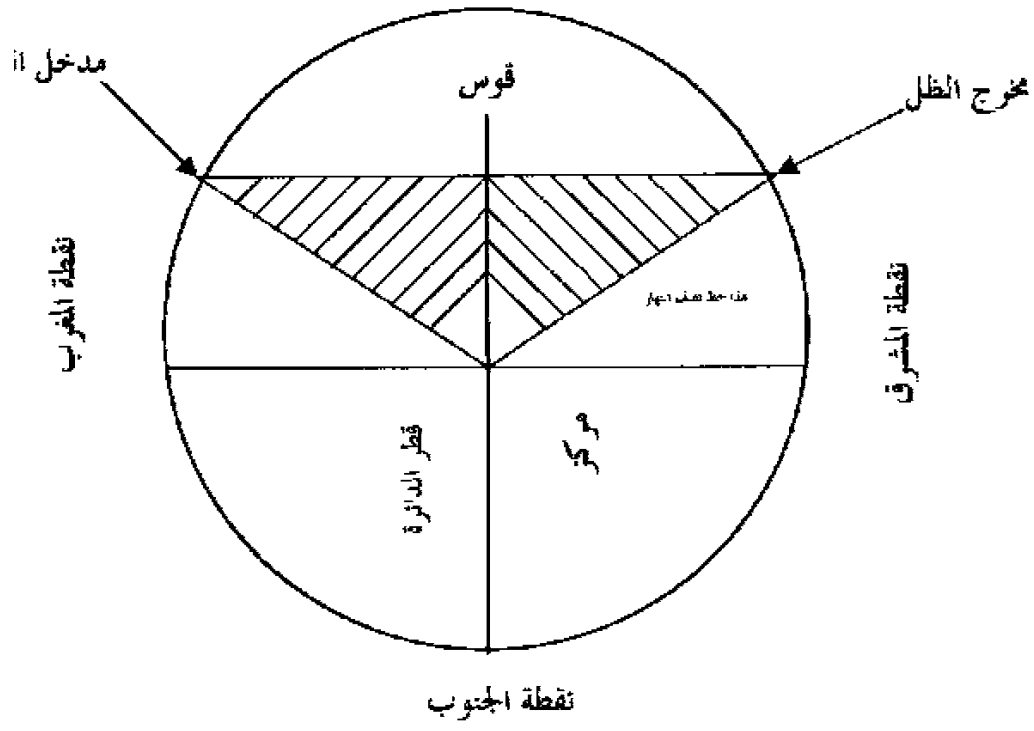
الدائرة متساوياً و لتكن قائمته بمقدار ربع قطر الدائرة فرأس ظله فی أوائل النهار خارج الدائرة لكن الظل ينقص إلى أن يدخل فی الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة ، و لا شک أن الظل ينقص إلى حد ما ثم يزيد إلى أن ينتهي إلى محيط الدائرة ثم يخرج منها ، و ذلک بعد نصف النهار فتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التی هی مابين مدخل الظل و مخرجه و ترسم خطاً مستقيماً من منتصف القوس إلى مركز الدائرة مخرجاً إلى الطرف الآخر من المحيط ، فهذا الخط هو خط نصف النهار ، فإذا كان ظل المقياس على هذا الخط فهو نصف النهار ، و الظل الذی فی هذا الوقت هو فیء الزوال ، فإذا زال الظل من هذا الخط فهو وقت الزوال ، فذلک أول وقت الظهر . (شرح الوقاية مع الحاشية: ۱/ ۱۲۸ ـ و حاشية المختصر القدوری: ۲۶:ط سعید)

ترجمہ: اور وقتِ ظہر کی ابتداء زوال سے ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہونے تک سایۂ اصلی کو چھوڑ کر، یہاں وقتِ زوال کو بھی جاننا ضروری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین ہموار کردی جائے اس طور پر کہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے اونچا نیچا نہ رہے یا پانی بہا کر ٹھیک کردی جائے یا سائنسدانوں کے اوزار کے ذریعہ سے، پھر اس ہموار زمین پر ایک دائرہ یعنی گول حلقہ بنالے ، اور اس دائرہ کو دائرۂ ہندیہ سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر مرکزِ دائرہ میں مقیاس (لکڑی یا تار) عموداً اس طور پر گاڑ دیں کہ اس کے سرے کی دوری ہر طرف سے برابر ہو (یعنی مقیاس اور زمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہوجائے ۔ اگر مقیاس ترچھا ہو تو یہ عمل صحیح نہیں، پیمانۂ پیمائش یا دھاگے کے ذریعہ یہ معلوم کرلیں کہ مقیاس کا سرا شمالاً وجنوباً ، شرقاً وغرباً دائرے سے برابر فاصلہ پر ہے یا نہیں ۔ اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے ورنہ ترچھا ہے) نیز مقیاس دائرے کے چوتھائی حصہ کے برابر ہو (یعنی اگر پورا دائرہ چار ہاتھ ہو تو مقیاس ایک ہاتھ کے بقدر ہو) پس اس مقیاس کے سایہ کا سرہ دن کے ابتدائی حصہ میں دائرۂ ہندیہ سے خارج ہوگا لیکن سایہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مقیاس کا سایہ مغرب کی جانب سے دائرہ میں داخل ہوجائے گا پس اس جگہ ایک علامت لگادی جائے ۔ (یہ نصف النہار سے پہلے ہوگا) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ برابر کم ہوگا ایک حد تک، پھر جانبِ مشرق میں بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ محیط دائرہ تک پہنچ کر دائرہ سے باہر نکل جائے گا، اور یہ نصف النہار کے بعد ہوگا، پس نکلنے کی جگہ پر بھی علامت لگادی جائے ، پھر مدخل الظل اور مخرج الظل کے درمیان قوس کے دو حصے کردئے جائیں اور نصفِ قوس سے ایک

سیدھا خط کھینچا جائے، یہ خط مرکز سے گذرتا ہوا محیط دائرہ پر منتہی ہوگا پس یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے اور جب مقیاس کا سایہ خط نصف النہار پر ہوگا وہ نصف النہار ہے، (یعنی استواء شمس) اور جو سایہ اس وقت ہوگا وہ سایۂ اصلی ہے، اور جیسے ہی سایہ اس خط نصف النہار سے جانبِ مشرق میں رخ کرے گا وہ زوال کہلائے گا پس اسی سے وقتِ ظہر کی ابتداء ہوگی۔ (عملی طریقہ نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں)

قواعد الفقہ میں ہے:

الدائرة الهندية لمعرفة فيء الزوال في كل بلدة صفتها في شرح الوقاية فليراجع. (قواعد الفقه:ص۲۸۷)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله واستواء) وفی القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ "أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس" قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذا لأن النهي عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم ......وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس ولايخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلافصل، وفي هذا القدر من الزمان لايمكن أداء الصلاة فيه، فلعل المراد أنه لاتجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان...... (شامی:۱/۳۷۱،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔علامہ برجندیؒ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں اس لئے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہوسکتی تو اس سے نہی صحیح نہیں، اس بناپر بعض حضرات نے نصف النہار شرعی سے لیکر نصف النہار حقیقی تک پورے وقت کو نماز کے لئے مکروہ قرار دیا ہے ،جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں اشکال مذکور کے متعدد جواب ہوسکتے ہیں:

(۱)اگر چہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہوسکتی مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جزء بھی اس وقت میں واقع نہ ہو یہ جواب خود علامہ برجندیؒ نے بھی دیا ہے(رد المحتار ۱/۳۴۴)

(۲)مرکزِ شمس کے بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے۔کما فی حدیث عبد اللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ ثم إذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها. (مؤطامالکؒ:ص ۲۰۱) دائرہ نصف النہار سے محیط شمس کا ایک کنارہ گذرنے سے لیکر دوسرا کنارہ گذرنے تک بروئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صرف ہوتے ہیں، اتنے وقت میں نماز متصور ہوسکتی ہے۔

(۳)احکام شرعیہ کا مدار حسابات ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ پر ہے اور مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے،لہذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ویؤید ما نقله ابن عابدینؒ عن الطحطاویؒ فی تفسیر قول شارح التنویر (ووقت الظهر من زواله أی میل ذکاء عن کبد السماء)أی وسطها بحسب مایظهر لنا (رد المحتار:۱/۳۳۲) تعلیل کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، نماز کی طرح عبادت شمس بھی آنِ واحد میں تو متصور نہیں ہوسکتی ،ظاہر ہے کہ عبدۃ الشمس استواء بحسب مشاہدہ ہی کو وقت عبادت قرار دیتے ہوں گے۔فقط واللہ اعلم (احسن الفتاوی:۲/۱۳۷)

مزید ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲/۱۰۵،اوقاتِ نماز۔فتاوی محمودیہ:۵/۳۸۳،باب المواقیت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اوقاتِ ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ:

سوال: ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء میں فقہائے احناف کا کیا اختلاف ہے؟ اور ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی کیا واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وقتِ ظہر کی انتہاء کے بارے میں امام صاحبؒ سے مختلف روایات مروی ہیں، مشہور روایت کے مطابق مثلین تک ظہر کا وقت ہے اور مثلین کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور صاحبینؒ وغیرہ کے نزدیک مثل اول ظہر کا وقت ہے اور مثل ثانی عصر کا وقت ہے، لیکن مسلک احناف میں احوط طریقہ یہ ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھ لے، اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھے تا کہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی تو نماز صحیح ہے واجب الاعادہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهم وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاويؒ وبه نأخذ وفي غرر الأذكار وهو المأخوذ به وفي البرهان وهو الأظهر لبيان جبرئيل عليه السلام وهو نص في الباب وفي الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. وفي الشامي: (قوله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاويؒ وبقولهما نأخذ لايدل على أنه المذهب، وما في الفيض من أنه يفتى بقولهما في العصر والعشاء مسلم في العشاء فقط على مافيه وتمامه في البحر. (وقوله وعنه) أي عن الإمام أبي حنيفةؒ وفي رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلابالمثلين ذكرهما الزيلعي وغيره وعليها فما بين المثل والمثلين وقت مهمل. (قوله وهو نص في الباب) فيه أن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضاً كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية وقد قال في البحر لايعدل عن القول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشايخ بأن الفتوىٰ على قولهما كما هنا. (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أي في كثير من البلاد والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين في وقتهما بالاجماع. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۳۵۹، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۱۷۳۔ وهكذا فی

المبسوط للامام السرخسیؒ:۱/۱۴۲۔وفی شرح منیة المصلی: ص۲۲۷ سهیل۔ والبحرالرائق:۱/۲۴۵۔و فتح القدیر:۱/۲۱۹،دارالفکر۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۱۷۶،قدیمی۔ ومجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر:۱/۶۹۔۷۰۔والفتاوی الهندیة:۱/۵۱)

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلی الظهرتارة فی المثل وهووقتها المختص وتارة فی المثل الثانی وهوالوقت الصالح لها وکذلک صلی العصرتارة بعد المثل الأول وهووقت صالح لها أیضاً وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهایة المثل الثالث وهوالوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بین الصلاتین فی الیومین، وهذا عین مذهبنا،فللّٰه الحمد أولاً وآخراً. (فیض الباری:۲/۹۹،کتاب مواقیت الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قولِ مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔(فتاوی محمودیہ: ۵/۳۳۸،باب المواقیت،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۳۶،باب المواقیت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنے کا حکم:

سوال: مسلکِ احناف کے مطابق عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ مسئلہ حرمین شریفین میں بکثرت پیش آتا ہے۔

الجواب: مسلکِ احناف میں قولِ مختار یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے۔پس عام حالات میں مفتی بہ قول پرعمل کرنا چاہئے احتیاط اسی میں ہے۔البتہ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وقت عصر مثل اول کے بعد شروع ہوجاتا ہے لہذا کوئی معذور ہو یا مسافر ہو یا کسی شافعی المسلک امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔خصوصاً حرمین شریفین میں تو جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھنا چاہئے مسجد اور جماعت کی فضیلت ترک نہیں کرنا چاہئے یہی افضل ہے۔

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلى الظهر تارة فی المثل وهو وقتها المختص وتارة فی المثل الثانی وهو الوقت الصالح لها و كذلك صلى العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أيضاً وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهاية المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بين الصلاتين فی اليومين، وهذا عين مذهبنا، فللّٰه الحمد أولاً وآخراً. (فیض الباری:۲/۹۹، کتاب مواقیت الصلاۃ)

فتح القدیر میں ہے:

اعلم أن الروايات عن أبی حنيفةؒ اختلفت فی آخر وقت الظهر، روى محمدؒ عنه إذا صار ظل كل شیء مثليه سوى فیء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وهو الذی عليه أبوحنيفةؒ، وروى حسن بن زيادؒ عنه إذا صار ظل كل شیء مثله سوى فیء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وبه أخذ أبويوسفؒ ومحمدؒ وزفرؒ والشافعیؒ. (فتح القدیر:۱/۲۱۹، دار الفکر۔ و کذا فی فتاوی اللکنوی:ص۱۹۴۔۱۹۸، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قالوا الاحتياط أن يصلی الظهر قبل صيرورة الظل مثله ويصلی العصر حين يصير مثليه ليكون الصلاتان فی وقتهما بيقين. (الفتاوی الهندیة:۱/۵۱)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگر چہ اس میں جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں با جماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔(فتاوی حقانیہ:۳/۴۲، باب المواقیت۔

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۵/۳۴۱، باب المواقیت۔ جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”المؤذنون أطول الناس أعناقاً یوم القیامة“

(رواہ مسلم)

باب (۲)

اذان اور اقامت کا بیان

باب ۲

اذان اورا قامت کا بیان

اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مدکو دراز کرنے کی مقدار:

سوال: اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مدکو کتنا دراز کرنا چاہئے؟

الجواب: فنِ تجوید کے اعتبار سے اذان کے ان کلمات کو جن پر مدِ اصلی ہے تعظیم واہتمام کی غرض سے ایک الف سے زائد کھینچنا درست ہے۔حضراتِ قراء نے اسبابِ مد میں مدِ تعظیمی کو بھی شمار کیا ہے۔حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے ''مفتاح الکمال'' میں تحریر فرمایا ہے:سببِ مد کی دو قسمیں ہیں:ایک لفظی، دوسری معنوی،معنوی بھی دو ہیں:(۱)نفی میں مبالغہ(۲)تعظیم یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا،اور یہ لفظِ ''اللہ'' میں ہوتا ہے اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر مد کرنا بھی درست بتایا ہے۔(مفتاح الکمال:۶۵،۶۶)
اور ایک قول کے مطابق اس سے زائد بھی کھینچ سکتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: **وإن كان المد فی لام الله فحسن مالم يخرج عن حدها.** (تبيين الحقائق:۱/۱۱٤)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ومد لام الله صواب.** (الفتاوی الهندية:۱/۷۳)

الاذکار میں ہے: **واعلم أن محل المد بعد اللام من الله ولايمد فی غيره.** (الاذكار:ص۴۲)

کشف القناع میں ہے:

ولاتضر زيادة المد على الألف بين اللام والهاء لأنها أی زيادة المد إشباع لأن اللام ممدودة فغايته أنه زاد فی مد اللام ولم يأت بحرف زائد وحذفها أی حذف زيادة المد أولىٰ

لأنه يكره تمطيطه أي التكبير. (كشف القناع: ١/ ٣٣٠)

کتاب الفروع میں ہے:

ولا يضر لو خلل بين اللام والهاء لأنه إشباع وحذفها أولىٰ لأنه يكره تمطيطه والزيادة على التكبير قيل يجوز وقيل يكره. (كتاب الفروع: ١/ ٤٠٩)

فتاوی الرملی میں ہے:

وفي التهذيب ولو مد التكبير بين اللام والهاء في كلمة اللّٰه يجوز. (فتاوى الرملي بهامش الفتاوى الكبرى: ص ١٣١)

وقد جاء في كتاب: تمكين المد للعلامة مكي بن أبي طالب ما هو أوسع من ذلك: فصل: في أن مده لا يضر وأن تقديره بالألفات للتقريب على المبتدئين والتقدير عندنا للمد بالألفات إنما هو تقدير على المبتدئين وليس على الحقيقة لأن المد إنما هو فتح الفم بخروج النفس مع امتداد الصوت وذلك قدر لا يعلمه إلا اللّٰه ولا يدري قدر الزمان الذي كان فيها المد للحرف ولا قدر النفس الذي يخرج مع امتداد الصوت في حيز المد إلا اللّٰه تعالىٰ فمن ادعىٰ قدر المد حقيقة فهو مدعي على الغيب ولا يدعي ذلك من له عقل وتمييز وقد وقع في كتب القراء التقدير بالألف والألفين والثلاثة على التقريب للمتعلمين ألا ترى أنهم حين أرادوا التحقيق للمد ذكروا أنه لا يحكيه إلا المشافهة وقسمه بعضهم على رتب وعلى أربع رتب وبعضهم على ثلاث رتب ولم يقل أحد من القراء والنحويين أن المد يحصر في قدر الألف وقدر الألفين وأنه لا يكون أكثر ولا أقل هذا لم يقله أحد ألا ترى أن أبا إسحاق الزجاج قال: لو مددت صوتك يوماً وليلة لم يكن الألف واحد ألا ترى إلى قول سيبويه في حروف اللين هي حروف المد التي تمد بها الصوت وتلك الحروف الألف والياء والواو وقد ذكر أن الصوت يمد بها ولم يجد مقدار المد. (البلاغ کے ایک فتویٰ کا خلاصہ جو دار العلوم کراچی سے نکلتا ہے)

ماہنامہ المحمود میں مفتی عبد القیوم راجکوٹی صاحب معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ایک فتویٰ چھپا ہے اس میں مذکور ہے:

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ ہووہ یہ ہے کہ اذان میں رفعِ صوت مطلوب و مستحسن ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔مراقی الفلاح میں ہے:

ویستحب ترتیل الأذان ورفع الصوت.ویستحب أن یجعل إصبعیه فی أذنیه لقوله ﷺ لبلال رضی اللہ عنہ اجعل إصبعیک فی أذنیک فإنه أرفع لصوتک. (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی:ص۱۹۷،قدیمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السنة أن یأتی بالأذان والأقامة جهراً رافعاً بهما صوته. (الفتاوی الهندیه:۱/۵۵)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس استحباب پر عمل کرنے کے لئے قصر (جس کی مقدار ایک الف ہے) مفید و مؤثر ہے یا طول (یعنی ایک الف سے زائد کھینچنا جس کی مقدار مذکور ہوئی) ظاہر بات ہے کہ قصر کرتے ہوئے رفعِ صوت والے استحباب پر عمل مشکل نہ سہی مگر تکلف سے خالی نہیں،اس لئے کہ اس صورت میں مؤذن کی آواز کامل طور پر ابھی بلند نہ ہونے پائے گی کہ قصر کی مقدار (ایک الف) پوری ہوجائے گی،جب کہ طول کی صورت میں علی وجہ الاتم رفعِ صوت والے استحباب پر عمل ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ طولِ مذکور استحباب کے لئے مقدمہ ہے جس طرح واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے۔ایسے ہی مستحب کا مقدمہ مستحب نہ سہی کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلماتِ اذان کو کھینچا جاوے۔

بہرحال مسئلہ مختلف فیہ ہے حلت وحرمت کا مسئلہ نہیں اس لئے اس میں تشدد نہیں چاہئے۔جو حضرات نہیں کھینچتے ان کی تغلیط نہ کی جاوے،اور جو حضرات حد میں رہ کر امتداد کرتے ہیں ان کی تردید کرکے روکا نہ جاوے۔

حضرت فقیہ الامتؒ فرماتے ہیں:

میرا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہیں کھینچتا تو اسے نہیں کہتا کہ کھینچو۔(ملفوظاتِ فقیہ الامت:قسط:۶/۲۳)

حالانکہ حضرت فقیہ الامت کا رجحان امتداد کی طرف ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں حدودِ شریعت کا پاس رکھتے ہوئے امرِ تسہیل ملحوظ رکھنا ہی احوط ہے۔

شرحِ عقود رسم المفتی میں ہے:

التاسع:ما إذا کان أحدهما أوفق لأهل الزمان فإن کان أوفق لعرفهم أو أسهل علیهم أولیٰ بالاعتماد علیه. (شرح عقود رسم المفتی: ص۸۹)

نوٹ: ایک الف کی مقدار ہے، بند انگلی کو کھولنے کے بقدر یا کھلی انگلی کو بند کرنے کے بقدر۔(ماہنامہ المحمود: ص۴۰-۴۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر فتحہ پڑھنا چاہئے یا ضمہ یا کسرہ یا ساکن ہونا چاہئے؟

الجواب: اذان میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے لہذا ثانی تکبیر کو ساکن پڑھیں گے اور اول کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے اور اگر ملائے تو فتحہ پڑھنا چاہئے۔ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے،اگر کوئی اشکال کرے کہ ساکن کو کسرہ دینا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے:الساكن إذا حرك حرك بالكسر. تو جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر کی راء کو کسرہ دینا سنت اور طریقہ معروفہ کے خلاف ہے۔نیز کسرہ دینا اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت و کبریائی کے ساتھ مناسب بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويفتح راء أكبر والعوام يضمونها.وفي الشامية:فائدة:في روضة العلماء قال ابن الأنباري:عوام الناس يضمون الراء في أكبر،وكان المبرد يقول:الأذان سمع موقوفاً في مقاطيعه والأصل في أكبرتسكين الراء فحولت حركة ألف اسم الله إلى الراء كما في ''الٓمٓ اللّٰه ''وفي المغني : حركة الراء فتحة وإن وصل بنية الوقف، ثم قيل هي حركة الساكنين ولم يكسر حفظاً لتفخيم الله.

قلت:والحاصل أن التكبيرة الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة، فقيل محركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضمة إعراباً، وقيل ساكنة بلاحركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعي والبدائع وجماعة من الشافعية......ثم رأيت لسيدي عبد الغني رسالة في هذه المسئلة سماها '' تصديق من أخبر بفتح راء الله أكبر''أكثرفيها النقل وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبرالأول أويصلها بالله أكبرالثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف على

أكبر الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح. (الدر المختار مع الشامی:۱/۳۸۶،مطلب فی الکلام علی حدیث "الاذان جزم"،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے،اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے،اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔(احسن الفتاوی:۲/۲۹۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے "اللہ اکبرْ اللہ اکبرْ" یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔دوسرے "اکبر" کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔(فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹،کلمات اذان کا بیان،جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار:

سوال: بعض جگہ اذان کے کلمات میں بہت وقفہ کرتے ہیں جس سے اذان ختم ہونے کا گمان ہوتا ہے حالانکہ ختم نہیں ہوتی شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کلماتِ اذان کے مابین وقفہ قلیلہ جس میں اچھی طرح اذان کا جواب دیا جاسکے سنت ہے اور اس سے زیادہ وقفہ کرنا کہ فاصلہ شمار کیا جائے اور اذان ختم ہونے کا گمان ہوجائے درست نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے اور اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويترسل)أی يتمهل(قوله بسكتة) أی تسع الإجابة. (شامی:۱/۳۸۷،سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

سئل عمن يقف فی خلال الأذان؟ قال:يعيد الأذان قال:هذا إذا كانت الوقفة كثيرة بحيث تعد فاصلة فأما إذا كانت يسيرة مثل التنحنح والسعال فانه لايعيد. (الفتاوی

التاتارخانية:۱/۵۲۳)
نفع المفتی والسائل میں ہے:

وفی القنية "مت" أی مجد الائمة الترجمانی وقف فی الأذان لتنحنح أوسعال لایعید وإن كانت الوقفة كثيرة يعيد. (نفع المفتی والسائل: ص ۷۰،ادارة القرآن)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جاسکے مسنون ہے۔اس سنت کا ترک مکروہ ہے اوراس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔(احسن الفتاوی:۲/۲۸۶۔وفتاوی حقانیہ:۳/۶۴،باب الاذان والاقامۃ)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

اذان میں "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اذان میں "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بوقتِ اذان "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنا ثابت نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے۔کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد مجھ پر درود بھیجو اور پھر دعاء پڑھو۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ درود شریف اذان کے بعد پڑھنا ثابت ہے نہ کہ اذان کے درمیان۔ہاں سامع جواب میں جب یہ کلمہ "أشهد أن محمداً رسول الله" دوہرائے تو ساتھ میں "صلى الله عليه وسلم" پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أنه سمع النبي ﷺ يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علی فإنه من صلى علی واحدة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا الله لی الوسيلة فإنها منزلة فی الجنة لاتنبغی إلا لعبد من عباد الله وأرجوأن أكون أنا هوفمن سأل لی الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (رواه مسلم:۱/۱۶۶)

شامی میں ہے:

ویستحب أن یقال عند سماع الأولی من الشهادة :صلی اللّٰه علیک یارسول اللّٰه ... وذکر ذلک الجراحی وأطال، ثم قال :ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء .

(شامی:۱/۳۹۸)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان میں حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے نہ معمول بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو پھر دعا۔(احسن الفتاوی: ۲/۲۷۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان میں ’’حی علی خیر العمل‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اذان میں ’’حی علی خیر العمل‘‘ کہنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتبِ حدیث میں اذان میں اس کا ذکر نہیں البتہ ابن عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں مگر یہ روایت موقوف ہے نیز وہ تثویب یعنی اعلان پر محمول ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا اس پر عمل نہیں اور یہ روافض کا شعار اور علامت ہے اس لئے ان الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حاتم بن إسماعیل عن جعفرعن أبیه ومسلم بن أبی مریم أن علی بن حسین کان یؤذن فإذا بلغ حی علی الفلاح قال :حی علی خیر العمل ویقول هو الأذان الأول. (رقم الحدیث:۲۲۵۳)

حدثنا أبوخالد عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه کان یقول فی أذانه :الصلاة خیرمن النوم وربما قال :حی علی خیر العمل .(رقم الحدیث:۲۲۵٤)

حدثنا أبوأسامة قال :حدثنا عبید الله عن نافع قال :کان ابن عمر رضی اللہ عنہ ربما زاد فی أذانه :حی علی خیر العمل .(رقم الحدیث:۲۲۵۵)

اس کے تحت شیخ محمد عوامہ نے یہ لکھا ہے:

قول علی زین العابدین هوالأذان الأول یشعربأن هذه الجملة ’’حی علی خیر

العمل"كانت على عهد النبيﷺ فهى فى حكم المرفوع المرسل وأنها نسخت.

والذى فى كتب السنة مما يشهد لرفع هذه الجملة حديث واحد مرفوع:رواه الطبرانى فى الكبير:(١٠٧١)والبيهقى:(٤٢٥/١)ويستفاد من إسناد البيهقى أن أبا الشيخ رواه أيضا،كلهم من طريق يعقوب بن حميد بن كاسب عن عبد الرحمن بن سعد بن عمار عن عبد الله بن محمد بن عمّار، وعمّاروعمرابنى حفص بن عمر بن سعد القرظ،عن آبائهم،عن أجدادهم،عن بلال أنه كان ينادى بالصبح فيقول:حى على خير العمل، فأمره ﷺ أن يجعل مكانها، الصلاة خيرمن النوم وترک حى على خير العمل.

وابن كاسب فيه كلام كثيروشيخه عبد الرحمن،وشيخه عبد الله:ضعيفان، وعمّار بن حفص،وأخوه عمرليسا بشىء عند ابن معين،فالإسناد مسلسل بالضعفاء لهذا قال البيهقى:هذه اللفظة لم تثبت عن النبيﷺ فيما علّم بلالا وأبا محذورة،ونحن نكره الزيادة فيه،وهذا فيه إشارة إلى إعلال آخرللحديث السابق، وهوأنه مخالف للثابت المستفيض من أحاديث بلال وأبى محذورة رضى الله عنهم،إذ لم يرد فى واحد منهاذكر لهذه الجملة، وأريد أنه لم يرد فى أحاديث ابن أم مكتوم ﷺ أيضاًذكرهذه الزيادة،وأما الأثران التاليان عن ابن عمرﷺ:فواضح منهما أنه كان يقول هذه الجملة على سبيل التثويب والحض على القيام لصلاة الفجربدلا من قوله:الصلاة خيرمن النوم على أن فى رواية ابن عجلان عن نافع،اضطرابا عند يحيى القطان.

وفى الأثرالأخيرعليه زيادة ملاحظة ،فلفظه:ربما زاد فى أذانه......ولوكان عند ابن عمرﷺعهد من النبيﷺ فى ذلک لما تركه،لما عهد عنه من التمسک بسنة النبى ﷺ فهو واضح أنها زيادة من عنده للتثويب،لاعلى أنها من ألفاظ الأذان الملتقى عن النبى ﷺ.

(المصنف لإبن أبى شيبة: كتاب الأذان،من كان يقول فى أذانه حى على خيرالعمل: ٣٤٥/٢،المجلس العلمى ـو كذا فى البيهقى:٤٢٥/١، باب ما روى فى حى على خيرالعمل ـ ومجمع الزوائد:٣٣٠/١ ،باب كيف الأذان)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله(من علم)كمنكرالرؤية (أوعمل)كمن يؤذن بحى على خيرالعمل الخ . (حاشية

الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،کتا ب الصلاة،باب فی بیان الأحق بالإمامة)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

پنجگانہ نماز کی اذان میں بجائے ''حی علی الفلاح'' کے ''حی علی خیر العمل'' کہنا جائز نہیں ہے ،تمام احادیثِ صحیحہ میں ''حی علی الصلاة،حی علی الفلاح'' وارد ہے، ملک نازل من السماء کی اذان میں یہ ہی کلمات ہیں ''حی علی خیر العمل'' نہیں اور فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارہ میں اصل ہے۔اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت وقائم رکھا اس پر صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے،خلافِ سنت متوارثہ اور خلافِ اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے ''من شذ شذ فی النار'' حدیث شریف میں وارد ہے،تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے،کسی کا اس میں خلاف نہیں ،بجز روافض کے خذلهم ا لله تعالی فقط. (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۱۸/۲،الباب الثانی فی الأذان)

علامہ کوثریؒ نے مقدماتِ کوثری میں ذکر کیا ہے:

ولفظ خیر العمل فی الأذان یوازن الجهربالبسملة،فیجریان فی مجری واحد حیث صح فیهما الموقوف دون المرفوع الصریح فی التحقیق،وقد روی محمد بن الحسن فی المؤطا عن مالک،عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اللفظ المذکور،کما یروی مثله اللیث عن نافع،وأخرج ابن أبی شیبة والحاکم والبیهقی نحوذلک عن عدة من الصحابة والتابعین،ولاسیما عن علیّ زین العابدین بن الحسین علیهما السلام،فالجمهورأخذوا بالمرفوع فیهما،ومن تمسک بالموقوف یعتبره فی حکم المرفوع فی المسألتین،وأما قول ابن تیمیةؒ فی منهاجه بأن اللفظ المذکوربدعة الروافض وشعارهم،فمن مجازفاته، ویأبی الله أن یکون ابن عمر رضی اللہ عنہ وعلی بن الحسینؒ یبتدعانه،أوأن یوصما برفض،علی أن الرفض کالنصب من أبغض الخلال إلی بیت النبوة. (مقدمات الامام الکوثری:۴۱۲،ثالثا فی الفقه العام والأحکام والاصول)۔(قلناکون حی علی خیرالعمل شعاراً للروافض لایخفی علی الأمة فقول الشیخ الکوثریؒ ممالاتفهم). واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا:

سوال: بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: اذان کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا اور آنکھوں پر رکھنا اور اس فعل کو سنت سمجھنا اور حدیثِ نبوی سے ثابت تصور کرنا اور نہ چومنے والے کولعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا یہ سب غلط ہے اور دین میں تحریف ہے۔اتنی بات درست ہے کہ بعض علماء نے اس عمل کو جائز قرار دیا ہے مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر عبادت اور سنتِ مقصودہ اور آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفی کتاب الفردوس "من قبل ظفری أبهامه عند سماع "أشهد أن محمداً رسول الله"......وذکر ذلک الجراحی وأطال، ثم قال:ولم يصح من المرفوع من كل هذا شيء

.(شامی:۱/۳۹۸،سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے موضوعاتِ کبیر اور تذکرۃ الموضوعات اور الفوئدالمجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ملاعلی قاریؒ مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ "لایصح" (موضوعاتِ کبیر:ص۷۵) یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ محمد طاہرؒ رقمطراز ہیں کہ "ولایصح" (تذکرۃ الموضوعات ص۳۴) یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: **الأحاديث التي رويت في تقبيل الأنامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه ﷺ عن المؤذن في كلمة الشهادة كلها موضوعات**. یعنی مؤذن سے کلمہ شہادت میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔(تیسیر المقال وغیرہ) موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۶۰)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چومنا سنت سمجھ کر صحیح نہیں ہے۔اور چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام اور مطعون کرتے ہیں اس لئے اب اس کو علماء محققین نے متروک کردیا۔(فتاوی دار العلوم دیوبند:۲/۹۰،از مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ)

کفایت المفتی میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔(کفایت المفتی:۳/۵۱)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا:

سوال: اگر کوئی شخص اذان کے وقت انگلیوں کو آنکھوں پر علاج اور تکلیف دور کرنے کے لئے رکھے اس کو سنت نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: کفایت المفتی میں ہے:

تقبیلِ ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں اس لئے اس کو موجبِ ثواب سمجھ کر کرنا بےثبوت بات ہے۔البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا۔مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے جو اس عمل کو کرے ،کرے جو نہ کرے نہ کرے۔

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوئی اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے۔(کفایت المفتی:۳/۵۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوبِ چشم کا مجرب علاج ہے اس کو سنتِ ہدی سمجھ کر بطورِ عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے اس لئے ترک لازم ہے۔ہاں اگر کوئی آشوبِ چشم کے علاج کی غرض سے اس طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت وثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔(فتاوی محمودیہ:۳/۱۶۰،باب البدعات والرسوم، جامعہ فاروقیہ)

تقبیلِ ابہامین سے متعلق روایات کی تفصیل المقاصد الحسنہ میں ص:۳۸۴ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد کی دعا میں ”والدرجة الرفيعة“ پڑھنے کا حکم:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں ”والدرجة الرفيعة“ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی کے ہندستانی نسخہ میں موجود ہے اور غیر ہندستانی نسخوں میں نہیں ہے تو کیا ان لفظوں کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بعض نسخوں میں یہ اضافہ مرقوم ہے مثلاً ہندستانی نسخہ اور دیگر بعض میں نہیں ہے مثلاً آرام باغ کراچی سے ایک مصری عالم کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، اسی طرح دکتور عبدالرحمٰن کوثر بن محمد عاشق الٰہی کی تحقیق کے ساتھ چھپا ہے اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ (ص:۷۷، دار الأرقم)

نیز شیخ عبدالرحمٰن اس کی ابتداء میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت عندی نسخة مخطوطة حصلت بمساعی سیدی الوالد من مكتبة المولوی خدا الواقعة فی بیته (بهار) الهند، ونسختان طبعتا بدائرة المعارف العثمانية فی حیدرآباد الدكن (الهند)، ونسخة طبعت بدار المعرفة بیروت، ونسخة نشرت من مكتبة التراث الإسلامی بجوار إدارة الأزهر. (ص:۱۰)

حضرت نے کافی سارے نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فرمائی اس کے باوجود یہ زیادتی دستیاب نہیں ہوئی، لہٰذا جو ثابت ہے اس کو پڑھنا چاہئے اور جو ثابت نہیں ہے اس کو نہیں پڑھنا چاہئے، ہاں آخر میں ”إنك لا تخلف الميعاد“ بعض روایات میں ہے لہٰذا اس کا پڑھنا درست ہے۔

مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل میں ہے:

زاد بعضهم فی الحديث المذكور بعد قوله والفضيلة والدرجة الرفيعة، قال الحافظ السخاوی فی المقاصد الحسنة فی الأحاديث المشتهرة على الألسنة: لم أره فی شیء من الروايات، قال: وكان من زادها اغتربما وقع فی بعض نسخ الشفاء فی الحديث المشار إليه لكن مع زيادتها فی هذه النسخة علم عليها كاتبها بما يشير إلى الشك فيها، ولم أرها فی سائر نسخ الشفاء بل عقد لها فی الشفاء فصلا فی معان آخر ولم يذكر فيه حديثاً صريحاً وهو دليل لغلطها انتهى. قلت: يشير إلى قوله: فصل فی تفضيله فی الجنة بالوسيلة والدرجة الرفيعة والكوثر والفضيلة انتهى. وقال الدميری من الشافعية فی شرح المنهاج: وقع فی

الشرح والروضة والمحرر بعد "الفضيلة" زيادة والدرجة الرفيعة ولاوجود لها فی كتب الحديث. (مواهب الجليل: ٢/ ١٠٤)

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى لم أره فی شیء من الروايات. (مرقاة المفاتيح: ٢/ ١٦٣)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال ابن حجر فی شرح المنهاج: وزيادة "والدرجة الرفيعة" وختمه بـ "يا أرحم الراحمين" لاأصل لهما. (الشامی: ١/ ٣٩٨، سعيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأما زياده يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فی كتب الحديث، قلت: وكذلک زيادة وارزقنا شفاعته لم أرها فی حديث، وحكم مثل هذه الزيادة الغير الثابتة قد مرقريبا، وفی المقاصد الحسنة: (ص ١٠): حديث الدرجة الرفيعة المدرج فيها يقال بعد الأذان لم أره فی شیء من الروايات. (اعلاء السنن: ٢/ ١٢٨، ادارة القرآن كراچی)

بذل المجہود میں ہے:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى: لم أره فی شیء من الروايت وزاد البيهقی فی روايته "إنک لاتخلف الميعاد" وأما زيادة يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فی كتب الحديث. (بذل المجهود: ٤/ ٩٤)

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

تنبيه: وقع عند البعض زيادات فی متن هذا الحديث فوجب التنبيه عليها...... الرابعة عند ابن السنی والدرجة الرفيعه وهی مدرجة أيضا من بعض النساخ فقد علمت مما سبق أن الحديث عنده من طريق النسائی وليست عنده ولا عند غيره، وقد صرح الحافظ فی التلخيص: (ص ٧٨) ثم السخاوی فی المقاصد: (ص ٢١٢) انها ليست فی شیء من طرق الحديث. (ارواء الغليل: ١/ ٢٦١، المكتب الاسلامی بيروت)

کفایت المفتی میں ہے:

والدرجة الرفيعه اور **وارزقنا شفاعته يوم القيامة** کا ثبوت نہیں، ہاں آخر میں **انک لاتخلف الميعاد** بیہقی کی روایت میں آیا ہے کذا فی الشامی، پس غیر ثابت الفاظ کو نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی :۳/۶۰)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان ختم ہوئی اور سامع نے ساتھ ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان ختم ہونے کے بعد اگر زیادہ وقت نہیں گذرا تب بھی جواب دینا مستحب ہے۔ اگر زیادہ وقفہ ہو گیا تو جواب نہ دے۔

ملاحظہ ہو بحر میں ہے:

ولم أرحكم ما إذا فرغ المؤذن ولم يتابعه السامع هل يجيب بعد فراغه، وينبغي أنه إن طال الفصل لايجيب وإلايجيب. (البحر الرائق:۱/ ۲۶۰، باب الاذان)

درمختار میں ہے:

ولولم يجبه حتى فرغ لم أره، وينبغي تداركه إن قصر الفصل وفي الشامية: (قوله لم أره) البحث لصاحب البحر، وصرح به ابن حجرؒ في شرح المنهاج حيث قال: فلوسكت حتى فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفىٰ في أصل سنة الإجابة كما هوظاهر.

(الدرالمختار مع الشامي:۱/ ۳۹۸، سعيد كمپني۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص۱۰۹ قديمي)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جنبی اور حائضہ اذان کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جنبی بالاتفاق اذان کا جواب دے سکتا ہے البتہ حائضہ کے بارے میں دو قول ہیں، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک حائضہ اذان کا جواب نہیں دے گی۔

درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً، وقال الحلوانی ندباً،......ولوجنباً لاحائضاً ونفساء......وفی الشامیة : (قوله ولوجنباً) لأن إجابة المؤذن ليست بأذان بحرعن الخلاصة. (قوله لاحائضاً ونفساء) لأنهما ليسا من أهل الإجابة بالفعل فكذا بالقول إمداد: أی بخلاف الجنب فإنه مخاطب بالصلاة ولأن حدثه أخف من الحيض والنفاس لإمكان إزالته سريعاً. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۳۹۶)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔ (فتاوی حقانیہ:۳/۶۸)

مزید ملاحظہ ہو: الفتاوی الهندية: ۱/ ۳۸، والفقه الاسلامی وأدلته: ۱/ ۵۵٤، ومراقی الفلاح: ص ۱۱۰۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم:

سوال: حالتِ جنابت میں اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حالتِ جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے اور اگر ایسی حالت میں اذان دی گئی تو قابلِ اعادہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويكره أذان جنب) لأنه يصير داعياً إلى ما يجيب إليه، وإقامته أولىٰ بالكراهة، وصرح فی الخانية بأنه تجب الطهارة فيه عن أغلظ الحدثين، وظاهر أن الكراهة تحريمية بحر. (قوله ويعاد أذان جنب) ندباً وقيل وجوباً وعلل الوجوب بأنه غيرمعتد به والندب بأنه معتد به إلاأنه ناقص، قال: وهو الأصح كما فی التمرتاشی. (شامی: ۱/ ۳۹۳، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وكره أذان جنب وإقامته باتفاق الروايات والأشبه أن يعاد الأذان ولاتعاد الإقامة.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۵٤)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم:

سوال: اذان میں حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمائے یا صرف سر گھمانا کافی ہے؟

الجواب: صرف سر ہی کو گھمائے سینہ اور قدم کو نہ گھمائے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويلتفت)أي يحول وجهه لاصدره قهستاني ولاقدميه نهر. (شامی:۱/۳۸۷،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا انتهى إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يميناً وشمالاً وقدماه مكانهما...... (الفتاوى الهندية:۱/٥٦)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مساجد میں سیٹیلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم:

سوال: آج کل بعض ممالک میں صرف ایک ہی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور بقیہ مساجد میں اسی اذان کو سیٹیلائٹ (satellite) کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ (telecast) کیا جاتا ہے۔کیا یہ اذان دیگر مسجد کے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اذان صرف اعلان کا نام نہیں بلکہ اذان کے لئے شرائط وآداب ہیں استقبال قبلہ،کانوں میں انگلیاں ڈالنا وغیرہ یہ چیزیں سیٹیلائٹ والی اذان میں نہیں پائی جاتیں۔اگر اذان کا مقصد صرف اعلان واطلاع ہوتی تو پھر منفرد اور سفر میں جب ساتھی جمع ہوں اذان نہیں کہنی چاہئے تھی۔لیکن اذان تو مخصوص کلمات کے کہنے اور کسی مسلمان مؤذن کی زبان سے ادا ہونے کا نام ہے۔جیسے پلاسٹک لڑکی بیوی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اسی طرح اسٹیل کے آلہ کی اذان اصل مؤذن کی اذان کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

البحر الرائق میں ہے:

سن الأذان لصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب ولهذا قال محمدؒ: واجتمع أهل بلد على تركه قاتلناهم عليه وعند أبي يوسفؒ يحبسون ويضربون وهويدل على تأكده لاعلى وجوبه...واختارفي فتح القدير

وجوبه لأن عدم الترک مرة دلیل الوجوب و لا یظهر کونه علی الکفایة و إلا لم یأثم أهل بلد ة بالإجماع علی ترکه إذا قام به غیرهم ولم یضربوا ولم یحبسوا... والظاهر کونه علی الکفایة بمعنی أنه إذا فعل في بلد سقطت المقاتلة عن أهلها لا بمعنی أنه إذا أذن واحد في بلد سقط عن سائر الناس من غیر أهل تلک البلدة إذا لم یحصل إظهار إعلام الدین.

(البحرالرائق:۱/۲۵۵)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویکره أداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر أذان و إقامة کذا فی فتاوی قاضیخان ولا یکره ترکهما لمن یصلی فی المصر إذا وجد فی المحلة ... وإذا لم یؤذن فی تلک المحلة یکره له ترکهما. (الفتاوی الهندیة:۱/۵٤)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دومسجدیں قریب قریب ہیں ایک کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یانہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گنہگار رہوں گے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً: دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے،صرف ایک پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے، جولوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہوں گے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۳۹۹،باب الاذان،جامعہ فاروقیہ)۔

چونکہ یہ مسئلہ آج کل عرب ممالک میں زیادہ پیش آتا ہے اس وجہ سے عرب علماء کے چند جوابات ملاحظہ کیجئے:

فتاوی اللجنة الدائمة میں ہے:

سوال: هل من الواجب الأذان فی جمیع المساجد بمکبرات الصوت فی حیّ واحد مع العلم أن أذان مسجد واحد یسمعه جمیع المسلمین ؟ وهل یکفی الأذان فی مسجد واحد من مساجد الحیّ؟

جواب: الأذان فرض کفایة فإذا أذن مؤذن فی الحیّ وأسمع سکانه أجزأهم،ویشرع لأهل کل مسجد أن یؤذنوا لعموم الأدلة. (اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء:۶/۷۳).

وفي موقع الإسلام سؤال والجواب للشیخ محمد صالح المنجد ...إنه لا یکفي فی الإذان المشروع للصلوات المفروضة أن یؤذن من الشریط المسجل علیه الأذان ، بل

الواجب أن يؤذن المؤذن للصلاة بنفسه ؛ لما ثبت من أمره عليه الصلاة والسلام بالأذان .

(السؤال من الفتاوی ،رقم: ۴۸۹۹۰).

وفي فتاوى اللجنة الدائمة: وقد قرر " مجلس المجمع الفقهي الإسلامي برابطة العالم الإسلامي" الدورة التاسعة ــ في مكة المكرمة ــ من يوم السبت لعام : ١٤٠٦ هـ ما يلي :

إن الاكتفاء بإذاعة الأذان في المساجد عند دخول وقت الصلاة بواسطة آلة التسجيل ، ونحوها ؛ لا يجزئ ، ولا يجوز في أداء هذه العبادة ، ولا يحصل به الأذان المشروع ، وأنه يجب على المسلمين مباشرة الأذان لكل وقت من أوقات الصلوات ، في كل مسجد ، على ما توارثه المسلمون من عهد نبينا ورسولنا محمد صلى الله عليه وسلم إلى الآن ، والله أعلم . (الموقع باشراف الشيخ محمد صالح المنجد حفظه الله). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد میں اذان دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اس لئے کہ فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أوخارج المسجد ولايؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۵۵۔وفی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية: ۱/ ۷۸)

آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر (loud speaker) میں اذان دی جاتی ہے تو کیا مسجد میں محراب کے پاس یا کسی اور جگہ اذان دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (loud speaker) پر اذان دینا درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں اور جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی علت فقط باہر آواز کا نہ پہونچنا ہے اور جب آواز ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے پہنچ جاتی ہے تو یہ علت نہ پائی گئی، نفسِ مسجد سے کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اس مسئلہ کی بہت اچھی تحقیق کی ہے، مفتی صاحب کے کلام کی روشنی میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

اذان کے معنی لغت میں اعلام کے ہے اور اصطلاحِ شرع میں اعلامِ مخصوص کو اذان کہتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

هو لغةً الإعلام، وشرعاً: الإعلام المخصوص. (الدر المختار: ۱/۳۸۳، سعید)

اذان کی مشروعیت کتبِ احادیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقاتِ اذان کی اطلاع ہوجاوے اور مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز ادا کریں، **وهذا ما أخرجه مسلم عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة فيتحيّنون الصلوات وليس ينادى بها أحد فتكلّموا يوماً في ذلك: فقال بعضهم...... إلى آخر الحديث.** (مسلم شریف: ۱/۱٦٤)

وفي السنن الكبرى للبيهقي عن أنس رضی الله عنه قال: ذكروا أن يعلموا وقت الصلاة بشيء فيعرفونه فذكروا أن يضربوا ناقوساً...... الخ. (السنن الكبرى: ۱/ ۳۹۰، بيروت)

وفيه أيضاً عن بعض الأنصار اهتمّ النبي صلى الله عليه وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له أنصب رأيةً...... الخ. (السنن الكبرى: ۱/ ۳۹۰ ـ وسنن أبي داؤد: ۱/ ۷۱)

اذان کے کلمات پر غور کرو تو صرف ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔

ان کلمات کو مسجد سے کسی قسم کی منافات نہیں، اور خارجِ مسجد سے کوئی خاص مناسبت نہیں بلکہ بظاہر تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مساجد کی بناء نماز و ذکر اللہ کے لئے ہے۔

وذلك ما أخرجه مسلم عن أنس رضی الله عنه في قصة الأعرابي...... ثم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن. (مسلم شریف: ۱/۱۳۸)

لیکن چونکہ اذان سے مقصود اعلام اور اطلاع عام ہے، اس لئے بلند جگہ اذان دینا اولیٰ ہوگا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد اور خارجِ مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد، ولايؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولايجهد نفسه كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۵ ـ وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۵۵ ـ ورد المحتار: ۱/۳۸٤)

شامی میں ہے:

قلت: والظاهر أن هذا في مؤذن الحي، أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين فالظاهر أنه لايسن له المكان العالي لعدم الحاجة تأمل. (شامي:۱/۳۸٤،سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره الأذان قاعداً وإن أذن لنفسه قاعداً فلا بأس به. (الفتاوى الهندية:۱/٥٤)

(ان عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ جہاں اعلام اور اطلاعِ عام مقصود نہ ہو وہاں بلند جگہ اذان دینا ضروری نہیں)

شامی میں ہے:

وقال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله ﷺ مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد، وقد رفع له شيء فوق ظهره. (شامي:۱/۳۸۷،سعيد)

والحديث أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى حيث قال: انا محمد بن عمر، ثني محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله ﷺ مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى لابن سعد:۸/٤۲۰ـ ومن نساء بني عدي بن النجار، النوار دار صادر، بيروت)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے امِ زید کے مکان پر جو مسجد سے متصل تھا اذان ہوتی رہی، اور تعمیر مسجد کے بعد مسجد کی چھت پر ہونے لگی اور چھت پر اذان دینے کے لئے اسے کچھ بلند کر دیا گیا۔

اذان کی ابتداء عبداللہ بن زید صحابی رضی اللہ عنہ کے خواب سے ہوئی، چنانچہ اکثر کتب صحاح میں احادیث طویلہ اس مضمون کی موجود ہیں، مثلاً ابوداؤد میں ہے:

فجاء رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله، إني لما رجعت لما رأيت من اهتمامك، رأيت رجلاً كأن عليه ثوبين أخضرين فقام على المسجد فأذن. (أبو داؤد:۱/۷٤)

اس حدیث میں انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے سبز پوش آدمی کو مسجد پر اذان دیتے ہوئے دیکھا۔

وفي سنن ابن ماجة برواية عبد الله بن زيد رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال له: فاخرج مع بلال إلى

المسجد فالقها عليه وليناد بلال فانه أندى صوتاً منك قال: فخرجت مع بلال رضی اللہ عنہ **إلى المسجد فجعلت ألقيها عليه وهوينادى بها**. (ابن ماجة: ٥١)

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو مسجد میں لے جا کر ان کو الفاظِ اذان بتلاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

احادیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان مسجد اور مسجد کی چھت پر ہوئی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت جملہ احکام میں مسجد ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے مسجد میں ہوئی، الغرض چونکہ اطلاع عام کے لئے اس لئے بلند جگہ ہونا انسب ہے خواہ مسجد ہو یا خارجِ مسجد۔

میرے نزدیک تو حضرات فقہاء جو اذان کو مسجد میں مکروہ یا نامناسب فرماتے ہیں، اسکا یہی مطلب ہے کہ اذان میں اعلام تام ہونا چاہئے، مسجد میں اذان دینے سے اعلام کافی نہ ہوگا، لہذا مسجد میں کسی اونچی جگہ یا خارجِ مسجد ہونی چاہئے، چنانچہ ارشادِ فقہاء "يؤذن على المسجد أو خارج المسجد" علی سبیل الترديد ہے "أو" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ "ميـذنة" پر ہونے کی صورت میں خارج المسجد ہونے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ "ميـذنة" جزو مسجد ہے، اس لئے اگر معتکف "ميـذنة" یا مسجد کی چھت پر چڑھ جاوے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی: جلد اول: ۲۷۹ جلد دوم ۱۸۰)

قولہ "اعتکاف باطل نہ ہوگا" ذكره في المبسوط: وصعود المعتكف على المئذنة لايفسد اعتكافه. (المبسوط: ٤/ ٢٠٤)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولوصعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلاخلاف. (بدائع: ٢/ ١١٥، سعيد)

قولہ "مئذنة مسجد کے حکم میں ہے" اس پر بہت سے جزئیات شاہد ہیں، مثلاً محیط میں مذکور ہے:

وإذا صلى في المئذنة مقتدياً بإمام في المسجد تجوز صلاته، وكذا لوصلى على سطح المسجد مقتدياً بإمام في المسجد تجوز صلاته. (المحيط: ٢/ ١٢٠، داراحياء التراث)

مزید ملاحظہ ہو: احسن الفتاوى: ٢/ ٢٩٤، ٢٩٥ ـ واعلاء السنن: ٨/ ٨٦ ـ وفتاوى دار العلوم ديوبند: مكمل و مدلل: ٢/ ١٠٠ ـ وبذل المجهود: ٦/ ٨٥ ـ **واللہ** سبحانہ وتعالی **اعلم**۔

اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم:

سوال: اذان یا اقامت میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فوراً یاد آ گیا تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا وہیں سے اعادہ کرلے، البتہ استیناف افضل ہے۔ اور اگر کچھ دیر بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

درمختار میں ہے:

ولوقدم فيهما مؤخراً أعاد ماقدم فقط. وفي الشامية: (قوله أعاد ما قدم فقط) كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أي ولايستأنف الأذان من أوله. (الدر المختار مع الشامي: ١/٣٨٩، سعيد)

وفي تقريرات الرافعي:

(قول الشارح أعاد ما قدم فقط) أي أجزأه ذلك لكن الاستئناف أفضل، حموي.

(تقريرات الرافعي على هامش الشامي: ١/٤٦، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويرتب بين كلمات الأذان الإقامة كما شرع، وإذا قدم في أذانه وإقامته بعض الكلمات على بعض نحو أن يقول: "أشهد أن محمداً رسول الله" قبل قوله: "أشهد أن لا إله إلا الله" فالأفضل في هنا أن ما سبق على أوانه لايعتد به حتى يعيده في أوانه وموضعه. (الفتاوى الهندية: ١/٥٦، الفصل الثاني في كلمات الاذان والاقامة۔ وكذا في بدائع الصنائع: ١/١٤٩، سعيد)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم وتاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کرکے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۴۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم:

سوال: اگر وقت کا داخل ہونا معلوم ہے تو فاسق کی اذان مکروہ ہوگی یا بلا کراہت جائز ہوگی؟

الجواب: فاسق کو مستقل مؤذن بنانا مکروہ تحریمی ہے، یہ اذان کی اہمیت کم کرانے کے مترادف ہے، ہاں کبھی کبھی اذان دے اور وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نورالایضاح میں ہے:

ویکره اقامة الفاسق و اذانه. (نورالایضاح ص ٦٠)

درمختار میں ہے:

ویکره أذان جنب... وفاسق. وفي الشامي: (قوله ویعاد أذان جنب) زاد القهستاني: والفاجر... وعلل الوجوب بأنه غیر معتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهو الأصح کما في التمرتاشي... وینبغي أن لایصح أذان الفاسق بالنسبة إلی قبول خبره والاعتماد علیه أي لأنه لایقبل قوله في الأمور الدینیة فلم یوجد الإعلام کماذکره الزیلعي وحاصله أنه یصح أذان الفاسق وإن لم یحصل به الإعلام: أي الاعتماد علی قبول قوله علی دخول الوقت...ثم الظاهر أن الإعادة إنما هي في المؤذن الراتب، أما لوحضر جماعة عالمون بدخول الوقت وأذن لهم فاسق أوصبي یعقل لایکره ولایعاد أصلاً لحصول المقصود تأمل. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ١/٣٩٢، ٣٩٣، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویکره أذان الفاسق ولایعاد هکذا في الذخیرة. (الفتاوی الهندیة: ١/٥٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت دیندار آدمی کی موجودگی میں مکروہ ہے، اوراس کو اذان واقامت کا عہدہ دینا جائز نہیں ہے مکروہ تحریمی ہے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے: **ویکره ان یکون المؤذن فاسقاً.** یعنی فاسق کو مؤذن بنانا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۱۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ڈاڑھی منڈانے والے کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۵/۴۳۸، باب الاذان، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے، اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت نہ لوٹائی جائے۔ بحوالہ

شامی۔(احسن الفتاوی:۲/۲۸۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: نومولود کے داہنے کان میں پیدائش کے بعداذان دیتے ہیں اور بائیں کان میں اقامت حدیث اورفقہ کی کتابوں کی روشنی میں یہ سنت ہے یامستحب یاواجب؟اوراس حدیث کا کیادرجہ ہے جس میں داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کاذکر ہے؟بینواتوجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا احادیث اورکتبِ فقہ کی روشنی میں مستحب ہے،یعنی سنتِ غیرمؤکدہ ہے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کادائمی عمل نہ ہونے کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن عبيد الله بن أبي رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن عليؓ حين ولدته فاطمةؓ بالصلاة . (رواه الترمذی،رقم:١٥١٤)، **وقال: هذا حديث حسن صحيح .**

وأخرجه أحمد في "مسنده"(٢٣٨٦٠/٢٩٧/٣٩)، **قال الشيخ شعيب: "إسناده ضعيف لضعف عاصم بن عبيد الله: وهو ابن عاصم بن عمربن الخطاب ، وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .**

...وأخرجه أبوداود (٥١٠٥) **من طريق يحيى وحده ، به.**

وأخرجه عبدالرزاق (٧٩٨٦)، **والطبراني فی"الكبير"**(٩٣١)، **والحاكم** (٤٨٢٧/١٧٩/٣) **والبيهقي فی"السنن"**(٣٠٥/٩)، **وفی"شعب الإيمان"**(٨٦١٨) **من طرق عن سفيان الثورى ، به. قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، فتعقبه الذهبی بقوله : عاصم ضُعِّفَ .**

اقامت کے بارے میں حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم : أذن في أذن الحسن بن علی يوم ولد

فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى . (رواه البيهقي في شعب الايمان،رقم:٨٢٥٥، وقال: في إسناده ضعف).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف فيه الحسن بن عمرو بن سيف السدوسي وهو متروك، واتهمه على ابن المديني والبخاري بالكذب. (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد٢٩٧/٣٩).

[الملاحظة: قد وهم فيه الإمام المزيؒ ، كما نبه عليه الشيخ الدكتور بشارعواد في تعليقه على "تهذيب الكمال". راجع : (٢٨٩،٢٨٨/٦، مع التعليقات).]

عن الحسين بن عليؓ قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى رفعت عنه أم الصبيان. (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم:٨٢٥٤، وقال : في اسناده ضعف).

قال الشيخ شعب في تعليقاته على مسند أحمد (٢٩٨/٣٩): **وآخر أشد هلاكاً من الأول ، عند أبي يعلى** (٦٧٨٠)، **وعنه ابن السني في"عمل اليوم والليلة "**(٦٢٣) **من حديث حسين بن علي... وفي إسناده يحيى بن العلاء و مروان بن سالم ، وهما متهمان بالوضع . وشيخ أبي يعلى فيه جبارة بن مغلس ، وهو ضعيف .**

خلاصہ یہ ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دینے کے بارے میں ابورافع کی روایت ضعیف ہے، لیکن دیگر شواہد کی وجہ سے حسن ہوگی۔

قال بشير محمد عيون في تعليقاته على " تحفة المودود" لابن القيم (ص٢٢): **وهو ضعيف لكن له شواهد يقوى بها .**

البتہ اقامت کے بارے میں ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے ،اورحسین بن علی کی روایت تو انتہائی ضعیف ہے۔ہاں ابن عباسؓ کی روایت فضائل اعمال میں قابل استدلال ہے۔

قال الشيخ شعيب في تعليقاته على مسند أحمد (٢٩٨/٣٩) **:قلنا: ومع ضعف الحديث الوارد في هذه المسألة ، فقد عمل به جمهور الأمة قديماً وحديثاً ، ... وقد أورده أهل العلم في كتبهم وبوبوا عليه واستحبوه .**

قال الحافظ ابن القیم فی "تحفة المودود بأحکام المولود، (ص۲۲،ط:الریاض): **الباب الرابع في استحباب التأذين في أذنه اليمنى والإقامة في أذنه اليسرى .**

وفي شرح السنة: روى أن عمر بن عبدالعزيزؒ كان يؤذن فى اليمنى ويقيم فى اليسرى إذا ولد الصبى. (شرح السنة للامام البغویؒ: ۲۷۳/۱۱،باب الاذان فی اذن المولود،ط:المکتب الاسلامی) .

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله لايسن لغيرها، أى من الصلوات وإلا فيندب للمولود و في حاشية البحر للخير الرملى: رأيت فى كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة كما فى أذان المولود. (رد المحتار: ۳۸۵/۱،سعید).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندى فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن فى أذنه ويقيم فى اليسرى. (التحریرالمختار: ۴۵/۱،سعید).

عمدة الفقہ میں ہے:

کچھ مواقع ایسے ہیں جب میں اذان واقامت یا صرف اذان مستحب ہے(۱) جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا۔(عمدة الفقہ: ۴۰/۲)۔

بہشتی زیور میں ہے:

بچہ پیدا ہونے کے وقت یہ باتیں سنت ہیں کہ اس کو نہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہدی جائے ...(بہشتی زیور،ص۴۶۰)۔

قال السيد السابق فى " فقه السنة"(۳۲۹/۳): **ومن السنة أن يؤذن فى أذن المولود اليمنى ، ويقيم فى الأذن اليسرى ليكون أول ما يطرق سمعه اسم اللّٰه .**

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

السنة أن يؤذن في أذن المولود عند ولادته ذكراً كان أو أنثى...لحديث أبي رافع ... قال جماعة من أصحابنا يستحب أن يؤذن فى أذنه اليمنى ويقيم الصلاة فى أذنه اليسرى ... ونقل أصحابنا مثل هذا الحديث عن فعل عمر بن عبد العزيزؒ. (شرح المهذب: ۴۴۳/۸).

کشاف القناع میں ہے:

وسن أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ذكراً كان أو أنثى حين يولد وأن يقيم فى اليسرى لحديث أبي رافع ...(كشاف القناع،لمنصور بن يونس البهوتى الحنبلى،٢٩/٣،ط:بيروت).

شیخ ابوالجزائری سلفیوں کے پیشوا منہاج المسلم میں لکھتے ہیں:

الأذان والإقامة في أذني المولود : استحب أهل العم إذا وضع المولود أن يؤذن في أذنه اليمنى ، ويقام في أذنه اليسرى ، رجاء أن يحفظه اللّٰه من أم الصبيان وهي تابعة الجان . لما روى : ”من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان“. (منهاج المسلم،ص:٣٢١).[جب کہ یہ حدیث شیخ البانی وغیرہ کے نزدیک موضوع ہے] **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ:

سوال: اگر کوئی شخص نومولود بچہ کے کان میں اذان دے تو اس کے لئے دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: نومولود بچہ کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه يميناً ويساراً فقط......بصلاة وفلاح ولووحده أولمولود لأنه سنة الأذان مطلقاً.وفى الشامية:وفى البحرعن السراج أنه من سنن الأذان......حتى قالوا:فى الذى يؤذن للمولود ينبغي أن يحول. (الدرالمختار مع الشامى:١/ ٣٨٣،سعيد۔وهكذا فى مجمع الانهر: ١/٧٧۔وكذا فى الطحطاوى على الدر:١/١٨٥۔ودررالاحكام:١/٥٥۔والبحرالرائق:١/٢٥٨۔والبناية فى شرح الهداية:١/٥٤١)

امدادالفتاوی میں ہے:

التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔(امداد الفتاوی:١/١٠٨۔واحسن الفتاوی:٢/٢٧٨)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:

سوال: فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ اور بقیہ

نمازوں کے لئے صرف اقامت کافی ہے یا نہیں؟ نیز یہ حکم جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے یا منفرد کے لئے بھی؟

الجواب: پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں سنت ہیں، البتہ بقیہ نمازوں کے لئے اختیار ہے، اور یہ حکم جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے حق میں اور منفرد کے حق میں یکساں ہے، لیکن اگر قضاء نماز مسجد میں ادا کرنا چاہے تو بغیر اذان واقامت کے ادا کرے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی عبیدة بن عبداللّٰہ بن مسعود ﷺ قال: قال عبداللّٰہ ﷺ إن المشرکین شغلوا رسول اللّٰہ ﷺ عن أربع صلوات یوم الخندق، حتی ذهب من اللیل ماشاء فأمربلالاً فأذن ثم أقام، ثم صلی الظهر، ثم أقام فصلی العصر، ثم أقام فصلی المغرب، ثم أقام فصلی العشاء.

(رواه الترمذی: ۱/۴۳، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بایتهن یبدأ)

البحر الرائق میں ہے:

ویؤذن للفائتة ویقیم لأن الأذان سنة للصلاة لا للوقت فإذا فاتته صلاة تقضی بأذان وإقامة لحدیث أبی داؤد وغیره أنه ﷺ أمربلالاً ﷺ بالأذان والإقامة حین ناموا عن الصبح وصلوها بعد ارتفاع الشمس. (البحرالرائق: ۱/۲۶۱، کوئٹه)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن فاتته صلوات أذن للأولی وأقام وکان مخیرفی الباقی إن شاء أذن وأقام وإن شاء اقتصرعلی الإقامة کذا فی الهدایة وإن أذن وأقام لکل صلاة فحسن لیکون القضاء علی سنن الأداء کذا فی الکافی وهکذا فی شرح المبسوط للسرخسی. (الفتاوی الهندیة ۱/۵۵۔ وکذا فی الشامی: ۱/۳۹۰، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

وذکرالشارح الضابط عندنا أن کل فرض أداء کان أوقضاء یؤذن له ویقام سواء أدی منفرداً أوبجماعة. (البحرالرائق: ۱/۲۶۲، کوئٹه)

درمختار میں ہے:

ولافیما یقضی من الفوائت فی مسجد فیما لأن فیه تشویشاً وتغلیطاً. وفی الشامی: أی یظهر أن لوکان الأذان لجماعة، أما إذا کان منفرداً ویؤذن بقدرما یسمع نفسه فلا. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۳۹۱، سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وإذا کانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضی فی المسجد لما فیه من إظهار التکاسل فی إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة فی المسجد أولی بالمنع. (البحرالرائق: ۱/ ۲٦۲، کوئٹه) ۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقت اذان سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ اذان سامعین اذان کا جواب دیں گے، لہذا آپس میں کلام کرنا درست نہیں اور کوئی سلام کرے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

شامی میں ہے:

قال فی المعراج: وفی التحفة وینبغی للسامع أن لایتکلم ولایشتغل بشیء فی حالة الأذان والإقامة ولایرد السلام أیضاً لأن الکل یخل بالنظم، أقول: یظهر من هذا أن قوله لایرد السلام لیس بواجب. (شامی: ۱/ ۳۷۱، سعید۔ وکذا فی البحرالرائق: ۱/ ۲۵۹، کوئٹه)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: سامعینِ اذان کو خواہ وہ اذان کا جواب دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی کو ایسے موقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر سلام کہا ہو تو جو اذان کا جواب دے رہا ہے اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ لأن سماع الذکر کالذکر، کما فی الدر المختار. (امدادالفتاوی: ۱/۱۱۰) ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہوتو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء نے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جا سکتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن النبیﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن. (رواہ البخاری:۱/۸۶)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔(فتاوی رشیدیہ:ص۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور یعنی سلام وجوابِ سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔(عمدۃ الفقہ:۲/۴۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

"الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنے کا حکم:

سوال: اذانِ فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اذانِ فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہاء نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔البتہ علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہو:

قال ابن الملقنؒ فی تخریج أحادیث الرافعی: لم أقف علی أصله فی کتب الحدیث، وقال ابن حجرؒ: لاأصل له. (الجدالحثیث فی بیان مالیس بحدیث: ۱۲۳/۱)

وقال القاریؒ: لاأصل له. (کذافی کشف الخفاء ومزیل الالباس عمااشتهرمن الأحادیث علی ألسنة الناس: ۲۱/۲)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منارالسبیل: ۲۵۹/۱: لاأصل لها.

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو:

شامی میں ہے:

وفی: الصلاة خیرمن النوم فیقول: صدقت وبررت، لورودخبرفیه، ورد بأنه غیرمعروف وأجیب بأن من حفظ حجة علی من لم یحفظ. (الشامی: ۳۹۷/۱، سعید)

وفی تقریرات الرافعی: قال الرحمتی: ویأتی فی هذاماتقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ لأن حدیث قولوا مثل مایقول یشمله ولم یرد حدیث آخرفی "صدقت وبررت" بل نقلوه عن بعض السلفؒ، سندی. (تقریرات الرافعی: ۴۷/۱، سعید)

علامہ شرنبلالیؒ امدادالفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال: صدقت وبررت) مروی ذلک عن بعض السلف کذافی التجنیس والمزید (۳۹۱/۱، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة)۔ (امدادالفتاح: ص ۲۲۱، بیروت).

مذہبِ شافعیہ:

قال النوویؒ فی شرح مسلم فی باب الأذان: إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال: الصلاة خیرمن النوم قال سامعه: صدقت وبررت، هذا تفصیل مذهبنا.

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

ویقول المجیب عندالتثویب: أی قول المؤذن فی أذان الفجر: "الصلاة خیرمن النوم" صدقت وبررت. (کشاف القناع: ۱۷۹/۲۔ وکذافی فقه العبادات الحنبلی: ۱۴۶/۱)

مذہبِ مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

ولایحکی الصلاۃ خیرمن النوم ولایبدلها بقوله: صدقت وبررت. (الشرح الکبیر: ۱/۱۹۷۔ کذافی حاشیة الدسوقی:۲/۲۲٦۔وحاشیة الصاوی:۱/٤٣١)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب: جن دعاؤں کے لئے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں اوران میں خصوصیت سے رفع یدین ثابت نہیں وہ دعائیں اذکار کے حکم میں ہیں ان کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے جیسے اذان کے بعد کی دعا اور کھانے پینے اور بیت الخلاء کی دعائیں۔

ملاحظہ ہو فیض الباری میں ہے:

(باب الدعاء عند النداء) والمسنون فی هذا الدعاء ألا ترفع الأیدی، لأنه لم یثبت عن النبی ﷺ رفعها والتشبث فیه بالعمومات بعد ما ورد فیه خصوص فعله ﷺ لغو، فإنه لم یرد فیه خصوص عادته ﷺ لنفعنا التمسک بها، وما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو الله والدار الآخرة. (فیض الباری:۲/١٦٧،باب الدعاء عند النداء)

احسن الفتاوی میں ہے:

دعا کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدونِ توظیف الفاظ مخصوصہ مطلق کوئی حاجت طلب کرنا (۲) الفاظِ موظفہ خواہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں یا مطلق ہوں، رفعِ یدین کی احادیث قسمِ اول سے متعلق ہیں قسمِ دوم سے متعلق نہیں، الا ماورد فیہ النص، چنانچہ بعد وضو، مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلاء میں دخول وخروج وغیرہ ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفعِ یدین کا قائل نہیں۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۸)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند :۲/۱۱۰،ازمفتی عزیز الرحمن صاحبؒ)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

اقامت کا جواب دینے کا حکم:

سوال: اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اور ''قد قامت الصلاۃ'' کے جواب میں ''أقامها اللّٰه و أدامها'' کہنا چاہئے اور اس سے زائد الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبی أمامة أو بعض أصحاب النبی ﷺ أن بلالاً رضی اللہ عنہ أخذ فی الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبی ﷺ أقامها اللّٰه و أدامها، وقال فی سائر الإقامة كنحو حديث عمر رضی اللہ عنہ فی الأذان. (رواه ابوداؤد: ۱/ ۷۸، باب مايقول اذا سمع الاقامة)

البحر الرائق میں ہے:

وفی فتح القدير أن إجابة الإقامة مستحبة وفی غيره أنه يقول إذا سمع قد قامت الصلاة: أقامها اللّٰه و أدامها. (البحر الرائق: ۱/ ۲۵۹، الماجدية كوئته)

درمختار میں ہے:

ويجيب الإقامة ندباً إجماعاً كالأذان ويقول عند قد قامت الصلاة: أقامها اللّٰه وأدامها. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۴۰۰، سعيد۔ و كذا فی الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۷)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنے کا حکم:

سوال: اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: اقامت کے وقت حی علی الصلوٰۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف منہ پھیرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقاً يميناً ويساراً فقط وفی الشامی: (قوله وكذا فيها مطلقاً) أی فی الأقامة سواء كان المحل متسعاً أو لا. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۸۷، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

رواه الدارقطنی عن بلال رضی اللہ عنہ **قال: أمرنا رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **إذا أذنا أو أقمنا أن لا نزيل أقدامنا عن مواضعنا وأطلق في الالتفات ولم يقيده بالأذان وقدمنا عن القنية أنه يحول في الإقامة.** (البحر الرائق: ۱/۲۵۸، الماجدية کوئتة)

امداد الفتاوی میں ہے:

التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۱۰۸)۔

نیز ملاحظہ ہو: کفایت المفتی: ۳/۴۶۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۸۹، مدلل ومکمل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم:

سوال: حرمین شریفین میں تہجد کے لئے اذان دی جاتی ہے دیگر مما لک میں کیوں نہیں دی جاتی؟

الجواب: اذان صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، تہجد وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ ہاں زمانہ نبوی میں کچھ مصالح کے پیشِ نظر تہجد کے لئے اذان دی جاتی تھی احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً تہجد میں مشغول حضرات کچھ آرام کرلیں، اور آرام کرنے والے کچھ نوافل پڑھلیں، نیز روزہ رکھنے والے سحری کھالیں وغیرہ، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا، لہذا اب یہ اذان منسوخ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن سالم عن أبيه أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم **قال: إن بلالاً** رضی اللہ عنہ **يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمع تأذين ابن أم مكتوم.** (روه الترمذی: ۱/ ۵۰، باب ماجاء فی الاذان بالليل)

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ **عن النبي** صلی اللہ علیہ وسلم **قال: لايمنعن أحدكم أو أحداً منكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أوينادى بليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم.** (رواه البخاری: ۱/ ۸۷/ ۶۱۳، باب الاذان قبل الفجر)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن إبراهيم رحمہ اللہ **قال: شيعنا علقمة** رحمہ اللہ **إلى مكة فخرج بليل فسمع مؤذناً يؤذن بليل فقال: أما**

هـذا فـقـد خالف سنة أصحاب رسول الله ﷺ لـو كـان نـائـماً لكان خيراً فإذا طلع الفجر أذن فـأخبـر عـلـقـمةؒ أن التـأذيـن قبـل الـفـجر خلاف لسنة أصحاب رسول الله ﷺ. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۰۶، باب التأذين للفجر)

البحر الرائق میں ہے:

(قـولـه ولا يـؤذن قبـل وقـت ويـعـاد فيـه) أى فى الوقت إذا أذن قبله لأنه يراد للإعلام بـالـوقـت فـلا يـجـوز قبـلـه بلا خلاف فى غير الفجر وعبر بالكراهة فى فتح القدير و الظاهر أنها تـحـريـمية وأمـا فيـه فـجوزه أبويوسفؒ ومالكؒ والشافعيؒ لحديث الصحيحين أن بلالاً ؓ يـؤذن... وعـنـد أبـى حنيفةؒ ومحمدؒ لا يؤذن فى الفجر قبله لما رواه البيهقى أنه عليه الصلاة والسـلام قـال: يـا بـلال لا تـؤذن حتـى يـطـلـع الفجر قـال فى الامـام رجـال إسنـاده ثقـات. (البحر الرائق: ۱/ ۲۶۲، الماجدية كوئتة)

درمختار میں ہے:

وهـو سـنة مـؤكـدة كـالـواجب فى لحوق الإثم للفرائض الخمس فى وقتها ولو قضاء لا يسـن لـغيـرهـا كـعيـد... وفـى الشـامية: (قوله كعيد) أى وتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لأنها اتباع الفرائض. (الدر المختار مع الشامى: ۱/ ۳۸۵، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

لـو أذن قبـل دخـول الوقت لا يجزئه ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبـى حـنـيـفةؒ ومـحـمدؒ وقد قال أبويوسفؒ أخيراً لا باس بأن يؤذن للفجر فى النصف الأخير من الـلـيـل وهـو قـول الـشـافـعيؒ واحتـجّا بما روى سالم بن عبدالله بن عمر ؓ عـن أبيه ؓ أن بلالاً ؓ كـان يـؤذن بـلـيـل... ولأبـى حنيفةؒ ومحمدؒ ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبى ﷺ قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا ومد يده عرضاً ولأن الأذان شرع لـلإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب وكذا هو من باب الخيانة فى الأمـانة والـمـؤذن مؤتمن على لسان رسول الله ﷺ ولهـذا لـم يجز فى سائر الصلوات ولأن الأذان قبـل الـفـجـر يـؤدى إلى الضرر بالناس لأن ذلك وقت نومهم خصوصاً من تهجد فى

النصف الأول من الليل فربما يلتبس الأمر عليهم وذلك مكروه وروى أن الحسن البصريؒ كان إذا سمع يؤذن قبل طلوع الفجر قال: علوج فراغ لايصلون إلا في الوقت لو أدركهم عمر رضی اللہ عنہ لأدبهم وبلال رضی اللہ عنہ ما كان يؤذن بليل لصلاة الفجر بل لمعان آخر لما روى عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ أنه قال: لايمنعنكم من السحور أذان بلال فإنه يؤذن بليل ليوقظ نائمكم ويرد قائمكم ويتسحر صائمكم فعليكم بأذان ابن أم مكتوم رضی اللہ عنہ وقد كانت الصحابة رضی اللہ عنہم فرقتين فرقة يتهجدون في النصف الأول من الليل وفرقة في النصف الأخير وكان الفاصل أذان بلال رضی اللہ عنہ، والدليل على أن أذان بلال رضی اللہ عنہ كان لهذه المعاني لا لصلاة الفجر أن ابن أم مكتوم رضی اللہ عنہ كان يعيده ثانياً بعد طلوع الفجر. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵٤، سعيد كمپنی).

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے اذان مسنون ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تا کہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں، اور سوئے ہوئے لوگ اُٹھ کر فجر کی تیاری کرلیں، مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی، اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۲۹۱۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۵۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درس کے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک مدرس حدیث یا تفسیر یا فقہ پڑھا رہا ہے، درمیان میں اذان شروع ہوئی کیا مدرس وطلبہ سبق جاری رکھ سکتے ہیں یا سبق روک کر اذان کا جواب دیں گے، اور زبانی جواب دینا مستحب ہے یا سنت یا واجب؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے اس کا احترام لازم اور ضروری ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ تلاوتِ قرآن کے درمیان اذان شروع ہو تو تلاوت موقوف کر کے اجابت باللسان مستحب ہے، ہاں نماز کے وقت اجابت بالقدم واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، البتہ فقہاء نے بعض چیزیں ان کی اہمیت کی وجہ سے مستثنیٰ فرمائی ہیں، مثلاً: علمِ شرعی کی تعلیم وتعلم کے وقت اذان شروع ہوجائے تو اس کو جاری رکھنے کی اجازت

ہے۔ہاں درس ختم ہونے بعد زیادہ تاخیر نہ ہوئی ہوتو جواب دینا چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولوجنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه . وفی الشامية :قوله ''وقال الحلوانی ندباً '' أی قال الحلوانی : إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هي الإجابة بالقدم...قوله'' وتعليم علم''أی شرعی فيما يظهر، ولذا عبرفی الجوهرة بقراء ة الفقه . قوله'' بخلاف قرآن ''لأنه لايفوت جوهرة ، ولعله لأن تكرارالقراء ة إنما هو للأجرفلايفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلى هذا هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع .

تنبيه: هل يجب بعد الفراغ من هذه المذكورات أم لا؟ ينبغی أنه إن لم يطل الفصل فنعم ، وإن طال فلا. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/ ۳۹۶،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق : ۱/ ۲٦۰، کوئته،ومراقی الفلاح،ص۲۰۳ ،بيروت).

عمدۃ الفقہ میں اس عنوان''جن صورتوں میں اذان کا جواب نہ دے'' کے تحت حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ فرماتے ہیں: علم دین پڑھنے یا پڑھانے کی حالت میں۔(عمدۃ الفقہ :۲/۴۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

ذکرواذکار کے درمیان اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص ذکر کر رہا ہے اور اذان شروع ہوئی تو مخصوص تعداد پوری کرنے کے بعد اذان کا جواب دے یا ذکر چھوڑ کر جواب دینا بہتر ہے؟

الجواب: ذکر واذکار ہر وقت کرسکتا ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں،اور اذان کا جواب زیادہ وقفہ کے بعد نہیں دے سکتا ہے لہذا فوت ہونے والی چیز کو مقدم کرے،نیز فقہاء نے تلاوتِ قرآن کو بھی قطع کر کے جواب دینا تحریر فرمایا ہے،اس وجہ سے پہلے جواب دینا افضل ہے بعد میں مخصوص تعداد پوری کرلے۔
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو

جنباً......وفی الشامی: (فیقطع قراءة القرآن) الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لاخلال القعود بسعی الواجب وإلا فلامانع من القراءة ماشیاً،إلا أن یراد یقطعها ندباً للإجابة باللسان أیضاً. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۹۶،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولاینبغی أن یتکلم السامع فی خلال الأذان والإقامة ولایشتغل بقراءة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة ولوکان فی القراءة ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابة کذا فی البدائع. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۵۷،اجابة المؤذن)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإذا سمع المسنون منه أمسک حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولوفی المسجد وهوالأفضل......هذا مبنی علی ندب الإجابة باللسان، وقال فی الدرفلایرد سلاماً، ولایشتغل بشیء سوی الإجابة، والتفریع یندب الإمساک عن التلاوة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۰۲،قدیمی کتب خانه)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر کیا اعراب ہونا چاہیے؟

الجواب: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء ساکن ہوگی یا دوسرے کلمہ کے ساتھ ملا کر فتحہ دیں گے۔ البتہ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قلت: والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة ورفعها خطأ، وأما التکبیرة الأولی من کل تکبیرتین منه وجمیع تکبیرات الإقامة، فقیل محرکة الراء بالفتحة علی نیة الوقف، وقیل بالضمة إعراباً، وقیل ساکنة بلاحرکة علی ما هو ظاهر کلام الإمداد والزیلعی والبدائع وجماعة من الشافعیة......ثم رأیت لسیدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها ''تصدیق من أخبر بفتح راء اللّٰه أکبر''أکثرفیها النقل وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبرالأول أویصلها باللّٰه أکبرالثانیة، فإن سکنها کفیٰ، وإن

وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرك بالفتح. (الشامی:۱/۳۸٦، مطلب فی الکلام علی حدیث "الاذان جزم")

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹٦)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے "اللہ اکبرْ اللہ اکبرْ" یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کر دے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح "اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ" پیش لگا کر پڑھنے کو رد المحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے "اکبر" کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹، کلمات اذان کا بیان، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص دو مسجدوں میں اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے سلف سے مروی نہیں ہے، ہاں اگر پہلی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تو کراہت کم ہوگی۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ويكره له أن يؤذن في مسجدين لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني والتنفل بالأذان غيرمشروع، ولأن الأذان للمكتوبة وهوفي المسجد الثاني يصلي النافلة، فلاينبغي أن يدعوالناس إلى المكتوبة وهولايساعدهم فيها. (شامی:۱/۴۰۰۔ وكذا في بدائع الصنائع:۱/۱۵۱،سعید کمپنی)

طحطاوی میں ہے: **(قوله أن يؤذن في مسجدين) الكراهة مقيدة بماإذا صلى في الأول كما في البحر.** (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۱/۱۸۹۔ وكذا في تقريرات الرافعي:۱/۴۷،سعيد)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مؤذن دومسجدوں میں اذان پڑھے یہ مکروہ ہے،لہذا دوسرے آدمی کا انتظام کیا جائے۔ **ویکرہ أن یؤذن فی مسجدین لأنه یکون داعیاً إلی مالایفعل**.شرح منیة المصلی:۱/۳٦۱۔(فتاوی رحیمیہ:۳/۱۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ایک مؤذن کا دومسجدوں میں اذان دینا اچھا نہیں ہے مکروہ ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۹۹)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: کیا اذان کا تعلق اول وقت سے ہے کہ جیسے ہی وقت ہوجائے اذان دینی چاہئے یا نماز سے ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہوتو اذان بھی تاخیر سے دے؟

الجواب: اذان کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ وقت سے لہذا اگر نماز تاخیر سے پڑھی جارہی ہوتو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی اور اگر نماز عجلت سے ادا کی جارہی ہے تو اذان بھی عجلت سے دی جائیگی مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دے وقت سے پہلے اذان ادا نہ ہوگی۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرفأراد المؤذن أن یؤذن فقال:أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد،وفی روایة للبخاری أیضا:أوقال: انتظر انتظرحتی ساوی الظل التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:إن شدة الحرمن فیح جهنم. (بخاری شریف :۱/۸٦،فیصل)

شامی میں ہے: **وحکم الأذان کالصلاة تعجیلاً وتأخیراً**.(شامی:۱/۳۸٤،سعید)

درمختار میں ہے:

وهوسنة للرجال فی مکان عال مؤکدة هی کالواجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس فی وقتها ولوقضاء لأنه سنة للصلاة حتی یبرد به لا للوقت. (الدرالمختار:۱/۳۸٤۔و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۹٤،قدیمی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
”صلوا کما رأیتمونی أصلی“
(رواہ البخاری)

صفۃ الصلاۃ کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کے بیان میں

نجاست پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ناپاک جگہ پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دو تہہ بنا سکتے ہیں نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔ حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله فألقى عليها لبداً) المراد أنه ألقى عليها ذا جرم غليظ يصلح للشق نصفين كحجرولبن وخشب كما فى البدائع، والخانيه، ومنية المصلى، وقيد النجاسة بالرطبة لأنها إن كانت يابسة جازت على كل حال لأنها لاتلزق بالثوب الملقىٰ عليها بعد كونه يصلح ساتراً كذا فى الخانية، وفى القهستانى:ينبغى أن تكون الصلاة أى على الملقىٰ على النجاسة الرطبة تكره ككراهتها على نحوالاصطبل كما فى الخانية. (حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص٢٠٨،قديمى)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوكانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوباً وصلى إن كان ثوباً يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالى يجوزعند محمدؒ وإن كان لايمكن لايجوزوإن كانت يابسة جازت

إذا کان یصلح ساتراً کذا فی الخلاصة. (الفتاوی الهندیة:۱/۶۲۔وکذا فی البحر الرائق:۱/۲۶۸،الماجدیة کوئتة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ ناپاک بچہ اپنی قوت سے بیٹھا ہے نمازی کے تھامنے کا محتاج نہیں ہے، تو نجاست نمازی کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور نماز ہو جائے گی، اور اگر اس ناپاک بچہ میں خود سنبھلنے کی سکت نہیں تو اگر وہ اتنی دیر تک نہیں بیٹھا جتنی دیر میں وہ ایک رکن ادا کر سکے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایک رکن کی مقدار ٹھہرا تو مصلی حاملِ نجاست کہلائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

فلو جلس الصبی المتنجس الثوب والبدن فی حجر المصلی وھو یستمسک أو الحمام المتنجس علی رأسه جازت صلاته لأنه الذی یستعمله فلم یکن حامل النجاسة.

(البحر الرائق:۱/۲۲۸،باب الانجاس، کوئٹہ)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی الظهیریة: الصبی إذا کان ثوبه نجساً أو هو نجس فجلس علی حجر المصلی وهو یستمسک أو الحمام النجس إذا وقع علی رأس المصلی وهو یصلی کذلک جازت الصلاة... لأن الذی علی المصلی مستعمل له فلم یصر المصلی حاملاً للنجاسة. (البحر الرائق: ۱/۲۶۷،باب شروط الصلوٰۃ، کوئٹہ)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع فی حجر المصلی الصبی الغیر المستمسک وعلیه نجاسة مانعة إن لم یمکث قدر ما أمکنه أداء رکن لاتفسد صلاته وإن مکث تفسد بخلاف ما لو استمسک وإن طال مکثه وکذا الحمامة المتنجسة إذا جلست علیه هکذا فی الخلاصة وفتح القدیر. (الفتاوی الهندیة:۱/۶۳)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز ہوگی یا نہیں اور اگر اس پر کوئی باریک یا موٹا کپڑا بچھادیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر قدمین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے تو بھی نماز درست نہ ہوگی۔ پھر اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دوتہہ بنا سکتے ہیں، نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنه يشترط طهارة موضع القدمين فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أو بجمعه فيهما تقديراً في الأصح......ومنها طهارة موضع اليدين والركبتين على الصحيح لافتراض السجود على سبعة أعظم واختاره الفقيه أبو الليث وأنكر ما قيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جواز الصلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة، ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصح من الروايتين عن أبي حنيفةؒ وهو قولهماؒ ليتحقق السجود عليها. (مراقي الفلاح:ص۸۰،باب شروط الصلاة وأركانها،مكة المكرمة۔وهكذا في الشامي:۱/۴۰۴،سعيد۔والفتاوى الهندية:۱/۶۱)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوباً وصلى إن كان ثوباً يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمدؒ وإن كان لايمكن لايجوز وإن كانت يابسة جازت إذا كان يصلح ساتراً كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية:۱/۶۲،كذا في البحر الرائق:۱/۲۶۸،كوئتة۔ وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص۲۰۸،قديمي)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں بعض فقہاء کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذاكان محلول الجيب و الزرهل تجوز الصلاة فيه ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه أزار أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمدؒ في غير رواية الأصول إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لايقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان كث اللحية جاز لأنه لايقع بصره على عورته إلابتكلف فلايكون مكشوف العورة. (بدائع الصنائع: ۲۱۹/۱، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولايضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها و النظر إليها ولكنه خلاف الأدب كما في النهر واختار البرهان الحلبي أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشايخ من اشتراط ستر عورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة وسترها زيقه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۴۱/۱ـ وكذا في الشامي: ۴۱۰/۱، سعيد ـ وكذافي الجوهرة النيرة: ۵۴/۱ـ و كذا في درر الحكام في شرح غرر الاحكام: ۵۹/۱ـ و كذا في تبيين الحقائق: ۹۵/۱)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفي الخلاصة: لو صلى في قميص واحد محلول الجيب: إن كان بحال يقع بصره على عورته لاتجوز صلاته وكذا لو كان بحال يقع بصر غيره عليه من غير تكلف، كذا ذكره هشام عن محمدؒ، وعن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ: ان عورة الشخص ليست بعورة في حقه. قلت: وهذا ضعيف جداً للإجماع على بطلان من صلى صلاة في بيت وحده أو في ظلمة من غير ستر عورة إذا لم يكن من عذر. (فتح باب العناية: ۱/ ۲۰۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ستر کھل جانے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ستر کا کتنا حصہ کھلنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوگی خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر کھل گیا تو اگر ایک رکن کی ادائیگی یعنی تین مرتبہ ''سبحان ربي الأعلى'' کے بقدر ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار یا کم وقت کھلا رہا تو نماز ہو جائے گی، تو عضو کا ربع حصہ معتبر ہے۔ اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہے تو مفسد ہے اور اگر متعدد اعضاء کھل جائے تو سب کا مجموعہ ان اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے بقدر ربع ہو تو مفسد ہے۔

درمختار میں ہے:

(ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدر أداء ركن بلا صنعه (من عورة غليظة أو خفيفة) على المعتمد... وتجمع بالأجزاء لو في عضو واحد وإلا فبالقدر فإن بلغ ربع أدناها كأذن منع. وفي الشامي: (قوله ويمنع)... أي صحة الصلاة حتى انعقادها والحاصل أنه يمنع الصلاة في الابتداء ويرفعها في البقاء. (قوله قدر أداء ركن) أي بسنته منية، قال شارحها: وذلك قدر ثلاث تسبيحات... واعتبر محمدؒ أداء ركن حقيقة والأول المختار للاحتياط كما في شرح المنية واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلا يفسد اتفاقاً لأن الانكشاف الكثير من الزمان القليل عفو كالانكشاف القليل في الزمن الكثير وعما إذا أدى مع الانكشاف ركناً فإنها تفسد اتفاقاً... (الدر المختار مع الشامي:

۱/ ۴۰۸،سعید۔وکذا فی بدائع الصنائع:۱/ ۱۱۷،سعید)

تبیین الحقائق میں ہے:

وإن انكشفت العورة من مواضع متفرقة تجمع لأن محمداً ذكرفي الزيادات:امرأة صلت وانكشف شيء من شعرها وشيء من ظهرها وشيء من فرجها وشيء من فخذها ولوجمع بلغ ربع أدنى عضومنها منع جوازالصلاة......قال الراجي عفوربه ينبغي أن يعتبر بالأجزاء لأن الاعتبار بالأدنى يؤدي إلى أن القليل يمنع وإن لم يبلغ ربع المنكشف.......

(تبيين الحقائق:۱/ ۹۷۔وكذا في البحرالرائق:۱/ ۲۷۱،كوئتة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہو ہے تو اس میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد مکہ مکرمہ سے باہر ہو تو اس میں نماز درست ہے، کیونکہ پینتالیس درجہ تک گنجائش ہے۔ملاحظہ ہو شامی میں ہے

ولوأنه انتقل إلى جهة يمينه أوشماله بفراسخ كثيرة وفرضنا خطاً ماراً على الكعبة من المشرق إلى المغرب وكان الخط الخارج من جبين المصلي يصل على استقامة إلى هذا الخط المارعلى الكعبة فإنه بهذ الانتقال لاتزول المقابلة بالكلية،لأن وجه الإنسان مقوس، فمهما تأخريميناً أويساراً عن عين الكعبة يبقى شيء من جوانب وجهه مقابلاً لها ،ولاشك أن هذا عند زيادة البعد؛ أما عند القرب فلايعتبركما مر؛..والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسرالانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين أواليسارلا الانحراف، لكن وقع في كلامهم ما يدل على أن الانحراف لايضر؛ ففي القهستاني: ولا بأس بالانحراف انحرافاً لاتزول به المقابلة بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة.......وفي منية المصلي عن أمالي الفتاوى:حدالقبلة في بلادنا يعني سمرقند:ما بين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف، فإن صلى إلى جهة خرجت من المغربين فسدت صلاته.......فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة

أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائهامستقيماً، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجاً من جهة المصلى بل منها أومن جوانبها كما دل عليه قول الدررمن جبين المصلى، فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان، وعلى ما قررناه يحمل ما فى الفتح والبحرعن الفتاوى من أن الانحراف المفسد أن يجاوزالمشارق إلى المغارب، فهذا غاية ماظهرلى فى هذا المحل، والله تعالیٰ **أعلم**.(شامی:۱/۴۲۹،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة، سعيد كمپنى)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے:

اس مسئلہ کے متعلق مذہبِ مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے اس کے ذمہ جہتِ کعبہ کا استقبال فرض ہے عین کعبہ کا نہیں...پھر جہتِ قبلہ کے معنی یہ ہے کہ ایک خط جو کعبہ پر گذرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو یہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکورہ پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز نہ ہوگی۔اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر اور کثیر مفسد صلاۃ ہے۔(فتاوی دار العلوم دیوبند،امداد المفتین ،حصۂ اول ودوم:ص ۷۷،مکمل مبوب،امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں،اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے۔(احسن الفتاوی:۲/۳۱۳،باب استقبال القبلۃ۔وکفایت المفتی:۳/۱۷۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ٹرین میں نماز پڑھتے وقت قیام اور استقبالِ قبلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر ٹرین میں نماز پڑھتے وقت کھڑاہونا مشقت سے خالی نہ ہواور ٹرین سے باہر پڑھنے کا بھی امکان نہ ہوتو پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے،اوراگر نہ زیادہ ازدحام ہےاورنہ ہی زیادہ مشقت ہےتو قیام ضروری ہے،اوراستقبالِ قبلہ تو ہرحال میں ضروری ہے۔ابتداء میں بھی اور درمیان میں بھی جس طرح ٹرین گھومے اس طرح مصلی بھی گھوم جاوے۔

البتہ اگر اتنا زیادہ ہجوم ہے کہ رکوع وسجود کی حرکت بھی ممکن نہ ہواور باہرادا کرنے پر بھی قادر نہیں تو استقبالِ قبلہ اورقیام کےبغیر بھی نماز درست ہے۔مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيهاوهي جارية قاعداً بلاعذر به وهويقدرعلى الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ لكن بالركوع والسجود لابالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس،والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أي أبويوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلا من عذروهو الأظهر لحديث ابن عمرؓ أن النبي ﷺ سئل عن الصلاة في السفينة فقال:صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق.وقال:مثله لجعفرؓ ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الإمام أقوى فيتبع...(والعذركدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولاتجوزفيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود)... ويتوجه المصلي فيها للقبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنهاأي القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة .

وفي حاشيةالطحطاوي:

فصل في الصلاة في السفينة:أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحروالدابة مركب البرولذا سقط القيام كما هوفي صلاة الدابة،ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال...(قوله: ولو ترك الاستقبال لاتجزيه...) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله:وينبغي أن يتوجه إلى القبله كيفما دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أوفي خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة،وهذا قادر.كذا في الشرح قال بعض الحذاق:المتبادرأن لزوم التوجه منوط بالقدرة

علیه كما يشير إليه كلام المضمرات،والاسبيجابى إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر ،ولوعند الإمكان كما فى الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لم يطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه ، وإلى ماذكرنا يشير كلام الدرر حيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غير مشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما **لايخفى**... (حاشية الطحطاوى مع المراقى: ص۴۰۸ـ۴۱۰، فصل فى الصلاة فى السفينة، قديمى ـ وكذا فى الشامى: ۲/۱۰۱، مطلب فى الصلاة فى السفينة،سعيد ـ وكذا فى المبسوط للامام السرخسى:۲/۲،ادارة القرآن)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

البتہ اگر ہجوم اتنا ہو کہ رکوع وسجود کی حرکت ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو پھر بلا استقبالِ قبلہ وقیام نماز ادا کرے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۶ـ وفتاوی حقانیہ:۳/۸۷،باب شروط الصلوۃ وارکانہا)۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

وقالاأى أبويوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلامن عذروهوالأظهرلحديث ابن عمر رضي الله عنه أن النبى ﷺ سئل عن الصلاة فى السفينة فقال:صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفر رضي الله عنه ولأن القيام ركن فلا يترك إلابعذرمحقق لاموهوم......وإذاكانت سائرة يتوجه المصلى فيهما إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلى باستدارتها إليها أى القبلة فى خلال الصلاة. (مراقى الفلاح على نور الإيضاح: ۱۵۸، فصل فى الصلاة فى السفينة،مكة المكرمة)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جا سکتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا ہو جائے تو قبلہ درست بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دورانِ نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے اگر نماز قبلہ رخ ہو کر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا تو اپنا رخ بھی بدل دینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے جس میں لنگرانداز کشتی کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے:

والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديداً فكالسائرة وإلا فكالواقفة ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (جدید فقہی مسائل:۱/۱۲۷، نعیمیہ دیوبند)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھیرے گی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا تو اس وقت تک مؤخر کردے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔ (نظام الفتاوی:۱/۶۷)

احسن الفتاوی میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے مگر استقبالِ قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ (احسن الفتاوی:۴/۸۸ باب صلاۃ المسافر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بس میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر بس والے راستہ میں نماز کے لئے بس نہیں روکتے تو بس میں بیٹھ کر نماز پڑھے گا یا نماز قضا کرے گا؟

الجواب: بس میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے اگر ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع سجدہ کے ساتھ ورنہ اشارہ سے پڑھے اور بعد میں اعادہ کرلے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أي أبو يوسف ومحمد لاتصح جالساً إلا من عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق وقال مثله

لجعفر رضی اللہ عنہ ولأن القيام ركن فلا يترك إلا بعذرمحقق لاموهوم......وإذاكانت سائرة يتوجه المصلي فيهما إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة و كلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلي باستدارتها إليها أى القبلة فى خلال الصلاة. (مراقی الفلاح على نور الإيضاح: ۱۵۸، فصل فى الصلاة فى السفينة،مكة المكرمة۔وفتح القدير ۱/۲۷۰، دارالفكر۔ وشامي:۲/۴۰،سعيد كمبني۔والبحر الرائق:۲/۶۴)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

بَسوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اگر بَس سمتِ قبلہ میں نہ جارہی ہوتو قبلہ کا استقبال نہیں کیا جاسکتا ایسی صورت میں اگر بس ٹھہری ہوئی ہوتو نیچے اتر کر نماز ادا کرے اور سوار رکوانے پر قادر نہ ہوتو استقبال کے بغیر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(جدید فقہی مسائل:۱/۱۲۸،نعیمیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

ریل گاری اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں...اگر استقبالِ قبلہ اور قیام نہیں ہوسکتے تو اشارہ سے نماز ادا کرے اور بعد میں اعادہ کرلے۔(احسن الفتاوی:۴/۸۸۔وفتاوی محمودیہ:۵/۵۲۴،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

البحر الرائق میں ہے:

ان العذرإن كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق:۱/۱۴۲،كوئتة)

شرح منیۃ میں ہے:

والمقيد إذا صلى قاعداً لعدم قدرته على القيام بسبب القيد يعيد إذا زال ذلك السبب. (شرح منية المصلي: ۷۶،سهيل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ہمارے گھروں میں پرانے زمانے سے لکڑی کا تختہ ہوتا تھا جس کو تختہ پوش کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس پر نماز پڑھنا ثابت نہیں اس لیے نہیں پڑھنا چاہئے، کیا شریعت میں اس پر نماز پڑھنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب: تختہ پوش چونکہ لکڑی سے بنتا ہے اور سخت ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے قیام، رکوع اور سجود پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس پر نماز پڑھنا صحیح اور درست ہے، بشرطیکہ پاک ہو اور زمین پر رکھا ہوا ہو۔ ملاحظہ فرمائیں امداد الفتاح میں ہے:

والسجود على ما يجد حجمه وتستقرعليه جبهته، وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لاتتسفل رأسه أبلغ مما كان عليه حال الوضع فلايصح السجود على المارز والذرة و بزر الكتان ونحوه لعدم استقرار الجبهة عليها إلا أن يكون في جوالق ونحوها لأنه يجد الحجم حينئذٍ وكذا الحشيش والتبن والقطب والثلج ، وكل محشو كالفراش والوسائد إن وجد حجم الأرض بكسبه صح وإلا فلا. (امدادالفتاح،ص۲۵٤،احكام السجود، ط: بيروت).

فتاوی الشامی میں ہے:

قوله وأن يجد حجم الأرض تفسيره أن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلک فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وعجلة إن كانت على الأرض لا على ظهرحيوان كبساط مشدود بين أشجار. (فتاوى الشامي:١/٥٠٠،سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقرعليه ...(البحرالرائق:١/٣١٩،ط:كوئته).

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منیۃ المصلی ص۲۸۸،سہیل، وفتاوی حقانیہ:۳/۸۳، وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۲، واحسن الفتاوی:۳/۴۳۲)۔

علاوہ ازیں چند احادیث سے بھی مسئلہ بالا کی تائید ہوتی ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں بعنوان "باب الصلاة في السطوح والمنبروالخشب" باب قائم فرمایا ہے، اور اس کے تحت "الصلاة على المنبر" کی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

نا أبوحازم قال: سألوا سهل بن سعد من أى شيء المنبرفقال: مابقي في الناس أعلم به مني هو من اثل الغابة عمله فلان مولى فلانة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقام عليه

رسول الله صلى الله عليه وسلم حين عمل ووضع فاستقبل القبلة كبر وقام الناس خلفه فقرأ وركع وركع الناس خلفه ثم رفع رأسه ثم رجع القهقرى فسجد على الأرض ثم عاد على المنبر ثم قرأ ثم ركع ثم رفع رأسه ثم رجع قهقرى حتى سجد بالأرض فهذا شأنه. (رواه البخاري: ١/٥٥، فيصل، والبيهقي في السنن الكبرى: ٣/١٠٨، باب ماجاء في مقام الامام، بيروت).

مذکورہ بالا روایت منتقی ابن جارود میں درجِ ذیل الفاظ میں مروی ہے:

أبوحازم قال سمعت سهل بن سعدؓ يقول: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر يوماً والناس وراءه ... (المنتقى لابن الجارود، رقم: ٣١٢، والاوسط لابن المنذر: ٤/١٦٤).

سنن کبری بیہقی میں ہے:

عن أبي سعيد الخدريؓ أن حذيفةؓ بن اليمان أمهم بالمدائن على دكان فجذبه سليمان ثم قال له ما أدري أطال بك العهد أم نسيت أماسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لايصلي الإمام على نشز مما عليه أصحابه. (السنن الكبرى للبيهقي: ٣/١٠٩، باب ماجاء في مقام الامام).

اس روایت میں نماز کی صحت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ امام کے لیے مناسب نہیں کہ مقتدیوں سے اونچے مقام پر ہو۔

فتح الباری میں ابن رجب الحنبلی فرماتے ہیں:

وصلى جابر بن عبدالله وأبوسعيد في السفينة قياماً. (فتح الباري: ٢/٥، باب الصلاة على الحصير).

اور سفینہ تختہ کی طرح ہے۔ حضرت مفتی تقی عثمانیؒ انعام الباری میں فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایسی چیزوں پر نماز بھی پڑھی کہ جو جنس ارض سے نہیں تھیں مثلاً منبر اور خشب۔ (انعام الباری: ۲/۲۱۴، باب الصلاۃ علی السطوح والمنبر والخشب)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز ہی نہیں ہوتی کیونکہ سجدہ زمین یا ایسی چیز پر ہونا

چاہئے جوزمین پر لگی ہوئی ہو جب کہ ہوائی جہاز ایسا نہیں ہے۔کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے بارے میں بعض علماء کو یہ اشکال تھا کہ ہوائی جہاز زمین پر موضوع نہیں ہے اور سجدہ زمین پر یا کسی ایسی چیز پر ہو جو زمین پر موضوع ہو،اس وجہ سے وہ حضرات ناجائز کہتے تھے،لیکن شریعتِ مطہرہ کا اصل منشا یہ ہے کہ سجدہ ایسی چیز پر ہو جس پر پیشانی اچھی طرح ٹک سکے،لہذا اون کے گالے جن میں پیشانی دبتی چلی جائے اور کوئی مستقر نہ ملے تو اس پر نماز صحیح اور درست نہیں ہے،اور ہوائی جہاز زمین کے اجزاء سے بنایا گیا ہے اور زمین کے اجزاء زمین ہی ہیں، پھر اس پر پیشانی اچھی طرح ٹک جاتی ہے، بنابریں ہوائی جہاز میں نماز صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ورنہ تو کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے اس کے باوجود احادیث اور کتبِ فقہ سے کشتی میں نماز پڑھنے کا جواز مترشح ہے۔اور سجدہ کی تعریف ''وضع الجبهة على الأرض ''یہ غالب اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے۔

شرح وقایہ میں ہے:

فإن سجد على كور عمامته أوفاضل ثوبه أو شيء يجد حجمه ويستقر جبهته جاز وإن لم يستقر لا. (شرح الوقاية:١/١٤٧).

البحر الرائق میں ہے:

والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك. (البحر الرائق:١/٣١٩،کوئٹہ).

ويشترط في صحة السجود أن يكون على يابس تستقر جبهته عليه. (الفقه على المذاهب الاربعة:١/١٨٨).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها. (الفقه على المذاهب الاربعة:١/١٦٨).

المحيط البرهاني میں ہے:

ولأن السفينة في معنى الأرض لأنه يباح الجلوس عليها للقراءة كما على الأرض

فكانت السفينة كالسرير ولو صلى على السرير تجوز صلاته فكذلك هاهنا. (المحيط البرهاني: ٢/١٦٦).

وفي" الفقه الحنفى في ثوبه الجديد": ومثل الدابة السيارة والطائرة والسفينة ... وكذلك الحكم في الطائرة الكبيرة إذا أمكنه القيام ووجد مكاناً يتسع للصلاة وأمن من الاهتزاز والاضطراب فيصلى قائماً بركوع وسجود واستقبال قبلة. (الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: ١/٣١٥).

"الصلاة في السفينة" سے متعلق چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

روى البيهقي في "سننه الكبرى" (٣/١٥٥/٥٦٩٨) **بسنده عن ابن عمرؓ قال: سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في السفينة قال: كيف أصلى في السفينة؟ فقال: "صل قائماً إلا أن تخاف الغرق". ورواه الحاكم** (١٠١٩) **وقال: صحيح الإسناد على شرط مسلم.**

وفي رواية له عن ابن عمرؓ قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه حين خرجوا إلى الحبشة أن يصلوا قياماً مالم يخافوا الغرق كذا قال. (رواه البيهقى فى الكبرى: ٣/١٥٥).

روى الطحاوى في شرح معاني الآثار (٢٢٥٣) **عن ابن سيرين قال: خرجنا مع أنس بن مالكؓ إلى شق سيرين فأمنا في السفينة على بساط فصلى الظهر ركعتين ثم صلى بعدها ركعتين.**

مزید آثار مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۶۶)، ومصنف عبدالرزاق (۲/۵۸۲، باب الصلاۃ فی السفینۃ) میں ملاحظہ فرمائیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ہوائی جہاز میں نماز ادا کرتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے۔ہاں اگر جگہ نہیں ہے یا کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا دشوار ہوتو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھے۔البتہ سیٹ پر بیٹھ کر

نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اعادہ احوط ہے۔

نظام الفتاوی میں ہے:

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے، حاصل یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، چنانچہ شیخ عبد الرحمن جزریؒ نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں: **ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها**. الفقه على المذاهب الاربعة: ١/٢٠٦۔ (نظام الفتاوی: ۱/۶۹، کتاب الصلاۃ)

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيها وهي جارية قاعداً بلاعذر به وهويقدرعلى الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ لكن بالركوع والسجود لا بالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس ،والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أي أبويوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلا من عذروهوالأظهر لحديث ابن عمرؓ أن النبيﷺ سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق. وقال مثله لجعفرؓ ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الأمام أقوى فيتبع......(والعذركدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولاتجوزفيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود)......ويتوجه المصلي فيها إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أي القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة.

وفي حاشية الطحطاوي:

فصل في الصلاة في السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحروالدابة مركب البرولذا سقط القيام كما هوفي صلاة الدابة، ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال......(قوله: ولوترك الاستقبال لاتجزيه......) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغي أن يتوجه إلى القبله كيفما

دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أوفى خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا قادر. كذا فى الشرح قال بعض الحذاق: المتبادرأن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشيرإليه كلام المضمرات،والاسبيجابى إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر ، ولوعند الإمكان كما فى الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لم يطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشىء كيف يتحقق لزومه،وإلى ماذكرنا يشير كلام الدررحيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غيرمشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما **لايخفى**...... (حاشية الطحطاوى مع المراقى:ص٤٠٨-٤١٠،فصل فى الصلاة فى السفينة، قديمى-وكذا فى الشامى:٢/١٠١، مطلب فى الصلاة فى السفينة-وكذا فى المبسوط للامام السرخسى:٢/٢)

احسن الفتاوی میں ہے:

بوقتِ پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔(احسن الفتاوی۴/۹۰)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی ،سفر میں ہو یا حضر میں ،ریل میں ہو یا جہاز میں ،سب کا یہی حکم ہے۔(فتاوی محمودیہ ۷/۵۳۲،باب صلاۃ المسافر، جامعہ فاروقیہ)

نیز مذکور ہے:

مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے پھر منزل پر پہونچ کر اعادہ کرلے کیونکہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے۔(فتاوی محمودیہ:۷/۵۳۲باب صلاۃ المسافر، جامعہ فاروقیہ-واحسن الفتاوی:۴/۸۸)

نظام الفتاوی میں ہے:

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی ۔اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے ۔اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کیوجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہوتو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے ۔اگر کمپاس نہ

ہوتو تحری کر کے جس رخ پر قبلہ قرار پائے اس پر نماز پڑھیں گے غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے۔(نظام الفتاوی:ص۴۸۰)۔واللہ ﷻ اعلم۔

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کے لئے''اللہ اکبر'' کہد یا اس کے بعد سنت کی نیت کرلی تو دوبارہ تکبیر کہنا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب: پہلی تکبیر کافی ہے دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے،لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ فرض سے نکلنے کا جو مشروع طریقہ ہے اس کا ترک لازم آتا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

(الفصل الأول في فرائض الصلاة) وهي ست(منها التحريمة) وهي شرط عندنا حتى أن من يحرم للفرائض كان له أن يؤدى بها التطوع هكذا فى الهدايه،ولكن يكره لترك التحلل عن الفرض بالوجه المشروع، وأما بناء الفرض على تحريمة فرض آخر فلايجوزإجماعاً، وكذا بناء الفرض على تحريمة النفل كذا فى السراج الوهاج. (الفتاوی الهندية: ١ /٦٨،الباب الرابع فى صفة الصلاة)۔واللہ ﷻ اعلم۔

پہلی رکعت میں نیت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ظہر کی نماز شروع کی ،نیت کی طرف التفات نہیں رہا، دل میں بھی نہیں آیا کہ ظہر کی نماز ہے، پھر پہلی رکعت میں ظہر کی نیت کرلی ،تو نماز ہوئی یانہیں؟

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ نیت کا محل ابتدائے صلوٰۃ ہے، نماز شروع کرنے کے بعد نماز کا ایک حصہ بلا نیت گزر چکا،اس لیے نماز درست نہیں ہونی چاہئے۔جیسا کہ فتاوی شامی وغیرہ میں مرقوم ہے۔لیکن صاحبِ فتاویٰ سراجیہ نے بعض فقہاء کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ اگر ابتدائے صلاۃ میں نیت کرنا بھول گیا،اور شروع کرنے کے بعد ثنا پڑھتے وقت یاد آیا اور نیت کرلی تو نماز صحیح ہے۔اس قول کی روشنی میں اگر کوئی شخص ذہنی پریشانی یا کسی اور عذر کی بنا پر شروع صلوٰۃ میں نیت نہ کرسکا،اور پہلی رکعت میں ثنا میں نیت کرلی تو نماز درست ہوجائے گی۔ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

والخامس : النية بالإجماع، وهي الإرادة المرجحة لأحد المتساويين...وجاز تقديمها على التكبيرة ولوقبل الوقت...ولاعبرة بنية متأخرة عنها على المذهب، وجوزه الكرخيؒ إلى الركوع .

وفي الشامية: قوله ولاعبرة بنية متأخرة لأن الجزء الخالي عن النية لايقع عبادة، فلا يبنى الباقي عليه...حتى لونوى عندقوله "اللّٰه"قبل أكبرلايجوز، لأن الشروع يصح بقوله "اللّٰه" فكانه نوى بعد التكبيرحلية عن البدائع. قوله"جوزه الكرخي إلى الركوع"فيه أن الكرخيؒ لم ينص على الركوع ولاغيره، وإنما اختلفوا في التخريج على قوله في أنه ينتهي إلى الثناء أوالركوع أوالرفع منه أوالقعود . (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:۱/٤١٤،٤١٧،سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے۔(احسن الفتاویٰ:۳/۱۳)۔

جواز کی دلیل ملاحظہ ہوفتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا نسي نية الصلاة ، ثم نوى الشروع حال قراء ة الثناء يصح شروعه، وبه أفتى بعضهم . (الفتاوى السراجية على هامش فتاوى قاضيخان:۱/٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تعدادِرکعات کی نیت کاحکم:

سوال: دو رکعت نماز کی جگہ چار رکعت کی نیت باندھ لی اور صرف دو رکعت کو ادا کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: دو رکعت کو اگر چار رکعت کی نیت سے ادا کیا تو بھی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ تعدادِ رکعات کی نیت شرط نہیں ہے۔ملاحظہ ہوفتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذا في شرح الوقاية. (الفتاوى الهنديه:۱/٦٦۔وكذا في الشامي:۱/٣٩٠،سعيد)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

بزبانِ فارسی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز کاحکم:

سوال: تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کرنماز شروع کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے پھر بھی خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال "خدای بزرگ تر" أو "خدای بزرگ" يصير شارعاً عند أبی حنيفةؒ وعندهما لايصير شارعاً إلا إذا كان لايحسن العربية. (بدائع الصنائع: ۱/۱۳۱، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

(كما صح لو شرع بغير عربية......قلت: وجعل العينی الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أی لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلی قولهما فی اشترط القراءة بالعربية إلا عند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكور فی عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكر رجوع أصلاً (قوله ولاسند له يقوی) أی ليس له دليل يقوی مدعاه، لأن الإمام رجع إلی قولهما فی اشترط القراءة بالعربية، لأن المأمور به قراءة القرآن......أما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوی، وهو كون المطلوب فی الشروع الذكر والتعظيم، وذلك حاصل بأی لفظ كان، وأی لسان كان، نعم لفظ "اللّٰه أكبر" واجب للمواظبة عليه لافرض. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۴۸۴، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كبر بالفارسية جاز هكذا فی المتون سواء كان يحسن العربية أولا إلا أنه إذا كان يحسنها يكره وعلی قول ابی يوسفؒ ومحمدؒ لايجوز إلا إذا كان يحسن العربية هكذا فی المحيط. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع فی صفة الصلاه)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحيح أنه يصح الشروع عنده بغير العربية ولو كان قادراً عليها مع الكراهة التحريمية للقادر لأن الشروع يتعلق بالذكر الخاص وهو يحصل بكل لسان. (حاشية الطحطاوی

علی مراقی الفلاح:ص ۲۸۰،قدیمی)

اوجزالمسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتى يكره لمن يحسنه تركه. (أوجزالمسالك :۲/۷٦،باب افتتاح الصلاة ،دارالعلم دمشق)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے ہاتھوں کو کانوں کے قریب لے جا کر پیچھے کی طرف جھٹکا دینا چاہئے۔کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے یہ ایک حکایت اور لطیفہ ہے اس کی وجہ سے ہاتھوں کو جھٹکا دینا درست نہیں ہے بلکہ خلافِ سنت ہے۔سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھنی چاہئے۔ اوجزالمسالک میں ہے:

ثم اختلف العلماء في حكمة الرفع، فقيل:......إشارة إلى طرح الدنيا والإقبال بكليته إلى الله تعالىٰ . (أوجزالمسالك:۲/ ۸۰،باب افتتاح الصلاة،دار العلم دمشق۔هكذا فی امانی الاحبار: ۳/۳۔ وكذا فی تقریر أبی داؤد: ۲/ ۲۱٤)

طحطاوی میں ہے:

(فيحسن رفع اليدين للتحريمة حذاء أذنين للرجل)لأن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة كبر،ثم رفع يديه حتى يحاذي بإبهاميه أذنيه. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۲۵٦، قدیمی کتب خانه)

شامی میں ہے:

واعتمد ابن الهمام التوفيق بأنه عند محاذاة اليدين للمنكبين من الرسغ تحصل المحاذاة للاذنين بالإبهامين. وهو صريح رواية أبي داؤد. (شامی:۱/ ٤۸۲،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد الدخول في الصلاة كبرورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذي بإبهاميه شحمتي

أذنيه وبرؤس الأصابع فروع أذنيه كذا في التبين، قال الفقيه أبو جعفر: يستقبل ببطون كفيه القبلة وينتشر أصابعه ويرفعهما فإذا استقرتا في موضع محاذاة الإبهامين شحمتي الأذنين يكبر قال شمس الائمة السرخسي: عليه عامة المشايخ كذا في المحيط. (الفتاوى الهنديه: ۱/۷۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار:

سوال: بعض حضرات قومہ میں طویل قیام کو اطمینان اور اعتدال کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو واجب کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: قومہ میں طویل قیام کو اعتدال کے مترادف سمجھنا اور اس کو واجب کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اعتدال کی واجب مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے جس سے اعضاء ساکن ہو جائے اس سے زیادہ واجب مقدار میں داخل نہیں ہے، ہاں بالکلیہ اعتدال ترک کرنا موجبِ سجدۂ سہو ہے لہذا واجب مقدار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ويجب اطمئنان وهو التعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وهو الصحيح لأنه شرع لتكميل الركن فكان واجباً كقراءة الفاتحة لا ركناً ولا سنة كما قال الجرجاني: ليس سنة مؤكدة وأدناه مقدار تسبيحة واحدة وقال أبو يوسفؒ: هو فرض لقوله ﷺ لمن خفف الصلاة ويقال له المسيء صلاته: صل فإنك لم تصل، وسئل محمدؒ عن ترك الطمانينة فقال: إني أخاف أن لا تجوز، وعن أبي حنيفةؒ فيمن لم يتم ركوعه وسجوده ولم يقم صلبه قال: أخشى أن لا تجوز صلاته. ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة في الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلك كله وللأمر في حديث المسيء صلاته وإليه ذهب المحقق الكمال ابن الهمامؒ وتبعه تلميذه ابن أمير الحاج وقال: إنه الصواب فليتنبه له. (امداد الفتاح: ص ۲۷۶، فصل في واجبات الصلاة، بيروت۔ وهكذا في مراقي الفلاح: ص ۹۲، مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

وهو التعديل أي التتميم و التكميل وهو في اللغة التسوية قوله:حتى تطمئن مفاصله ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة كمافي القهستاني هذا قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ على تخريج الكرخيؒ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ٢٥٠،فصل في واجبات الصلاة،قديمي)

نیز ملاحظہ ہو:شامی:١/٤٦٤، سعيد_و الفتاوى الهندية:١/٨١_واللہ ﷻ اعلم۔

تعدیل ارکان کا حکم:

سوال: فقہائے حنفیہ کے نزدیک تعدیل ارکان یعنی قومہ اور جلسہ وغیرہ اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے یا سنت؟ اور اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: فقہائے حنفیہ کے ہاں اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق تعدیل ارکان واجب ہے، اگر چہ ایک روایت سنت ہونے کی ہے لیکن بفحوائے احادیث وجوب مستفاد ہوتا ہے اور علامہ محقق ابن ہمامؒ نے وجوب والے قول کو مختار کہا ہے اور شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔پھر اس کی واجب مقدار بقدرِ تسبیحہ واحدہ ہے اور سنت مقدار تین تسبیحات کے بقدر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شرح نقایہ میں ہے:

وقال بعض المحققين: وينبغي أن تكون القومة و الجلسة واجبتين للمواظبة ، ولعله كذلك عندهما ويدل عليه إيجاب سجود السهو فيه كماذكر في "فتاوى قاضيخان" في فصل مايوجب السهو، قال: المصلي إذاركع ولم يرفع رأسه حتى خر ساجداً ساهياً، تجوز صلاته في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعليه السهو. (فتح باب العناية:١/٢٢٦،بيروت).

وفي الدرالمختار: وتعديل الأركان أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة واحدة في الركوع و السجود، وكذا في الرفع منهما على مااختاره الكمال. وفي الشامية:قوله "وتعديل الأركان" هو سنة عندهما في تخريج الجرجانيؒ، وفي تخريج الكرخيؒ واجب حتى تجب سجدتا السهو بتركه كذا في الهداية، وجزم بالثاني في الكنز والوقاية والملتقى، وهو مقتضى الأدلة قال في البحر: وبهذا يضعف قول الجرجاني. قوله "وكذا في الرفع منها" أي يجب التعديل أيضاً في القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب

نفس القومة والجلسة أيضاً لأنه يلزم من وجوب التعديل فيهما وجوبهما. قوله "على ما اختاره الكمال" قال في البحر: ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة فى الأربعة أى فى الركوع والسجود وفى القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلک کله وللأمرفى حديث المسيء صلاته، ولما ذكره قاضيخان من لزوم سجود السهو بترک الرفع من الركوع ساهياً وكذا فى المحيط فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذلک، لأن الكلام فيهما واحد، والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمامؒ وتلميذه ابن أميرحاجؒ، حتى قال: إنه الصواب، والله الموفق للصواب ...

والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان، وأماالقومة والجلسة وتعديلهما فالمشهور في المذهب السنية، وروى وجوبها، وهوالموافق للأدلة، وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقدعلمت قول تلميذه إنه الصواب . (الدرالمختار مع رد المحتار: ١/ ٤٦٤، سعيد).

وفي شرح النقاية: ثم اعلم أن المراد من حديث المسيء صلاته ماورد فى "الصحيحين" عن أبي هريرةؓ من قوله صلى الله عليه وسلم للأعرابى الذى دخل المسجد، فصلى ثم جاء فسلم عليه، فقال: "ارجع فصل فإنک لم تصل". حتى فعل ذلک ثلاث مرار فقال الرجل: "والذى بعثک بالحق ماأحسن غيرهذا فعلمني، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ماتيسر معک من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم اجلس حتى تطمئن جالساً، ثم افعل ذلک فى صلاتک كلها، فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک". (شرح النقاية: ١/ ٢٢٦، واجبات الصلاة، بيروت).

وفي شرح الوقاية: وواجبها... وتعديل الأركان خلافاً للشافعيؒ وأبي يوسفؒ فإنه فرض عندهما وهو الاطمينان فى الركوع وكذا فى السجود وقدر بمقدار تسبيحة وكذا الاطمينان بين الركوع والسجود وبين السجدتين. وفي عمدة الرعاية: قوله وقدر، أى قدر

الاطمينان الواجب بمقدار تسبيحة واحدة من تسبيحات الركوع والسجود . (شرح الوقاية مع عمدة الرعاية: ۱/ ۱٤۳،باب صفة الصلاة).

معارف السنن میں ہے:

ثم المكث قدر تسبيحة واجب، وقدر الثلاث سنة ، وهذا مذهب أبي حنيفةؒ ومالك والثوري والأوزاعيؒ وأبي يوسفؒ ومحمدؒ والشافعي وابن وهب وأحمد في رواية .(معارف السنن:۳/ ۹). **واللہ ﷻ اعلم۔**

فصلِ دوم

نماز کی سنن اور آداب کا بیان

حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانے کا حکم:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم سے قدم ملانے کا حکم ہے کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر ہمارا عمل درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب: غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں دو لفظ آتے ہیں (۱) الصاق (۲) الزاق، ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں (۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا جیسے: ''به داء، به وسخ، به مرض'' (۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ جیسے: ''مررت بزيد'' یعنی میں زید کے قریب سے گذرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا أن لا يكون على يساره أحد وليضعهما بين رجليه.

وفي رواية أو ليصل فيهما. رواه ابوداؤد وروى ابن ماجة معناه۔ (مشكوة شريف: ۱/۷۳)

وقال الشيخ ناصر الدين الألباني عن هذا الحديث "بإسنادين أحدهما حسن بالرواية

الأولـى والآخـرصحيح بالرواية الأخرى كما حققته في صحيح السنن ـ ٦٦١ و٦٦٦ ـ (تعليق الالباني على مشكوٰة:١/٧٦٩)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ ﷺ یوں فرماتے کہ دائیں بائیں جوتا مت رکھو کیونکہ جگہ نہیں۔

(۲) عـن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه قـال: كان رسول الله ﷺ يـمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبكم. الحديث ـ رواه مسلم. (مشكوٰة شريف:١/٩٨)

(۳) ان رسول الله ﷺ قـال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل. (رواه أبو دؤد:١/٩٧)

(۴) عـن أبي القاسم الجدني قال سمعت النعمان بن بشير رضي الله عنه يقول: أقبل رسول الله ﷺ عـلـى الـنـاس بـوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثاً والله لتقيمنّ صفوفكم أوليخالفنّ الله بين قلوبكم قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعب صاحبه. (رواه أبو داؤد:١/٩٧)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامتِ صفوف اور اعتدالِ صفوف کا ذکر ہے اسی طرح استقامتِ بدن کا بھی حکم ہے۔ اور استقامتِ بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالتِ قیام کے لئے ہے یا رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے۔ اور رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تب بھی وہ پاؤں کو کشادہ رکھتے ہیں حالانکہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے۔

اوراگرمنفرد کے لئے بھی ہوتو پھروہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چارانگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وینبغي أن یکون بینهما (أی القدمین) مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع. (شامی:۱/۴۴۴،بحث القیام،سعید)

اورشوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعیة قدروا التفریج بینهما بقدرشبر......فیکره أن یقرن بینهما أویوسع أکثرمن ذلک کما یکره تقدیم إحداهما علی الأخری. (الفقه علی مذاهب الأربعة:۱/۲۵۹)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہےاوران کےنزدیک پاؤں کوملانا یاایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالکیة قالوا: تفریج القدمین مندوب لاسنة، وقالوا: المندوب هوأن یکون بحالة متوسطة، بحیث لایضمهما ولایوسعهما کثیراً، حتی یتفاحش عرفاً ووافقهما الحنابلة علی هذا التقدیرإلاأنه لافرق عند الحنابلة بین تسمیته مندوباً أوسنة. (الفقه علی مذاهب الأربعة:۱/۲۶۰)

یعنی مالکی حضرات کہتے ہیں کہ پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے نہ کہ سنت،اورمستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہونہ مکمل ملادے اورنہ بہت زیادہ کشادہ اس طور پرکہ عرف میں برامحسوس ہو۔اورحنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کےمجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پردلالت کرتا ہےاس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کونہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے۔جیسا کہ حضرت شیخ زکریاؒ نے تحریرفرمایا ہے:

"وقال المؤفق یکره أن یلصق إحدی قدمیه بالأخری فی حال قیامه لما روی الأثرم عن عیینة بن عبد الرحمٰن قال: کنت مع أبی فی المسجد فرأی رجلاً یصلی قد صف بین قدمیه والزق أحداهما بالأخریٰ فقال أبی: لقد أدرکت فی هذا المسجد ثمانیة عشررجلاً من

أصحاب النبی ﷺ ما رأیت أحداً منهم فعل هذا قط وکان ابن عمر رضی الله عنه لایفرج بین قدمیه ولایمس أحدهما الأخریٰ ولکن بین ذلک لایقارب ولایباعد". (حاشیة لامع الدراری:۱/ ۲۸۰، سعید)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولایخفی أن فی إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناکب بالمناکب والرکب بالرکب مشقة عظیمة لاسیما مع إبقاء ها کذلک إلی آخر الصلاة کما هومشاهد، والحرج مدفوع بالنص، فالمراد منه جعل بعضها فی مجازاة بعض......قال الحافظ في الفتح تحت قول البخاری: باب إلزاق المنکب بالمنکب، والقدم بالقدم فی الصف: "المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسدخلل". (۱۷٦/۲) وفی عون المعبود في شرح حدیث ابن عمر رضی الله عنه مانصه: قوله: "وحاذوا بالمناکب" أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحیث یکون منکب کل واحد من المصلین موازیاً لمنکب الآخر ومسامتاً له فتکون المناکب والأعناق والأقدام علی سمت واحد. (۲۵۱/۱) قال الشیخ: ولوحمل الإلزاق علی الحقیقة، فالمراد منه إحداثه وقت الإقامة تسویة الصف، فإن إحداث الإلزاق بین تلک الأعضاء طریق تحصیل هذه التسویة ولادلالة فی الحدیث علی إبقاء ه فی الصلاة بعد الشروع فیها......ومن ادعی ذلک فلیأت بحجة علیه. (اعلاء السنن:٤/ ٣٦٠، باب سنیة تسویة الصف ورصها، إدارة القرآن)

حضرت انس رضی الله عنه کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہو گیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: أقیموا صفوفکم، فإني أراکم من وراء ظهري وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه. (رواه البخاری: ۱/ ۱۰۰)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ حضرت انس رضی الله عنه کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضی الله عنه: "کان أحدنا" وقوله: "وقد رأیت أحدنا" یفید أن الفعل

المذکور کان في زمن النبی ﷺ، ولم یبق بعده کما صرح به قوله في روایة معمر: ”ولوفعلت ذلک بأحدهم الیوم لنفر کأنه بغل شموس“ فلو کان ذلک سنة مقصودة من سنن الصلاة لم یترکه الصحابة رضی اللہ عنہم ولم یتنفرمنه أحد......فالصحیح ماقلنا: إن ذلک کان للمبالغة فی تسویة الصف حین الإقامة لابعدها فی داخل الصلاة. (إعلاء السنن:٤/٣٦٠/١٣٢٥،باب سنیة تسویة الصف ورصها،ادارة القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنتِ مقصودہ نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعاء التوجہ میں ”وأنامن المسلمین“ پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز شروع کرنے سے پہلے ”إني وجهت......“ پڑھتے ہیں اس میں ”وأنا أوّل المسلمین“ پڑھنا چاہئے جو کہ وارد ہے یا ”وأنا من المسلمین“ پڑھنا چاہئے؟

الجواب: ”وأنا من المسلمین“ ہی پڑھنا چاہئے، ہاں اگر تلاوت کی نیت سے ”وأنا أوّل المسلمین“ پڑھے تو اصح قول کے مطابق درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ثم اعلم أنه یقول فی دعاء التوجه ”وأنا من المسلمین“ولوقال: ”وأنا أوّل المسلمین“ اختلف المشایخ فی فساد صلاته والأصح عدم الفساد، وینبغی أن لایکون فیه خلاف لما ثبت فی صحیح مسلم من الروایتین بکل منهما وتعلیل الفساد بأنه کذب مردود بأنه إنما یکون کذباً إذاکان مخبراً عن نفسه لا تالیاً وإذاکان مخبراً فالفساد عند الکل.

(البحر الرائق:١/٣١٠،کوئته)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ثم إذا قرأ وجهت وجهی یقول فیه ”وأنا من المسلمین“ ولایقول ”وأناأوّل المسلمین“ تحرزاً عن الکذب ولوقاله قیل تفسد صلاته وقیل لا،وهو الأصح لأنه تالٍ وحاکٍ لامخبر هکذا قالوا، فعلی هذا لوقصد به الإخبار تفسد صلاته قطعاً. (شرح منیة المصلی:

ص۳۰۳،سهيل۔وكذا في رد المحتار:۱/۴۸۸،سعيد۔وكذا في بدائع الصنائع:۱/۲۰۲،سعيد۔و شرح العناية:۱/۲۸۸)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب: عورتوں کے لئے استر ہونے کی وجہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا متفق علیہ ہے، اور مردوں کے لئے مختلف روایات کی وجہ سے تحت السرۃ افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. وفي رواية عن أبي معشر، عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. وفي رواية عن الحجاج بن حسان قال: سمعت أبامجلز ۔ أوسألته ۔ قال: قلت: كيف أصنع؟ قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله، و يجعلها أسفل من السرة. وفي رواية عن علي رضي الله عنه قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۳۹۱، كتاب الصلاة، وضع اليمين على الشمال، ادارة القرآن كراتشي)

درمختار میں ہے:

وضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته هو المختار، وتضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها. وفي الشامي: (قوله تحت ثديها) كذا في بعض نسخ المنية وفي بعضها على ثديها قال في الحلية وكان الأولى أن يقول على صدرها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۸۷، فصل في بيان تأليف الصلاة، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق لأنه أستر لها. (مراقي الفلاح: ص۹۵، فصل في بيان سننها، مكة المكرمة۔وكذا في السعاية: ۲/۱۵۶۔وامداد الفتاح ص ۲۸۳، بيروت۔ والبحر الرائق ۱/۳۰۳)۔

حدیث ’’تحت السرۃ‘‘ کی مزید تحقیق جلد اول ابواب الحدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔واللہ ﷻ اعلم۔

ثناء سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثناء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہواً ثناء چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ثناء پڑھنا سنت ہے۔منفرد اور امام ہر حال میں ثناء پڑھیں گے،اگر جہری نماز میں امام نے قراءت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثناء نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثناء پڑھے گا،مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثناء پڑھے گا،اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور اگر سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها **قالت: كان النبي ﷺ إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.** (رواه الترمذی: ۱/۵۷،باب مايقول عندافتتاح الصلاة ،فيصل)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن الثناء لما روينا لقوله ﷺ: إذا قمتم إلى الصلاة فارفعوا أيديكم ولاتخالف آذانكم ثم قولوا:سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك. (مراقی الفلاح: ص۹۵، مكة المكرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحاً وهوأن يقول سبحانك اللّٰهمّ...... ويستفتح كل مصل سواء المقتدى وغيره مالم يبدأ الإمام بالقراء ة، ولوسرية على المعتمد وإن أدركه راكعاً تحرى إن أكثررأيه أنه إن أتى به أدركه في شيء منه أتى به وإلا لا ،نهر. (حاشية الطحطاوی علی المراقی: ص۲۸۱ ،قديمی كتب خانه)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام) أفاد بالاستثناء أنه يأتي به الإمام والمنفرد والمقتدى قبل شروع الإمام في القراءة (قوله سواء كان إمامه يجهر) لما كان قضية المتن جواز الثناء في المخافتة وإن بدأ الإمام بالقراءة وكان ذلك ضعيف حول الشارح عبارة المصنف إلى القول الصحيح حلبي (قوله وقيل في المخافتة يثنى) وجه ضعف هذا القيل أنه إذا امتنع على المأموم قراءة القرآن التي هي فرض في الصلاة عند قراءة الإمام القرآن سراً أو جهراً فلأن يمتنع عليه الثناء وهو نفل أولیٰ بجامع التخليط والتغليط في كل حلبي. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۱۸/۱)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ما سبق به يأتي بالثناء. (خلاصة الفتاوى: ۱۶۵/۱، مسائل المسبوق، رشيديه)

درمختار میں ہے:

ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً بل إساءةً لو عامداً غير مستخف......وفي الشامي: (قوله لا يوجب فساداً ولا سهواً) أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو (قوله لو عامداً غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضاً بل تندب إعادة الصلاة......ولو مستخفاً كفر، لما في النهر عن البزازية: لو لم ير السنة حقاً كفر لأنه استخفاف. (الدر المختار مع الشامي: ۴۷۴/۱) ـ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب: تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلافِ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله: ثم يكبر حين يركع...... دليل على مقارنة التكبير لهذه الحركات وبسط عليها فيبدأ بالتكبير حين يشرع فى الانتقال إلى الركوع ويمده حتى يصل إلى حد الراكعين ثم يشرع فى تسبيح الركوع ويبدأ بالتكبير حين يشرع فى الهوى إلى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض ثم يشرع فى تسبيح السجود وفيه يبدأ فى قوله سمع الله لمن حمده حتى يشرع فى الرفع من الركوع ويمده حتى ينصب قائما، وفيه أنه يشرع فى التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينصب قائما. (عمدة القارى: ٤/٤٢ ٥، دار الحديث ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراءة ينحط للركوع ويكبر مع الانحطاط لما روى عن على ﷺ وابن مسعود ﷺ وأبى موسى الأشعرى ﷺ وغيرهم أن النبى ﷺ كان يكبر عند خفض ورفع وروى أنه كان يكبر وهو يهوى والواو للحال ولأن الذكر سنة فى كل ركن ليكون معظماً لله تعالى فيما هو من أركان الصلاة بالذكر كما هو معظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكر فيه مسنونا. (بدائع الصنائع: ١/٧ ٠ ٢ سعيد)

مرقات میں ہے:

قوله ثم يكبر حين يرفع رأسه أى من السجود قال ابن الهمام وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبير كما هو فى الجامع الصغير. (مرقات المفاتيح: ٢/٢٦٠ ـ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١/٧٤) ـ واللہ ﷻ اعلم ـ

ترکِ رفعِ یدین کی صحیح حدیث:

السؤال: ما هو تحقيق الحديث الذى ورد فيه ''أن النبى ﷺ كان لا يرفع يديه إذا أراد أن يركع أو يرفع رأسه من الركوع''؟

الجواب: أما الحديث: قال أبو عوانة يعقوب بن إسحاق: حدثنا عبد الله بن أيوب

المحرمی وسعدان بن نصرو شعیب بن عمروفی آخرین قالوا:حدثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن أبیه قال:رأیت رسول اللهﷺإذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی بهما وقال بعضهم:حذومنکبیه وإذا أراد أن یرکع وبعد مایرفع رأسه من الرکوع لایرفعهماوقال بعضهم :ولایرفع بین السجدتین والمعنی واحد،حدثنا الربیع بن سلیمان عن الشافعی عن ابن عیینة بنحوه:ولایفعل ذلک بین السجدتین حدثنی أبوداؤد قال:حدثنا علی قال حدثنا سفیان حدثنا الزهری أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول الله ﷺ بمثله،حدثنا الصائغ بمکة قال حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزهری قال أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول الله ﷺ مثله. (مسند أبی عوانة:۲/۹۹،باب رفع الیدین ،المعارف العثمانیة۔ومستخرجه:۳/۴۴۶/ ۱۲۵۱)

الکلام علی الحدیث من حیث السند:

عبد الله بن أیوب:صدوق، مات سنة خمس وستین ومئتین.(سیرأعلام النبلاء:۱۲/۳۵۹)

وله متابعان هنا أحدهما سعدان بن نصروهوصدوق کما فی الجرح والتعدیل: ۱۲۵۷،والثانی شعیب بن عمرووهوکذاب کما فی لسان المیزان: ۱/ ۴۸۰،وصرح عبد الله بن أیوب بالتحدیث هنا. والباقی من رواة البخاری ومسلم فالحدیث صحیح الإسناد.

وفی نسخة قدیمة للحمیدی: ۲/۲۷۷/۶۱۴،(دارالکتب العلمیة) :حدثنا الحمیدی قال ثنا الزهری قال أخبرنی سالم بن عبد الله عن أبیه قال:رأیت رسول اللهﷺ إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذومنکبیه وإذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلایرفع ولا بین السجدتین، وهذا فیه سقط سفیان بین الحمیدی والزهری،وهومذکورفی مسندأبی عوانة: حیث قال:حدثنا الصائغ بمکة قال حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزهری قال أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول الله ﷺ مثله. (مسند أبی عوانة:۲/۹۹،باب رفع الیدین ،المعارف العثمانیة۔ومستخرجه:۳/۴۴۶/ ۱۲۵۱).

والتطبیق بین الرفع وترکه هوأن النبی کان یرفع أولا ثم ترکه کماکان یرفع أولا بین

السجدتین ثم ترک وکماکان فی کل خفض ورفع ثم ترک وبهذا أخذ مالکؒ وأبوحنیفةؒ وغیرهم کما هومفصل فی موضعه. والله ﷻ أعلم۔

مرداورعورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرداورعورت میں فرق ہے یانہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہےاوروہ یہ کہ مردانگلیاں کھلی رکھےاورہاتھ پرزوردیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کوپکڑے۔اورعورت انگلیاں ملاکرہاتھ گھٹنوں پررکھدےاورہاتھ پرزورنہ دے۔

ملاحظہ ہومراقی الفلاح میں ہے:

ویسنّ أخذ رکبتیه بیدیه حال الرکوع ویسنّ تفریج أصابعه لقوله ﷺ لأنس رضی الله عنه إذا رکعت فضع کفیک علی رکبتیک وفرج بین أصابعک وارفع یدیک عن جنبیک ......والمرأة لاتفرجها لأن مبنیٰ حالها علی الستر. وفی الطحطاوی: ولاتفرج أصابعها فی الرکوع، وتنحنی فی الرکوع قلیلاً بحیث تبلغ حد الرکوع، فلاتزید علی ذلک لأنه أسترلها وتلزم مرفقیها بجنبیها فیه. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:ص۲۶۶،۲۵۹،قدیمی)

شامی میں ہے:

قال فی المعراج وفی المجتبیٰ: هذا کله فی حق الرجل، أما المرأة فتنحنی فی الرکوع یسیراً ولاتفرج ولکن تضم وتضع یدیها علی رکبتیها وضعاً وتحنی رکبتیها ولاتجافی عضدیها لأن ذلک أسترلها. (شامی:۱/۴۹۴،فصل اذا اراد الشروع فی الصلاۃ کبر،سعید کمپنی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مرداورعورت کے رکوع میں چندباتوں میں فرق ہے(۱)مردرکوع میں اتنا جھکے کہ سرپیٹھ اورسرین برابر ہوجائے،اورعورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدرکہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں،پیٹھ سیدھی نہ کرے(۲)مرد گھٹنے پرانگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پرزوردیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کوپکڑے،اور عورت انگلیاں ملاکرہاتھ گھٹنوں پررکھدےاور ہاتھ پرزورنہ دےاور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے(۳)مرداپنے بازوؤں کوپہلو سے بالکل الگ رکھےاورکھل کررکوع کرےاورعورت اپنے

بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے۔(فتاوی رحیمیہ:۶/۴۱۰،مسائل شتی ، مکتبہ رحیمیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: صراحۃً کوئی جزئیہ اس بارے میں نہیں ملا ،البتہ امت کا برابر تعامل پایا جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اس وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ہاں کتب فقہ میں یہ مذکور ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ رکھے اور بطور استدلال ''حدیث النهی عن البروک کبروک الإبل'' پیش کرتے ہیں، یہ حدیث شریف ترمذی میں موجود ہے۔اور یہ صورت اسی وقت آسانی سے ہوسکتی ہے جب کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد السجود وضع أولاً ما كان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولاً ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته. (الفتاوی الهندية:۱/۷۵)

نیز مذکور ہے:

ويكره وضع اليد قبل الركبتين إذاسجد. (الفتاوی الهندية:۱/۱۰۷،الفصل الثانی فيمايكره فی الصلاة،بلوچستان)

بہشتی زیور میں ہے:

پھر تکبیر کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔(بہشتی زیور،گیارواں حصہ ص۸۸۴،فرض نماز کے بعض مسائل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صراحۃ یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ کر یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں،جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔**ويمكن أن يشم رائحة الاستدلال من حديث''استعينوا بالركب''الجامع الصغير.** (فتاوی محمودیہ:

۵/ ۶۱۸، نماز کی سنتوں کا بیان، جامعہ فاروقیہ)

''اللہ اکبر'' کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔(رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز: ص۲۲۳، از قلم مفتی جمیل احمد نذیری)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟

سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک زمین پر ٹیکے یا پیشانی؟

الجواب: علماء نے سجدہ کی کیفیت میں ذکر فرمایا ہے کہ جو اعضاء زمین سے زیادہ قریب ہیں ان کو پہلے رکھے اس اعتبار سے ناک پہلے رکھے پھر پیشانی اور اٹھاتے وقت پیشانی پہلے اٹھائے پھر ناک، نیز حدیث شریف میں بھی ناک کو پہلے ذکر کرنے میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے، واو اگر چہ ترتیب کے لئے نہیں آتا لیکن کبھی تقدیم کے لئے آتا ہے یعنی جو چیز پہلے مذکور ہے وہ استحباباً مقدم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله﴾ میں ''تقديم في الذكر تقديم في العمل والبداءة'' پر دال ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان إذا سجد أمكن أنفه وجبهته الأرض......

(رواه الترمذي: ۱/ ۶۱، باب ماجاء في السجود على الجبهة والأنف-وابن حبان: ۵/ ۱۸۹/ ۱۸۷۱- والطحاوي في شرح معاني الآثار: ۱/ ۲۵۷، باب وضع اليدين في السجود)

ہدایہ میں ہے:

وسجد على أنفه وجبهته لأن النبي ﷺ واظب عليه. (هداية: ۱/ ۱۰۸، باب صفة الصلاة)

فتح القدیر میں ہے:

(قوله لأن النبي ﷺ واظب عليه) يفيده مارواه أبوداؤد، والنسائي واللفظ لهما والترمذي كما تقدم، وما رواه أبويعلى والطبراني ''كان النبي ﷺ يضع أنفه على الأرض مع جبهته'' ومافي البخاري من حديث أبي حميد السابق فإن فيه ''ثم سجد فأمكن أنفه وجبهته من الأرض. (فتح القدير: ۱/ ۳۰۳، دار الفكر)

قال الشيخ محمد عوامة: لم أفز برواية البخاري لكنه في رواية أبي داؤد باب افتتاح

الصلاة. (تعليق الشيخ محمدعوامة على نصب الراية:۱/۳۸۲،المكتبة المكية)

شرح عنایہ میں ہے:

(وسجد على أنفه وجبهته) تقديم الأنف على الجبهة باعتبار أن الأنف أقرب إلى الأرض فيضعه أولاً. (شرح العناية:۱/۳۰۳على هامش فتح القدير،دار الفكر)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت:

سوال: حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو کیسے رکھنا چاہئے؟

الجواب: بحالتِ سجدہ انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا سجد ضم أصابعه. (رواه ابن خزيمة في صحيحه:۱/۳٤۷/٦٤۲،باب ضم أصابع اليدين في السجود،المكتب الإسلامي)

مراقی الفلاح میں ہے:

(موجهاً أصابع يديه) ويضمها كل الضم لايندب إلاهنا لأن الرحمة تنزل عليه في السجود وبالضم ينال الأكثر. (مراقي الفلاح:ص۱۰۵،مكة المكرمة۔وكذا في الشامي:۱/٤۹۸۔والبحر الرائق:۱/۳۱۵)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم:

سوال: سجدہ کی حالت میں بازوؤں کو کھولنا مسنون ہے تو کیا صف کے درمیان بھی کھولنا چاہئے؟

الجواب: صف کے درمیان اگر جگہ تنگ ہے اور ایذاء کا اندیشہ ہے تو بازوؤں کو کھول کر نہیں رکھنا چاہئے اور اگر تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اور صف کے درمیان وسعت ہے تو کھول کر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ويظهر عضديه) في غير زحمة (ويباعد بطنه عن فخذيه) ليظهر كل عضو بنفسه، بخلاف الصفوف فإن المقصود اتحادهم حتى كأنهم جسد واحد. وفي الشامي: (قوله في غير زحمة) جعله قيداً لإظهار العضدين فقط تبعاً للمجتبىٰ،قال: في البحر أخذاً من الحلية

وهذا أولیٰ مما فی الهداية والكافی والزيلعی من أنه إذا كان فی الصف لايجافی بطنه عن فخذيه لأن الإيذاء لايحصل من مجرد المحاذاة، وإنما يحصل من إظهار العضدين. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۵۰۳، سعید)

آپ کے مسائل میں ہے:

جماعت میں زیادہ کہنیاں نہیں پھیلانی چاہئیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۱۹۶)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عورتوں کے سجدہ کی کیفیت:

سوال: عورتوں کو حالتِ سجدہ میں پاؤں ملانا چاہیے یا کھولنا چاہیے اور کتنا کھولے؟

الجواب: فقہاء نے عورتوں کے سجدہ کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں، دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال لے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والمرأة تنخفض فلا تبدی عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لأنه أستر. وفی الشامی: وذكر فی البحر أنها لاتنصب أصابع القدمين كماذكره فی المجتبیٰ. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۵۰۴، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها، لأنها عورة مستورة كما قدمناه وهذا أسترلها، وفی مراسيل أبی داؤد: أنه ﷺ مر علی امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلی بعض فإن المرأة ليست فی ذلک كالرجل...... ولاتفتح إبطيها فی السجود... ولا تنصب أصابع القدمين. (امداد الفتاح: ص ۲۹۷ ـ وکذا فی تبیین الحقائق: ۱/ ۱۱۸)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

الصاق بطن کا مسئلہ جلسہ کے متعلق نہیں بلکہ سجدہ کے متعلق ہے یعنی سجدہ میں پیر کھڑے کرنے سے الصاقِ بطن نہیں ہوتا، بلکہ داہنی طرف نکالنے سے ہوتا ہے، پس سجدہ میں عورت کو چاہیے کہ پیر کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی

طرف نکال لے تاکہ الصاق بطن ہو جائے۔(فتاوی محمودیہ:۶۲۴/۵،باب صفة الصلاۃ۔وفتاوی حقانیہ:۹۲/۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالت رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے (حتی یحاذی جبهته ركبتيه) اور اس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا۔اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے اسی طرح کرے اور اس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويعتمد بيديه على الأرض لأن وائل بن حجر رضي الله عنه وصف صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فسجد وأدعم على راحتيه ورفع عجيزته...... (الهداية:۱/۱۰۸، باب صفة الصلاة،شركة علمية)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله:وجافي بطنه عن فخذيه) أي باعده لحديث مسلم:كان إذا سجد جافى بين يديه حتى لو أن بهمة أرادت أن تمر بين يديه مرت ولحديث أبي داؤد في صفة صلاته عليه الصلاة و السلام : و إذا سجد فرج بين فخذيه غير حامل بطنه على شيء من فخذيه ... و المجافاة أن يظهر كل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها على بعض... (البحر الرائق: ۱/۳۲۰، كوئتة).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالساً ينبغي أن يحاذي بجبهته ركبتيه،أبو السعود. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار:۱/۲۰۳،سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع)......وفي حاشية الفتال عن البرجندي:ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع.قلت:ولعله محمول على تمام الركوع وإلا

فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر تأمل. (شامي:١/٤٧، باب صفة الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالساً ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع. ولعل مراده انحناء الظهر عملاً بالحقيقة لأنه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح :ص٢٢٩، قديمي)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۲/۱۹۵)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: مرد اور عورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: مرد کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اپنے کھڑے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے نیز بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو جس قدر ہو سکے قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ کر انگلیاں اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها **قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير......وكان يقول في كل ركعتي التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان.** (رواه مسلم:١/١٩٤، باب مايجمع صفة الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن وائل بن حجر رضي الله عنه **قال: قدمت المدينة قلت لأنظرن إلى صلاه رسول الله ﷺ فلماجلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى.** (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح :١/٦٥، باب كيف الجلوس في التشهد، فيصل)

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى. (رواه البخاري:۱/۱۱۴/۸۱۹، باب سنة الجلوس فى التشهد)

امداد الفتاح میں ہے:

ويسن افتراش رجله أى:رجل الرجل اليسرى، ونصب اليمنى وتوجيه أصابعها نحو القبلة حالة التشهد فى كل قعود فى فرض ونفل لقول ابن عمر رضی اللہ عنہ "من سنة الصلاة ......وفى حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها **كان النبي ﷺ يفترش.......** (امدادالفتاح: ص۲۹۹۔و كذا فى مراقى الفلاح:ص۲۶۹۔و الهداية۱/۱۱۱،باب صفة الصلاة،مكتبة شركة علمية)

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ:

عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہئے اور دونوں پیر داہنی طرف نکال دینا چاہئے اس طرح کہ داہنی ران بائیں ران پر آجائے اور داہنی پنڈلی بائیں پنڈلی پر۔

ہدایہ میں ہے:

وإن كانت امرأة جلست على إليتها اليسرى وأخرجت رجليها من الجانب الأيمن لأنه أسترلها. (هدايه:۱/۱۱۱)

مراقی الفلاح میں ہے:

(و) يسن (تورك المرأة) بأن تجلس على إليتهاوتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلهامن تحت وركها اليمنى لأنه أسترلها. (مراقى الفلاح:ص۹۹۔و كذا فى امداد الفتاح : ص۲۹۹،بيروت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدے میں ایڑیوں کو ملانے کا حکم:

سوال: فقہ کی روشنی میں یہ بتایئے کہ سجدے میں ایڑیوں کو ملانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: فقہائے احناف میں سے متقدمین کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض متأخرین فقہاء نے ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب ایڑیوں کو ملانا نہیں ہے بلکہ محاذات اور برابر رکھنا ہے، نیز رکوع میں بھی

یہی معنی مراد ہے۔

علامہ رافعی التحریر المختار میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے اپنی تعلیق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ سنت بعض متأخرین نے ذکر فرمائی ہے صاحبِ مجتبیٰ کی پیروی کرتے ہوئے ورنہ متقدمین کی کتب مثلاً ہدایہ اور اس کی شروحات وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا بعض مشائخ کا گمان یہ ہے کہ یہ صاحبِ مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو التحریر المختار میں ہے:

(قول الشارح ويسن أن يلصق كعبيه) قال الشيخ أبوالحسن السندى الصغيرفى تعليقته على الدرهذه السنة إنماذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعاً للمجتبىٰ وليس لها ذكرفى كتب المتقدمة كالهداية وشروحها وكان بعض مشايخنا يرى أنها من أوهام صاحب المجتبىٰ ولم ترد فى السنة على ماوفقناعليه وكأنهم توهموا ذلك مما ورد أن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يهتمون بسد الخلل فى الصفوف......قلت:ولعل الشيخ أبوالحسن لحظ إلى الآثارالواردة فى أن التراوح بين القدمين فى الصلاة مطلقاً أفضل من إلصاقهما. (التحرير المختارعلى ردالمحتار:۱/۶۱، سعيد كمپنى)

نیز مولانا عبدالحیؒ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

ومنهاإلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين،وجمهورالفقهاء لم يذكروه ولاأثرله فى الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القديروغيرها والكنزوشرحه للعينى وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندى والشمنى وفتاوى قاضيخان والبزازية......وقال خيرالمتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندى المدنى فى طوالع الأنوارشرح الدرالمختارقوله:وإلصاق كعبيه أى حالة الركوع قال الشيخ الرحمتى:مع بقاء تفريج ما بين القدمين، قلت:لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لآخرفلايتقدم أحدهما على الآخر......قلت:لقد دارت هذه المسئلة فى سنة أربع وثمانين بعد الألف والمئتين بين علماء عصرنا فأجاب أكثرهم بأن إلصاق الكعبين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولاأثرله فى الكتب المعتبرة والقول الفصيل أن يقال إن

كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزق المصلى أحد كعبيه بالآخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما وسبق إليه فهم المفتى أبى السعود أيضاً فليس هو من السنن على الأصح، كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلى أن يجعل بين قدميه نحو أربعة أصابع لم يذكروا أنه يلزقهما فى حالة الركوع والسجود، وقال العينى فى البناية نقلاً عن الواقعات ينبغي أن يكون بين قدمى المصلى قدر أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع......وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندى فهو أمر حق ولا بعد فى حمل الإلصاق على المحاذاة فإنه جاء استعماله فى القرب، ويؤيد عدم سنية إلزاق الكعبين بالمعنى الأول أى ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدى الكعبين إلى الأخرى وتحريك عضو من غير ضرورة ليس بجائز عندهم. (السعاية: ۲/ ۱۸۰ سهيل اكيڈيمى)

مزید ملاحظہ ہو: امداد الاحکام: ۱/ ۴۷۷، مکتبہ دار العلوم۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۷۔ ۴۹۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۲۰۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی، وغیرہ میں حدیث موجود ہے ''فوجدته ساجداً راصاً عقبيه'' اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے لیکن یہ الفاظ ''فوجدته ساجداً راصاً عقبيه'' صرف یحیی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔ حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) **الإسناد الأول:** ابن خزيمة: (٦٥٤) ابن حبان: (١٩٣٣) شرح مشكل الآثار: (١/ ١٠٤) الحاكم: (١/ ٢٢٨) البيهقى فى الكبير: (٢/ ١١٦) ابن عبد البر فى التمهيد: (٢٣/ ٣٤٨) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبى مريم عن يحيى بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبى النضر عن عروة عن عائشة رضى الله تعالى عنها.

سعید بن أبی مریم	متفرد	
یحیی بن أیوب	علل الذهبی أحادیثه. رد أحمد روایته فی الوتر لیس بذلک القوی. قال أبوحاتم: لایحتج به وقال النسائی: لیس بالقوی وقال الدارقطنی: فی حدیثه اضطراب.	المستدرک: ۲/۲۰۱۱۔ المستدرک: ۳/۹۷۔ الضعفاء للعقیلی: ۲۱۱۔ تنقیح التحقیق: ۲/۱۹۳۔ میزان الاعتدال: ۴/۳۶۳۔

ولفظه راصاً عقبیه عند الکل، ویحییٰ بن أیوب لیس بذلک القوی وخالف الأقوی هنا فشذت روایته.

(۲) الإسناد الثانی: رواه مسلم: (۱/۳۵۲) وأحمد: (۶/۸۵،۲۰۱) و أبوداؤد: (۱/۵۴۷) والنسائی: (۱/۱۰۲) وابن عبد البر: (۲۳/۳۴۹) عن:

أبوبکربن أبی شیبة	ثقة	میزان الإعتدال: ۴۵۴۹۔
أبواسامة	ثقة	لسان المیزان۔
عبید الله بن عمر	حجة من العدول	بیان مشکل الآثارتحتفة الأحوذی: ۳/۲۴۰۔
محمد بن یحییٰ بن حبان	ثقة	التاریخ الکبیر۔
الأعرج	ثقة	الإکمال۔
أبو هریرة رضی الله عنه	الصحابی	

ولفظه عند الکل "فوقعت یدی علی بطن قدمیه".

(۳) الإسناد الثالث: رواه مالک: (۱/۲۱۴) والترمذی: (۵/۴۸۹) و الطحاوی: (۳۴۱) والبغوی: (۵/۱۶۶) عن:

یحییٰ بن سعید الأنصاری	ثقة	ولفظه عند الكل "فوقعت يدی على قدميه"
محمد بن إبراهيم التيمی	ثقة	
عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ام المؤمنين	

الخلاصة: الحديث أصله صحيح فی صحيح مسلم: (۱/۳۵۲) وأحمد: (۶/۸۵،۲۰۱) وأبوداؤد: (۱/۵۴۷) والنسائی: (۱/۱۰۲) وابن عبد البر: (۲۳/۳۴۹) ومالك: (۱/۲۱۴) والترمذی: (۵/۴۸۹) والطحاوی: (۳۴۱) والبغوی: (۵/۱۶۶) وليس عندهم رص العقبين، فهذا شاذ كماذكر الحاكم. (ملخص من رسالة "لاجديد فی أحكام الصلاة").

"يحيى بن أيوب الغافقی" پرمزید کلام ملاحظہ ہو:

قال ابوزرعة الرازی: واهي الحديث. (سؤلات البرذعی:۴۳۳).

وقال ابن سعد: منكر الحديث. (طبقات ابن سعد:۷/۵۱۶).

وذكره العقيلي فی الضعفاء (۴/۳۹۱/۲۰۱۱) **وقال: حدثنا محمد بن إسماعيل، حدثنا ابن علی، سمعت ابن أبي مريم قال: حدثت مالكاً بحديث حدثنا به يحيى بن أيوب عنه فسألته عنه، فقال: كذب وحدثته بآخر عنه فقال: كَذَبَ ...وقال احمد سئ الحفظ.**

وللاستزادة انظر: (تحرير تقريب التهذيب:۴/۷۸/۷۵۱۰،و تهذيب الكمال مع التعليقات: ۳۱/۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،و كتاب الضعفاء والمتروكين لابن الجوزی:۳/۱۹۱/۳۶۹۴).

الغرض یحیی بن ایوب مختلف فیہ راوی ہے، بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور بعض نے توثیق فرمائی ہے، اگر ہم ضعیف تسلیم کریں علی سبیل التنزل تو یہ روایت منکر ہوگی، ضعیف راوی کے ثقات کی مخالفت کرنے کی وجہ سے، اور اگر مقبول مان لیں تب بھی اعلی درجہ کے روات کی مخالفت کی وجہ سے یہ روایت شاذ ہے۔

لیکن اس کو ثقہ کی زیادتی نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس حدیث میں یحیی بن ایوب نے دوسرے ثقات کی مخالفت کی ہے، دوسرے راوی "**فوقعت يدی على قدميه**" یا اس کے مترادف الفاظ نقل کرتے ہیں اور یحیی بن ایوب ان الفاظ کی جگہ "**راصاً عقبيه**" نقل کرتے ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے ثقہ کی زیادتی مقبول ہے مخالفت ہو تو وہ مقبول نہیں ہے، مزید براں یحیی بن ایوب پر کلام بھی ہے۔

قال ابن الحنبلي في قفو الأثر: وعلى قياس ما سبق: لا تقبل زيادة الضعيف إذا خالفت روايةَ الثقة. (ص ٦٠).

وقال في قواعد في علوم الحديث: وقد قدمنا أن من اختلف في توثيقه وتضعيفه حسن الحديث أيضاً، فتقبل زيادته لكونه من رواة الحسن، ...قلت: هذا مقيد بما إذا لم تكن الزيادة منافية كما هو الظاهر. (قواعدفی علوم الحديث،ص ۱۲۲).

وللمزيد من البحث انظر: (شرح شرح النخبة للملاعلی القاری مع التعليقات، ص: ۳۱۵-۳۲۰، والتحرير لابن الهمام:۲/۳۷۸، وقفو الاثر لابن الحنبلی، مع التعليقات ص: ۶۰-۶۲، وقواعد فی علوم الحديث،ص:۱۲۳).

اگر بالفرض روایت ثابت بھی ہوتو ''راصــاً'' کا مطلب یہ ہے کہ کچھ فاصلہ کے ساتھ برابر رکھنا، جیسے حدیث شریف میں ''**تراصوافي الصفوف**'' کا مطلب صفوف کو برابر کرنا ہے، یہ مطلب نہیں کہ غیرمقلدین کی طرح ٹخنے کو ٹخنے سے ملادیں۔

المعجم الوسیط میں ہے:

ويقال: تراص القوم: تصافوا وتلاصقوا في القتال أو الصلاة. (ص:۳۴۸).

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نے بکر بن عبداللہ ابوزید کے رسالہ کے مندرجات سے استدلال کیا جو سلفی ہیں؟

الجواب: جواباً عرض ہے کہ وہ بظاہر حنبلی ہے اور ایسے مسائل میں رسالہ لکھا ہے کہ جن میں بعض سلفی مذاہبِ اربعہ کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً اسی مسئلہ میں وہ لکھتے ہیں: ''**تَحَصَّل من هذا أنه لا ذكر لجمع العقبين حال السجود في شيء من المذاهب الأربعة**''. (لاجديدفی احكام الصلاة،ص۶۹)؛

نیز اس رسالہ میں بعض دوسرے مسائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نماز میں ٹخنوں کو پڑوسی کے ٹخنوں سے ملانے کی تردید۔

(۲) بعض سلفی قیام میں حلق کے نیچے ہاتھ رکھتے ہیں اس کی تردید۔

(۳) سجدہ میں ہاتھوں کو بہت پھیلانے کی تردید۔

(۴) بعض سلفی جلوس بین السجدتین میں اشارہ بالسبابۃ کرتے ہیں اس کی تردید۔

(۵) بعض لوگ تسبیحات کو صرف دائیں ہاتھ سے شمار کرنے کو مسنون سمجھتے ہیں اس کی تردید۔

(۶) ایک اور مسئلہ جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث سے متعلق ہے۔

نیز ہم نے صرف ان کی تحقیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حدیث کے راوی یحیی بن ایوب کے متعلق مزید تحقیق کی ہے۔

بالفرض اگر وہ سلفی ہوں تو یہ مقام شکر ہے کہ بکر بن عبداللہ نے اس مسئلہ میں ہمارے اکابر حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور حضرت تھانویؒ کی نگرانی میں لکھے ہوئے فتاویٰ امداد الاحکام کی موافقت فرمائی۔ امداد الاحکام کے اکثر فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی نوک قلم کے مرہونِ منت ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا حکم:

سوال: قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قومہ اور جلسہ میں اذکار پڑھنے کو فقہاء نے جائز یا مستحب لکھا ہے لہذا پڑھنا چاہئے اور جب مستحب ہے تو سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السمٰوٰت والأرض وملأ ما بينهما وملأ ما شئت من شيء بعد". (رواه الترمذي: ۱/۶۱)

وعن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين السجدتين: " اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني". (رواه الترمذي: ۱/۶۳، باب ما يقول بين السجدتين)

وقال العلامة الكشميري رحمه الله في شرح هذا الحديث: وقال القاضي ثناء الله الباني بتي رحمه الله باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ما قال القاضي المرحوم لاسيما في هذا العصر فإن تحفظ الجلسة متعذر بدون تعيين الدعاء فيها. (العرف الشذي على السنن الترمذي: ۱/۷۰)

شامی میں ہے:

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه، إذ لو كان مكروهاً لنهى عنه كما ينهى عن القراءة

فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنوناً لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة، بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمد لإبطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أرمن صرح بذلک عندنا،لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، والله أعلم.(شامی:۱/۵۰۵،سعید)

نیز شامی میں ہے:

(قوله وما ورد محمول علی النفل)......وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال:علی أنه إن ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الإنفراد، أوالجماعة والماموموں محصورون لایتثقلون بذلک کما نص علیه الشافعیة، ولاضررفی التزامه وإن لم یصرح به مشایخنا فإن القواعد الشرعیة لاتنبوعنه،کیف والصلاة هی التسبیح والتکبیروالقراءة کماثبت فی السنة.(شامی:۱/۵۰۶،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثورہ پڑھنا مستحب ہے،فرائض اورنوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے۔(احسن الفتاوی:۳/۲۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت مذہبِ احناف میں ہے یا نہیں؟

الجواب: محققینِ احناف کے نزدیک تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مستحب ہے۔امام محمدؒ نے مؤطا میں اشارہ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:حضور ﷺ کے طریقہ کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مؤطا امام محمد میں ہے:

کان رسول الله ﷺ إذاجلس فی الصلاة وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی وقبض أصابعه کلها وأشاربأصبعه التی تلی الإبهام ووضع کفه الیسری علی فخذه الیسری قال محمدؒ:وبصنیع رسول الله ﷺ نأخذ وهوقول أبی حنیفةؒ. (مؤطاامام محمد:۱/۱۰۸/۱۴۴،باب العبث بالحصی فی الصلاة،قدیمی کتب خانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

وتسن الإشارة فی الصحیح لأنهﷺ رفع أصبعه السبابة وقد أحناها شیئاً (رواه النسائی) ومن قال: إنه لایشیر أصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة وتکون بالمسبحة أی السبابة من الیمنی فقط یشیربها عند انتهائه إلی الشهادة فی التشهد......یرفعها عندالنفی أی نفی الألوهیة عما سوی اللّٰه تعالیٰ بقوله لاإلٰه ویضعها عندالإثبات أی إثبات الألوهیة للّٰه وحده بقوله إلا اللّٰه لیکون الرفع إشارة إلی النفی والوضع إلی الإثبات. (مراقی الفلاح: ص۹۹،فصل فی سننها، مکة المکرمة)

بدائع الصنائع میں ہے:

وهل یشیر بالمسبحة إذا انتهیٰ إلی قوله: "أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه" قال بعض مشایخنا: لایشیر لأن فیه ترک سنة الید وهی الوضع وقال بعضهم: یشیر فإن محمداً قال فی کتابه: "حدثنا عن النبیﷺ أنه کان یشیر بأصبعه فیفعل مثل مافعل النبیﷺ ویصنع ماصنعه وهو قول أبی حنیفةؒ وقولنا. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۴،سعید)

درمختار میں ہے:

المعتمد ماصححه الشراح ولاسیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعلهﷺ، ونسبوه لمحمدؒ والإمامؒ، بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الأذکار: المفتی به عندنا أنه یشیر. وفی الشامی: (قوله ونسبوه لمحمدؒ والإمامؒ) وکذا نقلوه عن أبی یوسفؒ فی الأمالی، فهو منقول عن أئمة الثلاثة......وفی المحیط أنها سنة، یمکن التوفیق بأنها غیر مؤکدة......وفی القهستانی: وعن أصحابنا جمیعاً أنه سنة. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۵۰۸،سعید)

شرح منیة المصلی میں ہے:

ذکره فی النهایة وغیرها قال نجم الدین الزاهدی: لما اتفقت الروایات عن أصحابنا جمیعاً فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الأخبار والآثار وکان العمل بها أولیٰ. (شرح منیة المصلی: ص۳۲۸،سهیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو: فتح القدیر:۱/۳۱۳،باب صفة الصلاة دارالفکر۔وشرح العناية:۱/۳۱۲۔والفتاوی التاتارخانية:۱/۵۵۲،کیفية الصلاة،ادارة المعارف۔وتبيين الحقائق:۱/۱۲۱،امدادية۔وفتاوی محموديه:۵/۶۳۵۔وفتاوی دارالعلوم ديوبندمکمل ومدلل:۲/۱۸۸۔واحسن الفتاوی:۳/۳۰).

نیز ملاعلی قاریؒ اور علامہ شامیؒ کا رسالہ بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ:

سوال: تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟اور انگلی کس وقت اٹھانا چاہئے؟

الجواب: اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیاں اور اس کے پاس کی انگلی کو مٹھی کی طرح بند کرلے اور کلمہ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے یعنی لاالٰہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکادے،بالکل گرانہ دے،پھر اخیر قعدہ تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن مالک وهو ابن نمير الخزاعی رضی اللہ عنہ عن أبيه قال:رأيت رسول اللّٰه ﷺ واضعاً يده اليمنى على فخذه اليمنى فی الصلاة ويشير بأصبعه.وفی رواية له:قال:حدثنی مالک بن نمير الخزاعی رضی اللہ عنہ من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأی رسول اللّٰه ﷺ قاعداً فی الصلاة واضعاً ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعاً أصبعه السبابة قد أحناها شيئاً وهو يدعو. وفی رواية له:كان إذا جلس فی الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه وقبض يعنی أصابعه كلها وأشار بأصبعه التی تلی الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى. (روی الثلاثة النسائی:۱/۱۸۷،باب احناء الاشارة بالسبابة،قديمی کتب خانه)

بدائع الصنائع میں ہے:

وذكر الفقيه أبو جعفر الهندوانی:أنه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى مع الإبهام ويشير بالسبابة وقال:إن النبی ﷺ هكذا كان يفعل. (بدائع الصنائع:۱/۲۱٤،سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

المروی عن محمدؒ فی كيفية الإشارة قال:يقبض خنصره والتی تليها ويحلق الوسطى

والإبهام ويقيم المسبحة وكذا عن أبي يوسفؒ في الأمالي وهذا فرع تصحيح الإشارة. (شرح منية المصلي: ص۳۲۸،سهيل)

امدادالفتاح میں ہے:

يرفعها عند النفي ويضعهاعند الإثبات. (امداد الفتاح:ص۲۳۲،بيروت)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عندالنفي أي نفي الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله:"لا إلٰه"ويضعها عندالإثبات أي إثبات الألوهية للّٰه وحده بقوله:"إلا الله" ليكون الرفع إشارة إلى النفي والوضع إلى الإثبات. (مراقي الفلاح:ص۹۹،فصل في سننها،مكة المكرمة)

مزید ملاحظہ ہو: شامی:۱/۵۰۸،سعید۔وفتاوی محمودیہ:۵/۶۳۵،مبوب ومرتب)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت اٹھانے کے بعد انگلی مکمل رکھ دینا چاہیے یا اخیر تک اٹھائے رکھے؟

الجواب: محققین کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ انگلی اخیر تک اٹھائے رکھے یعنی مکمل نہ رکھدے بلکہ ہلکی سی جھکادے جس کو اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے نیز نسائی شریف کی روایت کے موافق بھی ہے۔ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

قال حدثني مالك بن نمير الخزاعي ﷺ من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعداً في الصلاة واضعاً ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعاً أصبعه السبابة قد أحناها شيئاًوهويدعو. (رواه النسائي:۱//۱۸۷، باب احناء الاشارة بالسبابة،قديمي كتبخانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عندالنفي أي نفي الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله:"لا إلٰه"ويضعها عندالإثبات أي إثبات الألوهية للّٰه وحده بقوله:"إلا الله"ليكون الرفع إشارة إلى النفي والوضع إلى الإثبات. (مراقي الفلاح:ص۹۹،فصل في سننها،مكة المكرمة)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

تشہد پر انگشتِ شہادت کو اٹھا دے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۳۳۱، مکتبہ رحمانیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

اشارہ کے بعد کی کیفیت کے متعلق عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "یضعها" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو بالکلیہ گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، صرح به الملاعلی القاریؒ لرواية أبي داؤد والنسائي رافعاً أصبعه السبابة وقد أحناها شيئاً أي أمالها. (تزيين العبارة بتحسين الإشارة لعلي القاريؒ ص ۸) امداد الفتاوی میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۱)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کریگا یا اشارہ ساقط ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اشارہ ساقط ہے اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

فرع: لايشير بغير المسبحة حتى لو كانت مقطوعة أو عليلة لم يشر بغيرها من أصابع اليمنى ولا اليسرى كما في النووي على مسلم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۶۹، مبحث الإشارة بالسبابة۔ وشرح النووي على صحيح مسلم: ۱/ ۲۱۹، باب صفة الجلوس في الصلاة۔ والدر المختار: ۱/ ۵۰۹، سعيد)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا ہے تو انگشت نہ اٹھائیں، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۹۲، دار الاشاعت)

خیر الفتاوی میں ہے:

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کر دیں کسی اور انگلی سے نہ کریں کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔ (خیر الفتاوی: ۲/ ۲۶۰)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر نگاہ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہے تو نماز کے دوران کعبہ کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں مصلی کی نظر حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر ہونی چاہئے، ہاں بعض علماء نے مکی مشاہد کو اس حکم سے مستثنی کیا ہے اور اس کے لیے کعبہ کی طرف دیکھنے کو مسنون فرمایا ہے لیکن اصح قول یہ ہے مکی مشاہد بھی اس حکم سے مستثنی نہیں ہے اس کے لیے بھی مسنون یہی ہے کہ حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر نگاہ رکھے۔ اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع سجدہ نگاہ رکھنے کا مطلق حکم فرمایا، اس حکم سے کسی کا استثناء منقول نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہی تھا، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں نماز ادا فرمائی تو آپ کی نگاہ حالتِ قیام میں موضع سجدہ سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳) یہ حالت خشوع وخضوع میں معاون ہے اور خشوع وخضوع سے نماز پڑھنا مطلوب ومامور بہ ہے، اس کے بخلاف بیت اللہ کو دیکھنا قاطع خشوع وخضوع ہے، دورانِ نماز جس سے بچنے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔

(۴) بالفرض والتقدیر اگر کسی مصلی کا یہ گمان ہو کہ وہ نفس کعبہ کو سجدہ کرتا ہے تو یہ کفر تک پہنچانے والا ہے۔

(۵) جنہوں نے مکی مشاہد کے لیے بیت اللہ کی طرف دیکھنے کا قول اختیار کیا، ان کا قول مراعاتِ قبلہ پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ عین کعبہ سے سینہ پھرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سنن کبری بیہقی میں ہے:

عن أنس ؓ قال: قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یا أنس اجعل بصرک حیث تسجد. (السنن الکبری للبیہقی:۲/۲۸۴).

درمختار میں ہے:

ولها(أی للصلاۃ)آداب : نظرہ إلی موضع سجودہ حال قیامہ ، وإلی ظهر قدمیہ حال رکوعہ ،....لتحصیل الخشوع . وفی الشامیة: قولہ لتحصیل الخشوع ، علة للجمیع ، لأن

المقصود الخشوع وترک التکليف ، فإذا ترکه صار ناظراً إلى هذه المواضع قصد أولا ، وفى ذلک حفظ له عن النظر إلى ما يشغله ، وفى إطلاقه شمول المشاهد للكعبة لأنه لا يأمن ما يلهيه . (الدر المختار مع رد المحتار: ١/٤٧٧، سعيد).

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وقال الطيبيؒ: ...قيل: يسن لمن بالمسجد الحرام النظر إلى الكعبة إلا حالة القول فى التشهد: لا إله إلا الله ، فلا يجاوز بصره سبابته ما دامت مرتفعة ، وعن المتقدمين من الشافعية أنه يسن لمن بالمسجدالحرام أن ينظر إلى الكعبة ، وقيل: يجوز فى النفل دون الفرض ، ورده المتأخرون بأنه استثناء لم ينقل فكان فى حيز الطرح لمخالفته الحديث، وكلام العلماء و بأنه يلهى عن الخشوع وبما صح عن عائشةؓ عجباً للمسلم إذا دخل الكعبة كيف يرفع بصره قبل السقف يدع ذلک إجلالاً لله تعالىٰ دخلها رسول الله صلى الله عليه وسلم ما خلف بصره موضع سجوده ، وبما ثبت أنه صلى الله عليه وسلم نظرفى صلاته فيها لمحل سجوده فكذا خارجها إذ لا قائل بالفرق ، ولذا سن للطائف أن لا يجوز بصره محل مشيه لأنه الأدب الذي يحصل به اجتماع القلب ،...والصحيح فى مذهبنا ما تقدم من النظر إلى موضع السجود مطلقاً ، وقيل : ينظر إلى الكعبة ، ويمكن حمله على مراعاة القبلة لأنه بأدنى انحراف يميل عن الكعبة فيحتاج إلى الملاحظة. (مرقاة المفاتيح: ٣/ ١٣، ملتان).

درمختار میں ہے:

والسادس: استقبال القبلة حقيقة أوحكماً ... وهوشرط زائد للابتلاء يسقط للعجز، حتى لو سجد للكعبة نفسها كفر. و فى الشامية: قوله حتى لوسجد، تفريع على كون الاستقبال شرطاً زائداً ، يعنى لما كان المسجود له هوالله تعالىٰ والتوجه إلى الكعبة ما موراً به كما تقدم كان السجود لنفس الكعبة كفراً . (الدر المختار مع ردالمحتار: ١/٤٢٧، سعيد).

وللاستزادة انظر: (المبسوط للامام السرخسى: ١/٤٥، بيروت لبنان، وتبيين الحقائق: ١/١٠٨، ملتان، والفتاوى الهندية: ١/٧٢). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہیئے؟

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہیئے؟

الجواب: حالتِ سجدہ میں ناک کی طرف حالتِ رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیلِ فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔ درمختار میں ہے:

ولها آداب... (نظره إلى موضع سجوده حال قيامه وإلى ظهرقدميه حال ركوعه وإلى أرنبة أنفه حال سجوده وإلى حجره حال قعوده وإلى منكبه الأيمن والأيسر عندالتسليمة الأولىٰ والثانية لتحصيل الخشوع. (الدر المختار: ۱/۴۷۷، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

ونظر المصلي إلى موضع سجوده قائماً وإلى ظاهر القدم راكعاً لأنه أدعى إلى الخشوع ونظره إلى أرنبة أنفه ساجداً لأن تصويب النظرإليها أقرب إلى الخشوع...... ولئلا ينظرإلى ما يشغله عماهوفيه من الخشوع استحضاراً لعظمة مولاه......ويكون ملاحظاً قوله ﷺ "اعبدالله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" وإلى المنكبين مسلماً فينظرإلى أيمنه في الأول، وإلى أيسره في الثاني، لأن المقصود الخشوع، وترك التكلف فإذا تركه صارناظراً إلى هذه المواضع قصد أولم يقصد. (امداد الفتاح: ص۳۰۶، بیروت۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۳۰۴، کوئٹۃ۔ ومراقی الفلاح: ص۱۰۲، مکۃ المکرمۃ۔ والطحطاوی: ص۲۷۷۔ وبدائع الصنائع: ۱/۲۱۵، سعید۔ والفتاوی الهندیۃ: ۱/۷۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف السلام علیکم کہے؟ مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب: ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے پھر بائیں طرف "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس

میں اضافہ کرے یہی متوارث عمل ہے۔البتہ امام مالکؒ کے نزدیک صرف ''السلام علیکم'' سنت ہے ''ورحمۃ اللہ'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱)مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہومبسوط میں ہے:

ثم یسلم تسلیمتین أحداهما عن یمینه''السلام علیکم ورحمة اللّٰه''والأخری عن یساره مثل ذلک لقول النبی ﷺ ''وتحلیلها التسلیم''. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۱/۳۰،مطلب فی حکم التسلیم،ادارۃ القرآن)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ویسلم عن یمینه ویقول''السلام علیکم ورحمة اللّٰه''ولایقول فی هذا السلام ''وبرکاته''کذا ذکرفی المحیط فإن المروی فیه عن ابن مسعودؓأن النبی ﷺکان یسلم عن یمینه''السلام علیکم ورحمة اللّٰه''حتی یری بیاض خده الأیمن وعن یساره ''السلام علیکم ورحمة اللّٰه''حتی یری بیاض خده الیسری رواه أصحاب السنن، وقال الترمذیؒ حدیث حسن صحیح، ولایتوهم أن مراده هذا السلام الأول وأنه یقول فی السلام الثانی ''وبرکاته''کمایفعله بعض الجهال لأن ذلک خلاف السنة کما فی هذا الحدیث الصحیح وخلاف عمل الأمة. (شرح منیة المصلی:۳۳۶،سهیل۔وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۲۷٤،قدیمی۔وفی الفتاوی الهندیة:۱/۷٦)

(۲)مذہبِ مالکیہ:

قال العلامة شمس الدین الدسوقی:وظاهرکلام المذهب أنها(ورحمة اللّٰه وبرکاته) غیرسنة وإن ثبت بها الحدیث لأنها لم یصحبها عمل أهل المدینة بل ذکرخاتمة المحققین محمد أمین:أن الأولی الاقتصارعلی''السلام علیکم''وإن زیادة ورحمة اللّٰه وبرکاته خلاف الأولیٰ. (حاشیة الدسوقی:۱/۳۷۹،وکذافی مواهب الجلیل:۲/۲۱۹۔وفی شرح مختصرخلیل:۳/۳٤٤۔وفی المدونة الکبری:۱/۲۲٦)

وقال الإمام مالکؒ:فی ''السلام'':یقول''السلام علیکم''بلا''ورحمة اللّٰه''.

(الاستذکار لابن عبدالبر:٤/٢٨٩)

(۳) مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعیؒ) وبهذه الأحاديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إماماً كان أو مأموماً أو منفرداً ونأمر المصلى خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول فى كل واحدة منهما "السلام عليكم ورحمة الله". (كتاب الام:١/١٤٦، باب السلام فى الصلاة، دارالفكر۔ وكذا فى شرح المهذب:٣/٤٧٣، فرضية السلام فى الصلاة، دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (ثم يسلم عن يمينه فيقول: "السلام عليكم ورحمة الله" وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبى ﷺ......قال الترمذیؒ: حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح. (المغنى لابن قدامه الحنبلى:١/٥٨٨، وكذا فى الشرح الكبير:١/٥٨٨، دارالكتب العلمية، لبنان)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

لفظِ سلام سے قبل تحویل الوجہ کا حکم:

سوال: سلام پھیرتے وقت تحویل الوجہ کس وقت کرنا چاہئے لفظ سلام کی ابتداء میں یا لفظ سلام سے پہلے؟ جب کہ معمول یہ ہے کہ سلام کہتے وقت چہرہ پھیرتے ہیں لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلے مکمل چہرہ پھیر لے اس کے بعد لفظ سلام کہے دونوں میں سے کونسا قول زیادہ صحیح ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اولاً چہرہ کو مکمل پھیر دے پھر اس کے بعد لفظ سلام کہے۔ ملاحظہ ہو الحقائق شرح منظومۃ النسفی میں ہے:

ويحول أولاً ثم يسلم. (الحقائق شرح منظومة النسفى، ص٢٦٣، لابى حامدمحمود بن محمدبن داود البخارى).

طوالع الانوار میں ہے:

ثم يسلم عن يمينه ويساره، محولاً رأسه قبل السلام، كما في الحقائق. (طوالع الانوار شرح الدر المختار: ۱/ ۷۱۰).

خزانۃ العلماء میں ہے:

ثم يحول المصلي وجهه أولاً كما في الحقائق. (خزانة العلماء للشيخ محمد رضاء بن الشيخ محمد صالح: ۱/ ۱۰۷).

مجموعۃ الغرائب میں ہے:

ينبغي للمسلم أن يحول وجهه أولاً ثم يسلم، كذا في صلاة النخشي. (مجموعة الغرائب، ص ۷۷).

جامع الرموز شرح النقایہ میں ہے:

ثم يحول المصلي وجهه أولاً كمافي الحقائق حتى يرى بياض خده كمافي المبسوط ثم يسلم. (جامع الرموز للقهستاني: ۱/ ۱۶۱).

مجمع المسائل میں ہے:

وتحويل الوجه ثم يسلم، قهستاني شرح مختصر الوقاية. (مجمع المسائل، ص ۴۷).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آثارِ سجود سے کیا مراد ہے:

سوال: آثارِ سجود سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں کی پیشانی پر نشان لگا رہتا ہے کیا یہ مراد ہے یا کچھ اور؟

الجواب: آثارِ سجود کے چند معانی ہیں:

(۱) نماز کی وجہ سے انسان کے اندر تقوی اور اچھائی کا پیدا ہونا اس کی وجہ سے دنیا ہی میں چہرہ کا منور ہونا۔

(۲) شب بیداری کی وجہ سے دن میں چہروں پر پیلا پن اور بیداری کے اثرات مراد ہے۔

(۳) نمازی کے چہرے قیامت کے دن منور ہوں گے۔

(۴) وضو کے اثرات اعضاء وضو پر۔

پیشانی پر نشانات نظر آتے ہیں یہ اگر عمداً کسی نے کیا ہے تو برا ہے، اور اس کو تقویٰ کی علامت قرار دینا مفسرین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله جل جلاله: ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله عنه: ﴿سيماهم في وجوههم﴾ يعني السمت الحسن. وقال مجاهد وغير واحد: يعني الخشوع والتواضع. وقال ابن أبي حاتم: حدثنا أبي، حدثنا علي بن محمد الطنافسي، حدثنا حسين بن جعفي عن زائدة عن منصور عن مجاهد ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال: الخشوع. قلت: ما كنت أراه إلا هذا الأثر في الوجه، فقال: ربما كان بين عيني من هو أقسى قلباً من فرعون. وقال السدي: الصلاة تحسن وجوههم، وقال بعض السلف: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" وقد أسنده ابن ماجة في سننه عن إسماعيل بن محمد الصالحي عن ثابت بن موسىٰ عن شريك، عن الأعمش، عن أبي سفيان عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" والصحيح أنه موقوف. وقال بعضهم: إن للحسنة نوراً في القلب وضياءً في الوجه وسعةً في الرزق ومحبةً في قلوب الناس. وقال أمير المؤمنين عثمان رضي الله عنه: ما أسرّ أحد سريرة إلا أبداه اللّٰه تعالىٰ على صفحات وجهه وفلتات لسانه، والغرض أن الشيء الكائن في النفس يظهر على صفحات الوجه، فالمؤمن إذا كانت سريرته صحيحة مع اللّٰه تعالىٰ أصلح اللّٰه عزّ وجلّ ظاهره للناس. (تفسير ابن كثير: ٤/ ٢١٥، سورة الفتح، مكتبة دار السلام)

معارف القرآن میں ہے:

﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں، مراد آثار سے وہ انوار ہے جو عبدیت وخشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرے پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا اثر پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں، خصوصاً نمازِ تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پُرنور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف القرآن: ۸/۹۳)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری:۹/۳٦-تفسیر طبری:۱۱/۳۷۰-تفسیر قرطبی ۲۹۳/۱٦-روح المعانی: ۱۲٥/۲٦-تفسیر عثمانی: ص٦۸٤)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور کونسا ہاتھ رکھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز میں حتی الامکان جمائی کو دفع کرنا چاہئے اگر ممکن نہ ہو تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے اور قیام کے علاوہ کوئی اور رکن میں ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

(قوله وكظم فمه عند التثاؤب) أي أمسك فمه والمراد به سده لقوله ﷺ التثاؤب في الصلاة من الشيطان فإذا تثاءب أحدكم فليكظم مااستطاع وفي الظهيرية: فإن لم يقدر غطاه بيده أو كمه للحديث. (البحر الرائق: ۱/۳۰٤، كوئتة)

درمختار میں ہے:

فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى، وقيل باليمنى لو قائماً...... (الدر المختار: ۱/٥۱٥، سعيد)

وفي الطحطاوي على الدر:

(قوله بظهر يده اليمنى) هذا حكمه في الصلاة لقلة العمل أما خارجها فبظهر كفه اليسرى كما وردت به الآثار (قوله وقيل باليمنى لوقائماً) لأن التغطية ينبغي أن تكون باليسرى كالامتخاط فإذا كان قاعداً يسهل عليه ذلك ولم يلزم منه حركة اليدين بخلاف ما إذا كان قائماً فإنه يلزم من التغطية باليسرى حركة اليمنى أيضاً لأنها تحتها حلبي. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۱٤-وكذا في الشامي: ۱/٥۱٥، سعيد-وفي شرح منية المصلي: ص۳۲٥، سهيل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے

ٹوپی کوسترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت رحمہم اللہ کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة): (وصلاته حاسراً) أی كاشفاً (رأسه للتكاسل) وفی الشامی: (للتكاسل) أی لأجل الكسل بأن استثقل تغطيته ولم يرها أمراً مهماً فی الصلاة فتركها لذلك... (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۶۴۱، مكروهات الصلاة، سعيد۔ وكذا فی شرح منية المصلی: ص۳۴۸، سهيل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہو گیا ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: "ولايخفى على عاقل أن كشف الرأس مستقبح وفيه إسقاط مروة وترك أدب"، عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا ہے اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ (تلبيس ابليس: ص۳۷۳)

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: "ويكره كشف الرأس بين الناس". لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ غنية الطالبين: ۱/۱۳۔ (فتاوی رحیمیہ: ۶/۳۵۱)

سترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو مقالات الکوثری میں ہے:

وأما ما يروى من أنه ﷺ كان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلی فضعيف كما فی شرح الشمائل وغيره فلا يعرج عليه وليس له ذكر فی دواوين الحديث المعتبرة فلا يمكن أن يناهض العمل المتوارث والسنة المتوارثة فی تغطية الرأس. (مقالات الكوثری: ص۱۷۲، كشف الرؤوس، دارشمسی للنشر)

ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن الحسن ؒ کان أقوام یسجدون علی العمامة و القلنسوة. (بخاری شریف: ۱/۵۶، باب السجود علی الثوب فی شدة الحر)

عن إبراهیم النخعیؒ قال: کانوا (الصحابة ؓ) یصلون فی مساتقهم وبرانسهم. (مصنف عبدالرزاق: باب الرجل یسجد لایخرج یدیه)

زادالمعاد میں ہے:

کانت له عمامة تسمی السحاب کساها علیاً ؓ وکان یلبسها ویلبس تحتها القلنسوة.

(زادالمعاد: ۱/۱۳۵، فصل فی ملابسه، مؤسسة الرسالة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمر بن الخطاب ؓ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جیدالإیمان......هکذا ورفع رأسه حتی وقعت قلنسوته قال: ماأدری أقلنسوة عمر ؓ أراد أم قلنسوة النبی ﷺ. (رواه الترمذی: ۱/۲۹۴، مطبعه دیوبند)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عمر ؓ قال: کان رسول اللہ ﷺ یلبس قلنسوة بیضاء. رواه الطبرانی وعنه کان رسول اللہ ﷺ یلبس کمة بیضاء. رواه الطبرانی فی الأوسط. (مجمع الزوائد: ۵/۱۲۱، دارالریان۔وشعب الایمان: ۵/۱۷۵)

عن أبی هریرة ؓ قال: رأیت علی رسول اللہ ﷺ قلنسوة خماسیة طویلة. (مسند أبی حنیفةؒ: ۱/۱۳۷، باب العین، الکوثر)

عن أبی سلیط ؓ أنه رأی علی رسول اللہ ﷺ قلنسوة اسماط لها آذان. (الآحاد والمثانی: ۳/۳۰۳، دارالرایة)

عن أبی هریرة ؓ قال: رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیه قلنسوة بیضاء شامیة. (اخلاق النبی ﷺ ص۱۱۹)

فقد ثبت من هذه الأحادیث أن رسول اللہ ﷺ لبس قلنسوة فی عامة الأحوال والأوقات وکذلک عدة أحادیث تدل علی أن الصحابة ؓ کانوا یلبسون القلنسوة فی الصلاة کما مر.

مقالاتِ کوثری میں ہے:

والحاصل:أنه لم يثبت عن النبى ﷺ فى كشف الرأس من غيرعذرحتى نقتدى به ﷺ فى كشف الرأس فى الصلاة وقد سبق بيان عادة النصارى من كشف الرؤوس فى صلاتهم بل هم يفعلون كذلك فى كل موقف احترام يقفونه.(مقالات الکوثری:ص۱۷۳)

قال الشيخ رشيدرضاء فى مقالة طبعت فى مجلة"المنار":وتكره فى أحوال ثلاثة:

الأول:لويتعود على كشف الرأس.

والثاني:يحسرعن رأسه حال كونه يصلي بالجماعة مع أناس يغطون رؤوسهم.

الثالث:يصرعلى كشف رأسه فى المسجد بمحضرمن يكره كشف الرأس ثم ينقده على ذلك فحينئذ تكره الصلاة.

والوجه فى حالة الأولى للكراهة أنه يتعود على شيء لاثبوت له من النص بل فعله ذلك يخالف السنة المتوارثة المقبولة من القرون.

العلة فى حالة الثانية أنه يخالف الإجماع وهومحظورفى الإسلام.

وسبب الكراهة فى الحالة الثالثة أن هذا الرجل يكون مسبباً للغيبة والجدال.(السنن والبدعات:ص۵۰)

الخلاصة : تكره الصلاة مكشوف الرأس.لأننا أثبتناأن لبس القلنسوة كانت سنة مستمرة ولم يثبت أن النبىﷺ صلى حاسرالرأس بلاضرورة وكذلك هومعمول به من بداية الإسلام إلى هذا العصروكشف الرأس فى جميع الأحوال مكروه.واللہ ﷻ اعلم۔

فصلِ سوم

مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان

مرد اور عورت کی نماز کا فرق اور احادیث وکتبِ فقہ سے اس کا ثبوت:

سوال: مرد اور عورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟ نیز اس پر دلالت کرنے والی احادیث کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مرد اور عورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، شرعی احکام اور مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا روزہ وحج کے، عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی جگہ اظہار ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی مرد اور عورت کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے

وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے، اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان واظہار نہ ہو۔

ملاحظہ ہو نماز سے متعلق چند مخصوص مسائل:

عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف چند مقامات میں ان کو مردوں کے خلاف کرنا چاہئے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) عورتوں کو خواہ سردی وغیرہ کا عذر ہو یا نہ ہو ہر حال میں چادر یا دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے ہاتھ اٹھانے چاہئیں باہر نہیں نکالنے چاہئیں۔

(۲) صرف کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستانوں کے نیچے ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

(۴) عورتوں کو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ دینا چاہئے حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہئے۔

(۵) رکوع میں زیادہ جھکنا نہیں چاہئے بلکہ صرف اس قدر جھکیں جس میں ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

(۶) رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بغیر کشادہ کئے ہوئے یعنی ملا کر رکھنی چاہئیں۔

(۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔

(۸) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے ان کو پکڑے نہیں۔

(۹) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکائے رکھے۔

(۱۰) رکوع میں اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنی چاہئیں یعنی سمٹی ہوئی رہیں۔

(۱۱) سجدہ میں کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں۔

(۱۲) سجدہ میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے، اور سرین نہ اٹھائے۔

(۱۳) سجدہ میں پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہونا چاہئے۔

(۱۴) بازو پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔

(۱۵) التحیات میں بیٹھتے وقت مردوں کے برخلاف دونوں پیر داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا چاہئے۔

(۱۶) التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے۔

(۱۷) جب کوئی امر نماز میں پیش آوے مثلاً کوئی آگے سے گذرنا چاہے تو تالی بجائے، مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے۔

(۱۸) مردوں کی امامت نہ کرے۔

(۱۹) نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲۰)عورتیں اگر جماعت کریں تو جو عورت امام ہو وہ بیچ میں کھڑی ہو آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو۔

(۲۱)عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۲۲)مردوں کی جماعت میں عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔

(۲۳)عورتوں پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لیں تو ظہر ساقط ہو جائے گی۔

(۲۴)عورت پر عیدین کی نماز واجب نہیں۔

(۲۵)عورت پر ایامِ تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر جہراً واجب نہیں۔

(۲۶)عورتوں کے لئے نمازِ فجر میں اسفار مستحب نہیں۔

(۲۷)عورت کو کسی بھی نماز میں جہراً قراءت کرنے کی اجازت نہیں۔

(۲۸)عورت اذان نہ دے۔

(۲۹)عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔(ماخوذ از عمدۃ الفقہ ص۱۱۴، حصہ دوم، کتاب الصلوٰۃ، ادارہ مجددیہ، از مولانا سید زوار حسین صاحب)۔

کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو: (۱) مذہب احناف۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ورفع اليدين حذاء المنكبين للحرة على الصحيح لأن ذراعيها عورة ومبناه على الستر... وتسن وضع المرأة يديها على صدرها من غيرتحليق لأنه أسترلها...والمرأة لاتفرجها(في الركوع)لأن مبنىٰ حالها على الستر...ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيهالأنهﷺ مرعلى امرأتين تصليان فقال:"إذا سجدتما فضمابعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست في ذلک كالرجل" لأنها عورة مستورة...ويسن تورک المرأة بأن تجلس على اليتها وتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلها من تحت وركها اليمنى لأنه أسترلها. (مراقي الفلاح:ص٩٤-٩٩،فصل في سننها).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(ويسن وضع المرأة يديها) المرأة تخالف الرجل في مسائل منها هذه ومنها أنها لاتخرج كفيها من كميها عندالتكبيروترفع يديها حذاء منكبيها، ولاتفرج أصابعها في

الركوع، وتنحنى فى الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلا تزيدعلى ذلك وتجلس متوركة فى كل قعود بأن تجلس على اليتها اليسرى وتخرج كلتارجليها من الجانب الأيمن وتضع فخذيها على بعضهما، وتجعل الساق الأيمن على الساق الأيسر كما فى مجمع الأنهرولاتؤم الرجال، وتكره جماعتهن ويقف الإمام وسطهن و لاتجهرفى موضع الجهر، ولايستحب فى حقها الإسفاربالفجر، والتتبع ينفى الحصر. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۲۵۹، فصل فى بيان سننها،قديمى-والبحرالرائق:۱/۳۲۱-والشامى:۱/۵۰۴،سعيد-وفتاوى بينات: ۲/۳۱۶، كتاب الصلاة، مكتبة بينات)

(۲) مذہبِ مالکیہ۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ومفهوم رجل أن المرأة يندب كونها منضمة فى ركوعها وسجودها. (قوله يندب كونها منضمة) أى بحيث تلصق بطنها بفخذيها ومرفقيها بركبتيها. (حاشية الدسوقى: ۱/۳۹۳، دارالفكر)

(۳) مذہبِ شافعیہ۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وإن كانت امرأة ضمت بعضها إلى بعض لأن ذلك أستر لها. (شرح المهذب:۳/۴۲۹، دارالفكر)

کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعیؒ) وقد أدب الله تعالىٰ النساء بالاستتار وأدبهنّ بذلك رسولهﷺ وأحب للمرأة فى السجود أن تضم بعضها إلى بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجد كأستر ما يكون لها وهكذا أحب لها فى الركوع والجلوس وجميع الصلاة أن تكون فيها كأسترمايكون لها وأحب أن تكفت جلبابها وتجافيه راكعة وساجدة عليها لئلا تصفها ثيابها. (كتاب الام:۱/۱۳۸،باب التجافى فى السجود،دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ۔

ملاحظہ ہو المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (والرجل والمرأة فی ذلک سواء إلا أن المرأة تجمع نفسها فی الركوع والسجود وتجلس متربعة أوتسدل رجليها فتجعلهما فی جانب يمينها. الأصل أن يثبت فی حق المرأة من أحكام الصلاة ماثبت للرجال لأن الخطاب يشملها غيرأنها خالفته فی ترک التجافی لأنها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون أسترلها فإنه لايؤمن أن يبدؤمنها شیء حال التجافی وذلک فی الافتراش، قال أحمدؒ: والسدل أعجب إلی واختاره الخلال. قال علیؓ: إذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. وعن ابن عمرؓ أنه كان يأمرالنساء أن يتربعن فی الصلاة. (المغنی لابن قدامة الحنبلی: ۵۹۹/۱، دارالكتب العلمية)

احادیث سے فرق کا ثبوت:

چنداحادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں مرداورعورت کے فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔اوراس کی بنیادعورت کی نسوانیت اوراس کے پردہ کوقراردیا گیاہے۔

مراسیل ابی داؤد میں ہے:

حدثنا سليمان بن داؤد، حدثنا ابن وهب، أخبرناحيوة بن شريح، عن سالم بن غيلان عن يزيد بن أبی حبيب، أن رسول اللهﷺ مرعلی امرأتين تصليان، فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلی الأرض، فإن المرأة ليست فی ذلک كالرجل". (رواه أبوداؤد فی مراسيله: ص ۸۷/۱۱۷، مؤسسة الرسالة)

وقال شعيب الأرناؤوط فی تعليقه علی المراسيل: رجاله ثقات. (تعليق شعيب الأرناؤوط: ص ۱۱۸، مؤسسة الرسالة)

بیہقی سنن کبری میں چندروایتیں مذکور ہیں بعض ان میں سے ضعیف ہیں۔ملاحظہ ہو:

عن الحارث قال قال علیؓ: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها.

وعن أبی سعيد الخدریؓ صاحب رسول اللهﷺ عن رسول اللهﷺ أنه قال: "خيرصفوف الرجال الأول وخيرصفوف النساء الآخروكان يأمرالرجال أن تجافوا فی سجودهم ويأمرالنساء أن ينخفضن فی سجودهن وكان يأمرالرجال أن يفرشوا اليسری

وينصبوا اليمنى فى التشهد ويأمر النساء أن يتربعن. (یہ حدیث ضعیف ہے)

وعن مجاهدؒ عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إذاجلست المرأة فى الصلاة وضعت فخذها على فخذ ها الأخرى وإذا سجدت ألصقت بطنها فخذيها كأسترما يكون لها. (یہ حدیث بھی ضعیف ہے)۔(بيهقى سنن كبرى:۲/۲۲۲، باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافى فى الركوع والسجود، دارالمعرفة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه سئل عن صلاة المرأة؟ فقال: تجتمع وتحتفز.

وعن إبراهيمؒ قال: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها ولتضع بطنها عليها.

وعن مجاهدؒ: أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تصنع المرأة.

وعن إبراهيمؒ قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافى كما يجافى الرجل. (مصنفِ ابن ابى شيبة:۲/۵۰٤، المرأة كيف تكون فى سجودها)

نیز مذکور ہے:

عن خالد بن اللجلاجؒ قال: كن النساء يؤمرن أن يتربعن إذا جلسن فى الصلاة ولايجلسن جلوس الرجال على أوراكهن، يتقى ذلک على المرأة مخافة أن منها الشیء.

عن نافع: أن صفية رضى الله تعالىٰ عنها كانت تصلى وهى متربعة. (مصنفِ ابن ابى شيبة:۲/۵۰۵، فى المرأة كيف تجلس فى الصلاة)

نیز مذکور ہے:

عن عبد ربه بن زيتونؒ قال: رأيت أم الدرداء رضى الله تعالىٰ عنها ترفع يديها حذو منكبيها حين تفتتح الصلاة.

وعن عطاءؒ سئل عن المرأة: كيف ترفع يديها فى الصلاة؟ قال: حذو ثدييها.

وعن حمادؒ: أنه كان يقول فى المرأة إذا استفتحت الصلاة: ترفع يديها إلى ثدييها.

(مصنف ابن أبى شيبة:۲/٤۲، فى المرأة اذا افتتحت الصلاة إلى اين ترفع يديها، المجلس العلمى)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلفی حضرات کا استدلال اوراس کا جواب:

سوال: سلفی حضرات مرداورعورت کی نماز کےفرق کے قائل نہیں ہےاوراستدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں''صلوا کما رأیتمونی أصلی'' اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث بالا کا جواب یہ ہے کہ اس میں دواحتمال ہیں (۱) یا تو اس حدیث میں مرداور عورت دونوں کی نماز کا بیان ہے۔(۲) یا صرف مرد کی نماز کا بیان ہے۔اور یہ دوسرا معنی متعین ہےان احادیث وآثار کی وجہ سے جومرداورعورت کی نماز کےفرق پردلالت کرتی ہیں جو پہلے ذکر کی جاچکی۔

نیز مرداورعورت کی نماز کا فرق بہت ساری چیزوں میں پایا جا تا ہےحتی کہ شرائط میں بھی جس کا انکار سلفی حضرات بھی نہیں کرسکتے۔

ملاحظہ ہو:(۱) مردعورت کےستر میں فرق ہے۔اورستر کا چھپانا شرائط نماز میں سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **قالت: قال رسول اللّٰہ**ﷺ:''**لایقبل اللّٰہ صلاۃ حائض إلابخمار**''روا ہ الترمذی وقال: **حدیث عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **حدیث حسن، والعمل علیه عند أهل العلم أن المرأة إذا أدرکت فصلت وشیء من شعرها مکشوف لاتجوز صلاتها**.

(ترمذی شریف:۱/۸٦،باب ماجاء لاتقبل صلاۃ حائض إلابخمار۔ورواہ ابوداؤد:۱/۹٤،باب المرأة تصلی بغیرخمار)

نیز مردوں کے لئے اسبالِ ازارمکروہ تحریمی ہےاورعورتوں کے لئےضروری ہےتا کہ قدمین کےاوپر کا حصہ چھپارہے۔ملاحظہ ہوابوداؤدشریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا**أنها سألت النبی**ﷺ **أتصلی المرأة فی درع وخمار لیس علیها إزار قال: إذا کان الدرع سابغاً یغطی ظهور قدمیها**. (رواہ ابوداؤد:۱/۹٤،باب فی کم تصلی المرأة)

(۲) مردوں کے لئے نماز باجماعت مسجد میں سنتِ مؤکدہ ہے واجب کے قریب،اورعورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے، بلکہ اس زمانہ میں تو گھر ہی میں پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج. رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن مهاجر.** (مجمع الزوائد:۲/۳۴،باب خروج النساء الی المساجد)

وعن ابن مسعود ﷺ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشیطان. رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح. (مجمع الزوائد:۲/۳۴،باب خروج النساء الی المساجد،دارالفکر)

(۳) نماز جمعہ مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة عبد مملوک أو امرأة...... قال أبو داؤد: طارق بن شهاب قد رأی النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئاً. (رواه ابوداؤد:۱/۱۵۳،باب الجمعة للمملوك والمرأ،سعید)

وفی التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد: وقال البیهقیؒ: فی المعرفة هذا هو المحفوظ مرسل وهو مرسل جید وقد أسنده عبیدالله بن محمد العجلی فقال: عن طارق عن موسیٰ. (التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد:۱/۱۵۳)

(۴) عورت نہ اذان دے سکتی ہے نہ اقامت۔

قال ابن عمر ﷺ لیس علی النساء أذان. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۱۲۷)

(۵) تنبیہ کے لئے مرد تسبیح پڑھے اور عورت تسبیح نہ پڑھے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة ﷺ عن النبی ﷺ قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال. (رواه البخاری:۱/۱۶۰/۱۱۸۹،باب التصفیق للنساء،فیصل)

(۶) نبی پاک ﷺ مغرب عشاء اور فجر میں جہراً قراءت فرماتے تھے۔ تو کیا ان اعتراض کرنے والوں

کی عورتیں بھی جہر کرتی ہیں؟ اگر کرتی ہیں تو کیا یہ صحابیات سے ثابت ہے؟ واللہ ﷻ اعلم۔

حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم:

سوال: حالتِ قیام فی الصلاۃ میں عورتیں دونوں قدموں کو ملا کر رکھیں یا بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورتوں کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اور اس مقام پر مرد وعورت میں فرق نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن تفریج القدمین فی القیام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلی الخشوع. وفی الطحطاوی: نص علیه فی کتاب الأثر عن الإمام ولم یحک فیه خلافاً. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص۲۶۲، فصل فی بیان سننها، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۴۴۴، بحث القیام، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۷۳، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاۃ)

امداد الاحکام میں ہے:

قال فی الدر المختار: وینبغی أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع هکذا روی عن أبی النصر الدبوسی أنه کان یفعله کذافی الکبری ...... اس سے معلوم ہوا کہ بحالتِ قیام دونوں پیروں میں چار انگل کا فصل مناسب ہے، اور اسی حکم سے کسی جگہ عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا پس ان کے لئے بھی یہی مناسب ہے ہاں رکوع وسجود کی کیفیت مرد وعورت کی مختلف ہے، واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۱/۴۶۶، دار العلوم کراچی)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ:

سوال: عورت نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی؟

الجواب: عورت کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ یا ابن حجر إذا صلیت فاجعل یدیک

حــذاء أذنيک و المرأة تجعل يديها حذاء ثديها. رواه الـطبرانی فی حديث طويل فی مناقب وائل مـن طـريـق ميمونة بنت حجرعن عمتها أم يحيی بنت عبد الجبارولـم أعرفها وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:۲/۱۰۳،دارالفکر۔وکذا فی اعلاء السنن:۲/۱۸۳،ادارة القرآن)

مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

عن عبد ربه بن زيتون قال: رأيت أم الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**ترفع كفيها حذو منكبيها حين تفتح الصلاة**.(مصنف ابن أبی شيبة: ۲/۴۲۱،المجلس العلمی)

جزء رفع الیدین للبخاری میں ہے:

عـن عبد ربه بن سليمان بن عميرقال: رأيت أم الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**ترفع يديها فی الصلاة حذومنكبها**.(جزء رفع اليدين للبخاری:ص)

بدائع الصنائع میں ہے:

وروی مـحـمـد بن مقاتل الرازی عن أصحابنا أنها ترفع يديهاحذومنكبيها.(بدائع الصنائع :۱/۱۹۹،سعيد۔وکذا فی البحر الرائق:۱/۳۰۵، کوئتة)

ہدایہ میں ہے:

(والمرأة ترفع يديهاحذاء منكبيها)هوالصحيح لأنه أسترلها.(هداية:۱/۱۰۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرداورعورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرداورعورت میں فرق ہے یانہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہےاوروہ یہ کہ مرد انگلیاں کھلی رکھےاور ہاتھ پرزور دیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کو پکڑے۔اورعورت انگلیاں ملاکر ہاتھ گھٹنوں پررکھدےاور ہاتھ پرزورنہ دے۔

ملاحظہ ہومراقی الفلاح میں ہے:

ويسنّ أخـذ ركبتيـه بيـديـه حـال الـركوع ويسنّ تفريج أصابعه لقوله ﷺ لأنس رضی اللہ عنہ **إذا ركعت فضع كفيک علی ركبتيک وفرج بين أصابعک وارفع يديک عن جنبيک .... و الـمـرأة لا تفرجها لأن مبنیٰ حالها علی الستر. و فی الطحطاوی : و لا تفرج أصابعها فی**

الرکوع، وتنحنی فی الرکوع قلیلاً بحیث تبلغ حد الرکوع، فلاتزید علی ذلک لأنه أسترلها وتلزم مرفقیها بجنبیها فیه. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:ص۲۶۶،۲۵۹،قدیمی)

شامی میں ہے:

قال فی المعراج وفی المجتبیٰ: هذا کله فی حق الرجل، أما المرأة فتنحنی فی الرکوع یسیراً ولاتفرج ولکن تضم وتضع یدیها علی رکبتیها وضعاً وتحنی رکبتیها ولاتجافی عضدیها لأن ذلک أسترلها. (شامی:۱/۴۹۴،فصل اذا اراد الشروع فی الصلاۃ کبر،سعید کمپنی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مرداورعورت کے رکوع میں چند باتوں میں فرق ہے(۱)مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اورسرین برابر ہوجائے،اورعورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں،پیٹھ سیدھی نہ کرے(۲)مرد گھٹنے پرانگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پرزور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے،اور عورت انگلیاں ملاکر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پرزور نہ دے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے(۳)مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھے اورکھل کر رکوع کرے اورعورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہوسکے سکڑ کر رکوع کرے۔(فتاوی رحیمیہ:۶/۴۱۰،مسائل شتی،مکتبہ رحیمیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ادعونی استجب لکم﴾
و عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ قال: قیل یا رسول اللّٰہ أیّ الدعاء أسمع قال: "جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات"

باب ...... ﴿۴﴾

نماز کے بعد دعا اور ذکر کا بیان

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی جہری دعاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرائض کے بعد اجتماعی انفرادی دعا کرنے کا ثبوت احادیث اور کتب فقہ میں ملتا ہے، لہذا فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا اولیٰ اور افضل ہے، البتہ اجتماعی جہری دعا سے اجتناب کرنا چاہئے تا کہ مسبوقین کو خلل نہ ہو، اور دعا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگیں اور دعاء سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔ (اعدل قول یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان نمازوں کے بعد امام مختصر سی دعا کر کے سنتوں میں مشغول ہو جائے زیادہ دیر نہ کرے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أدعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾ (سورة الأعراف: الآیة: ۵۵)

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ (معارف القرآن: ۳/ ۵۷۶، ادارة المعارف)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿أدعونی استجب لکم﴾ (سورة المؤمن: الآیة: ۶۰)

ترجمہ: تم مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ (معارف القرآن: ۷/ ۶۰۹)

وقال تعالیٰ: ﴿أجیب دعوة الداع إذا دعان﴾ (سورة البقرة: الآیة: ۱۸۶)

ترجمہ: قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے۔ (معارف القرآن: ۱/ ۴۵۰)

اجتماعی دعا کی طرف سنن ابن ماجہ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔

عن ثوبان ﷛ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لایؤم عبد فیخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (ابن ماجه شريف:ص٦٦،باب لايخص الإمام نفسه بالدعاء،قديمى)

یعنی کوئی آدمی امامت کرنے کے بعد اپنے آپ کو دعا کے ساتھ خاص نہ کرے اگر ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کے ساتھ خیانت کی اس سے نماز کے اندر کی دعا مراد نہیں کیوں کہ اس میں مفرد کے الفاظ ہیں بلکہ اس کے بعد اجتماعی دعا کی طرف اشارہ ہے۔

فرائض کے بعد دعا کرنے کا ثبوت احادیث سے:

بخاری شریف میں ہے:

كتب المغيرة ﷛ إلى معاوية بن أبي سفيان ﷛ أن رسول اللّٰه ﷺ كان يقول في دبر صلاته إذا سلم: "لاإله إلا اللّٰه وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت ولاينفع ذا الجد منك الجد". (رواه البخاري:٢/٩٣٧/٦٠٨٥،باب الدعاء بعدالصلاة،فيصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي أمامة ﷛ قال: قيل يارسول اللّٰه أيّ الدعاء أسمع قال: "جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات". (رواه الترمذي:وقال : هذا حديث حسن:٢/١٨٧،باب ماجاء في جامع الدعوات،فيصل)

بخاری شریف میں ہے:

كان سعد ﷛ يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كمايعلم المعلم الغلمان الكتابة يقول: إن رسول اللّٰه ﷺ كان يتعوذ منهن دبر الصلاة "اللّٰهمّ إني أعوذبك من الجبن وأعوذ بك أن أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وأعوذبك من عذاب القبر" فحدثت به مصعباً فصدقه. (رواه البخاري:١/٣٩٦/٢٧٣٨ ، كتاب الجهاد،فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن ثوبان ﷛ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً وقال: "اللّٰهمّ

أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والإکرام“قال الولید فقلت للأوزاعی: کیف الاستغفار قال: یقول: استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ. (رواہ مسلم: ۱/ ۲۱۸، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، فیصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبی الزبیر قال: سمعت عبداللّٰہ بن الزبیر ﷺ علی المنبر یقول: کان النبی ﷺ إذا انصرف من الصلاۃ یقول: ”لاإلہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر لاإلہ إلا اللّٰہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون أھل النعمۃ والفضل والثناء الحسن لاإلہ إلا اللّٰہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون“.

وفی روایۃ لہ: عن زید بن أرقم ﷺ قال: سمعت نبی اللّٰہ ﷺ یقول دبر صلاتہ: ”اللّٰھمّ ربنا ورب کل شیء أنا شھید أنک أنت الرب وحدک لاشریک لک......

وفی روایۃ لہ: عن علی بن أبی طالب ﷺ قال: کان النبی ﷺ إذا سلم من الصلاۃ قال: ”اللّٰھمّ اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت أعلم بہ منی أنت المقدم وأنت المؤخر لاإلہ إلا أنت“. (روی الثلاثۃ أبوداؤد: ۱/ ۲۱۱، باب مایقول الرجل اذاسلم، سعید)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

أم سلمۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا تقول: کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا صلی الصبح قال: ”اللّٰھمّ إنی أسألک علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ورزقاً طیباً“.

وعن مسلم بن أبی بکرۃ قال: کان أبی یقول فی دبر الصلاۃ: ”اللّٰھمّ إنی أعوذ بک من الکفر والفقر وعذاب القبر“ وکنت أقولھن فقال لی أبی: أی بنی عمن أخذت ھذا؟ قلت: عنک، قال: إن رسول اللّٰہ ﷺ کان یقولھن فی دبر الصلاۃ.

وعن أبی أمامۃ ﷺ قال: مادنوت من رسول اللّٰہ ﷺ فی دبر صلاۃ مکتوبۃ ولاتطوع إلا سمعتہ یقول: ”اللّٰھمّ اغفرلی ذنوبی وخطایای کلھا اللّٰھمّ انعشنی واجبرنی واھدنی لصالح الأعمال والأخلاق إنہ لایھدی لصالحھا ولایصرف سیئھا إلاأنت“.

عن أنس بن مالک ﷺ قال: کان مقامی بین کتفی النبی ﷺ حتی قبض فکان یقول إذا انصرف من الصلاۃ "اللّٰهم اجعل خیرعمری آخره وخیرعملی خواتمه واجعل خیرأیامی یوم ألقاک".

عن عبادة بن الصامت ﷺ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ یدعوبهذه الدعوات کلما سلم "اللّٰهمّ لاتخزنی یوم القیٰمة ولاتخزنی یوم البأس فإن من تخزه یوم البأس فقدأخزیته". (عمل الیوم واللیلةلابن السنیؒ:ص ۳۱-۳۶،باب مایقول فی دبرصلاۃ الصبح)

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن یحیٰ بن سعید وشریک سمعا أنساً ﷺ عن النبی ﷺ رفع یدیه حتی رأیت بیاض إبطیه. (رواه البخاری:۲/۹۳۸،۶۰۹۶،باب رفع الأیدی فی الدعاء،فیصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمربن الخطاب ﷺ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ إذارفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهماوجهه. (رواه الترمذی:۲/۱۷۶،باب ماجاء فی رفع الأیدی عندالدعاء،فیصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن سلمان ﷺ قال:قال رسول اللّٰه ﷺ إن ربکم حي کریم یستحي من عبده إذا رفع یدیه إلیه أن یردهما صفراً.

وفی روایة له:عن السائب بن یزید عن أبیه أن النبي ﷺ کان إذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه.

وفی روایة له:عن ابن عباس ﷺ أن رسول اللّٰه ﷺ قال:......سلوا اللّٰه ببطون أکفکم ولاتسئلوه بظهورها فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهکم.

وفی روایة له:عن ابن عباس ﷺ قال: المسئلة أن ترفع یدیک حذومنکبیک أو نحوهما. (روای الأحادیث الأربعة أبوداؤد:۱/۲۰۹،باب الدعاء،سعید)

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: مامن عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: ''اللّٰهمّ إلٰهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب... إلا كان حقاً على اللّٰه عزّوجلّ أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة: ص۳۸/۱۳۸، باب مايقول في دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: مارفع قوم أكفهم إلى اللّٰه عزّوجلّ يسألونه شيئاً إلا حقاً على اللّٰه أن يضع في أيديهم الذي سألوا. رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹، باب ماجاء في الإشارة في الدعاء ورفع اليدين، دار الفكر)

قال الشيخ أحمد الصديق الغماري في رسالته ''المنح المطلوبة'': نص الحافظ السيوطيؒ في شرحه على ''تقريب النواوي'' المسمى بـ''تدريب الراوي'' على أن أحاديث رفع اليدين في الدعاء تواترت عن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم تواتراً معنوياً، فقال في مبحث المتواتر مانصه: ''ومنه ما تواتر معناه، كأحاديث رفع اليدين في الدعاء، فقد روي عنه صلی اللہ علیہ وسلم نحو مئة حديث فيه رفع يديه في الدعاء. وقد جمعتها في جزء لكنها في قضايا مختلفة، فكل قضية منها لم تتواتر، والقدر المشترك فيها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع''. (المنح المطلوبة في استحباب رفع اليدين في الدعاء بعد الصلوات المكتوبة: وهي مندرجة في ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ......: ص۵۳، حلب)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: الصلاة مثنىٰ مثنىٰ تشهد في كل ركعتين وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديك يقول ترفعهما إلى ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول يارب يارب ومن لم يفعل ذلك فهو كذا وكذا. قال أبوعيسىٰ: وقال: غير ابن المبارك في هذا الحديث من لم يفعل ذلك فهو خداج. (رواه الترمذي: ۱/۸۷، باب ماجاء في التخشع في الصلاة، فيصل).

وأيضاً رواه أبوداود: (۱/۱۸۳)، **وابن ماجه،** (ص۹۴، رقم: ۱۳۲۵)، **في باب ماجاء في**

صلاۃ اللیل مثنی مثنی. وإسناده ضعیف لجهالة عبد اللّٰه بن نافع . انظر: (التعلیقات علی ابن ماجه للشیخ شعیب وبشارعواد).

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ أنـه قال:ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلاۃ ثم یـقول:"اللّٰهمّ إلٰهی وإلٰه إبراهیم وإسحاق ویعقوب...إلا کان حقاً علی اللّٰه عزّوجلّ أن لایرد یدیه خائبتین. (عمل الیوم واللیلة:ص۱۳۸/۳۸، باب مایقول فی دبرصلاۃ الصبح،دائرۃ المعارف).

قلت: إسناده ضعیف ؛ فیه : خصیف الجزری لم یسمع من أنس بن مالک رضی اللہ عنہ ، و عبد العزیز بن عبد الرحمن البالسی روی عن خصیف أباطیل فالبلاء من عبد العزیز. انظر: ("الکامل" لابن عدی (۷۲/۳)، و"تهذیب الکمال" للامام المزی) .

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن یحییٰ قال:رأیت عبداللّٰه بن الزبیر رضی اللہ عنہ ورأی رجلاً رافعاً یدیه یدعو قبل أن یفرغ من صلاته فلمافرغ منها قال:إن رسول اللّٰه ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته. رواه الطبرانی وترجم له فقال محمد بن أبی یحییٰ الأسلمي عن عبداللّٰه بن الزبیر رضی اللہ عنہ ورجاله ثقات۔ (مجمع الزوائد:۱۶۹/۱۰،باب ماجاء فی الإشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین،دارالفکر).

قال الشیخ عبد الفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ فی تعلیقاته علی ثلاث رسائل (ص:۱۳۹): وسلیمان العطار شیخ الطبرانی هوابن الحسن بن المنهال العطارالبصری .روی عنه الاسماعیلی فی "معجمه"رقم:۲۷۸، وقال الدارقطنی : لا باس به، "سولات السهمی"رقم:۲۹۶،وشیخه ابوکامل الجحدری هوالفضیل بن الحسین بن طلحة الجحدری البصری من رواۃ مسلم وابی داود والنسائی والبخاری فی التعلیق قال احمد: ابوکامل بصیر بالحدیث متقن یشبه الناس وله عقل . وقال ابن المدینی :ثقة ،کما فی "تهذیب التهذیب"(۲۹۱/۸)ووصفه الذهبی فی"السیر"(۱۱۱/۱۱) بالحافظ وقال ابن حجر فی"التقریب"ثقة حافظ. وشیخه الفضیل بن سلیمان هوالنمیری من رجال الکتب الستة ، ولکنهم تکلموا فیه من جهة حفظه وله فی البخاری عدۃ احادیث توبع علیها ، ذکرها الحافظ فی مقدمة فتح الباری (ص:۴۳۵)

وقال فی التقریب صدوق له خطأ کثیر .انتهی. ومثله یحسن حدیثه خاصة فی هذا الموضوع .وشیخه محمدبن ابی یحیی الاسلمی هوابوعبدالله المدنی ... وثقه العجلی ، وابوداود ، والخلیلی، ...وزاد المحقق فی الحاشیة توثیق ابن سعد ، وابن معین ، واحمد ، ...الی قوله : وان من شواهد حدیث عبدالله بن الزبیر المذکور ما سبق تعلیقاً ... من قول الامام مالک : "رأیت عامر بن عبد الله بن الزبیر یرفع یدیه ، وهو جالس بعد الصلاة یدعو". فالظاهر ان عمل عامر هذا اخذه من حدیث ابیه عبدالله بن الزبیر الذی رواه الاسلمی. انتهی کلام الشیخ ؒ.

معجم صغیر میں ہے:

قال أنس رضی اللہ عنہ:فلقدرأیت رسول اللّٰہ ﷺ کلما صلی الغداة رفع یدیه یدعوعلیهم... (المعجم الصغیرللطبرانی:۲/۱۹۵،دارالفکر)

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ رفع یده بعد ماسلم وهومستقبل القبلة، فقال: "اللّٰهمّ خلص الولید بن الولید... (اخرجه ابن ابی حاتم فی تفسیره:۵۹۰۷/۳٦۸/۲۰،تحت قوله تعالیٰ: ﴿لایستطیعون حیلة﴾(سورة:النساء: الآیة:۹۸)

قلت: وفی اسناده : علی بن زید بن جدعان وهوضعیف . قال الشیخ عبدالفتاح ابوغدة فی تعلیقاته علی "ثلاث رسائل" (ص:۱۳۵)**: اسناده کالشمس ، لا مغمز فیه الا من جهة علی بن زید ، وهوابن جُدعان ، تکلموا فیه من جهة حفظه لکن روی له البخاری فی"الادب المفرد" ومسلم والاربعة، وقال ابن عدی بعد ان طال فی ترجمته فی"الکامل"** (۱۸٤۰/۵-۱۸٤۵)**: لعلی بن زید احادیث صالحة ، ولم أر احداً من البصریین وغیرهم امتنعوا من الروایة عنه، وکان یغالی فی التشیع فی جملة اهل البصرة ومع ضعفه یکتب حدیثه". وقال یعقوب بن شیبة: ثقة صالح الحدیث والی اللین ماهو ، وقال العجلی: یکتب حدیثه، فمثله یحتمل فی الشواهد وابواب الفضائل من غیر تردد . انتهی کلام الشیخ . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دعا کے اختتام پر ''سبحان ربک ''کی جگہ ''ربنا'' کہنے کا حکم:

سوال: بہت سے حضرات نماز کے بعد دعا کے اختتام پر ''سبحان ربک رب العزة...'' کی جگہ ''سبحان ربنا رب العزة...'' پڑھتے ہیں کیا ان الفاظ سے دعا ختم کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو ''ربنا'' میں تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ اور نصوص میں کلماتِ مذکورہ بالا: ''سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین'' کے پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نیز احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام مثلاً نماز، دعا اور مجلس وغیرہ کا اختتام ان کلمات سے ہو تو اس کی بہت فضیلت ہے۔ البتہ لفظ ربک کو ربنا میں تبدیل کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن منصوص کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع بھی ہے کہ آپ ﷺ ربک پڑھتے تھے جیسا کہ روایات میں مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن زید بن أرقم عن أبیہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من قال فی دبر صلاة ''سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین'' ثلاث مرات فقد اکتال بالجریب الأوفیٰ من الأجر. (رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر:۵/۲۱۱، مکتبة العلوم والحکم)

عمل الیوم واللیلة میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ کان إذا فرغ من صلاتہ قال: لاأدری قبل أن یسلم أوبعد أن یسلم یقول: ''سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین''. (رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة:ص۳۳، باب مایقول فی دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف العثمانیة)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ غیر مرة ولامرتین یقول فی آخر صلاتہ أوحین ینصرف ''سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین

والحمد للّٰہ رب العٰلمین''.(مصنفِ ابن أبی شیبة:۱/۲۶۹)

تفسیر ماوردی میں ہے:

روی الشعبي قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ"من سرہ أن یکتال بالمکیال الأوفیٰ من الأجر یوم القیامة فلیقل فی آخر مجلسه حین یرید أن یقوم"سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰه رب العٰلمین''.(تفسیرماوردی: ۵/۷۴۔وتفسیرابن ابی حاتم:۱۰/۳۲۳۴/۱۸۳۲۲)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

قال علی ؓ:من سرہ أن یکتال بالمکیال الأوفی فلیقل عند فراغه من صلاته"سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰه رب العٰلمین''. (مصنفِ عبد الرزاق: ۲/۲۳۶/۳۱۹۶)

طبرانی میں ہے:

کنا نعرف انصراف رسول اللّٰہ ﷺ بقوله:"سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰه رب العٰلمین''.(المعجم الکبیر:۱۱/۱۱۵)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن علی ؓ قال:من أحب أن یکتال بالمکیال الأوفی فلیقرأ آخرمجلسه أوحین یقوم "سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰه رب العٰلمین''

.(حلیة الاولیاء: ۷/۱۲۳،دارالکتاب العربی)

مزید تفصیل ملاحظہ ہو: احکام القرآن للقرطبی:۱۵/۱۴۱،سورۃ الصافات۔والدرالمنثور:۷/۱۴۱، دارالفکر۔وروح المعانی:۲۳/۱۵۹،دارالتراث)

ان الفاظ کا پڑھنا بطورِ حکایت ہوگا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی بات نقل کرتے ہیں انہوں نے سبحان ربک فرمایا ہے اوران کے فرمان کے مطابق ہم ان کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، جیسے حدیث میں"وأنا أول المسلمین'' اور"وأنامن المسلمین''دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ سے اقتباس جائز ہے۔ملاحظہ ہومختصر المعانی میں ہے:

وأما الاقتباس فهو أن يضمن الكلام نظماً كان أونثراً شيئاً من القرآن أو الحديث لاعلى أنه منه......ولابأس بتغييريسيرفي اللفظ المقتبس للوزن وغيره.(مختصرالمعانی: ۱/۴۵۶).

شیخ جمل نے حاشیہ جلالین میں لکھا ہے: **و يغتقر في الاقتباس تغير يسيرفي اللفظ المقتبس كقول بعض المغاربة لما مات له صاحب:**

قدكان ما خفت أن يكونا ☆ إنا إلى اللّٰه راجعونا

(الفتوحات الالهيةحاشية تفسيرالجلالين:۲/۶۷۰).

فتاوی فریدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرح متین آیتِ ذیل کے بارے میں۔﴿**فاطر السمٰوٰت والأرض أنت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلماً وألحقني بالصٰلحين**﴾. اگراس آیت کوکوئی دعا کی جگہ میں جمع کے صیغوں سے پڑھے۔یعنی "**توفنا مسلماً وألحقنا بالصالحين**"۔توکیااس سے کوئی گناہ ہوتا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا صیغہ استعمال کرنا کفریہ کلمات بن جاتے ہیں،توحکمِ شرع کوتحریرفرماکر مشکوروممنون فرمادیں۔

الجواب: یہ اقتباس کی ایک قسم جوکہ اجماعاً جائز ہے۔**قال في خزانة الأدب ثم اعلم أنه يجوزأن يغيرلفظ المقتبس منه بزيادة ونقصان أوتقديم أوتأخيرأوإبدال الظاهرمن المضمرأوغيرذلك**.(هكذافي هوامش عقودالدرر:ص ۴۵۰)۔فقط (فتاوی فریدیہ:۱/۲۴۰،مایتعلق بالقرآن والتفسیر)۔واللہ ﷻ اعلم۔

تراویح کے بعد قبل الوتر دعا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان مبارک میں ہماری مسجد میں وتر کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہےاور بعض احباب نوافل میں مشغول ہوتے ہیں،تو کیاان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمارے اکابر کا طریقہ تراویح کے بعد وتر سے پہلے دعا کرنے کا ہے نہ کہ وتر کے بعد نیزختم قرآن کے بعد دعا قبول ہوتی ہے لہذا اگرآپ حضرات وتر کے بعد دعا کرنے کے بجائے تراویح کے بعد کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا اوراس میں تمام احباب کی دلجوئی بھی ہوگی اورانتظار کی ضرورت اور مشقت بھی پیش نہیں آئے گی۔تاہم اگرکوئی شخص دعا میں شریک نہ ہوتولعن طعن اوراختلاف نہیں کرنا چاہئے اس سے بچنا چاہئے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے۔ پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ایک بار کافی ہے۔ یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۲۵۳)

نیز مذکور ہے:

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعا مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعا کا ہے اس لئے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح وبعد الختم ہے۔ (دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ یا حدیث سنائی جاتی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سنتوں میں تاخیر کا باعث ہے اور بدعت ہے لہذا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے قبل مختصر مسئلہ بیان کرنے یا حدیث سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو بدعت کہنا درست نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ فرض نمازوں کے بعد اذکار وادعیہ وغیرہ پڑھتے تھے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ نیز فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا بھی ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذاسلم: عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ إذاصلى صلاةً أقبل علينا بوجهه.

وعن زيدبن خالد الجهني رضي الله عنه أنه قال: صلى رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على أثرسماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم عزوجل قالوا: الله ورسوله أعلم قال: أصبح من عبادي مؤمن بي وكافربالكوكب فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بي كافربالكوكب وأما من قال: مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافربي مؤمن بالكوكب. (رواهما البخاري: ١/١١٧/٨٣٧، ٨٣٨، فيصل)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة.(عمدة القاری:٤/٦١٨،دارالحدیث،ملتان۔وهكذافي فتح الباری:٢/٣٣٤،دارنشرالكتب الإسلامية) ۔

واللہ ﷻ اعلم۔

حضرت عائشہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی روایت کا مطلب:

سوال: حدیث شریف میں ہے "**كان النبي ﷺ لايقعد بعد السلام إلامقدارمايقول: "اللّٰهمّ أنت السلام** ......" اس روایت کا کیا جواب ہے؟ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

الجواب: علماء نے اس کے چند جوابات دئے ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) یہ روایت ان روایاتِ صحیحہ کثیرہ کے مخالف ہے جو بکثرت آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف منقول ہیں۔

(۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہے (۱) ابوخالد الاحمر (۲) ابومعاویہ الضریر (۳) عاصم بن سلیمان الاحول۔

(۳) اس حدیث شریف میں لفظ "لايقعد" ہے "لم يقرأ" نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ اتنی مقدار بیٹھ کر پڑھتے ہو اور بقیہ اذکار کھڑے ہونے کی حالت میں پورے کرتے ہو۔

(۴) اس حدیث میں حقیقی مساوات مراد نہیں ہے، بلکہ ایک اندازہ ہے لہذا اس کے بقدر دوسرے اذکار کا پڑھنا جائز ہوگا۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ جانبِ قبلہ میں اتنی مقدار بیٹھتے تھے پھر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر باقی اذکار پورے فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو التحفۃ المرغوبۃ میں ہے:

إن قيل: ورد في حديث مسلم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا......**فما الجواب عنه؟**

قلت: لنا أجوبة أربعة:

الجواب الأول: إن هذا الحديث سنده ضعيف، لأن مداره على ثلاثة رجال:

الأول: أبوخالد الأحمر: ......اتفق أهل العلم بالنقل أن أباخالد لم يكن حافظاً وأنه روى

أحـاديـث عـن الأعـمـش وغيـره لـم يتابع عليها،وقال ابن معين:أبوخالد صدوق لكنه ليس بـحـجة، وقـال أبـوهشام الرفاعی:هوفی الأصل صدوق لكنه إنماأتی من سوء حفظه فيغلط ويخطیء.

والثـانـی:أبـومـعـاوية الـضـرير،......قال:عبداللّٰه بن أحمد سمعت أبی يقول:أبومعاوية الـضـريـرفـی غيرحديثه عن الأعمش مضطرب،لايحفظها حفظاً جيداً، وقال ابن معين:كان يـروی عـن عبـداللّٰـه بـن عـمرمناكير، وقال أبوداؤد:كان أبومعاوية مرجئاً وقال مرة :كان رئيس المرجئة بالكوفة،......

قـلت:ومعلوم أن هذا الحديث لم يروه أبومعاوية عن الأعمش، بل عن عاصم الأحول فيكون مضطرباً.

الثـالـث:عـاصـم بن سليمان الأحول......عن يحيی بن سعيد القطان:لم يكن بالحافظ وقال إدريس:أنالاأروی عنه شيئاً، وتركه وهيب لأنه أنكربعض سيرته.

الـجـواب الثـانـی:إن لـفـظـه أنـه لـم يقعد، وليس أنه لم يقرأ، فجازأن يكون يقعد هذا القدرثم يأتی بالأذكارقائماً.

الـجـواب الثـالـث:إن هـذا الـحـديـث مـعـارض لجميع الأحاديث الواردة فی الذكر والدعاء بعد المكتوبة، المتقدم ذكرها......فترجح تلك الأحاديث لكون كثيرمنها مخرجة فی"الصحيحين"ومافی"الصحيحين"أصح مما فی"صحيح مسلم".

الـجـواب الـرابـع: إن قـولهـا:"إلامقدارما يقول:"اللّٰهمّ أنت السلام" ليس المراد به المساواة التحقيقية بل التقريبية...... . (مـختصرالتحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعدالمكتوبة للشيخ محمد هاشم السندی:ص٤٤،المطبوعات الاسلامية بحلب)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وقول عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها مـقـدارمـا يـقـول......يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلک بـعـيـنـه بل كان يقعد زماناً يسع ذلک المقدارونحوه من القول تقريباً فلاينافی ما فی الـصـحيـحين عن المغيرة رضی اللّٰه عنه أنه صلی اللّٰه علیه وسلم كـان يـقـول فـی دبـرصلاة مكتوبة:"لا إلٰه إلااللّٰه وحده

لاشریک لہ......"لأن المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید قد یسع کل واحد من نحو هذه الأذکار لعدم التفاوت الکثیر بینهما وکون التقدیر بالتقریب فی التخمین دون التحدید والتحقیق. واللّٰہ أعلم. (شرح منیة المصلی:ص ۳٤۲،سهیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو: "النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة" ص ۱۲،فصلِ سوم،ازمفتی کفایت اللہ صاحبؒ، کراچی۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

سوال: فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

الجواب: امام کو اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کرے مگر داہنی طرف سے افضل ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ ہر کارِ خیر میں داہنی جانب پسند فرماتے تھے۔ مگر گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے تا کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ ینصرف عن یمینه. رواہ مسلم۔

وعن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاته یری أن حقاً علیه أن لاینصرف إلاعن یمینه لقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ کثیراً ینصرف عن یساره. متفق علیه۔

وعن البراء رضی اللہ عنہ قال: کنا إذا صلینا خلف رسول اللّٰہ ﷺ أحببنا أن نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه قال: فسمعته یقول: "رب قنی عذابک یوم تبعث أوتجمع عبادک. رواہ مسلم۔(مشکوٰۃ شریف:۱/۸۷،باب الدعاء فی التشهد،قدیمی)

ترمذی شریف میں ہے:

عن قبیصة بن هلب عن أبیه رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ یؤمنا فینصرف علی جانبیه جمیعاً علی یمینه وعلی شماله......قال أبوعیسیٰ: حدیث هلب حدیث حسن والعمل علیه عند أهل العلم أنه ینصرف علی أي جانبیه شاء إن شاء عن یمینه وإن شاء عن یساره وقد صح الأمران عن رسول اللّٰہ ﷺ. (ترمذی شریف:۱/٦٦،باب ماجاء فی الانصراف عن یمینه وعن

یساره،فیصل)

درمختار میں ہے: وخيره في المنية :بين تحويله يميناً وشمالاً وأماماً وخلفاً وذهابه لبيته، واستقباله الناس بوجهه ولودون عشرة .وفي الشامي :لكن التخيير في المنية هو أنه إن كان في صلاة لاتطوع بعدها، فإن شاء انحرف عن يمينه أويساره أو ذهب إلى حوائجه واستقبل الناس بوجهه، وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أويتاخر أوينحرف يميناً أوشمالاً أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمه،......بل في شرح المنية إن انحرافه عن يمينه أولىٰ، وأيده بحديث في صحيح مسلم......وذكره النووي أنه عنداستواء الجهتين في الحاجة وعدمها ، فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين في باب المكارم ونحوها كما في الحلية .(الدر المختار مع ردالمحتار:١/٥٣١، سعيد)۔واللہ ﷻ اعلم۔

امام کا مصلیوں کی طرف پھرنے کا حکم:

سوال: فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۲/۱۷۰) میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بجانبِ راست مقتدیوں کی طرف پھر جائے ، کیا راست سے مصلیوں کی جانبِ راست مراد ہے یا قبلہ کی جانبِ راست مراد ہے جو فقہاء کے نزدیک مصلیوں کی جانبِ چپ ہے؟

الجواب: یاد رہے کہ کسی جانب کو اپنے اوپر لازم کرنا درست نہیں، بلکہ دونوں جانب پھرنے کو درست سمجھنا چاہئے ،عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس نے ایک جانب کو لازم کر دیا یعنی جانبِ راست اس نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چپ وراست دونوں جانب سے مڑتے اور تشریف لے جاتے تھے،(مسلم شریف:۱/۲۴۷،شرح مسلم:۱/۲۴۷) بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جوتے اور جوتوں سمیت اور کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے،اور دائیں اور بائیں جانب سے تشریف لے جاتے تھے،(سنن کبریٰ۔۲/۲۹۵)ابن ماجہ شریف (ص٦٦) میں بھی یہی مضمون ہے،حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہی عمل تھا اور جو جانبِ یمین کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ان پر اعتراض کرتے تھے۔(بخاری شریف:۱/۱۱۸)،واسع بن حبان کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے میں نماز سے فارغ ہوکر بائیں جانب سے مڑ کر ان کے پاس آیا انہوں نے سبب پوچھا کیوں یمین سے نہیں آئے میں نے کہا آپ کی طرف

مڑنے کا ارادہ تھا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک کیا بعض لوگ دائیں جانب کو لازم سمجھتے ہیں، یہ تو آپ کی مرضی ہے دائیں جانب سے مڑے یا بائیں جانب سے۔(موطا مالک ۱۵۵) ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔(۱/۶۶)، لیکن بایں ہمہ بہتر یہ ہے کہ یمین کو ترجیح دے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جانبِ یمین سے مڑتے تھے، (مسلم ۱/۲۴۷) امام نوویؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یمین بہتر ہے کیونکہ عام احادیث کا یہی مدلول ہے، (شرح مسلم: ۱/۲۴۷) اوجز میں ہے کہ حسن نماز سے بجانب یمین مڑنے کو پسند کرتے تھے، (اوجز: ۳/۴۹۷) اب یمین سے کونسی جانب مراد ہے تو شامی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شرح منیہ میں ہے کہ مصلی کے یمین کا اعتبار ہے: **في شرح المنية: أن انحرافه عن يمينه أولىٰ وأيده بحديث في صحيح مسلم.** (شامی: ۱/۵۳۱).

مسلم میں ہے: **عن البراء رضي الله عنه قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه.** (مسلم ۱/۲۴۷).

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهذا أولىٰ. (مراقی الفلاح: ص۱۱۷).

اس کے بعد اگر گھر جانا چاہتا ہے تو کس طرف سے جانا چاہئے تو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر دونوں جانب اس کے لیے برابر ہوں کسی ایک جانب حاجت نہیں تو یمین بہتر ہے اور شامی نے اس کو نقل کر کے تسلیم کیا ہے۔ (۱/۵۳۱)، احسن الفتاوی میں بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے میں اور مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیامن پسند فرماتے تھے۔(احسن الفتاوی: ۳/۳۶۸)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے وقت جانبِ یمین سے مڑتے تھے، اور گھر تشریف لے جاتے وقت جانبِ یسار یعنی مصلیوں کے یسار کو اختیار فرماتے۔ ''چونکہ مکانات اس طرف تھے'' اور یہی یمین قبلہ اور یسارِ مصلی ہے تو حضرت کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں سنت پڑھنا چاہتا ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اختیار کر کے قبلہ کے یمین جو مصلیوں کا یسار ہے اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔(اعلاء السنن: ۳/۱۸۶-۱۹۱۳) . **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں، ان دونوں کے بعد امام کو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے یا قبلہ رخ بیٹھنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کو تمام نمازوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم......عن سمرة رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (رواه البخاري:١/١٨١،فيصل)

قال العلامة العيني رحمه الله في شرح هذا الحديث:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة، وقيل: الحكمة فيه تعريف الداخل بأن الصلاة انقضت إذ لو استمر الإمام على حاله لأوهم أنه في التشهد مثلا. (عمدة القاري:٤/٦١٨دار الحديث،ملتان)

وقال في موضع آخرفي شرح هذا الحديث:

وفيه استحباب إقبال الإمام بعد سلامه على أصحابه. (عمدة القاري: ٦/٢٩٩،دار الحديث ملتان)

فیض الباری میں ہے:

اعلم أن الإمام إن أراد الانصراف إلى بيته سلم وانصرف وإن أراد القعود فالسنة له أن يستقبل القوم جزماً، وبه جزم المصنف رحمه الله وصرح به الجوزجاني في مبسوطه. (فيض الباري:٢/٣١٦)

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے خزائن السنن میں فرمایا:

نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام سیدھا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر کر بیٹھے۔

قال في البحر الرائق: إن كان إماما وكانت صلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن

مکانه إما یمنة أویسرة أوخلفه و الجلوس مستقبلا بدعة و إن کان لایتنفل بعدها یقعد مکانه وإن شاء انحرف یمیناً وإن شاء استقبله بوجهه إلاأن یکون بحذائه مصل سواء کان فی الصف الأول أوفی الأخیروالاستقبال إلی المصلی مکروه. (البحر الرائق:۱/۳۳۵،کوئتة)

اورجن ادعیہ کاذکرحدیث میں آتاہےامام ان کومقتدیوں کی طرف بیٹھ کر پڑھے۔

المتانة فی مرمة الخزانة: (ص۱۷۹) میں ہے:**وقد ثبت أنه ﷺ کان إذا صلی أقبل علی أصحابه بوجهه فیحمل ما ورد من الدعاء بعد السلام علی أنه کان یقوله بعد أن یقبل علی أصحابه بوجهه الشریف فقدکان علیه الصلاة و السلام یسرع الاستقبال إلی المأمومین فکان ینصرف عن یمینه ویساره.** (خزائن السنن: ۱۳۴،۱۳۵)

ترمذی شریف میں ہے:

ولایؤم قوماً فیخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (رواه الترمذی:۱/۸۲)

اس روایت سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے دعا میں سب کوشامل کرے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کے بعد"اللّٰھمّ أنت السلام..."کےعلاوہ دعا کاحکم:

سوال: اگرفرض نماز کے بعدبیٹھ کر"اللّٰھمّ أنت السلام"الخ کےعلاوہ کوئی اوردعاپڑھے مثلاً"اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم"تواس کاکیاحکم ہے؟

الجواب: احادیث سےمعلوم ہوتاہےکہ آنحضرت ﷺ فرض نماز کےبعدمختصردعافرماتے تھےاس میں کبھی"اللّٰھمّ انت السلام"اورکبھی دوسری دعالہذا"اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم" بھی پڑھ سکتے ہیں،نیزاس کےعلاوہ بھی دیگرادعیہ پڑھنا جائز ہےاور ماثورکااتباع اولیٰ ہےبعض شارحین نے یہ تاویل کی ہے کہ"اللّٰھمّ أنت السلام" کی مقدار میں قبلہ کی طرف متوجہ رہتے تھے بعد میں مصلیوں کی طرف چہرہ مبارک پھیرتے تھے۔معارف السنن میں ہے:

وحدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا **لم یقعد إلا مقدارما یقول:"اللّٰھمّ أنت السلام"نص صریح فی المراد وما یتخایل أنه لم یخالفه لم یقوقوته أولم تلزم دلالته علی ما یخالفه فوجب اتباع هذا النص، ثم إن ذلک تقریب، فقد یزید قلیلا وقد ینقص قلیلا، وقد یدرج**

وقد يرتل ثم إنه لم يثبت مواظبته على ذكر خاص، فكان يقول تارةً هذا وتارةً ذلك......

(معارف السنن:۳/۱۱۹،بيان الأذكار بعد السلام ،سعيد كمبني)

بخاری شریف میں ہے:

عن مغيرة بن شعبة رضي الله عنه **أن النبي** صلى الله عليه وسلم **كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة:"لا إله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللّٰهم لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت ولاينفع ذا الجد منك الجد"**.(بخاری شریف:۱/۱۱٦، باب الذكر بعد الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **قالت: كان رسول الله** صلى الله عليه وسلم **إذا سلم لايقعد إلامقدارما يقول اللّٰهمّ أنت السلام......الخ، وفي رواية عن النبي** صلى الله عليه وسلم **أنه كان يقول بعد التسليم:"لا إله إلا الله وحده...... اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت......"وروى أنه كان يقول:"سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين"**. (ترمذی شریف:۱/٦٦، باب ما يقول إذا سلم)۔ **واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے:

سوال: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں بعض ائمہ حضرات اس کے بعد لمبی لمبی جہری دعائیں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان فرائض کے بعد مختصر دعا پر اکتفاء کر کے سنن ونوافل میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، لہذا جو ائمہ لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں ان کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تاکہ سنت اور فرائض میں زیادہ فاصلہ نہ ہو نیز مسبوقین کی نماز میں خلل بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو محدث العصر علامہ حضرت بنوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ في فتح القدير في "باب النفل۱/۳۱۳،۳۱٤" **ما ملخصه:أن المسنون عدم الفصل بين الفريضة والسنن إلا قدرما يقول:" اللّٰهمّ أنت السلام كما في حديث عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **عند مسلم والترمذي وهو الذي ذكره في شرح الحاكم الشهيد وذكره**

البقالی...وماثبت عنه أنه ﷺ أنه كان يقول: ”لاإله إلاالله وحده لاشريک له الخ“وأنه أرشد فقراء المهاجرين إلى التسبيحات وأخواتها ثلاثاً وثلاثين وغيرذلک دبرالصلاة فلايقتضی وصلها بالفريضة بل يصح كونهادبرالصلاة إذاكان عقيب السنة من غيراشتغال بما هوليس من توابع الصلاة... وما ذكره الحلوانی من أنه لابأس بأن يقرأ الأوراد بين الفريضة والسنة فمفاده أيضا أن الأولی أن لايقرأها...انتهی ملخصا... وتحقيق الشيخ ابن الهمام هذا يطمئن إليه القلب أكثرمما يطمئن إلی ما أفاده الشاه ولی اللهؒ فی ”حجة الله البالغة “ فی أذكارالصلاة من الجزء الثانی من ذكره أذكاراً كثيرةً ثم قال: الأولیٰ أن يأتی بها قبل الرواتب الخ... (معارف السنن: ۳/۱۱۸-۱۱۹، باب ما يقول إذا سلم،سعيد كمبنی)

درمختار میں ہے:

ويكره تأخيرالسنة إلابقدراللّٰهمّ أنت السلام الخ قال الحلوانی: لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الكمال،قال الحلبی إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الاختلاف قلت: و فی حفظی حمله علی القليل، وفی الشامی: قوله لابأس بالفصل الوارد أی القليلة التی بمقداراللّٰهمّ أنت السلام. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۳۱،سعيد۔وحاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۱۱، قديمی۔ وفتاوی محمودية: ۵/۶۸۰، جامعه فاروقيه)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا اکابر میں سے کسی نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے تسبیحاتِ فاطمی اوراذکارِ مسنونہ پڑھنے کوترجیح دی ہے یانہیں؟

الجواب: ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد ہاشم تتوی سندی، اور حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ تعالیٰ، ان حضرات نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے اذکارِ مسنونہ پڑھنے کوترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں فرماتے ہیں:

والأدعية كلها بمنزلة أحرف القرآن، من قرأ منها شيئاً فازبالثواب الموعود، والأولیٰ

أن يأتي بهذه الأذكار قبل الرواتب، فإنها جاء في بعض الأذكار مايدل على ذلك نصاً، كقوله: من قال قبل أن ينصرف ويثني رجليه من صلاة المغرب والصبح: "لاإله إلا اللّٰه ......الخ، وكقول الراوي: كان إذا سلم من صلاته يقول بصوته الأعلىٰ: لاإله إلا اللّٰه...... الخ، قال ابن عباس رضي الله عنه: كنت أعرف انقضاء صلاة رسول اللّٰه ﷺ بالتكبير، وفي بعضها مايدل ظاهراً كقوله: دبر كل صلاة، وأما قول عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها: كان إذا سلم لم يقعد إلا مقدار مايقول: "اللّٰهمّ أنت السلام...... الخ، فيحتمل وجوهاً:

منها: أنه كان لايقعد بهيئة الصلاة إلا هذا القدر، ولكنه يتيامن ويتياسر، أو يقبل على القوم بوجهه، فيأتي بالأذكار، لئلا يظن الظان أن الأذكار من الصلاة.

ومنها: أنه كان حيناً بعد حين يترك الأذكار غير هذه الكلمات، يعلمهم أنها ليست فريضة، وإنما مقتضى هذا كان وجود هذا الفعل كثيراً، لامرة ولامرتين، ولا المواظبة، والأصل في الرواتب أن يأتي بها في بيته، والسر في ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بما ليس من جنسها، وأن يكون فصلاً معتداً به يدرك بادي الرأي، وهو قول عمر رضي الله عنه لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة: اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنه لم يكن بين صلواتهم فصل، فقال النبي ﷺ: "أصاب اللّٰه بك يا ابن الخطاب" وقوله ﷺ: " اجعلوها في بيوتكم". (حجة الله البالغة: ۲/ ۵۱-۵۲، مكتبة حجاز ديوبند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ''فتح الملہم'' میں شاہ ولی اللہؒ کی مذکورہ بالا عبارت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: فالإتيان بشيء من الأذكار والأدعية المأثورة بعد الفرائض متصلاً بها هو الراجح في نظري، فإنه يفيد فصلاً زمانياً بين الفريضة والنافلة، كما أن التحول من موضع الفريضة يفيد فصلاً مكانياً، واللّٰه أعلم. (فتح الملهم: ٤/ ٢٤٨، باب استحباب الذكر بعد الصلاة)

شیخ محمد ہاشم تتوی سندی ''مختصر التحفة المرغوبة'' میں فرماتے ہیں:

قد علمت مما ذكرنا في الباب الأول أن أصل الدعاء بعد المكتوبة سنة مستحبة، بقي الكلام في أن الدعاء بعد المكتوبة قبل السنة هل هو مكروه أم لا؟

فنقول: الأحاديث التی قدمناها فی الباب الأول كلها تدل بظاهرها أن دعاء النبی ﷺ كان بعدالسلام مباشرة، قبل أن يصلی السنن الرواتب، كما هوالمتبادرمن قول رواة تلك الأحاديث: (إذا سلم)، (إذا انصرف)، و(إذا)هذه للمتبادرة، (دبركل صلاة مكتوبة)، ونحو ذلك من الألفاظ.

وكثيرمن تلك الأحاديث يصرح رواتهامن الصحابة بأنهم سمعوا النبی ﷺ يدعو بتلك الدعوات بعد المكتوبة، ومعلوم أن النبی ﷺ كان من هديه أداء السنن الرواتب والنوافل فی البيت، دون المسجد، فلولاأن النبی ﷺ أتی بتلك الدعوات بعد المكتوبة مباشرة، قبل أن ينصرف إلی بيته لما سمعوها من النبی ﷺ، كماهوظاهر.

وأماأن النبی ﷺ كان يصلی السنن والنوافل فی البيت فتدل عليه أحاديث: ذكرمنها أربعة. (مختصرالتحفة المرغوبة للشيخ محمد هاشم التتوی السندی: ص ٤١-٤٦، الباب الثانی فی أن الدعاء بعدالمكتوبة قبل السنة جائزبلاكراهة بل هوأفضل من أن يكون بعدالسنة، مندرجة فی "ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعدالصلوات المكتوبة" حلب)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا: "بسم اللّٰہ الذی لاإلہ إلاھو الرحمٰن الرحیم، اللّٰھمّ اذھب عنی الھمّ والحزن" نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے اور پڑھنا چاہئے اگر چہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ إذاسلم من صلاته مسح جبهته بيده اليمنی وقال: "بسم اللّٰه الذی لا إله إلاهوالرّحمٰن الرّحيم، اللّٰهمّ اذهب عنی الهمّ والحزن" غريب من حديث معاوية تفردبه عنه زيدالعمی وهوأبوالحواری زيد بن الحواری بصری فيه لين. (حلية الاولياء: ٢/ ٣٠١، فی ترجمة معاوية بن قرة، دارالفكر)

مزید ملاحظہ ہو: عمل اليوم والليلة: ص ٣١، باب ما يقول فی دبرصلاة الصبح-ومجمع الزوائد: ١٠

/ ۱۱۰، باب الدعاء فی الصلاة وبعدها،وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط والبزاربنحوه بأسانيد وفيه زيد العمی وقد وثقه غيرواحد وضعفه الجمهور،وبقية رجال أحدإسنادی الطبرانی ثقات، وفی بعضهم خلاف،دارالفكر۔ والدعاء للطبرانی:۱/ ۲۱۰۔ومعجم الأوسط للطبرانی: ۳/ ۲۴۳/ ۲۰۲۵،مكتبة المعارف الرياض۔(اس روایت کی تحقیق جلد اول کے ''ابواب الحدیث'' میں گذر چکی)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا ''بسم اللہ...... حصن حصین میں ہے اور حدیث اس بارے میں منقول ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/ ۲۱۱، مدلل ومکمل، دارالاشاعت۔وفتاوی حقانیہ:۳/ ۱۰۲، باب سنن الصلاۃ، دارالعلوم حقانیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا میں بحق فلان کہنے کا حکم:

سوال: دعا میں بحق فلان کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دعا میں بحق فلان کہنا دو اعتبار سے ہے ایک یہ ہے کہ بحق فلان سے یہ مراد لیں کہ جو عقلاً وذاتاً اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہے، تو یہ ناجائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق واجب اور لازم نہیں، بلکہ ''ہمارا وجود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں''۔فقہاء کی عبارات بھی اسی پر محمول ہیں۔لیکن اگر بحق فلان سے یہ مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے خود اپنے اوپر جو لازم کیا ہے یا حق سے برکت وحرمت مراد لیں تو پھر یہ توسل اور وسیلہ کے قبیل سے ہوگا، اور دعا میں توسل ہمارے علماء کے ہاں جائز بلکہ '' أرجى للإجابة ''ہے۔

بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اگر چہ روایات کمزور اور ضعیف ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

أخرج ابن ماجه في '' سننه'' (۷۷۸) عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خرج من بيته إلى الصلاة، فقال: اللهم إني أسألك بحق السائلين عليك وأسألك بحق ممشاي هذا، فإني لم أخرج أشراً ولا بطراً ولا رياء ولا سمعة، خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك، فأسألك أن تعيذني من النار وأن تغفرلي ذنوبي؛ إنه لايغفر الذنوب إلا أنت. أقبل الله بوجهه واستغفر له سبعون ألف ملك. قال

محمد فؤاد عبد الباقي في تعليقه : في" الزائد " هذا إسناد مسلسل بالضعفاء ،عطية هو العوفي وفضيل بن مرزوق والفضل بن الموفق كلهم ضعفاء لكن رواه ابن خزيمة في صحيحه من طريق فضيل بن مرزوق فهو صحيح عنده .

وأخرج أيضاً أحمد في "مسنده" (١١١٧٢)، قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، وابن أبي شيبة في"مصنفه" (٢٩٨١٢)، وابن بشران في"أماليه" (٧٥٣)، وابن الجعد فی"مسنده" (٢٠٣١)، وابن المنذر فی"الأوسط" (١٧٤٥)، والعراقي في" تخريج الإحياء" (١/٣٣٢،الباب الخامس فی الادعیة) وحسنه .

قلت: إسناده ضعيف جداً ، آفته عطية العوفي. قال ابن الجوزي فی"الضعفاء" (٢/١٨٠): عطية بن سعيد، أبوالحسن ، الكوفي: ضعفه الثوری ، وهشيم ، ويحيى، وأحمد، والرازی ، والنسائي. وقال ابن حبان : سمع من أبي سعيد الخدری أحاديث فلما مات جعل يجالس الكلبي فإذا قال الكلبي: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ،حفظ ذلک ورواه عنه وكناه أبا سعيد فيظن أنه أراد "الخدری" وإنما أراد "الكلبي" لايحل كتب حديثه إلا على التعجب .

وفي رواية عن عمروبن عطية العوفي عن أبيه عن أبي سعيد أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول إذا قضى صلاته: " اللّٰهم إني أسألک بحق السائلين عليک فإن للسائلين عليک حقاً أيما عبد أو أمة من أهل البر والبحر تقبلت دعوتهم واستجبت دعاء هم أن تشركنا في صالح ما يدعونک وأن تشركهم في صالح ماندعوک وأن تعافينا وإياهم وأن تقبل منا ومنهم وأن تجاوز عنا وعنهم فإنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين "؛ وكان يقول: لايتكلم بها أحد من خلق اللّٰه إلا أشركه اللّٰه في دعوة أهل بحرهم وأهل برهم وهو مكانه. الديلمي، قال : في المغني : عمرو بن عطية العوفي ضعفه الدارقطني . (جامع الاحاديث للامام السيوطی،رقم:٤١٨٠٢).

قلت: إسناده ضعيف ، لضعف عطية وابنه عمرو.

وفي رواية عن عمرؓ وعليؓ: إذا شجاک شيطان أوسلطان فقل يا من يكفي من كل

أحد ولايكفي منه أحد يا أحد من لا أحد له يا سند من لا سند له انقطع الرجاء إلا منك فاكفني مما أنا فيه وأعني ما أنا عليه مما قد نزل بي بجاه وجهك الكريم وبحق محمد صلى الله عليه وسلم عليك آمين. (كنزالعمال،رقم:٣٤٢٥، عن الديلمی).

وكذا فی"الفردوس بمأثور الخطاب" (١٢٨٢)، وجامع الأحاديث للإمام السيوطی (٢١٧٢) وعزاه السيوطی للديلمی عن عمر وعلی معاً.

فتح باب العنایه میں ہے:

قيل: و يحرم أن يقول في دعائه: بحق فلان، نبياً كان أو ولياً أو بحق البيت أو المشعر الحرام، لأنه لا حق للخلق على الله، لكن قد يقال: إنه لا حق لهم وجوباً من أصله، لكن الله سبحانه جعل لهم حقاً من فضله، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة، فيكون من باب الوسيلة، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿ وابتغوا إليه الوسيلة ﴾ (المائدة:٣٥) وقد عد من آداب الدعاء: التوسل بالأنبياء والأولياء على ما فی "الحصن الحصين" : وجاء فی رواية : اللهم إني أسألك بحق السائلين...الخ. (فتح باب العناية:٤/٥).

فتاویٰ شامی میں ہے:

وقال السبكی: يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية فابتدع مالم يقله عالم قبله. (ردالمحتار: ٦/٣٩٧،سعيد).

علامہ شامیؒ نے اگرچہ اس قسم کی چند عبارات نقل فرمائی ہے لیکن خود علامہ شامیؒ کا رجحان دعا میں لفظ "بحق فلان" کے استعمال میں کراہت کی جانب ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

أقول: لكن هذه كلها احتمالات مخالفة للظاهر المتبادر من هذا اللفظ ومجرد إيهام اللفظ مالايجوز كاف فی المنع . (فتاوی شامی: ٦/٣٩٧،سعيد).

تکملة عمدة الرعاية میں ہے:

قوله: ولا حق لأحد على الله تعالىٰ...وقلنا ليس للمخلوق العاجز على الخالق القادر حق لكنه بكمال لطفه عبر العطيات بالحق أی كائنة ثابتة واجبة كالحقوق وقال العلامة الشامی: أراد بالحق الحرمة والعظمة فيكون من باب والوسائل قد أمرنا بها بـ ابتغوا إليه

الوسيلة، وعد صاحب الحصن التوسل من آداب الدعاء والآثار فيه كثيرة معمولة. (تكملة عمدة الرعاية: ٤/٥٩، كتاب الكراهية).

اکثر فقہائے کرام نے مکروہ تحریر فرمایا ہے۔ درجِ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(البحر الرائق: ٨/٢٠٧، كوئته، والاختيار لتعليل المختار: ٤/١٧٥، كتاب الكراهية، والفتاوى الهندية: ٥/٣١٨، والفتاوى السراجية، ص ٣١٧، كتاب الكراهية، والهداية: ٤/٤٧٥، كتاب الكراهية، وتبيين الحقائق: ٦/٣١، دار الكتب الاسلامي، وفتح القدير، والعناية، كتاب الكراهية).

ان فقہاء کے کراہت کے قول کی وجہ فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ میں درج ہے، ملاحظہ ہو:

فتاویٰ شیخ الاسلام میں ہے:

معتزلہ چونکہ عدل اور اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں اس لیے غفران اہل توحید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم باللزوم العقلی قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے، اس لیے یہ دعا کرنا "اللّٰهم إني أسألک بحق فلان يا بحق الأنبياء، والمرسلين" اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا، اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا، قرون تابعین اور تبع تابعین میں معتزلہ کا بہت زور شور تھا اس لیے فقہاء کرام نے "سداً للذريعة" منع فرمایا تھا، اب جب کہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہو گیا، تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا ...اہل سنت جب دعا میں یہ کلمہ کہتے ہیں تو واجب عقلی مراد نہیں لیتے بلکہ ایسے معانی لیتے ہیں جن سے توسل سمجھا جاتا ہو جو کہ "أرجى للإجابة" ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۸۸، ۸۹)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

...ان الفاظ سے دعا کرنا جائز اور حضراتِ مشائخ کا معمول ہے، حصن حصین اور الحزب الاعظم، ماثورہ دعاؤں کے مجموعے ہیں ان میں بعض روایات میں "بحق السائلين..." وغیرہ الفاظ منقول ہیں جن سے اس کے جواز و استحسان پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۱۸۸، کتاب الاذکار والادعیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ورتل القرآن ترتیلاً﴾

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”زینوا القرآن باصواتکم“

(رواہ أبوداود)

باب......﴿۵﴾

قراءت وتجوید

اور

قاری کی لغزشوں کا بیان

باب ...... ﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کے بعد استعاذہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کرلے پھر تلاوت جاری رکھنا چاہے تو استعاذہ پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب: تلاوت کے درمیان قراءت سے متعلق کام میں مشغول ہو تو پھر استعاذہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قراءت سے متعلق نہیں تو دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بظاہر قراءت سے متعلق ہے اس لئے کہ تلاوت ہی سے واجب ہوا ہے لہذا دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والتعوذ يستحب مرة واحدة مالم يفصل بعمل دنيوی. (شرح منية المصلی: ص ٤٩٥، مسائل زلة القاری، سهيل اكيڈمی)

معارف القرآن میں ہے:

تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے ''اعوذ باللہ......'' پڑھنا سنت ہے، مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت پھر دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ (معارف القرآن: ۳۸۹/۵، سورۃ النحل، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

الاتقان میں ہے:

قال: وإذا قطع القراءة إعراضاً أوبكلام أجنبي ولورد السلام استأنف(الاستعاذة) ولويتعلق بالقراءة فلا.(الاتقان فی علوم القرآن:۱/۲۹۳،آداب التلاوۃ،بیروت)

النشر میں ہے:

إذا قطع القارى القراءة لعارض من سوال أوكلام يتعلق بالقراءة لم يعد الاستعاذة و ذلک بخلاف ما إذاكان الكلام أجنبياً ولورد السلام فإنه يستأنف الاستعاذة وكذا لوكان القطع إعراضاً عن القراءة كما تقدم،والله أعلم.(النشرفی القراءات العشر:۱/۲۵۹)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

﴿الرّحمٰن الرّحيم﴾ کو﴿ربّ العٰلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم:

سوال: سورۂ فاتحہ میں ﴿الرّحمٰن الرّحيم﴾ کو﴿ربّ العٰلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنا بہتر ہے یا ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔بعض کے نزدیک ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے،اس میں نبی پاک ﷺ کے طریقہ کی اتباع ہے اور جمہور کے ہاں وصل افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها **قالت: كان رسول الله ﷺ يقطع قراءته يقرأ: ﴿الحمدلله رب العٰلمين﴾ ثم يقف﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف......**(رواہ الترمذی:۲/۱۲۰،ابواب القراءت، فیصل)

فی عرف الشذی: ويدل حديث الباب على الوقف على كل آية ويقال: لهذه الأوقاف أوقاف النبی ﷺ، والوقف على هذه الأوقاف مستحب وذكرالجزریؒ أن الوقف مستحب.(العرف الشذی علی سنن الترمذی:۲/۱۲۰)

مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ......قال الله تعالىٰ: قسمت الصلاة بينی وبين عبدی نصفين ولعبدی ماسأل، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العٰلمين﴾ قال الله تعالىٰ: حمدنی**

عبدی وإذا قال: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ قال اللّٰہ تعالیٰ: أثنی علی عبدی....... (رواہ مسلم: ۱/ ۱۷۰، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة، فیصل)

جمع الوسائل میں ہے:

(ثم یقول: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ ثم یقف) والحاصل أنه کان یقف علی رؤس الآی تعلیماً للأمة ولوفیه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البیهقی: والحلیمی وغیرهما یسن أن یقف علی رؤس الآی وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم فی الحدیث بأن محل الوقف یوم الدین غفلة عن القواعد المقررة فی کتب القراء إذ أجمعوا علی أن الوقف علی الفواصل وقف حسن ولو تعلقت بما بعدها وإنما الخلاف فی أن الأفضل هل الوصل أو الوقف فالجمهور کالسجاوندی وغیره علی الأول والجزری علی الثانی وکذا صاحب القاموس حیث قال: صح أنهﷺ وقف علی رأس کل آیة وإن کان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء الوقف علی ماینفصل فیه الکلام أولیٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولیٰ والأعدل عدم العدول عما وردفی خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل: ۲/ ۱۱۲، باب ماجاء فی قراءة رسول اللّٰهﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ وکذافی المرقاة: ۵/ ۱۱، مکتبہ امدادیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۸۲، باب القراءة)۔ واللہ ﷻ اعلم

آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا:

سوال: جب آیت کے معنی پورے نہ ہو تو اس پر وقف کرنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً والعصر پر وقف کرنا وغیرہ۔

الجواب: ملاعلی قاریؒ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت فرمایا ہے کہ رأس الآیة پر بعض کے نزدیک وقف بہتر ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے ہاں جمہور کے نزدیک وصل بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

(ثم یقول: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ ثم یقف) والحاصل أنه کان یقف علی رؤس الآی

تعلیماً للأمة ولوفيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقى والحليمى وغيرهما: يسن أن يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم فى الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة فى كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولوتعلقت بما بعدها وإنماالخلاف فى أن الأفضل هل الوصل أوالوقف فالجمهوركالسجاوندى وغيره على الأول والجزرى على الثانى وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنهﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء الوقف على ماينفصل فيه الكلام أولىٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولىٰ والأعدل عدم العدول عما وردفى خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل فى شرح الشمائل:۲/۱۱۲،باب ماجاء فى قراءة رسول اللّٰہ ﷺ،ادارہ تالیفات اشرفیہ۔وکذافی المرقاۃ:۵/۱۱،مکتبہ امدادیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ:

سوال: نمازِ جمعہ میں کونسی سورتیں پڑھنا مستحب ہے؟

الجواب: نمازِ جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ یا پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اسی طرح پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنا احادیث میں وارد ہے اور مستحب ہے۔ نیز گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے البتہ اکثر مستحب کی رعایت کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

وعن ابن أبى رافع قال: استخلف مروان أباهريرةؓ على المدينة وخرج إلى مكة فصلى لناأبوهريرة ؓ يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فى الركعة الآخرة إذا جاءك المنافقون، قال: فأدركت أباهريرةؓ حين انصرف فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان على بن أبى طالب ؓ يقرأ بهما بالكوفة فقال أبوهريرة ؓ: إنى سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقرأ بهمايوم الجمعة.

عن النعمان بن بشير ؓقال: كان رسول اللّٰه ﷺ يقرأ فى العيدين وفى الجمعة

بـسبح اسم ربک الأعلیٰ وهل أتاک حديث الغاشية. وعن عبيدالله بن عبدالله قال: کتب الضحاک بن قيس إلى النعمان بن بشير رضي الله عنه يسئله أیّ شئ قرأ رسول الله ﷺ يوم الجمعة سوی سورة الجمعة فقال: کان يقرأ هل أتاک حديث الغاشية. (صحيح مسلم شريف: ۱/۲۸۷-۲۸۸، فيصل-وكذا في جامع الترمذي: ۱/۱۱۷، باب ماجاء في القراءة في صلاة الجمعة، فيصل-وسنن أبي داود: ۱/۱۵۹، باب مايقرأ في الجمعة، فيصل-وسنن النسائي: ۱/۲۰۹، كتاب الجمعة، قديمي-وسنن ابن ماجة: ص۷۸، قديمي-والسنن الكبرى للبيهقي: ۳/۲۰۰، باب القراءة في صلاة الجمعة، دارالمعرفة- ومصنف ابن ابی شيبة: ۴/۱۳۶، مايقرأ به في صلاة الجمعة، المجلس العلمي)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء على أن: كان لايقتضي المداومة، والدليل على ذلک ماروا ه مسلم من حديث النعمان بن بشير رضي الله عنه قال: الخ...... قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقرأ سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة. وقال الطحاویؒ: معناه إذا رآه حتماً واجباً لايجزيء غيره أورأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها في تلک الصلاة تبركاً أوتأسياً بالنبي ﷺ، أولاجل التيسير فلاكراهة، وفي المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلک أحياناً لئلايظن الجاهل أنه لايجوزغيره. (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۵/۳۶، باب مايقرأ في صلاة الفجريوم الجمعة، دارالحديث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراء تهما أحياناً...... وفي الشامي: وعلله في الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقي وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراء تهما أحياناً) وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لاالمداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلک أحياناً تبركاً بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفي بالترک أحياناً. (شامی: ۱/۵۴۴، فصل في القراءة، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع: ۱/۲۶۹ فصل في مقدار القراءة، سعيد-واوجزالمسالك: ۲/۴۸۹، كتاب الجمعة، دارالقلم- ***واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔***

جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں صرف سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر ثابت ہے اس کے علاوہ ثابت نہیں؟ نیز اس پر مداومت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا پڑھنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے البتہ مداومت ثابت نہیں ہے اس کے علاوہ سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے بلکہ علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مستحب پر مداومت مکروہ ہے لہذا کبھی کبھی ترک بھی مناسب ہے۔ نیز دیگر روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ سورت پڑھنا بھی ثابت ہے جس میں آیتِ سجدہ ہو۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هريرةؓ قال: كان النبیﷺ يقرأ فی الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتی علی الإنسان. (رواه البخاری:۱/۱۲۲/۸۸۱،باب مایقرأ فی صلاة الفجر یوم الجمعة ومسلم عنه ؓ:۱/۲۸۸، باب فی قراءة الٓمٓ تنزيل وهل أتی فی صلاة الفجر يوم الجمعة ـ والترمذی عن ابن عباس ؓ :وقال:حديث ابن عباس ؓ حديث حسن صحيح،۱/۱۱۷،باب ماجاء فی مايقرأ فی صلاة الصبح يوم الجمعة ـ وابوداؤد عن ابن عباس ؓ:۱/۱۵٤، باب مايقرأ فی صلاة الصبح يوم الجمعة ـ والنسائی عن ابی هريرة ؓ وابن عباس ؓ :۱/۱۵۱، القراء ة فی الصبح يوم الجمعة ـ وابن ماجه عن ابن عباس ؓ وابی هريرة ؓ وابن مسعود ؓ وسعد ؓ:ص۵۹،باب القراءة فی صلاة الفجر يوم الجمعة ـ وأحمد فی مسنده عن ابن عباس ؓ : ۷/٤۰۹/۳۳۸۳ ـ وابن أبی شيبة:٤/۱۳٤/۵٤۹۰، المجلس العلمی)

عرف الشذی میں ہے:

السورة المأثورة فی الصلوات مستحبة اعتيادها عندنا كمافی البحر والحلية ويدعها مرة أومرتين كيلا يفسد عقائد من خلفه من عدم صحة هذه الصلاة بدون هذه السور. (العرف الشذی علی هامش الترمذی:۱/۱۱۶)

عمدة القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء على أن: كان لايقتضي المداومة،......قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقرأ سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة. وقال الطحاويؒ: معناه إذا راٰه حتماً واجباً لايجزىء غيره أو رأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها في تلك الصلاة تبركاً أو تأسياً بالنبي ﷺ، أو لاجل التيسير فلاكراهة، وفي المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلك أحياناً لئلايظن الجاهل أنه لايجوز غيره. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ٥/٣٦، باب مايقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، دار الحديث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراءتهما أحياناً...... وفي الشامي: وعلله في الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقي وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراءتهما أحياناً) وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحياناً تبركاً بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفي بالترك أحياناً. (شامی: ١/٥٤٤، فصل في القراءة، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب:

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ وسورۂ دہر ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه كان رسول الله ﷺ يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتى على الإنسان، وللطبراني من حديث ابن مسعود رضي الله عنه، يديم ذلك. (بلوغ المرام: ٨٦/٢٨٨، باب صفة الصلاة۔ ومجمع الزوائد: ٢/١٦٨، دار الفكر)

جبکہ فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں اور کبھی کبھی چھوڑنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصل دلیل اس میں کیا ہے اور اس روایت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مداومت ثابت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی فجر میں دیگر سورتیں پڑھنے کا

ثبوت ملتا ہے مثلاً بعض روایات میں ہے کہ سورۂ روم پڑھی اور بعض میں ہے سورۂ تبارک پڑھی۔
ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ''كان النبی ﷺ يقرأ فی صلاة الجمعة ﴿بسورة الجمعة وسبح اسم ربك الأعلى﴾ وفی صلاة الصبح يوم الجمعة ﴿الٓمٓ تنزيل وتبارك الذی بيده الملك﴾''. (مصنف عبد الرزاق:۳/۱۸۱/۵۲۳۸، باب القراءة يوم الجمعة، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن عبد الملك بن عمير أن النبی ﷺ قرأ فی الفجر يوم الجمعة بسورة الروم. (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۷/۲۷۳۰، باب القرائة فی صلاة الصبح)

اسی وجہ سے فقہاء نے مستحب لکھا ہے ورنہ دوام تو وجوب یا سنت مؤکدہ ہونے کی علامت ہے، اور مستحب کا درجہ دونوں کے بعد ہے۔

روایت کا جواب:

اس بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں: (۱) **كان يقرأ فی كل جمعة** (۲) **يديم ذلك.**

پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی انتہائی ضعیف ہے اور دوسری روایت میں دوام سے کثرت مراد ہے، یعنی اکثر جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کو آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ فی كل جمعة فی صلاة الغداة الٓمٓ تنزيل الكتاب وهل أتى على الإنسان. قلت: هو الصحيح خلا قوله فی كل جمعة، رواه الطبرانی فی الكبير وفيه حماد بن سعيد وهو ضعيف جدا. (مجمع الزوائد:۲/۱۶۸، باب ما يقرأ فيهما، دار الفكر)

سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال فی البحر: والذی ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبی ﷺ لكن إن كانت لا مع الترك فهی دليل السنة المؤكدة، وإن كانت مع الترك أحياناً فهی دليل غير المؤكدة، وإن اقترنت بالإنكار على من لم يفعله فهی دليل الوجوب، فافهم هذا فإن به

يحصل التوفيق.(شامی:۱/۱۰۵۔مطلب فی السنة وتعریفها،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت:

مصنفِ ابن ابی شیبة میں ہے:

عن إبراهيمؒ قال: كان يستحب أن يقرأ يوم الجمعة بسورة فيها سجدة. وعن سعيد بن جبيرؒ قال: ماصليت خلف ابن عباس رضي الله عنه يوم الجمعة الغداة إلاقرأسورة فيهاسجدة. وعن ابن عون قال: كانوا يقرؤون يوم الجمعة بسورة فيهاسجدة،فسألت محمداً، فقال: لاأعلم به بأساً.(مصنفِ ابن ابی شیبة:۴/۱۳۳،باب من كان يستحب ان يقرأ فی الفجريوم الجمعة بسورة فيهاسجدة)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت:

سوال: فجر کی نماز میں مختلف سورتیں پڑھنا ثابت ہے یانہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنا روایات سے ثابت ہے مثلاً سورۂ ق سورۂ ذاریات سورۂ تکویر سورۂ فتح سورۂ مؤمنین سوۂ انبیاء سوۂ کہف سورۂ یوسف سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران سورۂ بنی اسرائیل سورۂ روم سورۂ یونس سورۂ ہود وغیرہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں لہذا نماز فجر میں قرآن میں سے مختلف سورتیں پڑھنا چاہئے۔نیز فقہاء نے طوالِ مفصل (یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) میں سے پڑھنے کو بھی مستحب لکھاہے۔ نسائی شریف میں ہے:

عن سعيد بن يسارأن ابن عباس رضي الله عنه أخبره أن رسول الله ﷺ كان يقرأ في ركعتي الفجرفي الأولىٰ منهما الآية التي في البقرة﴿قولوا آمنا بالله وماأنزل الينا الخ﴾وفي الأخرىٰ﴿آمنا بالله واشهد بأنامسلمون﴾وعن رجل من أصحاب النبي ﷺعن النبي ﷺ أنه صلى صلاة الصبح فقرأ الروم...... وعن أم هشام بنت حارثة ابن النعمان قالت:ماأخذت قٓ والقرآن المجيد إلامن وراء رسول الله ﷺكان يصلي بها في الصبح. وعن زياد بن علاقة قال: سمعت عمي يقول: صليت مع رسول الله ﷺ الصبح فقرأ في إحدى الركعتين ﴿والنخل باسقات لها طلع نضيد﴾وعن عمروبن حريث رضي الله عنه قال: سمعت النبي ﷺ يقرأ في الفجر﴿إذا الشمس كورت﴾.(نسائی شریف:۱/۱۵۱،قدیمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روی عن النبی ﷺ أنـه قرأ فی الصبح بالواقعة. (ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الصبح)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ أن أبا بکر رضی اللہ عنہ قرأ فی صلاة الصبح بالبقرة. وعن الأحنف قال: صلیت خلف عمر رضی اللہ عنہ الغداة فقرأ بیونس وهود ونحوهما. وعن زید بن وهب: أن عمر رضی اللہ عنہ قرأ فی الفجر بالکهف. وعن عبد اللّٰه بن عامر بن ربیعة قال: سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقرأ فی الفجر بسورة یوسف. وعن أبی عمرو الشیبانی قال: صلی بنا عبداللّٰه رضی اللہ عنہ الفجر فقرأ بسورتین الآخرة منهما بنو اسرائیل. وعن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: صلیت خلف علی رضی اللہ عنہ صلاة الغداة فقرأ بیونس وهود. وعن عمرو بن میمون أن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صلی الصبح بالیمن فقرأ بالنساء. وعن عبیدة رضی اللہ عنہ: أنه کان یقرأ فی الفجر الرحمٰن ونحوها. وعن توبة العنبری: أنه سمع أباسوار القاضی قال: صلیت خلف ابن الزبیر رضی اللہ عنہ الصبح فسمعته یقرأ ﴿ألم تر کیف فعل ربک بعاد. إرم ذات العماد﴾ وعن الولید بن جمیع قال: صلیت خلف إبراهیم رحمہ اللہ، فکان یقرأ فی الصبح بـ﴿یٰسٓ﴾ وأشباهها. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۲۱۸،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

وروی عن عمر رضی اللہ عنہ أنه کتب إلی أبی موسی رضی اللہ عنہ أن اقرأ فی الصبح بطوال المفصل.

(ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الفجر)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

وعن الضحاک بن عثمان قال: رأیت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ قرأ فی الفجر بسورتین من طوال المفصل. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۲۲،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن الحسن رحمہ اللہ وغیره قال: کتب عمر رضی اللہ عنہ إلی أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ أن اقرأ فی المغرب بقصار

المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل. (مصنفِ عبدالرزاق: ۲/۱۰۴،باب مایقرأ فی الصلاۃ)

نیز کتبِ فقہ ملاحظہ ہو: ھدایہ:۱/۱۲۰،فصل فی القراءۃ۔وبدائع الصنائع:۱/۲۰۵،بیان مقدار المستحب من القراءۃ،سعید۔والفتاوی الھندیہ:۱/۷۷،الفصل الرابع فی القراءۃ۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فإذا فرغت فانصب الخ﴾ پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا ہی پڑھا ﴿فإذا فرغت فانصب وإلیٰ ربک فارغب﴾ تو کیا نماز ہوئی یا نہیں ہوئی ؟

الجواب: سورہ فاتحہ کے بعد کم ازکم قراءت جس سے واجب ادا ہوجائے ،تین چھوٹی آیتیں ہیں یا ایک بڑی آیت،اگرتین آیات سے کم پڑھا تو کم ازکم تیس حروف ہونا چاہئے ،چنانچہ صورتِ مسئولہ میں صرف دوآیتیں پڑھیں جن کے حروف کا مجموعہ ۲۶ ہوتا ہے لہذا واجب مقدارادانہیں ہوئی ،نماز واجب الاعادہ ہے۔

ملاحظہ ہوامدادالفتاح میں ہے:

ویجب ضم سورۃ قصیرۃ أوثلاث آیات قصار لقولہ ﷺ ’’لاصلاۃ لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ فی فریضۃ أو غیرھا ‘‘. (أخرجہ الترمذی فی أبواب الصلاۃ ،باب ماجاء فی تحریم الصلاۃ و تحلیلھا:۳/۳/۲۳۸)۔ (امدادالفتاح مع الحاشیۃ:ص۲۷۵،فصل فی واجبات الصلاۃ۔وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۴۸،فصل فی بیان واجبات الصلاۃ،وکذافی الفتاوی الھندیۃ:۱/۷۱،الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ)

درمختار میں ہے:

وضم أقصرسورۃ کالکوثرأوماقام مقامھا وھوثلاث آیات قصارنحو: ﴿ثم نظرثم عبس وبسر ثم أدبرواستکبر﴾ وکذالوکانت الآیۃ أوالآیتان تعدل ثلاثاً قصاراً ذکرہ الحلبی.وفی الشامی:(قولہ تعدل ثلاثاً قصاراً) أی مثل ثم نظر......وھی ثلاثون حرفاً فلو قرأ آیۃ طویلۃ قدرثلاثین حرفاً یکون قد أتی بقدرثلاث آیات...... .(الدرالمختارمع الشامی:۱/۴۵۸)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ایک سورت ملائے یا تین چھوٹی آیت ملائے کہ مجموعہ تین آیات میں کم از کم تیس حروف ہوں جیسے ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستكبر﴾ یا ایک بڑی آیت ملائے ......اگر اتنی مقدار پڑھی کہ تیس حروف ہو جائے تب بھی کفایت ہو جائے گی۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۳۰، باب القراءت، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۴/۳۱۰۔ وفتاوی حقانیہ ۲/۱۷۲، باب القراءت)۔ واللہ ﷻ اعلم

فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر فارسی زبان میں کچھ قراءت کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فارسی کے ساتھ اتنا عربی پڑھ لیا ہے کہ جس سے نماز درست ہو جاتی ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ قاضیخان وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ ابن ہمامؒ نے دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر قصہ یا امر ونہی کی آیات پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ذکر وتسبیح کی آیات ہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اختار هذا التفصيل فى الفتح توفيقاً بين القولين وهما ماقاله فى الهداية من أنه لاخلاف فى عدم الفساد إذا قرأ معه بالعربية ما تجوز به الصلاة، وماقاله النجم النسفى وقاضيخان من أنها تفسد عندهما فقال فى الفتح: والوجه إذاكان المقروء من مكان القصص والأمر والنهى أن تفسد بمجرد قراءته لأنه حينئذٍ متكلم بكلام غير القرآن، بخلاف ما إذاكان ذكراً أوتنزيهاً فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراءة. وتبعه فى البحر وقواه فى النهر فلذا جزم به الشارح. (شامی: ۱/۴۸۵، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وتأويل ماروى عن علمائنا أنه: تفسد صلاته إذا قرأ هذا، أولم يقرأ شيئاً، مما فى مصحف العامة، ولوقرأ على طريق التفسير تفسد بالإجماع، لأنه غير مقطوع به، و لايمكن رعايته، كذافى الدراية عن المبسوط وغيره، قلت: ولعله فيما إذا اقتصر عليه، أما لوقرأ معه قدر المفروض صحت إذا لم يكن فيما قاله من التفسير ما يقتضى الفساد من

الألفاظ. انتھی. (امداد الفتاح: ص ۳۱۲، فصل فی کیفیة ترتیب افعال الصلاة۔ و کذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۶۹، الباب الرابع فی صفة الصلاة)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سورۃ العصر میں فلهم أجر غیر ممنون پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: سورۃ العصر میں ﴿إلا الذین آمنوا وعملوا الصلحات وتواصوا بالحق﴾ کی جگہ ﴿فلهم أجر غیر ممنون﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز مقتدی کیا کرے لقمہ دے یا خاموش رہے؟

الجواب: چونکہ آیتِ کریمہ کا معنی درست ہے لہذا نماز صحیح ہوگئی۔ البتہ مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں لقمہ دے تاکہ قرآنِ کریم کی تصحیح ہوجائے۔ حدیث شریف میں اس کی تائید ملتی ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ سے نماز میں سہواً ایک آیتِ کریمہ چھوٹ گئی بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے کیوں یاد نہ دلا دی، معلوم ہوا کہ لقمہ دینا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن یحیی الکاهلی عن المسور بن یزید المالکی أن رسول اللّٰه ﷺ قال یحییٰ وربما قال: شهدت رسول اللّٰه ﷺ یقرأ فی الصلاة فترک شیئاً لم یقرأه فقال له رجل: یارسول اللّٰه ترکت آیة کذا وکذا فقال رسول اللّٰه ﷺ: هلا أذکرتنیها، وفی روایة له عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ صلی صلاة فقرأ فیها فلبس علیه فلما انصرف قال لأبی أصلیت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعک. (ابو داؤد شریف: ۱/ ۱۳۱، باب الفتح علی الامام فی الصلاة، سعید)

درمختار میں ہے:

بخلاف فتحه علی إمامه فإنه لایفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بکل حال...... وفی الشامیة: قوله بکل حال: سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلی آیة أخری أم لا، تکرر الفتح أم لا، هو الأصح، نهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۲، سعید وفی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۹۹ الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخر فإن کانت الکلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم یتغیر به

المعنی المراد لاتفسد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۳٤۰،تکمیل فی زلة القاری، قدیمی۔و کذافی شرح منیة المصلی:ص٤۷٦،فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی۔و کذافی الفتاوی الهندیة:۱/ ۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری)۔**واللہ ﷻ اعلم**

نماز میں لکنود کی جگہ "لکبیر" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے ﴿إنّ الإنسان لربه لکنود﴾ کی جگہ" إنّ الإنسان لربه لکبیر" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح اور درست ہے اس لئے کہ کنود کے معنی نافرمان کے ہیں اور کبیر میں کبر کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی نافرمانی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها ذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل إن کانت الکلمة التی قرأها مکان کلمة یقرب معناها وهی فی القرآن لاتفسد صلاته نحو إن قرأ مکان العلیم الحکیم وان لم تکن تلک الکلمة فی القرآن لکن یقرب معناها عن أبی حنیفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. (الفتاوی الهندیة:۱/ ۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخر فإن کانت الکلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم یتغیر به المعنی المراد لاتفسد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳٤۰،تکمیل فی زلة القاری،قدیمی۔و کذافی شرح منیة المصلی:ص٤۷٦،فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض یا نفل میں سورت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض میں بلاضرورت تکرار سورۃ مکروہ ہے اور نفل میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویکره تکرار السورة فی رکعة واحدة من الفرض ذکره قاضیخان، وکذا تکرارها فی رکعتین من الفرض إذاکان لغیرضرورة بأن کان یقدرعلی قراء ة سورة أخری، أما اذا لم یقدرفلایکره لوجوب ضم سورة إلی الفاتحة فی الثانیة أیضاً وهذا إذا وقع عن قصد أما إذاکان لاعن قصدکما إذا قرأ﴿قل أعوذ بربّ النّاس﴾فی الأولیٰ فإنه لایکره أن یکررها فی الثانیة،......ولایکره تکرار السورة فی رکعة أوفی رکعتین من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد ورد"أنه ﷺ قام إلی الصباح بآیة واحدة یکررهافی تهجده" (أخرجه ابن ماجه فی کتاب إقامة الصلاة:باب:ماجاء فی القراء ة فی صلاة اللیل من حدیث سیدنا أبی ذر رضی اللہ عنہ قال:قام النبی ﷺ بآیة حتی أصبح یرددها،والآیة :﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفرلهم فإنك أنت العزیزالحکیم ﴾"ورواه النسائی فی الافتتاح ،باب تردیدالآیة(۱۰۰۹) فدل علی جواز التکرارفی التطوع کذافی شرح المنیة وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم کانوا یحیون لیلتهم بآیة العذاب، أوآیة الرحمة، أوآیة الرجاء، أوآیة الخوف.وإن کان ذلک فی الفرائض فهومکروه إن لم ینقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلک کذافی التجنیس والمزید. (امدادالفتاح مع الحاشیة:ص۳۸۱،فصل فیمایکره فی الصلاة۔وکذا فی الدرالمختارمع الشامی:۵۴۶/۱، سعید۔وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۲۳۸/۱)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

نوافل میں تکرارسورۃ جائزلیکن غیراولیٰ ہے۔البتہ فرائض میں تکرارسورۃ مکروہ تنزیہی ہےاس سےنماز میں کوئی فسادلازم نہیں آتا۔(فتاوی حقانیہ:۱۶۶/۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

فرض کی دو اخیری رکعت میں قراءت کا حکم:

سوال: فرض کی اخیری رکعت میں قراءت فرض ہے یا واجب؟لوگوں کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

الجواب: فرض کی اخیری دو رکعت میں قراءت نہ فرض ہے اور نہ واجب، بلکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا سنت اور مستحب ہے،لیکن بعض دوسرے مذاہب والے یہ گمان کرتے ہیں کہ احناف اخیری دو رکعتوں میں سورۂ

فاتحہ نہیں پڑھتے، یہ صحیح نہیں ہے احناف سورۂ فاتحہ ہمیشہ پڑھتے ہیں، لیکن اس کو سنت یا مستحب سمجھتے ہیں نہ کہ فرض اور واجب۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

و یقرأ فی الرکعتین الأخیرین بفاتحة الکتاب وحدها لحدیث أبی قتادة رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم قرأ فی الأخیرین بفاتحة الکتاب، وهذا بیان الأفضل هو الصحیح لأن القراءة فرض الرکعتین. (هدایه:۱/۱۱۱، باب صفة الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

وتسن قراءة الفاتحة فیما بعد الأولیین یشمل الثلاثي والرباعی قوله الصحیح هو ظاهر الروایة کما فی الحلبی......ولذا قال القهستانی:ولعل المذکور بیان السنة أو الأدب وإلا فالفرض علی روایة الأصول مطلق القیام کما مر. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۷۰ فصل فی بیان سننها،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: شرح البنایة علی الهدایة للعلامة العینیؒ:۱/۶۷۶، صفة الصلاة،فیصل آباد۔وبدائع الصنائع: ۱/۲۹۵، بیروت۔واحسن الفتاوی:۳/۷۱۔**والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ بربّ الفلق﴾ پڑھی اور دوسری رکعت میں بھول سے ﴿قل هو الله أحد﴾ شروع کردی اب اس کو پورا کرے یا اس کو چھوڑ کر ﴿قل أعوذ بربّ الناس﴾ پڑھے؟

الجواب: دوسری رکعت میں ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ پوری کرلے اس لئے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے۔ نیز بھول سے اس طرح خلافِ ترتیب قراءت کرلی تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوساً إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة،وفی القنیة:قرأ فی الأولیٰ الکافرون وفی الثانیة ألم تر أوتبت ثم ذکر یتم......وفی الشامیة:أفاد أن التنکیس أو الفصل بالقصیرة إنما یکره إذا کان عن قصد فلو سهواً فلا کما فی شرح المنیة،

وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التي شرع فيها لاينبغي، وفي الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أو آيتين أراد أن يترك تلك السورة ويفتتح التي أرادها يكره، وفي الفتح: ولو كان المقروء حرفاً واحداً. (الدر المختار مع الشامي: ۱/ ٥٤٦، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۹، الفصل الرابع في القراءة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لو أراد أن يقرأ غير التي قرأها في الأولىٰ فافتتحها فلما قرأ منها آية أو آيتين تذكر فأراد أن يتركها ويفتح السورة التي أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذا في التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده......ويكره قراءة سورة فوق التي قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضي الله عنه "من قرأ القرآن منكوساً فهو منكوس" كذا في التجنيس. (امداد الفتاح: ص ۳۸۱، فصل فيما يكره في الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/ ۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قرائت کا بیان، مجددیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نماز میں تکرارِ آیت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟ نیز دوسری سورتوں کی ایک آیت مکرر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں کی کسی ایک آیت کا تکرار نوافل میں ہو تو کوئی حرج نہیں البتہ فرائض میں بلا عذر مکروہ ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ولايكره تكرار السورة في ركعة أو في ركعتين من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد

ورد"أنه ﷺ قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها في تهجده"(أخرجه ابن ماجه فی كتاب اقامة الصلاة، باب:ماجاء فی القراءة فی صلاة الليل من حديث سيدنا ابی ذر ﷺ قال:قام النبی ﷺ بآية حتی اصبح يرددها، والآية :﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيزالحكيم ﴾" ورواه النسائی فی الافتتاح،باب ترديدالآية(۱۰۰۹) **فدل على جوازالتكرارفي التطوع كذا فی شرح المنية وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أوآية الرحمة، أوآية الرجاء، أوآية الخوف.وإن كان ذلک في الفرائض فهومكروه إن لم ينقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلک كذافي التجنيس والمزيد.** (امدادالفتاح مع الحاشية: ص ۳۸۱،فصل فيمايكره فی الصلاة ـ وكذافی مراقی الفلاح ص۱۲۸،فصل فی المكروهات،مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذاكررآية واحدة مراراً فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلک غير مكروه وإن كان في الصلاة المفروضة فهومكروه في حالة الاختياروأما في حالة العذر والنسيان فلابأس هكذا في المحيط. (الفتاوی الهندية:۱/۱۰۷،الفصل الثانی فيمايكره فی الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت مکرر پڑھنا:

جواب: نماز ہوجاتی ہے لیکن فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے نفل میں مکروہ نہیں۔(فتاوی محمودیہ:۷/۹۵، باب القراءۃ،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دوسورتوں کے درمیان فصل کی مقدار:

سوال: دوسورتوں کے درمیان کتنی سورتیں چھوڑنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: دوسورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت قصداً چھوڑنا مکروہ ہے سہواً مکروہ نہیں ہے نیز اگردرمیان میں اتنی بڑی سورت ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے مقدارقراءت میں بڑھ جائے گی تو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح درمیان میں دوچھوٹی سورتیں چھوڑنا مکروہ نہیں۔

ملاحظہ ہوامدادالفتاح میں ہے:

ویکرہ فصله بسورة بین سورتین قرأهما فی رکعتین وقال بعضهم: إن کانت السورة طویلة لایکره کما لوکان بینهما سورتان قصیرتان وذلک لمافیه من شبهة التفضیل والهجر. (امدادالفتاح:ص۳۸۲، فصل فیمایکره فی الصلاة،داراحیاء التراث)

شامی میں ہے:

(قوله ویکره الفصل بسورة قصیرة) أمابسورة طویلة بحیث یلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلایکره شرح المنیة کماإذاکانت سورتان قصیرتان. (شامی:۱/۵٤٦، فصل فی القراءة، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵۲، فصل فی مکروهات الصلاة، قدیمی ۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة۱/۷۸،الفصل الرابع فی القراءة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

﴿ووجدک ضالاً فهدی﴾ کی جگہ ﴿فأغنیٰ﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے نماز میں ﴿ووجدک ضالاً فهدیٰ﴾ کی جگہ ”ووجدک ضالاً فأغنی“ پڑھ لیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح اور درست ہے۔اس لئے کہ فأغنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سے سرفراز فرما کر غنی کر دیا لہذا معنی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنهاذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل إن کانت الکلمة التی قرأهامکان کلمة یقرب معناها وهی فی القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مکان العلیم الحکیم وإن لم تکن تلک الکلمة فی القرآن لکن یقرب معناها عن أبی حنیفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. (الفتاوی الهندیة:۱/۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وکذافی المحیط البرهانی:۲/٦٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المسألة الثالثة: وضع حرف موضع حرف آخرفان کانت الکلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم یتغیربه المعنی المراد لاتفسد کما قرأ......والأرض وما دحاها مکان طحاها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳٤۰، تکمیل فی زلة القاری، قدیمی۔وکذافی شرح منیة

المصلی:ص٤٧٦، فصل فی بیان احکام زلة القاری،سہیل اکیڈمی)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

﴿عذاباً مهيناً﴾ کی جگہ ﴿أجراً عظيماً﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ میں ﴿عذاباً مهيناً﴾ کی جگہ ﴿أجراً عظيماً﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے فاسد ہوئی یانہیں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قراءت میں فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے مثلاً اہل جنت کو جہنمی بنادے یا اہل جہنم کو جنتی بنادے تو نماز فاسد ہوجائے گی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوقرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئك أصحاب الجحيم" أو "أولئك هم شر البرية" أوقرأ "والذين كفروا وكذبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله تعالىٰ على أحد الفريقين بضده......ووصل قال: عامة المشايخ: تفسد صلاته لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالىٰ به ولو اعتقده يكون كفراً. (شرح منية المصلی:ص٤٨٧ فصل فی بیان احکام زلة القاری،سہیل اکیڈمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ "إن الأبرار لفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم" فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح هكذا في الظهيرية. (الفتاوی الهندية:١/٨٠،الفصل الخامس فی زلة القاری۔و کذافی الشامی:١/٦٣١،مسائل زلة القاری،سعید)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالفتاوی:۱/۲۹۳، باب مایفسد الصلاۃ، دارالعلوم کراچی)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

"الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال"

حرفِ ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں اور یہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں اور جو شخص ضاد کے ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پُر کی نکلے یا ظا

کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی، اور ظا مشابہ پڑھنے والا اُقرب الی الصحۃ ہوگا۔

خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے ضاد کی آواز اصل حقیقت کے اعتبار سے ظا کے مشابہ ہے دال کے مشابہ نہیں۔

ضاد کا مخرج:"الضاد من أصل حافة اللسان ومايليها من الأضراس" یعنی ضاد کا مخرج زبان کو پورا کنارہ اور دائیں یا بائیں طرف کی داڑھ ہے۔

ظا کا مخرج: ظا کا مخرج اوپر کے دونوں دانتوں اور زبان کی نوک ہے۔

دال کا مخرج: دال کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دونوں دانتوں (ثنایا علیا) کی جڑ ہے۔

صفات حروفِ ثلاثہ:

''ض'' کی صفت کے متعلق کتبِ تجوید میں لکھا ہے: الرخاوة والجهر والاستعلاء والإطباق والتفخيم والاستطالة والإصمات من صفات الضاد المعجمة والتفشي عند البعض أيضاً كذا في جهد المقل.

نیز بعض کتبِ تجوید میں ''ض'' کی صفات میں سے سکون کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

''ظا'' کی صفت کے متعلق علامہ محمد مرعشی لکھتے ہیں: الإصمات والجهر والرخاوة والاستعلاء والإطباق والتفخيم من صفات الظا المعجمة، كذا في جهد المقل وشرحه وفي منهاج النشر السكون أيضاً.

اس کتاب میں صفاتِ دال کے متعلق یوں مرقوم ہے:

القلقلة والشدة والإصمات والانفتاح و التوفيق والاستفال من صفات الدال المهملة.

علامہ محمد بن محمد جزریؒ لکھتے ہیں:

والناس يتفاوتون في النطق بالضاد فمنهم من يجعله ظاء لأن الضاد يشارك الظاء في صفاتها كلها ويزيد على الظاء بالاستطالة ولولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشاميين وبعض أهل الشرق.

مشہور و معروف مؤرخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں زیر ترجمہ ابن العربی اللغوی لکھتے ہیں:

وكان (أي ابن العربي) يقول جائز في كلام العرب أن يعاقبوا بين الضاد والظاء فلا يخطئ

من يجعل هذه في موضع هذه و ينشد:

إلــى الله أشـكـو مـن خـليـل أوده   ثـلاث خـلا ل كـلـهـا لـى غـائض

بالضاد ويقول هكذا سمعته من فصحاء العرب.

نیز فتاوی قاضی خان میں ہے:

لو قرأ الضالين بالظاء أو الذال لاتفسد صلاته ولو قرأ بالدال تفسد صلاته.

خلاصہ: حرفِ ضاد و ظا دونوں آٹھ صفات میں متحد ہیں جبکہ حرف ضاد اور دال میں کوئی مناسبت و مشابہت نہیں، بلکہ انمیں تباین ہے، غور کیجئے: ضاد میں رخاوت ہے تو دال میں شدت، ضاد ساکنہ ہے دال قلقلہ ہے، ضاد مطبقہ ہے دال منفتحہ، ضاد مستعلیہ ہے دال مستفلہ، ضاد میں تفخیم ہے دال میں ترقیق، ضاد مستطیلہ ہے دال آنی، ضاد میں تفشی ہے دال میں عدم تفشی، نیز اہلِ عرب کے کلام اور علمائے تجوید کے کلام اور فقہائے عظام کے فتاوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء پڑھ سکتے ہیں۔ (ملخص از فتاوی ثنائیہ: ۲/۱۰۱ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری "غیر مقلد"، اسلامک پبلشنگ لاہور)۔

مزید ملاحظہ ہو: ("رفع التضاد عن احکام الضاد" از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، وامداد الفتاوی: ۱/۲۳۷-۲۴۴، وفتاوی فریدیہ: ۲/۴۴۸-۴۵۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عشاء کی نماز میں سورۃ البلد کی آیت ﴿و تواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة﴾ کے بعد وقف کیا پھر ﴿أولئک أصحاب المشئمة﴾ پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بظاہر آیتِ کریمہ کا معنی بدل گیا، نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن فقہاء نے تفصیل فرمائی ہے کہ اگر درمیان میں وقف تام کر دیا یعنی سانس توڑ کر ٹھہر گیا پھر دوسری آیت پڑھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف وقرأ بعد الوقف التام "أولئک أصحاب الجحيم"" "أولئک هم شر البرية" أو قرأ "والذين كفروا و كذّبوا بآياتنا أولئک أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلک مما فيه تغيير حكم الله على أحد الفريقين

بضده لاتفسد لصيرورة الكلام الثانی مبتدأ به غيرمتصل بالأول فلم يتعين الحكم بالضد. (شرح منية المصلی :٤٨٧،فصل فی بيان احكام زلة القاری،سهيل اكيڈمی لاهور)

فتح القدیر میں ہے:

ولوبنی بعض آية علی أخری إن لم يغيرنحو"إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جزاء الحسنی"مكان "كانت لهم جنات الفردوس نزلا"لاتفسد،وإن غيرفإن وقف وقفاً تاماً بينها فكذلک لوكان قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات"ووقف ثم قال: "أولئک هم شر البرية"وإن وصل تفسد عند عامة المشايخ وهو الصحيح، وحينئذ هذا مقيد لما ذكرفی بعض المواضع من أنه إذا شهد بالجنة لمن شهد الله له بالنارأوبالقلب تفسد،والله سبحانه وتعالیٰ أعلم. (فتح القدير:١/٣٢٤،فصل فی القراءة،دارالفكر)

شامی میں ہے:

(قوله كما لوبدل الخ) هذا علی أربعة أوجه،لأن الكلمة التی أتی بها،إما إن تغير المعنی أولا،وعلی كل فإما أن تكون فی القرآن أولا،فإن غيرت أفسدت لكن اتفاقاً فی نحوفلعنة الله علی الموحدين وعلی الصحيح فی مثال الشارح لوجوده فی القرآن،وقيد الفساد فی الفتح وغيره بما إذا لم يقف وقفاً تاماً،أما لووقف ثم قال:لفی جنات فلا تفسد. (شامی:١/٦٣٤،مسائل زلة القاری،سعيد)۔ **واللہ ﷻ اعلم**۔

غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں غلط قراءت کی پھر اسی وقت تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غلط پڑھ کر تصحیح کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفی المضمرات:قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحاً فصلاته جائزة.

(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار:١/٢٦٧،باب مايفسد الصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال: عندی صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۲، فی زلة القاری)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ۱/ ۱۶۸، باب القراءۃ، دار العلوم کراچی۔ وامداد المفتین: جلد دوم ص ۳۵۷۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۱۷۷، باب القراءۃ۔ وفتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۰۹ باب صفۃ القراءۃ، مکتبہ رحیمیہ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر امام نے پہلی رکعت میں فحش غلطی کی پھر دوسری رکعت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے تصحیح کرلی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرلے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فحش غلطی کے بعد تصحیح کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے اگرچہ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرے اس لئے کہ پوری نماز ایک مجلس کی طرح ہے اگر پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی تو تیسری رکعت میں کرسکتا ہے، اسی طرح پہلی رکعت میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی اخیر میں ہے، نیز نماز کا کوئی سجدہ بھول جائے تو آخری رکعت میں ہوسکتا ہے لہذا قراءت کی تصحیح بھی دیگر رکعات میں ہوسکتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفی المضمرات: قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحیحاً فصلاته جائزة.

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۶۷، باب مایفسد الصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال: عندی صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۲، فی زلة القاری)

امداد الفتاح میں ہے:

روی أن عمر رضی الله عنه ترک القراءة فی رکعة من المغرب فقضاها فی الثالثة. (امداد الفتاح: ص ۲۷۶، فصل فی واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

ولو تذکر فی رکوعه أو سجوده أنه ترک سجدة صلبیة أو تلاویة فسجدها أعادهما

ندباً.....وفی الشامیة:(قوله فسجدها)أفاد أن سجودها عقب التذکرغیرواجب لما فی البحرعن الفتح:له أن یقضی السجدة المتروکة عقب التذکر، وله أن یؤخرها إلی آخرالصلاة فیقضیها هناک.(الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۱۲،باب الاستخلاف)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

المصلی إذا نسی سجدة التلاوة فی موضعها ثم ذکرها فی الرکوع أوفی السجود أوفی القعود فإنه یخرلهاساجداً ثم یعود إلی ماکان فیه فیعیده استحساناً وإن لم یعد جازت صلاته وإن أخرها إلی آخرصلاته أجزأه لأن الصلاة واحدة. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۲۷، فصل فیمایوجب السهوومالایوجب السهو)۔واللہ ﷻ اعلم۔

”رب ابن لی عندکِ بیتاً فی الجنة“ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ﴿رب ابن لی عندکَ بیتاًفی الجنة﴾ کی جگہ ”رب ابن لی عندکِ بیتاًفی الجنة“ نماز میں پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں متقدمین اور متأخرین کا اختلاف ہے۔متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے اور متأخرین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔قاضیخانؒ نے فرمایا کہ متأخرین کے یہاں گنجائش اور وسعت ہے اور متقدمین کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے خصوصاً عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اعادہ افضل ہے۔شامی میں ہے:

والقاعدة عندالمتقدمین أن ماغیرالمعنی تغیراً یکون اعتقاده کفراً یفسد فی جمیع ذلک.....واماالمتأخرون کابن مقاتل وابن سلام.....فاتفقوا علی أن الخطأ فی الإعراب لایفسد مطلقاً ولواعتقاده کفراً لأن أکثرالناس لایمیزون بین وجوه الإعراب، قال قاضیخانؒ: وماقاله المتأخرون أوسع وماقاله المتقدمون أحوط. (شامی:۱/۶۳۱،فی زلة القاری،سعید۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص۴۷۶،فی بیان احکام زلة القاری،سهیل۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۱،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وفتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۴۰،فصل فی قراءة القرآن خطأ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

رحمته کی جگہ رحمتی پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یدخل من یشآء فی رحمته﴾ میں ”رحمته“ کی جگہ ”رحمتی“ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز درست ہوجائے گی۔ علمِ بلاغت کا مشہور قاعدہ ہے جسے التفات کہتے ہیں یعنی غائب کے بعد مخاطب یا متکلم یا بالعکس لانا۔ ”یدخل“ میں اللہ ﷻ کا ذکر ضمیر غائب سے ہوا اور ”رحمتی“ میں متکلم سے ہوا۔ جس طرح ﴿الحمد للّٰہ رب العٰلمین﴾ میں صیغہ غائب کے ساتھ اور ﴿إیاک نعبد﴾ میں مخاطب کے ساتھ۔ ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی میں ہے:

ومن عادة العرب التفنن فی الکلام والعدول من أسلوب إلی آخر تطریة له وتنشیطاً للسامع، فیعدل من الخطاب إلی الغیبة، ومن الغیبة إلی التکلم وبالعکس، کقوله ﷻ: ﴿حتی إذا کنتم فی الفلک وجرین بهم﴾ وقوله ﷻ: ﴿واللّٰه الذی أرسل الریاح فتثیر سحاباً فسقناه﴾ وقول امرء القیس:

تطاول لیلک بالإثمد......ونام الخلی ولم ترقد

وبات وباتت له لیلة......کلیلة ذی العائر الأرمد

وذلک من نبأ جاء نی......وخبرته عن أبی الاسود

(تفسیر البیضاوی ۱/۷ تحت الآیة: ایاك نعبد و ایاك نستعین)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

”لایسمعون فیها لغواً الا کذاباً“ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ﴿لایسمعون فیها لغواً ولا کذابا﴾ کی جگہ ”لایسمعون فیها لغواً الا کذاباً“ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی لہٰذا اعادہ کرلیا جائے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

فالأصل فیها عند الإمامؒ ومحمدؒ تغیر المعنی تغیراً فاحشاً، وعدمه للفساد، وعدمه مطلقاً سواء کان اللفظ موجوداً فی القرآن أولم یکن. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۳۳۹، تکمیل

فی زلة القاری،قدیمی)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن الخطأ فی القرآن......أوالحروف یوضع حرف مکان آخرأوزیادته أونقصه أوتقدیمه أوتأخیره أوفی الکلمات أوفی الجمل کذلک......فإن الأصل فیه أنه إن لم یکن مثله فی القرآن والمعنی بعید من معنی لفظ القرآن متغیرتغیراً فاحشاً قویاً بحیث لامناسبة بین المعنیین أصلاً تفسدصلاته...... .(شرح منیة المصلی:ص ٤٧٥،فی بیان احکام زلة القاری،سهیل)

عالمگیری میں ہے:

ومنهاذکرکلمة مکان کلمة علی وجه البدل......ولایتقاربان فی المعنی تفسدصلاته بلاخلاف إذا لم تکن الکلمة تسبیحاً ولاتحمیداً ولاذکراً.(الفتاوی الهندیة:١/٨٠،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وکذافی الشامی: ١/٦٣٤،فی زلة القاری،سعید)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

قراءت میں "لاتحبون العاجلة" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے "بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة" کی جگہ "لاتحبون العاجلة" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ معنی کی تبدیلی کی وجہ سے نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے،اگرچہ بعض حضرات عدمِ فساد کے قائل ہیں۔فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولوقرأ ان هولاء یحبون العاجلة یکذبون العاجلة تفسد صلاته.(فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة:١/١٤٢).

وفیه أیضاً: وإن أخطأ ولم تکن المسئلة فیماذکرنا من المسائل ینظرإن کان الخطأ فی الإعراب فقد ذکرنا أنه إن لم یفحش لاتفسد عندالکل کما لوقرأ: إن المسلمین والمسلماتَ بنصب التاء، وإن فحش بأن قرأ: مالوتعمد به یکفر فکذلک عندالمتأخرین والإعادة أحوط ، و إن أخطأ بذکرحرف مکان حرف ولم یخلتف المعنی والتی قرأها تکون فی القرآن جازت صلاته عندالکل کمالوقرأ: إن المسلمون إن الظالمون. وإن لم یختلف

المعنى لكن ما قرأ ليس فى القرآن كما لوقرأ كونوا قيامين بالقسط ولاتذر على الأرض من الكافرين دوّاراً ، وقرأ: الحى القيام فسدت صلاته في قول أبي يوسفؒ وفي قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. وإن اختلف المعنى ولم تكن التى قرأها فى القرآن نحو أن يقرأ فسحقاً لأصحاب الشعير تفسد صلاته عندالكل ولايميزبين حرف وحرف بخلاف ماقاله منصور العراقى. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۱۵۰).

وفيه أيضاً: وإن تغيرالمعنى بترك الكلمة بأن قرأ: فمالهم لايؤمنون وترك لا، أو قرأ وإذا قرئ عليهم القرآن لايسجدون وترك لا،تفسدصلاته عندالعامة،لأنه أخبربخلاف ما أخبرالله به، لواعتقد ذلك يكفر فإذا أخطأ تفسدصلاته وقيل: لاتفسد صلاته لأن فيه بلوى وضرورة والصحيح هوالأول. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۱۵٤).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعائے قنوت میں غلطی کی وجہ سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا نماز میں بعض ملکی حالات کی وجہ سے قنوتِ نازلہ پڑھنا شروع کیا اس میں بعض کلمات تبدیل ہوگئے جس سے معنی بدل گئے مثلاً ''وقنا شرما قضيت'' کی جگہ ''وقنا خير ما قضيت'' پڑھا کیا اس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ قراءتِ قرآن میں بندہ کو مسئلہ معلوم ہے کہ معنی بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے، کیا یہ قاعدہ دعاؤں میں بھی جاری ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معنی کے بدلنے سے نماز کا فاسد ہونا قراءت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دعاؤں اور تسبیحات میں بھی فحش غلطی سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، بایں وجہ بصورتِ مسئولہ نماز فاسد ہوگئی اعادہ کرلیا جائے۔

(وقنت فيه) ويسن الدعاء المشهور، ويصلى على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم به يفتى ... ونحفد بدال مهملة بمعنى نسرع فإن قرأ بذال معجمه فسدت خانية لأنه كلمة مهملة .

وفى الشامية: كذا فى البحر لكن فيه أنه ورد صفة البراق ''له جناحان يحفذبهما'' أى يستعين على السير.وفى تقريرات الرافعي: قلت: الذى فى صفة البراق إنما هو بزاى معجمة فى آخره كما فى مجمع بحار الأنوار وغيره لا بذال منقوطة. (الدرالمختارمع

ردالمحتارمع التحریر المختار: ۲/ ۷، سعید).

فتاوی شامی میں ہے:

السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم إلا إن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم لئلا یجری علی لسانه العزیم فتفسد به الصلاة کذا فی شرح درر البحار فلیحفظ فإن العامة عنه غافلون حیث یأتون بدل الظاء بزای مفخمة. (ردالمحتار: ۱/ ۴۹۴، سعید).

نیز فقہاء نے زلۃ القاری کے تحت تشہد اور دعاؤں سے متعلق بعض جزئیات ذکر فرمائی ہیں اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فسادِ صلوٰۃ کا حکم قراءت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

نوع آخر فی زلة القاری، وسئل الوبری عمن قرأ فی صلاته: ربنا لک الهمد بالهاء فقال: لا تفسد صلاته إن شاء اللّٰه تعالیٰ. (الفتاوی التاتارخانیة: ۲، رقم المسئلة: ۱۸۲۶، ط: دیوبند).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإذا قرأ التحیات للّٰه بالطاء أو قرأ الدحیات للّٰه بالدال قال القاضی الإمام: لاتفسد صلاته،... ولو قرأ: اللّٰهم صل بالسین لا تفسد صلاته. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/ ۱۴۱، ۱۴۳، فصل فی قراءة القرآن خطأ). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

”یاأیهاالذین آمنوا لاتلهکم أموالکم ولاأولادَکم“ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے جہری نماز میں آیتِ کریمہ ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتلهکم أموالکم ولاأولادُکم﴾ کی جگہ ” أولادَکم “ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہوگئی۔ نیز اس کی تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ ”لاتلهکم اموالکم مع اولادکم“ یہ مفعول معہ بن جائے جیسے ”سرت وزیداً أی مع زید“۔

عالمگیری میں ہے:

ومنها حذف حرف......وإن لم یکن علی وجه الإیجاز والترخیم فإن کان لایغیر المعنی لاتفسد....... (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۷۹، الفصل الخامس فی زلة القاری)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أما الخطأ فی الإعراب إذا لم یغیر المعنی لاتفسد الصلاة عندالکل......لأن الخطأ فی الإعراب ممالایمکن الاحترازعنه فیعذر. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۳۹۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص۴۷۶،سهیل)

طحطاوی میں ہے:

وفی النهروأحسن من لخص من کلامهم فی زلة القاری الکمال فی زاد الفقیه فقال: إن کان الخطأ فی الإعراب،ولم یتغیربه المعنی ککسرقوامامکان فتحهاوفتح باء نعبد مکان ضمهالاتفسد. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۳۴۰،قدیمی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیاتو نماز کاحکم:

سوال: ایک امام صاحب نے لمبی آیت ﴿محمد رسول الله الخ﴾ پڑھی پھراس میں سے کچھ حصہ بھول گیامثلاً ﴿وعد الله الذین آمنوا﴾ کے بعد ﴿وعملوا الصالحات منهم﴾ بھول گیاتو نماز ہوئی یانہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہے اس لئے کہ اگرایک لمبی آیت کا اتناحصہ پڑھاجوچھوٹی تین آیات کے بقدرہوتوصحتِ نماز کے لئے کافی ہےاورتین چھوٹی آیات کی مقداربعض حضرات کےقول کےمطابق ۱۰کلمات اور۳۰حروف ہیں۔ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

ولوقرأ آیة طویلة فی الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه یزیدعلی ثلاث آیات قصارقاله الحلبی......وفی الشامی:(قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن نصف الآیة الطویلة إذاکان یزید علی ثلاث آیات قصاریصح علی قولهما فعلی قول أبی حنیفةؒ المکتفی بالآیة أولیٰ.قال فی البحر:وعلم من تعلیلهم أن کون المقروء فی کل رکعة النصف لیس بشرط بل یکون البعض یبلغ مایعد بقراء ته قارئاً عرفاً......وفی التاتارخانیة والمعراج وغیرهما:لوقرأ آیة طویلة کآیة الکرسی أوالمداینة البعض فی رکعة والبعض فی رکعة اختلفوا فیه علی قول أبی حنیفةؒ......وعامتهم علی أنه یجوزلأن بعض هذه الآیات یزید علی ثلاث قصارأویعدلها فلاتکون قراء ته أقل من ثلاث آیات...... وقدرها من حیث

الکلمات عشر، ومن حیث الحروف ثلاثون....... (الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۵۳۷،فصل فی القراءۃ، سعید)

عالمگیری میں ہے:

إذا قرأ آیة طویلة فی الرکعتین نحو آیة الکرسی وآیة المداینة البعض فی رکعة والبعض فی أخری عامتهم علی أنه یجوز کذا فی المحیط. وهو الأصح کذا فی الکافی ومنیة المصلی. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۶۹،الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں:

سوال: اگر کسی نے آمین اس طرح کہی کے پاس والے نے سن لی تو یہ جہر میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں سر ہی کے حکم میں ہے اس سے نماز صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وأدنی المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه؛فلو سمع رجل أورجلان فلیس بجهر والجهر أن یسمع الکل......وفی الشامی:ولذا قال فی الخلاصة والخانیة عن الجامع الصغیر:أن الإمام إذا قرأ فی صلاة المخافتة بحیث سمع رجل أورجلان لایکون جهراً، والجهر أن یسمع الکل أی کل الصف الأول لاکل المصلین، بدلیل مافی القهستانی عن المسعودیة أن جهرالإمام إسماع الصف الأول. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۵۳۴،فصل فی القراءۃ، سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر ایک دو آدمی کو سنائی دے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سر ہی ہے امام کی آواز کو پہلی صف عموماً سن لے تو یہ جہر ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۳۹،الفصل الثانی فی کیفیۃ الجہر والسر)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

صلاۃِ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم:

سوال: صلاۃِ کسوف وخسوف میں قراءت سراً ہوگی یا جہراً؟

الجواب: صلاۃ الکسوف باجماعت پڑھیں گے سری قراءت کے ساتھ، اور صلاۃ الخسوف تنہا تنہا

پڑھیں گے اور قراءت بھی سراً ہوگی۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

سن ركعتان كهيئة النفل للكسوف بإمام الجمعة...... ولاجهرفى القراءة فيهما عنده خلافاً لهما. (مراقی الفلاح:ص ۲۰۲،باب صلاة الكسوف،مكة المكرمة)

درمختار میں ہے:

يصلى بالناس عندالكسوف ركعتين ولاجهر......وفى الشامى:(قوله ولاجهروقال أبويوسفؒ:يجهروعن محمدؒ روايتان جوهرة. (شامی:۲/۱۸۲،باب الكسوف،سعيد)

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أنها تؤدى بجماعة ولايجهربالقراءة فى صلاة الجماعة فى كسوف الشمس فى قول أبى حنيفةؒ كذا فى المحيط والصحيح قوله كذا فى المضمرات...... ويصلون فى خسوف القمروحداناً هكذا فى محيط السرخسى. (الفتاوى الهندية:۱/۱۵۳،الباب الثامن عشرفى صلاة الكسوف)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی پھر دوسری رکعت میں سورۂ کوثر پڑھی تو نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر سورۂ کوثر شروع کرنے کے بعد چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بھول سے خلافِ ترتیب قراءت کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے نماز صحیح ہوگئی، لیکن سورت شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑنا مکروہ ہے، نیز نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسا إلاإذاختم فيقرأ من البقرة،وفى القنية:قرأ فى الأولىٰ الكافرون وفى الثانية ألم ترأوتبت ثم ذكريتم......وفى الشامية:أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنمايكره إذاكان عن قصد فلوسهواً فلاكما فى شرح المنية،

وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التي شرع فيها لاينبغي، وفي الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أو آيتين أراد أن يترك تلك السورة ويفتتح التي أرادها يكره، وفي الفتح: ولو كان المقروء حرفاً واحداً. (الدر المختار مع الشامي: ١/٥٤٦، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/٨٩، الفصل الرابع في القراءة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لو أراد أن يقرأ غير التي قرأها في الأولىٰ فافتتحها فلما قرأ منها آية أو آيتين تذكر فأراد أن يتركها ويفتح السورة التي أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذا في التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده، ...... ويكره قراءة سورة فوق التي قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ "من قرأ القرآن منكوساً فهو منكوس" كذا في التجنيس. (امداد الفتاح: ص ٣٨١، فصل فيما يكره في الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہوجائے تو مکروہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قرائت کا بیان، مجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۳/۴۴۳ مسائل زلۃ القاری، امداد الفتاوی ۱/۱۷۰۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا حکم:

سوال: دو سورتوں کو فرض کی ایک رکعت میں جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں مختلف قسم کی روایت وارد ہیں، جن کے مابین فقہاء نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہیں کہ دو سورتوں کا ایک رکعت میں جمع کرنا جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے، خصوصاً امام کے لئے افضل یہ ہے کہ قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرے اور نماز کو طویل نہ کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يقرن بين السورتين في ركعة من الصلاة المكتوبة.

حدثنا ابن مهدى عن سفيان عن وِقاء قال: رأيت سعيد بن جبير يجمع بين سورتين في كل ركعتين في الفريضة.

حدثنا وكيع قال: حدثنا الأعمش عن إبراهيم عن علقمة أنه كان يقرأ في الفجر في الركعة الأولى بحٰمٓ الدخان والحشر ويقرأ في الثانية بآخر البقرة وآخر آل عمران و بالسورة القصيرة. (مصنف ابن ابی شيبة: ۳/۲۵۵ـ۲۵٦، فی الرجل يقرن السور فی الركعة ،من رخص فيه، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

حدثنا عبد الرزاق عن محمد بن مسلم عن إبراهيم بن ميسرة عن ابن طاؤوس قال: كان أبي يجمع بين ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾ و ﴿والليل إذا يغشى﴾ في ركعة وبين ﴿و الضحى﴾ و ﴿ألم نشرح﴾ في ركعة في المكتوبة. (مصنف عبد الرزاق: ۲/۱٤۹)

مؤطا امام مالکؒ میں ہے:

أخبرنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان إذا صلى وحده يقرأ في الأربع جميعاً في كل ركعة بأم القرآن وسورة من القرآن قال: وكان يقرأ أحياناً بالسورتين والثلاث في الركعة الواحدة في صلاة الفريضة. (مؤطا امام مالك: ٦۳)

اس روایت کے تحت محشی مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

وكان ابن عمر رضي الله عنه أحياناً أي في بعض الأوقات يقرأ بالسورتين والثلث في الركعة الواحدة من صلاة الفريضة، قال الزرقاني: وبجواز ذلک قالت الأئمة الأربعة لرواية ابن مسعود رضي الله عنه: لقد عرفت النظائر التي كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرن بينهن، الحديث. قال العيني في حديث ابن مسعود رضي الله عنه في النظائر: فيه جواز الجمع بين السورتين في ركعة واحدة وإليه ذهب النخعيؒ والثوريؒ وأبو حنيفةؒ ومالکؒ والشافعيؒ وأحمدؒ في رواية......وفي المغني: لا بأس بالجمع بين السور في صلاة النافلة الخ......وأما الفريضة فالمستحب أن يقتصر على

سورة مع الفاتحة من غيرزيادة عليها لأن النبي ﷺ هكذا كان يصلى أكثرصلاته وأمرمعاذاً ﷺ أن يقرأ في صلاته كذلك وإن جمع بين السورتين ففيه روايتان: أحدهما يكره والثانية لايكره لأن حديث ابن مسعود ﷺ مطلق في الصلاة فيحتمل الفرض وقد روى الخلال بسنده عن ابن عمرأنه كان يقرأ في المكتوبة بالسورتين في ركعة. (حاشية مؤطاامام مالکؒ: ۱/ ۶۳، رقم ۵، آرام باغ کراچی)

اعلاء السنن میں ہے:

عن نافع قال: ربما أمناابن عمرﷺ بالسورتين والثلاث في الفريضة. (اعلاء السنن: ۴/ ۱۳۳)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسورتوں کوایک رکعت میں جمع کرنا اچھانہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبيد الله بن موسى عن عيسى عن الشعبي عن زيد بن خالد الجهني قال: ما أحب أني قرنت سورتين في ركعة و لوأن لي حمرالنعم. (مصنف ابن ابی شیبة: ۳/ ۲۴، المجلس العلمی)

شرح معانی الاثار میں ہے:

عن أبي العالية قال: أخبرني من سمع النبيﷺ يقول: "لكل سورة ركعة".

حدثناأبوبكرة قال: ثنا أبو داؤد قال: ثنا شعبة عن يعلى بن عطاء قال: سمعت ابن لبيبة قال: قال رجل لابن عمرﷺ اني قرأت المفصل في ركعة أوقال في ليلة، فقال ابن عمرﷺ إن الله لوشاء لأنزله جملة واحدة ولكن فصله لتعطى كل سورة حظها من الركوع والسجود. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۴۰، باب جمع السورفی رکعة، فیصل)

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع عن إسرائيل عن عبد الأعلى عن أبي عبد الرحمن أنه كان لايقرن بين السورتين في ركعة.

حدثنا عبد الله بن موسى عن عثمان بن الأسود عن عكرمة بن خالد قال: كان أبوبكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام لايجمع بين السورتين في ركعة ولايجاوزسورة إذا ختمها. (مصنف ابن أبی شیبة: ۳/ ۲۵۸)

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فی شرح المنیة: الأولی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره إلاأن یترک بینهما سورة أو أکثر. (رد المحتار: ۱/ ۵۱، سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا جمع بین السورتین فی رکعة رأیت فی موضع أنه لابأس به وذکرشیخ الإسلام أنه لاینبغی له أن یفعل هکذا علی ماهوظاهرالروایة. (الفتاوی التاتارخانیة: ۱/ ۴۵۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

فرض نماز کی ایک رکعت میں دوسورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۷۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فرائض میں نامناسب، نوافل میں مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۹۰، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

امام کے لئے قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا أم أحدکم الناس فلیخفف فإن فیهم الصغیر والکبیروالضعیف والمریض، فإذا صلی وحده فلیصل کیف شاء. (مسلم شریف: ۱/ ۱۸۸)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایزید علی القراءة المستحبة ولایثقل علی القوم ولکن یخفف بعد أن یکون علی التمام والاستحباب کذا فی المضمرات ناقلاً عن الطحاوی. (الفتاوی الهندیه: ۱/ ۷۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قراءتِ مسنونہ ومستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کرے لیکن پوری سنت اور مستحب قراءت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ رکھے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۱۱۶، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کرنا ثابت ہے اس لئے کبھی کبھی جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شیخؒ "الأبواب والتراجم" میں "باب الجمع بين السورتين في ركعة" کے تحت فرماتے ہیں:

قال العلامة العينيؒ فی حديث أنس رضی اللہ عنہ: جواز الجمع بين السورتين في ركعة واحدة وإليه ذهب أبوحنيفةؒ ومالكؒ والشافعيؒ وأحمدؒ في رواية......وقال ابن عابدينؒ: عن أبي حنيفةؒ أنه قال: لاأحب أن يقرأ سورتين بعد الفاتحة في المكتوبات ولوفعل لايكره وفي النوافل لابأس به. (الأبواب والتراجم:ص۹۳،باب الجمع بين السورتين في ركعة،سعيد)

نیز مرفوع روایت سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ...... كان النبي ﷺ يقرن بين كل سورتين في كل ركعة. (رواه الترمذي:۱/۱۳۱،باب ماذكرفي قراءة سورتين في ركعة)

معارف السنن میں ہے:

يجوزقراءة السورتين في ركعة واحدة من غير كراهة ،كما في "شرح معاني الآثار" للطحاوي(۱ـ۲۰۶) (باب جمع السورفي ركعة) وذكرأن هذا مذهب أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ.وذكرفي "البحر": إن الجمع بين السورتين بينهما سور أوسورة واحدة مكروه. ثم إن جواز الجمع بين سورتين في ركعة واحدة حكاه العينيؒ في "العمدة" (۳ـ۱۰۲) عن الأئمة الأربعة و عن كثير من الصحابة و التابعين. (معارف السنن: ۵/۱۳۸،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ:

سوال: اکثر شوافع کو دیکھا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے فاتحہ کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، کیا شوافع حضرات کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ کی اچھی تحقیق استاذ محترم حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے "أحسن الكلام في ترك القراءة خلف الإمام" میں فرمائی ہے، ہم اس تحریر کی روشنی میں مختصراً ترمیم واضافہ کے ساتھ شوافع حضرات کی خدمت میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں:

امام شافعیؒ نے کتاب الام کی کتاب الصلاۃ میں امام اور منفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ضروری ہونے کو

بیان فرمایا ہے:

حیث قال: فواجب على من صلى منفرداً أو إماماً أن يقرأ بأم القران فی كل ركعة لايجزيه غيرها وأحب أن يقرأ معها شيئاً آية أو أكثر وسأذكر المأموم، إن شاء الله تعالىٰ. (كتاب الأم: ۱/ ۲۱۰، باب القراءة بعد التعوذ)

وقال فی موضع آخر: والعمد فی ترک القراءة بأم القران والخطأ سواء فی أن لاتجزئ ركعة إلا بها أو بشیء معها إلا ما يذكر من المأموم، إن شاء الله تعالىٰ. (كتاب الأم: ۱/ ۲۰۳، باب من لایحسن القراءة، دار الکتب العلمیة)

مذکورہ بالا عبارات میں حضرت امام شافعیؒ نے مقتدی کے حکم کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ امام شافعیؒ نے کتاب الحدود کے بعد محل غیر مظان میں پورا فرمایا ہے:

حیث قال: ونحن نقول كل صلاة صليت خلف الإمام والإمام يقرأ قراءة لايسمع فيها قرأ فيها. (كتاب الأم: ۷/ ۲۵۶، اختلاف علی ابن مسعود رضی الله عنه، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان)

چونکہ یہ وعدہ امام شافعیؒ نے غیر مظان میں پورا فرمایا ہے اس لئے بہت سے اکابر نے تحریر فرمایا کہ ان کو کتاب الام میں اس وعدہ کی تکمیل نہیں ملی، چنانچہ حضرت شیخ زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں:

ثم لم أجد ذكر المأموم فيما تتبعت. (أوجز المسالك: ۲/ ۱۶۸)

نیز شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں:

والنسخة المطبوعة لم نجد فيها حكم المأموم. (معارف السنن: ۳/ ۱۸۶، سعید).

اشکال: امام مزنیؒ نے "مختصر المزنی"، میں امام شافعی سے جہری نمازوں میں قرات فاتحہ کا وجوب نقل فرمایا ہے اور اسی کو قولِ جدید قرار دیا ہے:

قال المزنیؒ: قد روی أصحابنا على الشافعی أنه قال: يقرأ من خلفه وإن جهر بأم القران.

(مختصر المزنی: ۲۶، باب صفة الصلاة وما يجوز منها، دار الکتب العلمیة)

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کتاب الام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت سے ہے اور امام مزنیؒ کے مقابلہ میں وہ زیادہ قابل اعتماد اور ثقہ ہیں، چنانچہ امام خلیلیؒ فرماتے ہیں:

ثقة متفق عليه والمزنی مع جلالته استعان على ما فاته عن الشافعی بكتاب الربيع وقال

مسلمة: كان من كبار أصحاب الشافعي. (تهذیب التهذیب:۳/۲۲۱،بیروت)

امام ابوالحسنؒ فرماتے ہیں:

البويطي كان يقول: الربيع أثبت في الشافعي مني. (تهذیب التهذیب۳/۲۲۱،بیروت)

مولی احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ لکھتے ہیں:

الربيع بن سليمان الثقة الثبت فيما يرويه حتى رجحوا روايته عند تعارض المزني مع علو قدر المزني علماً وديناً وجلالةً. (أحسن الكلام:۸۲ بحواله مفتاح السعادة: ۲/۱۶۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ امام بویطی اور محدثین کے فیصلے کی رو سے امام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیشِ نظر ترجیح حاصل ہے، لہذا شافعی مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ یا بعد میں فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے اور یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز میں مفصلات کے علاوہ قراءت کا حکم:

سوال: بعض علماء کرام فجر کی نماز میں طوالِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل اور عشاء میں اوساطِ مفصل کو مسنون سمجھتے ہیں اور اگر کوئی مسلسل چند دن اس کے خلاف پڑھ لے تو اس سے ناراض ہو جاتے ہیں، فقہ اور احادیث کی روشنی میں اس کے خلاف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور شرعی مسئلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نمازِ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل کا پڑھنا بہتر ہے، لیکن احادیث اور آثار اور فقہی عبارات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے علاوہ کا پڑھنا بھی بکثرت ثابت ہے اس لیے مفصلات کے علاوہ بھی کبھی کبھی پڑھنا چاہئے، مفتی ولی حسن صاحبؒ فرماتے تھے طوالِ مفصل فجر میں اور قصار مغرب میں آسانی اور مقدار بتلانے کے لیے ہے، اس لیے طوالِ مفصل اور اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنے والا امام قابل ملامت نہیں بلکہ ہمیشہ طوال واوساط وقصار پڑھنے سے بقولِ مفتی ولی حسن صاحبؒ نماز میں باقی قرآن کے ترک وہجران کا شبہ ہوگا۔ محقق ابن ہمامؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ (فتح القدیر:۱/۳۴۷، دار الفکر)۔

مفصلات کے بارے میں روایات ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج الإمام النسائي بإسناد صحيح، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ما صليت وراء

أحد أشبه صلاة برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من فلان قال سلیمان: كان يطيل الركعتين الأوليين من الظهر و يخفف الأخريين ويخفف العصر و يقرأ في المغرب بقصار المفصل ويقرأ في العشاء بوسط المفصل ويقرأ في الصبح بطوال المفصل . (رواه النسائی: رقم: ۹۸۲).

وأيضاً أخرجه ابن حبان في صحيحه (رقم: ۱۸۳۷) قال الشيخ شعيب: إسناده حسن ، وابن خزيمة في صحيحه (رقم: ۵۲۰) وأحمد في مسنده (رقم: ۷۹۹۱).

(۲) وعن الحسن وغيره قال: كتب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى أن اقرأ في المغرب بقصار المفصل و في العشاء بوسط المفصل و في الصبح بطوال المفصل . (اخرجه عبدالرزاق في مصنفه: ۲۶۷۲).

وأيضاً أخرجه ابن أبي داود في المصاحف (۴۲۸).

وعن الضحاك بن عثمان قال: رأيت عمر بن عبد العزيز قرأ في الفجر بسورتين من طوال المفصل . (مصنف ابن ابی شيبة: ۳/۲۲۲/۳۵۸۲).

قال في رد المحتار: ذكر في النهر أن القراءة من المفصل سنة والمقدار المعين سنة أخرى ثم قال و في الجامع الصغير: يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر أربعين أو خمسين واقتصر في الأصل على الأربعين وفي المجرد ما بين الستين إلى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلاة والسلام ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية كذا في شرح الجامع لقاضيخان وجزم به في الخلاصة ، وفي المحيط وغيره: يقرأ عشرين و في المغرب خمس آيات في كل ركعة ، أقول: كون المقروء من سور المفصل على الوجه الذي ذكره المصنف هو المذكور في المتون كالقدوري والكنز والمجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحصر المقروء بعدد على ما ذكره في النهر والبحر مما علمته مخالف لما في المتون من بعض الوجوه ...

فالذي ينبغي المصير إليه أنهما روايتان متخالفتان اختار أصحاب المتون أحدهما ويؤيده أنه في متن الملتقى ذكر أولاً أن السنة في الفجر حضراً أربعون آية أوستون ثم قال: واستحسنوا طوال المفصل فيها وفي الظهر الخ . فذكر أن الثاني استحسان فيترجح على

الـروايـة الأولى لتأيده بالأثر الوارد عن عمر ﷺ أنـه كتـب إلى أبي موسى...قال في الكافي: وهـو كـالـمـروي عـن الـنبي صلى الله عليه وسلم لأن المقادير لا تعرف إلا سماعاً . (فتاوى الشامي : ١/٥٤١،سعيد).

وللاستزادة راجع: (السعاية : ٢/٢٨٠-٢٨٦،ط:سهيل اكيڈمی، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص:٢٦٣،ط: قديمى، والجامع الصغير،ص٩٢،،ط: عالم الكتب).

قـال الـمحقق ابن الهمامؒ في فتح القدير: والحق أن المداومة مطلقاً مكروهة سواء رآه حتـماً يكره غيره أولا لأن دليل الكراهة لا يفصل وهو إيهام التفضيل وهجر الباقي...ثم مـقـتـضـى الـدليـل عـدم الـمـداومة لا الـمـداومة عـلى الترک كما يفعله حنفية العصر بل يستـحـب أن يقرأ بذلک أحياناً تبركاً بالمأثور فإن لزوم الإيهام ينتفي بالترک أحياناً . (فتح القدير: ١/٣٣٧، دارالفكر).

مزید ملاحظہ کیجئے: (الفتاوی الہندیۃ:۱/۴۸،والہدایۃ:۱/۱۲۰،فصل فی القراءۃ،وبدائع الصنائع:۱/۲۰۵،سعید،والبحر الرائق: ۱/۵۹۳، وتبیین الحقائق:۱/۳۳۳،وکفایت المفتی:۴/۴۸۶،وفتاویٰ محمودیہ:۷/۶۷،وفتاویٰ رحیمیہ:۳/۱۰۱،واحسن الفتاویٰ: ۳/۷۲)۔

علامہ شامیؒ کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ بعض فقہاء نے مقدارِ قراءت کو مسنون فرمایا اور بعض نے مفصلات کو لیکن پھر علامہ شامیؒ نے مفصلات کو مستحسن بالاثر فرما کر ترجیح دی ہے۔حاصل یہ ہے اکثر و بیشتر مفصلات کی رعایت کرنی چاہیے تاہم اس کے علاوہ کا پڑھنا بھی بکثرت ثابت ہے۔

مفصلات کے علاوہ قراءت سے متعلق چند احادیث وآثار ملاحظہ کیجئے:

عن عبدالله بن السائب ﷺ قـال: صـلى لنا النبي صلى الله عليه وسلم الصبح بمكة فاستفتح سورة المؤمنين ...(رواه مسلم ،رقم: ٤٥٥،باب القراءة فى الصبح).

مفصلات کے بارے میں حضرت عمر ﷺ کا خط مشہور ہے اور خود ان سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔ملاحظہ کیجئے:

وعن حفصة بنت سيرين أن عمر ﷺ قرأ في الفجر بسورة يوسف . (مصنف عبد الرزاق: ٢/١١٣، وابن ابى شيبة : ٣/٢١٩).

وعن صفية بنت أبي عبيد: أن عمر ﷺ قرأ في صلاة الفجر بالكهف . (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳، وابن ابی شیبة :۳/۲۱۹).

وعن أنس بن مالك قال: صليت خلف أبي بكر فاستفتح البقرة فى الفجر. (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳).

وعنه قال صليت خلف أبي بكر ﷺ فاستفتح بسورة آل عمران . (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳).

وعن أبى العالية قال: كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمقوه فى الظهر فحزروا قراء ته فى الركعة الأولى من الظهر بـ تنزيل السجدة . (مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۰۵/۲۶۷۷).

وعن مورق العجلي، قال: صليت خلف ابن عمر ﷺ الظهر، فقرأ بسورة مريم . (مصنف ابن ابی شیبة ،رقم: ۳۵۹۶).

وعن مجاهد ، قال: سمعت عبد اللّٰه بن عمرو يقرأ فى الظهر بـ كهيعص . (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۲۷ ،رقم:۳۵۹۷).

وعن مورق قال: صلينا مع ابن عمر ﷺ العصر فقرأ بـ المرسلات . (مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۰۷).

عن محمد بن جبير بن مطعم، عن أبيه قال: سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ فى المغرب بـ الطور . (ابن ابی شیبة ، رقم:۳۶۰۹، مایقرأ به فی المغرب).

وعن مروان بن الحكم قال: قال لي زيد بن ثابت ﷺ: ما لك تقرأ فى المغرب بقصار المفصل ؟ وقد كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ فى المغرب بطولى الطوليين ، قال: قلت: وما طولى الطوليين ؟ قال : الإعراف . (مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۰۷).

وعن ابن عباس ﷺ ، عن أمه ؛ أنها سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ فى المغرب : والمرسلات . (ابن ابی شیبة ،رقم: ۳۶۱۰).

عن عبد اللّٰه بن الحارث أن ابن عباس ﷺ قرأ الدخان فى المغرب . (ابن ابی شیبة ، رقم:

٣٦١٦).

وعن عبد الرحمن بن يزيد قال : صلى بنا ابن مسعود رضي الله عنه صلاة العشاء الآخرة فاستفتح بسورة الانفال . (عبدالرزاق:٢/١١١).

وعن علقمة بن أبي وقاص قال: كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقرأ في العشاء الآخرة سورة يوسف . (عبدالرزق: ٢/١١١).

وفي صحيح البخاري في باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله عنه...عن عمروبن ميمون قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه قبل أن يصاب بأيام بالمدينة وقف على حذيفة بن اليمان وعثمان بن حنيف (وساق الإمام البخاري حديثاً طويلاً وفيه)...وكان إذا مر بين الصفين قال: استووا حتى إذا لم ير فيهن خللاً تقدم فكبر وربما قرأ سورة يوسف أو النحل أو نحو ذلك في الركعة الأولى حتى يجتمع الناس ... (رواه البخاري:١/٨١٠،رقم: ٥٣٦٨).

احادیث وآثار کی مزید تفصیل ماقبل مسئلہ ''بعنوان: نماز فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت'' کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبِ جمعہ نمازِ مغرب میں سورۂ کافرون واخلاص کا حکم:

سوال: شبِ جمعہ نمازِ مغرب میں بعض حضرات سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پر مداومت کرتے ہیں اور اس کو سنت کہتے ہیں، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو روایت کا درجہ کیا ہے؟ اور فقہاء نے اس بارے میں کیا لکھا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ سے متعلق کتبِ حدیث میں تین قسم کی روایات دستیاب ہوتی ہیں: (۱) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، اس میں لیلۃ الجمعہ کے الفاظ موجود ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ جمعہ میں مغرب کی نماز میں سورۂ کافرون وسورۂ اخلاص پڑھی، لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں سعید بن سماک بن حرب متروک الحدیث ہیں اور ان کے والد سماک بن حرب مختلف فیہ ہے۔روایت ملاحظہ ہو:

أخرج ابن حبان في صحيحه (رقم:١٨٤١) فقال: حدثنايعقوب بن يوسف بن عاصم

ببخاری حدثنا أبوقلابة عبد الملک بن محمد بن عبدالله الرقاشي حدثني أبي حدثني سعيد بن سماک (متروك الحديث) بن حرب حدثني أبي سماک بن حرب (مختلف فيه) قال: ولا أعلم إلا جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في صلاة المغرب ليلة الجمعة بـ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و﴿قل هو الله أحد﴾ويقرأ فى العشاء الآخرة ليلة الجمعة الجمعة والمنافقين .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته على صحيح ابن حبان: إسناده ضعيف .
وأيضاً أخرجه البيهقي في سننه الكبرى (٤٢٠١)، والصغرى (٦٣٩).

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت؛ اس میں ليلة الجمعه کا لفظ نہیں ہے فقط في المغرب ہے، یعنی عام دنوں میں نمازِ مغرب میں یہ قراءت پڑھی لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (٨٣٣) فقال: حدثنا أحمد بن بديل، حدثنا حفص بن غياث ، حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في المغرب ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و ﴿قل هو الله أحد﴾ .

قال السندى : هذا الحديث فيما أراه من الزوائد وما تعرض له ، ويدل على ما ذكرت قول الحافظ في شرح البخاري ولم أر حديثاً مرفوعاً فيه التنصيص على القراء ة فيها بشيء من قصار المفصل إلا حديثاً في ابن ماجة عن ابن عمر رضی اللہ عنہ نص فيه على (الكافرون والإخلاص) وظاهر إسناده الصحة ، إلا أنه معلول، قال الدارقطني أخطأ بعض رواته .

للمزيد راجع : (العلل الواردة فى الاحاديث النبوية للدارقطنى :١٣/ ٢٦).

وأخرجه الحسن الخلال أيضاً في كتابه" فضائل سورة الإخلاص" (٣٤) وأبونعيم الأصبهاني في " أخبار أصبهان" (١٠٠٤).

یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: قال أبوطاهر المُخَلِّص في كتابه " المخلصيات "(١/ ٤٤٣،ط:وزارة الاوقاف) : حدثنا أحمد حدثنا عمر حدثنا أبوعاصم حدثنا ياسين الزيات (ضعيف)، عن أبي إسحاق، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم عشرين صلاة أو خمسة وعشرين صلاة ، كلها يقرأ

فی المغرب فی الرکعتین ﴿قل یا أیها الکافرون﴾ و ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ .

إسناده ضعیف ؛ یاسین الزیات، قال ابن معین : لیس بثقة ، وقال أبوزرعة : ضعیف الحدیث، وقال عبد الرحمن : سألت أبي عنه فقال : کان رجلاً صالحاً لایعقل ما یحدث به لیس بقوی منکر الحدیث. (الکامل :۳/۵۱۶، والجرح والتعدیل :۹/۳۱۳).

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ؛لیکن اس میں مغرب کے بعد کی دوسنتوں میں پڑھنے کا تذکرہ ہے، نہ کہ فرض نماز میں چنانچہ حدیث میں رکعتین بعد المغرب کے الفاظ موجود ہیں، اور شعیب الارنؤوط کی تحقیق کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ روایت ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام أحمد في مسند (رقم: ۴۷۶۳) قال: حدثنا وکیع ، حدثنا إسرائیل، عن أبي إسحاق عن مجاهد ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قرأ فی الرکعتین قبل الفجر والرکعتین بعد المغرب ، بضعاً وعشرین مرة أو بضع عشرة مرة: قل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد .

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین . یہ حدیث قوی ہے اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے بسببِ طوالت مزید حوالوں کو حذف کر دیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
”اجعلوا أئمتکم خیارکم
فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم“

باب ...... (٦)

إمامت کا بیان

فصلِ اول
امام سے متعلق احکام

امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا:

سوال: امام دوسرے مقتدیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہوتو کیا حکم ہے؟
الجواب: بغیر عذر کے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر عذر ہے مثلاً جگہ ناکافی ہے اور صحن میں جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے لیکن بارش یا شدید گرمی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر بلا کراہت جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو ورنہ مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفی السید وإن کثر القوم کره قیام الإمام وسطهم تحریماً لترک الواجب، وتمامه فیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۳۰۶،فصل فی بیان الاحق بالإمامة،قدیمی)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بیان مقام الإمام والمأموم فنقول: إذا کان سوی الإمام ثلاثة یتقدمهم الإمام لفعل رسول اللّٰه ﷺ وعمل الأمة بذلک وروی عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أنه قال: إن جدتی ملیکة دعت رسول اللّٰه ﷺ إلی طعام فقال رسول اللّٰه ﷺ: ''قوموا لأصلی بکم فأقامنی والیتیم من وراءه وأمی أم سلیم من ورائنا'' ولأن الإمام ینبغی أن یکون بحال یمتاز بها عن غیره

ولایشتبه علی الداخل لیمکنه الاقتداء به ولایتحقق ذلک إلا بالتقدم ولوقام فی وسطهم أومیمنة الصف أومیسرته جازوقد أساء، أما الجوازفلان الجوازیتعلق بالأرکان وقد وجدت وأما الإساءة فلترکه السنة المتوارثة. (بدائع الصنائع:۱/۱۵۸،سعید)

شامی میں ہے:

(والزائد یقف خلفه فلوتوسط اثنین کره تنزیهاً وتحریماً لوأکثرأفاد أن تقدم الإمام أمام الصف واجب کما أفاده فی الهدایة والفتح. (شامی:۱/۵٦۷،سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

وتقدم الإمام بعقبه عن عقب المأموم شرط لصحة اقتداءه. (امدادالفتاح:ص۳۳۳،بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مقتدی ہوتو امام کے برابر کھڑا ہودومقتدی ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اوردو سے زائدہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے......البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، اگر ہوتو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہوتو پھر کراہت نہیں ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۳/۴۵)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/۲۹۸،باب الامامۃ۔وفتاوی محمودیہ:٦/۴۹۳۔وعمدۃ الفقہ:۲/۲۰٦۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا:

سوال: نماز کی حالت میں امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہوتو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتہ یا پاجامہ لٹکانا خارج نماز بھی مکروہ ہے اوردورانِ نماز کراہت میں شدت ہوگی لہذا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اوراگرامام ہمیشہ یہی رویہ اختیار کرتا ہے تو فاسق ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:ماأسفل من الکعبین من الإزار ففی النار. (رواه البخاری: ۲/۸٦۱/۵۵۵۹،باب ماأسفل من الکعبین ففی النار)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاکره إمامة الفاسق) والمراد الفاسق بالجارحة لابالعقیدة، والفسق لغة خروج عن

الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة الله تعالىٰ بارتكاب كبيرة،قال القهستاني:أي أو إصرار على صغيرة...... (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص٣٠٣،قديمي-والفتاوى الهندية:١/٨٥-والشامي:١/٥٦٠،سعيد-امداد الفتاح: ص٣٤٢،بيروت)

بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال:سمعت رسول الله ﷺ على منبره يقول:ياأيها الناس توبوا إلى الله عزوجل قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذي بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له......ولا يؤمن فاجر مؤمنا إلا أن يقهره السلطان يخاف سيفه وسوطه. (رواه البيهقي في سننه الكبرى: ٣/١٧١،كتاب الجمعة،دار الفكر-وابن ماجه:١/٧٥،باب في فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر رضي الله عنه قال:قال رسول الله ﷺ:اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم.(رواه البيهقي في سننه الكبرى:٣/٩٠،باب اجعلوا ائمتكم خياركم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوي رضي الله عنه وكان بدرياً قال:قال رسول الله ﷺ:إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبراني:١٥/٢٦٠/١٧١٦٥، ماأسند ابن ابي مرثد رضي الله عنه)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۱۶۳)

فتاوی دار العلوم میں ہے:

امام مذکور کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اول تو ٹخنوں سے نیچا پاجامہ خارجِ نماز پہننا بھی ممنوع ہے، یہ امر موجبِ فسق امام ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور امام بنانا فاسق کو بدونِ توبہ کے مکروہ ہے اور ثانیاً نماز میں بار بار ایسی حرکت کرنا بھی نہیں چاہئے کہ اس میں بھی کراہت ہے، اور بعض صورتوں میں خوف فسادِ صلاۃ ہے بہر حال امام مذکور کو فعل مذکور سے روکنا چاہئے۔(فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل ومکمل:۳/۱۱۷، باب الامامۃ، دار الاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۳/۲۹۶۔فتاوی محمودیہ:۶/۹۵،فاسق کی امامت کا بیان۔وفتاوی رحیمیہ:۱/۱۷۵۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم:

سوال: ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے لہذا دیندار متقی شخص کو امام بنانا چاہئے۔

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك أي بقدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير:۲/۳۴۸،كتاب الصوم ،باب مايوجب القضاء والكفارة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أوتطويل اللحية إذاكانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهودون ذلك كما يفعله بعض المغاربة،ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذكلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص ٦٨١،كتاب الصوم، فصل فيمايكره للصائم،قديمي۔وهكذافى الشامى:٢/٤١٨،كتاب الصوم ،مطلب فى الاخذمن اللحية،سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأموردينه وتسهله فى الإتيان بلوازمه فلايبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هوالغالب بالنظرإلى فسقه. (شرح منية المصلى:ص٥١٣، فصل فى الامامة،سهيل۔وكذافى الفتاوى الهندية:١/٨٥،الباب الخامس فى الامامة،الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ڈاڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے۔شارحِ مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں: وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است یعنی ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے،مسنون اس لئے کہتے ہیں کہ دینی دستور اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یعنی ان کا طریقہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات:۱/۲۸۸)

یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا درجہ بھی سنت کا ہے جس کے ترک پر گناہ ہو بلکہ اس کا ترک کرنا اور مسلسل ترک کرتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۱۷۵)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۳/۲۶۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی محمودیہ:۶/۱۲۴، فاسق کی امامت کا بیان۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

مذاہبِ اربعہ میں ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم:

مذہبِ احناف:

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لایحل للرجل أن یقطع اللحیة. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الاستحسان:۳/۳۷۹)

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد. (فتح القدیر: کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارة:۲/۳۴، دار الفکر)

مذہبِ مالکیہ:

مواہب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحیة لایجوز وکذلک الشارب وهو مثلة وبدعة ویؤدب من حلق لحیته أو شاربه. (مواهب الجلیل لشرح مختصر خلیل، کتاب الطهارة، فصل فی فرائض الوضوء:۱/۳۱۳)

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت: وما حکم القصّ عند عدم الطول أو الطول قلیل؟ قلت: صرح بعض الشراح بأنه یحرم القصّ ان لم تکن طالت کالحلق. (حاشیة العدوی باب فی بیان الفطرة:۲/۵۸۱)

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشیخان یکره حلق اللحیة واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیة بأن الشافعیؒ نص فی الأم علی التحریم قال الزرکشی و کذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفّال الشاشی فی محاسن الشریعة وقال الأذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما

یفعله القلندرية.(حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی العقيقة:۹/ ۴۳۶)

فتح الباری میں ہے:

ثم حكى الطبری اختلافاً فيما يؤخذ من اللحية هل له حد أم لا؟فأسند عن جماعة الاقتصار على أخذ الذی يزيد منها على قدر الكف،وعن الحسن البصری أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاءؒ نحوه. (فتح الباری:۱۰/ ۳۵۰، باب تقليم الأظفار،دار النشر للكتب الإسلامية)

شرحِ مہذب میں ہے:

سبق فی الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد:قال الخطابی وغيره هو توفيرها وتركها بلا قص،كره لنا قصها كفعل الأعاجم،قال وكان من زی كسری قص اللحی وتوفير الشوارب.(المجموع شرح المهذب،مسائل مستحبة من خصال الفطرة ۱/ ۲۹۰،دارالفكر)

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لايأخذ منها شيئاً،قال فی المذهب ما لم يستجهن طولهاويحرم حلقها ذكره الشيخ تقی الدين ولايكره أخذ ما زاد على القبضة. (كشّاف القنّاع عن متن الإقناع، كتاب الطهارة،ويسن الإمتشاط...:۱/ ۷۵)

بخاری شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن منهال قال حدثنا يزيد بن زريع حدثنا عمربن محمد بن زيد عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:خالفوا المشركين وفّروا اللحی واحفوا الشوارب وكان ابن عمر رضی الله عنه إذا حجّ أواعتمرقبض على لحيته فما فضل أخذه. (صحيح البخاری ،كتاب اللباس ،باب تقليم الأظفار:۲/ ۸۷۵،ياسر)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قوله خالفوا المشركين“أراد بهم المجوس ،يدل عليه رواية مسلم :خالفوا المجوس لأنهم كانوا يقصّرون لحاهم و منهم من كان يحلقها.(عمدة القاری ۱۵/ ۹۰)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" في حديث أبي هريرة رضي الله عنه عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد في حديث ابن عمر رضي الله عنه فإنهم كانوا يقصرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (فتح الباری: ۳٤۹/۱۰، دار نشر الكتب الإسلامية)

علامہ نوویؒ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى أوفوا اللحى في الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك. (شرح الصحيح لمسلم للنووي، ۱۲۹/۱، كتاب الطهارة ، باب خصال الفطرة، فيصل)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم. (مشكاة المصابيح: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، قديمى)

مرقاۃ میں ہے:

أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير قال الطيبي هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فان الخلق الصوري لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوي لا يقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح على مشكاة المصابيح :۲۵۵/۸، كتاب اللباس ،الفصل الثاني ،مسئلة التشبه، امداديه)

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی کا منڈانا حرام ہے، اور اس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے ، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامیؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: **لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار.** (رد المحتار ،۴۷۳/۵، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه ،سعيد)

اور ائمہ اُربعہ کے نزدیک فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو"الفقہ علی الذاہب الاربعۃ" میں ہے:

تکره إمامة الفاسق إلا إذاكان إماماً لمثله باتفاق الحنفية و الشافعية،أما الحنابلة قالوا: إمامة الفاسق ولو لمثله،غير صحيحة إلا في صلاة الجمعة و العيد إذا تعذرت صلا تهما خلف غيره،فتجوز إمامته للضرورة، و المالكية قالوا: إمامة الفاسق مكروهة ولو لمثله. (الفقه على المذاهب الأربعة،۱/۳٤۷،مبحث مكروهات الصلاة)

خلاصہ: باتفاقِ ائمۂ اربعہ داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے اوپر کترانے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ قراءت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے لہذا دورانِ قراءت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلافِ سنت ہے۔امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔امداد الفتاح میں ہے:

ويسن وضع الرجل يده اليمنى على اليسرى تحت سرته.لحديث علي رضي الله عنه إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة. (امدادالفتاح: ص۲۸۲،بیروت)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القيام عندأبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ حتى لايرسل حالة الثناء والأصل ان كل قيام فيه ذكرمسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح، فيعتمد في حالة القنوت وصلاة الجنازة ويرسل في القومة وبين تكبيرات الأعياد. (هدايه:۱/۱۰۲،باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمدؒ أنه سنة القراءة...والصحيح ما قاله شمس الائمة الحلواني وهو الذي أشار إليه في الكتاب أن كل قيام... (شرح العناية على هامش فتح القدير:۱/۲۸۷،باب صفة الصلاة،

دارالفکر). نیز ملاحظہ ہو: البحرالرائق:۱/۳۰۸،کوئتة۔و کذافی الشامی:۱/۴۸۷،سعید۔ واللہ ﷻ اعلم۔

امام کامحراب کوچھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا:

سوال: امام اگر محراب کوچھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہوکر امامت کرائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: نبی پاک ﷺ کا محراب میں کھڑا ہونا بعض روایات سے ثابت ہے،اور سلف صالحین اور تعامل امت سے بھی یہی منقول ہے لہذا بلاضرورت محراب کوچھوڑنا اچھانہیں،ہاں محراب میں قیام ضروری بھی نہیں ہے،فقہاء جب یہ بحث کرتے ہیں کہ امام محراب کے اندر مکمل طور پر کھڑا نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہے کہ محراب مطلوب ہے لیکن جوفِ محراب میں کھڑا ہونا اچھانہیں مگر گرمی یا دوسرے اعذار کی وجہ سے درست ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن سعيد بن عبد الجباربن وائل عن أبيه عن أمه عن وائل بن حجر ؓ قال: حضرت رسول اللهﷺ إذا أوحين نهض إلى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير...... (رواه البيهقي في سننه الكبرى:۲/۳۰،دارالمعرفة)

طبرانی میں ہے:

عن سهيل بن سعد ؓ قال: كان رسول الله ﷺ يصلى إلى خشبة فلما بنى له المحراب تقدم إليه. (رواه الطبراني في الكبير:۶/۱۲۶)

شامی میں ہے:

ويقف وسطاً قال في المعراج: وفي مبسوط بكر: السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولوقام في أحد جانبي الصف يكره،......تنبيه: يفهم من قوله أوإلى سارية كراهة قيام الإمام في غيرالمحراب، ويؤيده قوله قبله السنة أن يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. والظاهرأن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط،فلولم يلزم ذلك لايكره. (شامی:۱/۵۶۸، باب الامامة،سعید)

دوسری جگہ مذکور ہے:

ومقتضاه أن الإمام لوترک المحراب وقام فی غیره یکره ولوکان قیامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة. (شامی: ١/٦٤٦، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وینبغی للامام أن یقف بإزاء الوسط فإن وقف فی میمنة الوسط أوفی میسرته فقد أساء لمخالفة السنة. (الفتاوی الهندية: ١/٨٩)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ا/۲۸۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۵۰۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/۲۹۳۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۴۲۔ واللہ ﷻ اعلم۔

امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا:

سوال: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر امام محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ جوفِ محراب میں کرے تو یہ درست ہے، نیز امام کے ساتھ دو تین حضرات کھڑے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح تنگی یا کسی اور وجہ سے امام اندر کھڑا ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویکره قیام الإمام فی المحراب لاسجوده فیه...... وفی الشامی: وحاصله أنه صرح محمدؒ فی الجامع الصغیربالکراهة ولم یفصل، فاختلف المشایخ فی سببها فقیل کونه یصیرممتازاً عنهم فی المکان لأن المحراب فی معنی بیت آخروذلک صنیع أهل الکتاب، واقتصرعلیه فی الهدایة واختاره الإمام السرخسی وقال: إنه الأوجه، وقیل: اشتباه حاله علی من فی یمینه ویساره، فعلی الأول یکره مطلقاً وعلی الثانی لایکره عند عدم الاشتباه، وأید الثانی فی الفتح بأن امتیازالإمام فی المکان مطلوب، وتقدمه واجب وغایته اتفاق الملتین فی ذلک وارتضاه فی الحلیة وأیده، لکن نازعه فی البحربأن مقتضی ظاهرالروایة الکراهة مطلقاً، وبأن امتیازالإمام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مکان آخر......وهذاکله عندعدم العذرکجمعة وعید فلوقاموا علی الرفوف والإمام علی الأرض أوفی المحراب لضیق المکان لم یکره لوکان معه بعض القوم فی الأصح، وبه جرت العادة فی جوامع

المسلمین. (الدرالمختار مع الشامی:۱/۶۴۵،سعید۔وکذافی الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۷۲۔والفتاوی الهندیة:۱/۱۰۸،الفصل الثانی فیمایکره فی الصلاۃ)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یعنی کراہتِ تنزیہی ہے، جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔(فتاوی محمودیہ:۶/۵۰۴،۵۰۶،باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/۳۱۰،باب الامامۃ۔وامداد الاحکام:۱/۵۱۱،کتاب الصلاۃ۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کے لئے ”ربنا ولک الحمد“ کہنے کا حکم:

سوال: امام کے لئے ”سمع اللّٰہ لمن حمده“ کے بعد ”ربنا ولک الحمد“ کہنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: متأخرین کے قول کے مطابق امام کو بھی ”سمع اللّٰہ لمن حمده“ کے بعد ”ربنا ولک الحمد“ کہنا افضل اور مستحب ہے۔اور صرف تسمیع پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ثم رفع رأسه، واطمأن قائلاً ”سمع اللّٰه لمن حمده،ربنالک الحمد“ لوإماماً أی لوکان إماماً هذا قولهما وهورواية عن الإمام......ووجه قولهما وهورواية عن الإمام واختارها فی الحاوی القدسی وفی الدراية عن الظهيرية كان الفضلي والطحاوی وجماعة من المتأخرين يميلون إلى قولهما، وهوقول أهل المدينة فاختاروا قولهما الموافق لتلك الرواية عن الإمام فاتبعناها،فقلنا:إن الإمام يجمع بينهما قول أبی هريرة رضی اللہ عنہ:كان رسول اللّٰه ﷺ حين يفرغ من صلاة الفجر من القراء ة يكبر و يرفع رأسه من الركوع ويقول: ”سمع اللّٰه لمن حمده، ربناولک الحمد“أنج الوليدبن الوليد“ الحديث.(اخرجه البخاری فی الادب باب تسمية الوليد:(۶۲۰۰) ومسلم فی المسجدومواضع الصلاة،والنسائی،وابن ماجة) **وقوله ”أناأشبهكم صلاة برسول اللّٰه ﷺ وكان إذا قال:”سمع اللّٰه لمن حمده“قال:”ربنالک الحمد“وقول**

عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: خسفت الشمس فی حیاة رسول اللّٰہ ﷺ وصلی بالناس، فلما رفع رأسه من الرکوع قال: "سمع اللّٰہ لمن حمده، ربنالک الحمد" رواہ الطحاوی(اخرجه مسلم فی الکسوف۔ وابوداود فی باب صلاة الکسوف۔ والنسائی فی الکسوف) **ولأنه داع إلی الحمد فلا يتأخرعنه بنفسه تحرزاً عن دخوله تحت قوله تعالیٰ: ﴿أتأمرون الناس بالبروتنسون أنفسكم﴾** البقرة: ٤٤، **وقوله تعالیٰ: ﴿لم تقولون مالاتفعلون﴾** الصف: ٢۔ (امدادالفتاح: ص٣١٨ فصل فی كيفية تركيب الصلاة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

أما الإمام فيأتي بعد التسميع بالتحميد أيضاً علی قولهما...... وفی المحيط: قال شمس الأئمة الحلوانی: كان شيخنا القاضی الإمام يحكی عن أستاذه أنه كان يميل إلی قولهما وكان يجمع بين التسميع والتحميدحين كان إماماً والطحاوی كان يختارقولهما أيضاً وهكذا نقل عن جماعة من المتأخرين أنهم اختاروا قولهما وهوقول أهل المدينة انتهی.

(شرح منية المصلی: ص٣١٨، سهيل۔ وكذافی الشامی: ١/٤٩٧، سعيد)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۱۲۶۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم:

سوال: کیا ایسے عالم یا حافظ کے پیچھے فرائض یا تراویح پڑھ سکتے ہیں جو ٹیلیویژن اور فلمیں پابندی کے ساتھ دیکھتا ہو؟

الجواب: ٹیلیویژن اور فلمیں دیکھنے والا شخص فاسق وفاجر ہے اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لہذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابربن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ علی منبره يقول: ياأيهاالناس توبوا إلی

اللہ ﷻ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرة ذکرکم له......ولایؤمن فاجرمؤمنا إلاأن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۱۷۱، کتاب الجمعة،دارالفکر۔وابن ماجه:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر ﷛ قال:قال رسول اللّٰه ﷺ: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۹۰،باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی ﷛ وکان بدریاً قال:قال رسول اللّٰه ﷺ:إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیمابینکم وبین ربکم. (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۵/۲۶۰/۱۷۱۶۵، مااسندابن ابی مرثد﷛)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاکره إمامة الفاسق) والمراد بالفاسق بالجارحة لابالعقیدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهومعنی قولهم خروج الشیٔ عن الشیٔ علی وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة اللّٰه تعالیٰ بارتکاب کبیرة،قال القهستانی:أی أوإصرارعلی صغیرة....... (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،قدیمی۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۵۔والشامی:۱/۵۶۰،سعید۔امداد الفتاح: ص۳۴۲،بیروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقاً یأثمون بناء علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بأموردینه وتسهله فی الإتیان بلوازمه فلایبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ینافیها بل هوالغالب بالنظرإلی فسقه. (شرح منیة المصلی: ص۵۱۳، فصل فی الامامة،سهیل۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۸۵،الباب الخامس فی الامامة،الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۱۶۳)

احسن الفتاوی میں ہے:

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے،اورایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے مگرنماز ہوجائے گی لوٹاناضروری نہیں ہے۔(احسن الفتاوی:۳/۲۸۸،باب الامامۃ۔وفتاوی محمودیہ:۶/۲۱۱،باب الامامۃ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کو"قد قامت الصلاۃ" کےوقت شروع کرنے کاحکم:

سوال: بعض متون کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریرشدہ ہے کہ امام"قدقامت الصلاۃ" کےوقت شروع کرے گا۔"ويشرع الإمام والقوم معه عند" قدقامت الصلاة" فی قول أبی حنيفةؒ ومحمدؒ وعند الفراغ من الإقامة فی قول أبی يوسفؒ "نقایۃ۔اس مسئلہ میں قولِ مختارکونسا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں مختارقول امام ابویوسفؒ کا ہے،یعنی جب اقامت ختم ہوجائے تب امام شروع کرے۔امام کو"قد قامت الصلاۃ" کےوقت شروع کرنے کاحق حاصل ہوجاتاہےالبتہ اقامت کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے افضل اوربہتر یہ ہے کہ اقامت ختم ہوجائے تب شروع کرے۔

ملاحظہ ہوشرح نقایہ میں ہے:

والجمهورعلى قول أبی يوسفؒ ليدرک المؤذن أول صلاة الإمام وعليه عمل أهل الحرمين. (شرح النقاية:۱/۱۳۸،باب الاذان،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

وقال أبويوسفؒ يشرع إذا فرغ من الإقامة أی بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهوأعدل المذاهب شرح المجمع وهوالأصح قهستانی عن الخلاصة، وهوالحق نهر.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۲۷۸،فصل فی آدابها،قديمی)

درمختار میں ہے:

وشروع الإمام فی الصلاة مذ قيل "قد قامت الصلاة"ولوأخرحتی أتمها لابأس به إجماعاً وهوقول الثانی (أبی يوسفؒ) والثلاثة، وهوأعدل المذاهب كما فی شرح المجمع لمصنفه، وفی القهستانی معزياً للخلاصة أنه الأصح. (شامی:۱/۴۷۹،صفة الصلاة سعيد)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

(قولہ أنہ الأصح) أی فالأخذ بہ أولیٰ لأنہ لایقع اشتباہ علی المصلین. (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۱۵، باب صفة الصلاۃ).

مزید ملاحظہ ہو: ("رفع الملامة عن القیام عند اول الاقامة" ازحضرت مفتی شفیع صاحبؒ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعا کا ثبوت:

سوال: امام کو رکوع سجدہ میں کتنی مرتبہ تسبیحات پڑھنا چاہئے اور جلسہ میں کیا پڑھے؟

الجواب: امام کے لئے رکوع سجدہ میں پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھنا افضل ہے۔ تین مرتبہ پر اکتفا کرنا بھی درست ہے۔ اور جلسہ میں دعاء پڑھنا بہتر ہے اگر مقتدیوں پر شاق نہ ہو ورنہ ترک اولیٰ ہے۔

دعا جو حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے: "اللّٰهمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واهدنی وارزقنی"۔ یا مختصر پڑھ لے جیسے "اللّٰهمّ اغفرلی"۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ونقل فی الحلیة عن عبد اللہ بن المبارکؒ وإسحاقؒ وإبراهیمؒ والثوریؒ أنہ یستحب للإمام أن یسبح خمس تسبیحات لیدرک من خلفہ الثلاث. (شامی: ۱/۴۹۵، سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولوزاد علی الثلاث فذلک أفضل بعدأن یختم علی وترخمس أوسبع أوتسع ولکن إن کان إماماً لایطول وقال سفیان الثوریؒ ینبغی أن یقول خمساً حتی یتمکن القوم أن یقولوا ثلاثاً. (خلاصة الفتاوی: ۱/۵۴، الفصل الثانی سنن الصلاۃ وآدابها، رشیدیه)

نیز ملاحظہ ہو: شرح منیة المصلی: ص۲۸۲، سهیل۔ وفتح القدیر: ۱/۲۹۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/۲۹۵)

جلسہ میں دعا پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بین السجدتین: "اللّٰهمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واهدنی وارزقنی". (رواہ الترمذی: ۱/۶۳، باب مایقول بین السجدتین)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال القاضی ثناء الله البانی بتیؒ باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ماقال القاضی المرحوم لاسیما فی هذا العصرفإن تحفظ الجلسة متعذربدون تعیین الدعاء فیها.(العرف الشذی علی سنن الترمذی:۱/۷۰)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمدؒ لإبطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أرمن صرح بذلک عندنا، لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف......ولاضررفی التزامه وإن لم یصرح به مشایخنا فإن القواعد الشریعة لاتنبوعنه، کیف والصلاة هی التسبیح والتکبیروالقراءة کما ثبت فی السنة. (شامی: ۱/۵۰۵ ـ ۵۰۶ ، سعید)

ہاں امام کوطویل دعاؤں سے احتراز کرنا چاہئے جومقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بنے۔واللہ ﷻ اعلم۔

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشاء کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آکراس کی اقتداء کرلی امام نے نماز میں جہرنہیں کیا تو نماز ہوئی یانہیں؟ کیاامام کوجہری نماز میں جہرکرناضروری ہے؟

الجواب: امام نے اگرامامت کی نیت کرلی تو جہرکرناضروری تھالیکن اگرامامت کی نیت نہیں کی توجہرضروری نہیں لہذا نماز ہوگئی۔امام کوجہری نماز میں جہرکرناواجب اورضروری ہے۔

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

ویجهرالإمام وجوباً بحسب الجماعة، فإن زاد علیه أساء، ولوائتم به بعد الفاتحة أوبعضها سراً أعادهاجهراً، بحر، لکن فی آخرشرح المنیة:ائتم به بعد الفاتحة، یجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا لا فلایلزمه الجهر.وفی الشامی:(قوله إن قصد الإمامة)عزاه فی القنیة إلی فتاوی الکرمانی.ووجهه أن الإمام منفرد فی حق نفسه، ولذا لایحنث فی لایؤم أحداً ما لم ینوالإمامة، ولایحصل ثواب الجماعة إلابالنیة. (الدرالمختارمع الشامی:۱/۵۳۲،فصل فی القراءة،سعید)

طحطاوی میں ہے:

ویجب جهر الإمام الواجب منه أدناه وهو أن يسمع غيره، ولو واحداً وإلا كان إسراراً.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۲۵۲،فصل فی بیان واجبات الصلاۃ،قدیمی)

امداد الفتاح میں ہے:

ويجب جهر الإمام بقراءة ركعتي الفجر وقراءة أوليي العشائين للمواظبة عليه. (امداد الفتاح:ص ۲۷۸،فصل فی واجبات الصلاۃ)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشاء کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اسی اثناء میں کوئی شخص اس کی اقتداء کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں تاکہ نماز جماعت سے ہو جاوے (۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گو یہ میرے پیچھے آکھڑا ہوا لیکن میں امام نہیں بنتا بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں پس پہلی صورت میں تو اس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قراءۃ کرنا واجب ہے پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر و مغرب و عشاء کے وقت بلند آواز سے قراءت کرنا واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی کیونکہ صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے امام کا نیتِ امامت کرنا ضروری نہیں۔

(اصلی بہشتی گوہر گیارواں حصہ:ص ۵۸،مقتدی اور امام کے متعلق مسائل،مسئلہ ۲۰،المدنیہ لاہور)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی دانت والے امام کے پیچھے نماز کا حکم:

سوال: ایک صاحب کے کچھ دانت گر گئے ہیں ان کی جگہ مصنوعی دانت لگائے ہیں جو علیحدہ کیے جاسکتے ہیں، اور مصنوعی دانت نہ ہونے کی وجہ سے بعض حروف مثلاً شین، صاد اچھی طرح ادا نہیں ہوتے ہیں، اگر یہ صاحب دانتوں کو نہ لگائے جب کہ دانت گھر پر یا جیب میں موجود ہوں اور اسی حالت میں نماز پڑھادے تو کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مصنوعی دانت نہ لگانے پر قراءت میں لحن جلی کا مرتکب ہوتا ہے تو دانت لگا

کرنماز پڑھانا لازم اور ضروری ہے اس کے بغیر معنی بدل جانے سے نماز فاسد ہوجائے گی، اوراگر مصنوعی دانت کے بغیر لحن خفی کا مرتکب ہوتا ہے تو دانت لگا کر نماز پڑھانا افضل اور بہتر ہے ضروری لیکن نہیں۔ لحن جلی اور لحن خفی کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے یا کسی عالم قاری سے زبانی سمجھا جاسکتا ہے۔

ملاحظہ ہوفتاویٰ شامی میں ہے:

سئل الخير الرملي عما إذا كانت اللثغة يسيرة . فأجاب بأنه لم يرها لائمتنا، وصرح بها الشافعية بأنه لو كانت يسيرة بأن ياتي بالحرف غير صاف لم توثر، قال : وقواعدنا لاتأباه ، وبمثله أفتى تلميذ الشارح المرحوم الشيخ إسمعيل الحائك مفتي دمشق الشام.

(فتاوی الشامی: ۱/ ۵۸۲،سعید).

نیز مذکور ہے:

قوله إلاما يشق، قال في الخانية والخلاصة : الأصل فيما إذا ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لاتفسد، وفي خزانة الأكمل قال القاضي أبوعاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لايعرف التمييز لاتفسد، وهوالمختارحلية وفي البزازية : وهو أعدل الأقاويل ، وهو المختار. وفي التتارخانية عن الحاوي : حكى عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل في الحروف لايفسد ، لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لايقيمون الحروف إلا بمشقة ...

قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سيناً والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فانهم لايميزون بينهما ويصعب عليهم جداً كالذال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار، وهذا كله قول المتأخرين ، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمين أحوط قال في شرح المنية : وهو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلاة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها. (فتاوی الشامی: ۱/ ۶۳۳،سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو جماعت ترک کرے یا شریک جماعت ہوجائے؟ اور اگر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو کیا کرے؟

الجواب: بریلوی عقائد بہت مختلف ہیں۔ اگر ان کے عقائد میں سے مثلاً آپ ﷺ کو عالم الغیب تسلیم کرنا، حاضر ناظر سمجھنا، مختار کل ماننا، متصرف فی الامور جاننا، مشکل کشا و حاجت روا کہنا، باری تعالیٰ کا عکس بتانا، یہ تمام عقائد کفر تک پہنچانے والے ہیں لہذا اگر کسی شخص کے یہ مذکورہ بالا عقائد ہیں تو اس کے پیچھے نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اگر پڑھنے پر مجبور ہو تو اعادہ لازم ہے، نیز اگر فتنہ وغیرہ کا خوف ہو تو تشبہ بالمصلین کرلے اور پھر اعادہ کرلے یہ صورت زیادہ مناسب ہے۔ درمختار میں ہے:

ومبتدع أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ...... لايكفر بها ......وإن أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها......فلايصح الاقتداء به أصلاً، فليحفظ. (الدر المختار: ۱/ ۵٦۰، باب الامامة، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

وأطلق المصنف في المبتدع فشمل كل مبتدع وهو من أهل قبلتنا وقيده في المحيط والخلاصة والمجتبى وغيرها بأن لاتكون بدعته تكفره فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز وعبارة الخلاصة هكذا. (البحر الرائق: ۱/ ۳٤۹، باب الامامة، الماجدية)

تبیین الحقائق میں ہے:

(والمبتدع) أي صاحب الهوى قال المرغيناني تجوز الصلاة خلف صاحب الهوى وبدعة ولاتجوز خلف الرافضي والجهمي والقدري والمشبه ومن يقول بخلق القرآن، حاصله إن كان هوى لايكفر به صاحبه يجوز مع الكراهة وإلا فلا. (تبيين الحقائق: ۱/ ۱۳٤، باب الامامة، امدادية)

امداد الفتاح میں ہے:

والمراد المبتدع الذي لاتكفره بدعته فإن كفر بها لاتصح إمامته كما قدمناه. فإذا تبين له ذلك لزمه إعادة ما صلاه خلفه. (امداد الفتاح: ص۳٤۳، ۳۳۱، بيان من تكره امامتهم)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ایسے بدعتی کے پیچھے جس کی بدعت کفر تک پہنچ جائے کسی شخص کی نماز درست نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ : حصہ دوم کتاب الصلاۃ:ص۱۸۴،شرائط امامت،مجددیہ،کراچی)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب جو خاصہ خدا ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔(فتاوی رشیدیہ:۳۳۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر کوئی جناب سرور کائنات ﷺ کو غیب داں جانتا ہے تو یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے اور اگر کسی وجہ سے پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/۱۷۰،باب الامامۃ مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز جائز نہیں،اس کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں۔(فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۶۰،باب الامامۃ،الفصل الثالث فی امامۃ المبتدع،جامعہ فاروقیہ)

فتاوی عثمانی میں ہے:

حضور ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔(فتاوی عثمانی ۱/ ۴۲۷، ۴۴۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب کہ امام مذکور کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی،اور ایسے بدعقیدہ امام کی اقتداء میں جو جماعت ہوگی اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ کالعدم ہے،لہذا اس کے بعد اہل حق کا جماعت سے نماز پڑھنا جماعتِ ثانیہ کے حکم میں نہ ہوگا۔(فتاوی رحیمیہ:۴/ ۳۶۰،باب الامامۃ)

التشبہ بالمصلین کے شواہد:

یعنی اگر مجبوراً نماز پڑھنا پڑے تو نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرلے اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لے۔شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں ملاحظہ ہو:

پانی اور مٹی نہ پانے والے کو تشبہ کا حکم ہے، پھر اعادہ ضروری ہے۔اسی طرح مریض جو وضو اور تیمّم پر قادر نہ ہو۔
درمختار میں ہے:

والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين بأن حبس في مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر وكذاالعاجزعنهمالمرض يؤخرهاعنده،وقالا:يتشبه بالمصلين وجوباً فيركع ويسجد......ثم يعيدالصلاة كالصوم وبه يفتى وإليه صح رجوعه أي الإمام كما في الفيض.

(الدرالمختار:۱/۲۵۲،سعید)

مرقات میں ہے:

وفي شرح الشمني والمحبوس الذي لايجدطهوراً لايصلي عندهماوعند أبي يوسفؒ يصلي بالإيماء ثم يعيد وهورواية عن محمدؒ تشبهاً بالمصلين قضاء لحق الوقت. (المرقاة شرح المشكاة:۱/۳۳٤)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

حكم فاقد الطهورين:الحنفية:المفتي به عندهم ما قاله الصاحبان وهوأن فاقد الطهورين يتشبه بالمصلين وجوباً...... (الفقه الاسلامي وادلته:۱/٤۵۲،دارالفكر)

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

الحنفية قالوا:من فقد الطهورين الماء والصعيد الطاهر......فإنه يصلي عند دخول وقت الصلاة صلاة صورية بأن يسجد......بدون قراء ة أوتسبيح وهذه الصلاة الصورية لاتسقط الفرض عنه بل تبقى ذمته مشغولة.

(الفقه على مذاهب الاربعة:۱/۱٦٦)

نیز کسی شخص کا وضوٹوٹ گیا اور وہ جماعت میں ہے نکلنا مشکل ہے یا شرم محسوس کرتا ہے تو بقیہ نماز میں تشبہ بالمصلی کرے۔ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار:رجل يصلي مع قوم وأحدث،فاستحيىٰ من أن يظهرذلك، فكتم وصلى كذلك مع الحدث هل يحكم بكفره؟

الاستبشار:لايكفر؛لأنه غيرمستهزىء ومن ابتلى بذلك بضرورة أولحياء، ينبغي أن

لايقصد بذلك الصلاة، بل يقوم ولايقرأ شيئاً، وإذا انحنىٰ لايريد الركوع، ولايسبح، ولايفعل شيئاً من أعمال الصلاة؛ لئلا يقع في أداء الصلاة مع الحدث. كذا في"خزانة الروايات". (فتاوی اللکنوی:ص ۱۷۱، کتاب الصلوات،دارابن حزم)

فقہاء نے حائضہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر رمضان میں پاک ہوتو تشبہ بالصائم کرے اور مسافر افطار کرے پھر مقیم ہوجائے تو بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے۔ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

(قوله كالصوم)أي في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسك تشبهاًبالصائم لحرمة الشهرثم تقضي، وكذا المسافرإذا أفطرفأقام. (شامی:۱/ ۲۵۳،مطلب فاقدالطهورين،سعيد)

نیز اخرس جو قراءت وتلبیہ وغیرہ پر قادر نہ ہوتو تشبہ بالقاری یعنی تحریک الشفتین کرے گا۔

ملاحظہ ہوفتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: الأمي والأخرس إذا لم يقدرعلى أداء فرض القراءة هل يجب عليه تحريك الشفتين؟

الاستبشار: قيل:يجب تحريك الشفة واللسان كتلبية الحج وقيل لايجب. (فتاوی اللکنوی:ص۳۳۸،مایتعلق بالاعذارالمسقطة لارکان الصلاة،دارابن حزم۔وکذافی الشامی:۱/ ۴۸۳،قراءة فی الصلاة،سعید۔ولباب المناسك:ص۱۱۳،فصل وشرط التلبیة،بیروت)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

فسادِنماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے:

سوال: اگر امام کی نماز خون نکلنے کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور امام کو نماز کے بعد معلوم ہوا تو امام پر اطلاع دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی وجہ سے نماز صحیح نہ ہوتو امام کے ذمہ مقتدیوں کو اطلاع دینا لازم ہے، پھر اگر امام عادل ہوتو مقتدیوں پر اعادہ واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔لیکن اگر مقتدی متعین نہ ہو یا خبر دینا مشکل ہوتو اطلاع دینا لازم نہیں ہے۔ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

وإذاظهرحدث إمامه وكذاكل مفسد في رأي مقتد بطلت فيلزم إعادتها لتضمنها صلاة

المؤتم صحةً وفساداً كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهومحدث أوجنب أو فاقد شرط أوركن، وهل عليهم إعادتها، إن عدلا نعم، وإلا ندبت......بالقدر الممكن بلسانه أوبكتاب أورسول على الأصح لومعينين أى معلومين وقال ح:وإن تعين بعضهم لزمه إخباره وإلا أى وإن لم يكونوا معينين كلهم بعضهم لايلزمه. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۵۹۱، ۵۹۲، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو تنہا تنہا خبر کردے یا نماز کے وقت اعلان کردے کہ فلاں دن فجر کی نماز میں جو جو حضرات تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں جن مقتدیوں کو اس کی اطلاع نہ ہوسکے وہ معذور ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۴)

امدادالاحکام میں ہے:

سوال: امام نے سہواً بلاوضو نماز پڑھادی تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: امام پر لازم ہے کہ جن اشخاص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ نماز میں شریک تھے ان سب کو جس طرح ممکن ہو اطلاع کردے اور امام عادل ہو تو ان پر اطلاع سے اعادہ ضروری ہے، اور اگر امام عادل نہ ہو تو اعادہ مستحب ہے۔ (امدادالاحکام: ۱/ ۵۲۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدتِ طویلہ کے بعد فسادِ نماز کی خبر دینے کا حکم:

سوال: ایک صاحب ایک مسجد میں امامت کراتے تھے، اس واقعہ کو کافی مدت گزر چکی ہے، ایک دو مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کے درمیان پیشاب کا قطرہ گرنے کا احتمال ہوا، یا غالب گمان ہوا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رمضان کی پہلی رات چاند کا اعلان اب تک نہیں ہوا تھا اور امام نے اپنی وتر پڑھ لی پھر چاند کے اعلان کے بعد اس نے تراویح کے بعد دوبارہ لوگوں کو وتر پڑھادی، جب کہ تراویح کسی اور صاحب نے پڑھائی تھی، اس وقت پیشاب کے قطرہ کی وجہ سے جو مشکوک یا مظنون تھا، امام نے نماز کے اعادہ کا اعلان نہیں کیا، اب اس مقام کے ساتھ امام کا کوئی رابطہ نہیں ہے، اور اس وقت کے اکثر مصلی یا وفات پاچکے ہوں گے یا کسی اور جگہ منتقل ہوچکے ہیں، یہ واقعہ ۳۰ سال پہلے کا ہے، اب اطلاع کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، اب امام کی گلوخلاصی کی کیا صورت ہوسکتی

ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب امام کے وضو کا ٹوٹنا قطرہ کی وجہ سے مشکوک یا مظنون تھا، تو امام کو اس وقت اعلان کرنا چاہئے تھا، تاکہ نماز کا اعادہ ہوجاتا، احناف کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، اس کی تشریح دوسری جلد ص ۲۳۴، پر گزر چکی ہے، لیکن مذکورہ صورت حال میں مشکلات کے پیش نظر فقہاء کے ہاں ایک جزئیہ ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اعلان ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تحفۃ الملوک میں ہے:

ولو ظهر حدث الإمام أعاد المأموم لقوله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل صلى بقوم ثم تذكر جنابةً أعاد، وأعادوا .(فصل في الجماعة:١/٨٤٦)

اس کی شرح میں محمد بن عبد اللطیف بن عبد العزیز بن ملک لکھتے ہیں: **هذا إذا علم المأموم حدث إمامه وإن لم يعلموا لايجب عليهم الإعادة ولا على الإمام الإعلام بأنه صلى على غير طهارة ولايأثم بتركه الإعلام** . (شرح تحفة الملوك: ١/٨٤٧ـ بتعليق عبد المجيد الدرويش).

درمختار اور شامی نے بھی عدم اخبار کا قول بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔

وصحح في مجمع الفتاوى عدمه أي الإخبار مطلقاً لكونه عن خطأ معفو عنه لأنه لم يتعمد ذلك .(ص:١/٥٩١).

متن میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا " **أيما رجل صلى بقوم ثم تذكر جنابةً أعاد، وأعادوا** "۔اس کے متعلق صاحب تعلیق الدکتور عبد المجید الدرویش نے نصب الرایہ سے نقل کیا کہ یہ روایت غریب ہے اور ابن حجر نے لم اجدہ مرفوعاً فرمایا۔ ہاں سعید بن مسیّب سے مرسلاً مروی ہے:

" **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى بالناس وهو جنب وأعاد وأعادوا** " یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں ابو جابر البیاض متروک ہے، یحی بن معین نے ان کو کذاب کہا، اس کے بالمقابل دار قطنی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما إمام سها فصلى بالقوم وهو جنب فقد مضت صلاتهم ثم ليغتسل هو ثم ليعد صلاته الخ۔

مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں جو یبر متروک ہے۔(تعليق عبد المجيد الدرويش على شرح تحفة

الملوك:۱/ ۸٤٦).

شرح تحفۃ الملوک کے مصنف محمد بن عبداللطیف المتوفی ۸۵۴، جو ابن ملک کے نام سے معروف ہیں، سائد بکداش مدظلہ العالی منیۃ الصیادین کے مقدمہ میں ان کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" هو الإمام المحدث الفقيه الحنفي المعتبر محمد بن عز الدين عبد اللطيف بن عبد العزيز بن أمين الدين بن فرشته الرومي".

جو صاحبِ تصانیف عالم تھے، جن کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) شرح مصابيح السنة للبغوي، (۲) شرح الوقاية، (۳) شرح تحفة الملوك للرازي، (۴) منية الصيادين في تعلم الاصطياد وأحكامه، (۵) روضة المتقين في مصنوعات رب العلمين في المواعظ و العبادات.

ان کے حالات کا حوالہ منیۃ الصیادین کی تعلیقات میں درج ذیل کتابوں سے دیا ہے۔ (۱) کتائب اعلام الاخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار للكفويؒ، (۲) الشقائق النعمانية في علماء الدولة العثمانية، (۳) كشف الظنون لحاجي خليفة، (۴) الفوائدالبهية في تراجم الحنفية لعبدالحي اللكنويؒ، السعاية ،وعمدة الرعاية، (۵) هدية العارفين لاسماعيل باشا البغدادي، (٦) الاعلام للزركلي، (٧) معجم المؤلفين لعمررضا كحالة وغيره. (مقدمة منية الصيادين لسائد بكداش، ص ۱۱).

ان کے والد عز الدین عبداللطیف بھی صاحب تصانیف محقق عالم گزرے ہیں شرح تحفۃ الملوک کے مقدمہ میں بھی محقق نے ان کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تعارف اس لیے لکھا گیا کہ ایک دفعہ ایک فتویٰ میں بندہ نے شرح تحفۃ الملوک کا حوالہ دیا تو بعض مفتیوں نے اشکال کیا کہ یہ غیر معروف کتاب حوالہ کے لیے کہاں سے آ گئی، مصنفؒ کی بعض تصانیف جیسے منیۃ الصیادین تو شاہکار تصنیف سمجھی جاتی ہے، یاد رہے کہ متن تحفۃ الملوک محمد بن ابی بکر الرازی المتوفی ٦٦٦، کی کتاب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصلیوں کو خبر دیدے اگر بالکل مشکل ہو تو اس قول پر عمل ہو سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت مردوں کی امامت کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

دلائل ملاحظہ ہوں: (۱) **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿الرجال قوّٰمون علی النساء الخ﴾** (سورۃ النساء:الآیۃ:۳۴)

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

أی شأنھم القیام علیھن قیام الولاۃ علی الرعیۃ بالأمر والنھی ونحوذلک.......ولذا خصوا بالرسالۃ والنبوۃ علی الأشھر، وبالإمامۃ الکبری والصغری، وإقامۃ الشعائر کالأذان والإقامۃ والخطبۃ والجمعۃ...... (روح المعانی:۵/۲۳،القاھرۃ)

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:

یقومون علیھن آمرین ناھین کما یقوم الولاۃ علی الرعایا وسموا قواماً لذلک ...... یعنی إنما کانوا مسیطرین علیھن لسبب تفضیل اللّٰہ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأی والقوۃ والغزو وکمال الصوم والصلاۃ والنبوۃ والخلافۃ والإمامۃ والأذان والخطبۃ والجماعۃ والجمعۃ...... (تفسیر النسفی:۱/۲۲۳،دارالفکر)

(۲) حدیث شریف میں:

عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ''یآیھا الناس توبوا إلی اللّٰہ قبل أن تموتوا......ألا لاتؤمنّ امرأۃ رجلاً......''. (رواہ ابن ماجۃ:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعۃ۔والبیھقی فی سننہ الکبری:۳/۱۷۱، کتاب الجمعۃ،دارالمعرفۃ۔والطبرانی فی الاوسط:۲/۱۵۲/۱۲۸۳،الریاض)

یہ حدیث طویل ہے مطلب یہ ہے کہ: خبردار کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے۔

(۳) مسلم شریف میں ہے:

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیر صفوف الرجال أولھا وشرھا آخرھا وخیر صفوف النساء آخرھا وشرھا أولھا. (رواہ مسلم:۱/۱۸۲،باب تسویۃ الصفوف،فیصل)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن إبراھیمؒ عن أبی معمرؒ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ''کان الرجال والنساء فی بنی إسرئیل یصلون جمیعاً، فکانت المرأۃ لھا الخلیل، تلبس القالبین تطول بھما لخلیلھا، فألقی علیھنّ الحیض'' فکان ابن مسعود رضی اللہ عنہ یقول: ''أخروھن حیث أخرھن اللّٰہ''. إسنادہ صحیح. (مصنف

عبدالرزاق:۳/۱۴۹/۵۱۱۵،باب شهود النساء الجماعة،المجلس العلمي۔اعلاء السنن ۲/۲۲۴۔نصب الراية:۲/۳۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں سے پیچھے ہے۔

تنبیہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اگر چہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم ہے۔

(۴) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: صلی رسول اللہ ﷺ بامرأة من أهله وبی فأقامنی عن يمينه وصلت المرأة خلفنا. (رواه ابن ماجه:۱/۶۹،باب الاثنان جماعة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ صلى بهم وامرأة من أهله فجعل أنساً عن يمينه والمرأة خلفه. وعن ثابتؒ قال: صليت مع أنس رضی اللہ عنہ فقمت عن يمينه وقامت أم ولده خلفنا. وعن هشامؒ قال: جئت إلى عروة رضی اللہ عنہ وهو يصلي وخلفه امرأة فأقامني عن يمينه والمرأة خلفه. (مصنفِ ابن ابی شيبة: ۳/۶۸ ۵ اذاكان الامام ورجل وامرأة ،كيف يصنعون،المجلس العلمی)

خلاصہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے مجھے اور ایک عورت کو اپنے اہل میں سے نماز پڑھائی اور مجھے داہنی جانب کھڑا کر دیا اور عورت کو پیچھے کھڑا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا یہی مقام ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: صليت أنا واليتيم في بيتنا خلف النبي ﷺ وأمي أم سليم خلفنا. (رواه البخاری:۱/۱۰۱/۷۱۸،باب المرأة وحدها تكون صفاً)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائی میں اور یتیم حضور ﷺ کے پیچھے اور میری والدہ پیچھے صف میں کھڑی رہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت کی تو صف بھی پیچھے ہونی چاہئے چہ جائیکہ امامت کرے۔

(۶) نیز آنحضور ﷺ نے مدۃ العمر کسی عورت کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھیں۔

(۷) نیز عورتوں کی افضل نماز گھر کے کونہ میں ہے نہ مسجد میں نہ امامت کرنے میں۔

ملاحظہ ہو ابو داؤد شریف میں ہے:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في

حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. وفي هامشه: مخدعها هو البيت الصغير الذي يكون في داخل البيت، وقال السندي: هو البيت الذي يخبأ فيه خير المتاع وهو الخزانة داخل البيت۔(ابوداؤدشريف مع الحاشية: ۱/۸٤، باب التشديدفي خروج النساء الى المسجد)

(۸) نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو عورتوں کو تصفیق کا حکم دیا گیا نہ کہ تسبیح کا کیونکہ آواز فتنہ کا باعث ہے اور امامت میں تو زیادہ فتنہ ہے لہذا بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة ؓ عن النبي ﷺ قال: التصفيق للنساء والتسبيح للرجال. (رواه البخاری: ۱/۱٦۰/۱۱۸۹، باب التصفيق للنساء، فيصل)

عورت کی امامت کے سلسلہ میں بعض حضرات ابوداؤد شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ام ورقہ کی امامت کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم ورقة بنت عبدالله بن الحارث ؓ......وكان رسول الله ﷺ يزورها في بيتها وجعل لها مؤذناً يؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. (رواه ابوداؤد: ۱/۸۷، باب إمامة النساء)

مذکورہ بالا حدیث کا جواب:

(ا) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کے رواۃ میں سے (۱) ولید بن جمیع (۲) عبدالرحمن بن خلاد (۳) ولید ابن جمیع کی دادی۔ یہ سب مجروح اور مجہول رواۃ ہیں۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال المنذري في مختصره: الوليد بن جميع فيه مقال، وقال ابن القطان في كتابه: الوليد ابن جميع وعبد الرحمن بن خلاد لايعرف حالهما. (اعلاء السنن: ٤/۲٤٥، ادارة القرآن۔ وفتح القدير: ۱/۳٥٤، باب الامامة، دارالفكر)

قال الحافظ ابن حجرؒ في التقريب: الوليدبن جميع صدوق يهم ورمي بالتشيع. (تقريب التهذيب: ص ۳۷۰)

وقال أيضاً: عبد الرحمن بن خلاد مجهول الحال. (تقريب التهذيب: ص ۲۰۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی "بذل المجہود" میں ان راویوں پر کلام فرما کر ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ٤/ ٢١٠)

نیز مذکور ہے:

وأما ما استدل به بعض العلماء على جواز إمامة المرأة للنساء والرجال فغير صحيح.

(بذل المجهود ٤/ ٢١٠)

بالفرض اگر روایت ثابت ہو جائے تب بھی اس میں مردوں کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ام ورقہ عورتوں کی ہی امام بنی ہوگی۔

عورتوں کی امامت اگر چہ ناپسندیدہ ہے لیکن بعض احوال اور ضرورتوں کی وجہ سے قابلِ برداشت ہے۔

تنبیہ: ام ورقہ کی اس روایت کو البانی صاحب نے حسن کہا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

ملاحظہ ہو: حاشية صحيح ابن خزيمه: ٢/ ٨٠٢/ ١٦٧٦، المكتب الاسلامي۔

عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

مذہبِ احناف:

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المرأة تخالف الرجل في مسائل منها......ولا تؤم الرجال. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٢٥٩، فصل فى بيان سننها، قديمى۔ وهكذا فى الشامى: ١/ ٥٠٤، سعيد۔ والبحر الرائق: ١/ ٣٢١، الماجديه)

نیز شامی میں ہے:

إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلاة الكل أما الرجال والإمام فلعدم صحة اقتداء الرجال بالمرأة. (شامى: ١/ ٥٦٥، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وفسد اقتداء رجل بامرأة ونقل فى المجتبى الإجماع عليه. (البحر الرائق: ١/ ٣٥٩، كوئتة)

مذہبِ مالکیہ:

المدونہ میں ہے:

وقال مالكؒ: لاتؤم المرأة. (المدونة: ١/ ٨٥، كتاب الصلاة، فى الصلاة خلف السكران......)

الثمر الدانی میں ہے:

ولاتؤم المرأة فی فریضة ولانافلة لارجالاً ولانساء...... .قوله ولاتؤم المرأة......وکما لاتؤم المرأة لایؤم الخنثی المشکل فإن ائتم بهما أحد أعاد أبداً علی المذهب سواء کان من جنسهما أولا،......فاعلم أن الذکورة المحققة شرط فی صحة الإمامة. (الثمر الدانی: ص ۱۰۰،باب الامامة،دار الفکر)

مذہبِ شافعیہ:

کتاب الام میں ہے: **قال الشافعیؒ:وإذا صلت المرأة برجال ونساء وصبیان ذکورفصلاة النساء مجزئة وصلاة الرجال والصبیان الذکورغیرمجزئة لأن الله ﷻ جعل الرجال قوّمین علی النساء و قصرهنّ عن أن یکن أولیاء وغیر ذلک ولایجوزأن تکون امرأة أمام رجل فی صلاة بحال أبداً......** .(کتاب الام:۱/۱۹۱،باب صفة الائمة،امامة المرأة للرجال۔وروضة الطالبین: ۱/۳۵۱،باب صفة الائمة،المکتب الاسلامی)

مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے: **وأما المرأة فلایصح أن یأتم بها الرجل بحال فی فرض ولانافلة فی قول عامة الفقهاء ......ولنا قول النبی ﷺ:"لاتؤمنّ امرأة رجلاً"ولأنها لاتؤذن للرجال فلم یجزأن تؤمهم کالمجنون، وحدیث أم ورقة......ولوقدرثبوت ذلک لأم ورقة لکان خاصاً بها بدلیل أنه لایشرع لغیرها من النساء أذان ولاإقامة فتختص بالإمامة لاختصاصها بالأذان والإقامة.** (المغنی:۲/۳۳،احکام امامة المشرک والمرأة والخنثی،دارالکتب العلمیة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصلِ دوم

جماعت کے احکام

خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنے کا حکم:

سوال: آنے والے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اجتماع کی تیاری کے لئے تقریباً ۶، ۷ ہفتے قبل کام شروع ہوجاتا ہے بہت سے لوگ مختلف علاقوں سے آتے ہیں ،عام طور پر ہم لوگ اجتماع گاہ میں نماز پڑھتے ہیں چاہے کوئی مسجد نزدیک ہو یا نہ ہو اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اس میں زیادہ سہولت ہے اور وقت کی زیادہ بچت بھی ہے۔

(۲) ہر نماز کے بعد مذاکرہ، ترغیبی اور تعلیمی بیانات ہوتے ہیں، مشورہ بھی ہوتا ہے حسبِ ضرورت فجر کے بعد ختم یس ٓ، دعاء، ذکر اور دوسرے معمولات ہوتے ہیں، اکثر نمازوں کے بعد ضروری تقاضے مجمع کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۳) شام کے وقت بکثرت لوگ آتے ہیں حتی کہ بعض مرتبہ ۴۰۰ سے ۷۰۰ تک ہوجاتے ہیں لہذا نماز، کھانا، پینا اور رہنا ہر لحاظ سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔

(۴) سامان کی حفاظت بھی مطلوب ہے اسی وجہ سے جمعہ بھی اجتماع گاہ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہر وقت ایک جماعت حفاظت کی خاطر مقرر ہو۔

قریب زمانے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ جمعہ کی نماز اجتماع گاہ میں مسنون نہیں ہے جب کہ مسجد قریب ہوا اور مسجد

میں وسعت بھی ہو، نیز حفاظت کرنے والوں کے علاوہ تمام کو پانچوں نمازوں کے لئے مسجد جانا ضروری ہے، کیا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہتر اور فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد میں پڑھی جائے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے اپنے طور پر جماعت کرلی جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

چونکہ تبلیغی حضرات اجتماع گاہ میں کام کاج وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں اور وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں سب کا جانا مسجد میں مشکل ہوجاتا ہے نیز بعض کو سامان کی حفاظت کے لئے بھی رہنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کر سکتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

واختلف العلماء في إقامتها في البيت والأصح أنها كإقامتها في المسجد إلا في الأفضلية. (شامی: ۱/۵۵٤، سعید)

یعنی علماء نے گھر میں جماعت کرنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے اصح قول یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کرنے کی طرح ہے ہاں افضل وبہتر مسجد ہے۔

درمختار میں مرقوم ہے:

والجماعة سنة مؤكدة للرجال...... وأقلها اثنان مع الإمام ولو مميزاً أو ملكاً أو جنياً في المسجد أو غيره.

طحطاوی علی الدر میں ہے:

فلو صلى في بيته بزوجته أو جاريته أو ولده فقد أتى بفضيلة الجماعة. (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲٤۰)

یعنی جماعت میں کم سے کم دو آدمی امام کے ساتھ ہوں اگرچہ ہوشیار بچہ یا فرشتہ یا جن ہو مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو پس اگر کوئی بیوی بچوں یا باندی کے ساتھ جماعت کرلے تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کی۔

علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تحریر فرمایا ہے:

اختلف العلماء في إقامتها في البيت والأصح أنها كإقامتها في المسجد إلا في الأفضلية وهو ظاهر مذهب الشافعيؒ قلت: ويظهر أن ما سيأتي عن الحلواني مبني على ما مر منه من

وجوب الإجابة بالقدم وتقدم أن الظاهر خلافه فلذا صححوا خلاف ماقاله هنا . (منحة الخالق حاشية البحرالرائق:۱/۳٤٥، کوئتة)

یعنی علماء نے جماعت گھر پر کرنے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسجد کی طرح ہے مگر فضیلت میں اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے اور شمس الائمة حلوانیؒ نے مسجد کے باہر جماعت کو بدعت کہا ہے یہ ان کے اس مذہب پر مبنی ہے کہ چلنا مسجد تک واجب ہے اور یہ خلافِ ظاہر ہے۔

بہرحال تبلیغی حضرات کو کوشش کرنا چاہئے کہ بعض ساتھی مسجد میں پہونچیں لیکن اجتماع گاہ میں بھی جماعت اور جمعہ جائز ہے، نیز معلوم ہوا کہ مسجد ایک کیلومیٹر دور بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک میل کی دوری پر پانی کے لئے جانا بھی ساقط ہوجاتا ہے اور تیمّم کرسکتا ہے لہذا اس صورت میں مسجد میں جانا بھی زیادہ ضروری نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:

سوال: بعض حضرات تبلیغی جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسجد چھوڑ کر باہر اجتماع گاہ میں جماعت کرتے ہیں معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسجد میں جماعت سنتِ مؤکدہ ہے باہر کی جماعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں مسجد کی جماعت کو سنن ہدیٰ فرمایا گیا ہے۔

الجواب: اگر مسجد سے باہر جماعت کرلی جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے ہاں مسجد میں جماعت کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے:

قوم تخلفوا عن المسجد وصلوا فی البیت بجماعة فإنهم ینالون فضل الجماعة لکن دون ما ینالون فی المسجد . (الفتاوی السراجیة:قبیل باب الامامة، ص۷۸).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

حتی لو صلی في بیته بزوجته أوجاریته أو ولده فقد أتی بفضیلة الجماعة ، کذا فی الشرح ، لکن فضیلة المسجد أتم . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۸۷، باب الامامة).

فتاوی قاضیخان میں مذکور ہے:

والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة وللجماعة في المسجد فضيلة أخرى فإذا صلى في البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترك الفضيلة الأخرى. یہ بات انہوں نے تراویح کے بارے میں لکھی ہے پھر بعد میں فرماتے ہیں: وكذلك في المكتوبات. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: ١/٢٣٣، باب التراويح).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر وتكثير سواد المسلمين. (یہ کلام انہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے لیکن اس سے قبل لکھا ہے) وهكذا في المكتوبات أي الفرائض. (شرح منية المصلی، ص ٤٠٢، ابواب التراويح، سهيل).

مذکورہ بالا عباراتِ فقہیہ سے بخوبی واضح ہوا کہ تبلیغی حضرات کو اجتماع گاہ میں جماعت کا ثواب ملتا ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے ہاں مسجد بہتر ہے لیکن بعض مصالح کی وجہ سے سب مسجد نہیں جا سکتے، اور اجتماع والے لوگ مسجدوں میں سما بھی نہیں سکتے۔ باقی یہ بات کہ مسجد کے کیا فضائل ہیں تو وہ آپ مساجد کے فضائل میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں، مثلاً سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہو جب نکلتے ہیں تو واپس آنے کا سوچتے ہیں، اور ان دو صحابہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سخت اندھیرے میں ان کی لاٹھیوں سے روشنی نکلتی تھی، اور جو صبح وشام مسجد میں جاتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی کا انتظام فرمائیں گے، اور جب صرف نماز کی نیت سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹایا جاتا ہے پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں، یہ سب فضائل کتبِ احادیث میں مذکور و مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ جماعت سنت ہے اس کو چھوڑنا نفاق کی علامت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "من سره أن يلقى الله غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادى بهن فإن الله شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدى

وأنهن " أي الصلوات الخمس بالجماعة " (فتح الملهم) **من سنن الهدى " أي من طريق الهدى "** (فتح الملهم) **ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم.** (رواه مسلم: ۱/ ۲۳۲).

اس روایت میں " كمايصلي هذا المتخلف " سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد متخلف کو قابل وعید سمجھتے ہیں جس کے مقابلہ میں جماعت سے نماز پڑھنا قابل مدح وستائش ہے، ہاں دوسری روایت جو مسلم شریف میں مذکور ہے اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أو مريض ان كان المريض ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة وقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وإن من سنن الهدى الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه . (رواه مسلم: ۱/ ۲۳۲).

اس روایت کی ابتداء میں بھی متخلف منافق کا ذکر ہے جو جماعت کو چھوڑتا ہے تو اس کے مقابلہ میں نماز باجماعت ہی قابل مدح ولائق ثواب ہے، ہاں چونکہ جماعت شہروں اور آبادی میں عموماً مسجد میں ہوتی ہے اس لیے بنابر غالب مسجد کا ذکر فرمایا، لہذا بظاہر یہ قید احترازی نہیں دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز سے ۲۷ درجہ فضیلت والی بتلایا ہے، اس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے، نیز حدیث میں ہے: **" الصلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة يصليها وحده .** (مسلم ۱/ ۲۳۱) . یہاں منفرد کے مقابلہ میں جماعت کی فضیلت وارد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رمضان میں نمازِ عشاء مقامِ تراویح پر پڑھنے کا حکم:

سوال: رمضان میں ایک علاقہ میں متعدد مقامات پر نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے، مثلاً درس گاہوں میں، ہال میں، اور مختلف گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ان حضرات کو عشاء کی فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر تراویح کے لیے جانا چاہئے یا فرض نماز بھی اپنے مقام پر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟ اس مسئلہ میں ہمارے یہاں کچھ اختلاف کی شکل ہو رہی ہے صحیح حکمِ شرعی بیان فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ نمازِ عشاء مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کے

بعد تراویح کے لیے اپنے مقامِ تراویح پر چلے جائیں، کیونکہ یہاں دو علیحدہ سنتیں ہیں: (۱) فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ (۲) فرض کی جماعت مسجد میں ہونا۔ لہذا بلاعذر فرض نماز مسجد میں باجماعت نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک سنت متروک ہوگی اور اس کا ثواب نہیں ملے گا، ہاں اگر کوئی عذر ہے۔ مثلاً: مقامِ تراویح مسجد سے کافی دور ہے اور سواری کا انتظام نہیں ہے یا قریب ہے لیکن رات کے وقت چل کر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے، یا فرض نماز کے بعد مسجد سے نکلنا انتشار کا باعث بنتا ہو تو ان صورتوں میں مقامِ تراویح پر نمازِ عشاء باجماعت پڑھنے سے ان شاءاللہ پورا ثواب مل جائیگا۔

ہاں نمازِ تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے اس وجہ سے بعض حضرات مسجد میں پڑھ لیں گے تو سنت علی الکفایہ ادا ہو جائے گی، پھر دوسرے حضرات اپنے اپنے مقام پر تراویح کی جماعت کر سکتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاں مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

اختلف العلماء في كونها سنة أومتطوعاً ...روى الحسن عن أبى حنيفةؒ أن التراويح لايجوز تركها وقال الشهيد: هوالصحيح وفى جوامع الفقه التراويح سنة موكدة والجماعة فيها واجبة وكذا فى المكتوبات قال: وذكر فى الروضة أن الجماعة فضيلة وفى الذخيرة عن أكثر المشايخ أن إقامتها بالجماعة سنة على الكفاية ومن صلى فى البيت فهو تارك فضيلة المسجد وفى المبسوط لوصلى إنسان فى بيته لايأثم فعلها ابن عمرؓ وسالم والقاسم وإبراهيم ونافع فدل هذا على أن الجماعة فى المسجد سنة كفاية أى لايظن بابن عمرؓ ومن معه ترك السنة وهذا هوالصواب . (البناية فى شرح الهداية: ١/ ٨٦٧، ط: فيصل آباد، پاكستان).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

والحاصل أن الجماعة سنة على الكفاية ، إن ترك أهل المسجد كلهم فقد أساؤوا وتركوا السنة ، وإن أقيمت التراويح فى المسجد بالجماعة وتخلف رجل من آحاد الناس وصلى فى بيته ، يكون تاركاً للفضيلة ، ولا يكون مسيئاً ولا تاركاً للسنة . وفيه بعد أسطر: وإن صلى بجماعة فى البيت اختلف فيه المشايخ ، والصحيح أن للجماعة فى البيت فضيلة وللجماعة فضيلة أخرى ، فإذا صلى فى البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة ،

وترک الفضیلة الأخری ، هکذا قاله الإمام أبوعلی النسفیؒ، والصحیح أن أدائها بالجماعة فی المسجد أفضل ، لأن فیه تکثیراً للجماعة، وکذلک فی المکتوبات. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۲۳۳، باب التراویح).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن صلی أحد فی بیته بالجماعة حصل لهم ثوابها وأدرکوا فضلها، ولکن لم ینالوا فضل الجماعة التی تکون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد وتکثیر جماعته وإظهار شعائر الإسلام ، وهکذا فی المکتوبات أی الفرائض ، لوصلی جماعة فی البیت علی هیئة الجماعة فی المسجد نالوا فضیلة الجماعة وهی المضاعفة بسبع وعشرین درجة . (شرح منیة المصلی ،ص:۴۰۲ ،سهیل،وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ۲۸۶، باب الامامة). **واللہ ﷻ اعلم۔**

جماعت سے نماز نکلنے کے خوف سے وضو میں تخفیف کا حکم:

سوال: اگر جماعت سے نماز شروع ہوگئی اور تین تین مرتبہ وضو کرنے میں جماعت کے ساتھ نماز نکلنے کا خطرہ ہے تو جماعت کو ترجیح دینا چاہئے یا سنتِ وضو کے مطابق وضو کو ترجیح دینی چاہئے کیونکہ وضو میں تثلیث سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جماعت سے نماز کو ترجیح دینا چاہئے اور وضو میں تخفیف کرلے، فقہاءؒ کی عبارات میں اس کی نظیر ملتی ہے جماعت فوت ہونے کے خوف سے سنت کو ترک کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

ذکر أن له الاقتصار علی الفاتحة وتسبیحة وحدة وترک الثناء والتعوذ فی سنة الفجر أوالظهر لوخاف فوت الجماعة لأنه إذا جاز ترک السنة لإدراک الجماعة فترک سنة السنة أولیٰ. (فتاوی الشامی: ۱/۵۴۰،سعید).

وفی تقریرات الرافعی: قال : المناسب أن یقول: فترک سنة السنة أو واجبها أولی حتی یتم الاستدلال علی جواز الاقتصار علی الفاتحة. (التحریرالمختار: ۱/۶۶،سعید).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها أنه ليس له ترک صلاة الجماعة لأنها من الشعائر فهی آکد من سنة الفجر ولذا يترکها لوخاف فوت الجماعة . (ردالمحتار:۲/۱۵،سعید).

حاشية الطحطاوی میں ہے:

قوله: إلا سنة الفجر إذا أمن فوت الجماعة إنما خصت سنة الفجر لأن لها فضيلة عظيمة قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم:"رکعتا الفجرخير من الدنيا وما فيها وروی صلوهما وإن طردتم الخيل أو أن فيها الرغائب ولکن لماکانت للجماعة فضيلة أيضاً يعمل بها بقدرالإمکان عند التعارض فإن خشی فوت الجماعة دخل مع الإمام لأنه لما تعذر إحرازهما يحرز أفضلهما وهوالجماعة لأنه إن ورد الوعد فی سنة الفجر لم يرد الوعيد بترکها وقد ورد الوعد والوعيد فی الجماعة فعنه صلی اللّٰه عليه وسلم يد اللّٰه مع الجماعة من شذ شذ فی النار ، وسئل ابن عباسؓ عن رجل يقول بالليل ويصوم بالنهار ولايحضر الجماعة ،قال: هو فی النار وأيضاً الجماعة مکملة ذاتية والسنة مکملة خارجية. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۱۹۰،قديمی).

فتح القدیر میں ہے:

قالوا: أول ما يبدأ به داخل المسجد محرماً کان أولا الطواف لا الصلاة اللهم إلا إن دخل فی وقت منع الناس من الطواف أوکان عليه فائتة مکتوبة أوخاف فوت المکتوبة أوالوتراوسنة راتبة اوفوت الجماعة فی المکتوبة فيقوم کل ذلک علی الطواف ثم يطوف.

(فتح القدير: ۲/۴۴۸،دارالفکر).

البتہ فتاویٰ حقانیہ میں یہ مرقوم ہے کہ وضو کی سنن کی تکمیل کرے اگرچہ جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

شریعتِ مقدسہ میں اسباغِ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض،سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے، اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سنن وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہوجائے۔ (فتاویٰ حقانیہ:۲/۵۱۲)۔

یہ فتویٰ دراصل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے منقول ہے۔ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سنن وضو کا پورا کرنا ضروری ہے اگر چہ جماعت ختم ہو جائے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند کبیر: ۱/۱۰۲)۔

لیکن اس مسئلہ کا صریح جزئیہ کتبِ احناف میں دستیاب نہیں ہوا، ہاں کتبِ شافعیہ میں یہ جزئیہ بصراحت موجود ہے، اور جب کسی مسئلہ کا صریح جزئیہ کتبِ احناف میں موجود نہ ہو اور وہ مسئلہ اصولِ مسلمہ کے خلاف بھی نہ ہو تو ہمارے فقہاء اس جزئیہ پر فتویٰ دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں: " **وقواعدنا لا تأباه** " ۔ اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند درج ذیل ہیں:

(۱) ينبغي أن يكون المسح واجباً في مواضع ...منها إذا خاف فوت الوقوف بعرفة لو غسل رجليه ولم أرمن صرح بهذا من أئمتنا لكني رأيته في كتب الشافعية وقواعدنا لاتأباه. (البحر الرائق: ١/١٦٥، كوئته).

(۲) والموطوئة بشبهة ...ومنه ما في كتب الشافعية إذا أدخلت منياً فرجها ظنته مني زوج أو سيد عليها العدة كالموطوئة بشبهة قال في البحر : و لم أره لأصحابنا والقواعد لاتأباه لأن وجوبها لتعرف براء ة الرحم. (ردالمحتار: ٣/٥١٧، سعيد).

(۳) سئل الخير الرملي عما إذا كانت اللثغة يسيرة . فأجاب بأنه لم يرها لائمتنا، وصرح بها الشافعية بأنه لو كانت يسيرة بأن ياتي بالحرف غير صاف لم توثر، قال : وقواعدنا لاتأباه ، وبمثله أفتى تلميذ الشارح المرحوم الشيخ إسمعيل الحائك مفتي دمشق الشام. (فتاوى الشامي: ١/٥٨٢، سعيد).

(۴) وأما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة وقيل حسنة وقالوا: يكره دوسه لا بوسه ذكره ابن قاسم في حاشيته على شرح المنهاج لابن حجر في بحث الوليمة وقواعدنا لاتأباه . (الدر المختار: ٦/٣٨٤، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو اپنے محلے کی مسجد میں دو رکعت مل سکتی ہو اور دوسری جگہ جو محلّہ کی مسجد نہیں ہے پوری نماز باجماعت مل رہی ہے تو دور جانا چاہیے یا اپنی مسجد ہی میں دو رکعت میں شامل ہو جائے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے۔ کما في الدر: والجماعة سنة

مؤكدة للرجال،قال الزاهدی:أرادوا بالتأكيد الوجوب وقيل واجبة وعليه العامة أی عامة مشائخنا. (الدر المختار ۱/۵۵۲،سعید)

نیز اپنے ہی محلے کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور اس محلے کا حق ہے۔ کما فی الشامی: قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع......لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلی ولو كان وحده لأن له حقاً عليه فيؤديه.(الشامی:۱/۶۵۹،سعید)

اور اگر جماعت کے ساتھ نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں فوت ہوجائے تو دوسری مسجد میں تلاش کرنا ضروری نہیں۔ کما فی بدائع الصنائع: إذا فاتته الجماعة لايجب عليه الطلب فی مسجد آخر. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶،سعید)

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلا کہ اگر اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت سے نماز مل جانے کی امید ہے اگرچہ چند رکعات فوت ہوجائیں تب بھی بہتر یہی ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرے ہاں اگر جماعت کلیۃً فوت ہوچکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت کی نماز ملنے کی امید ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے تو تنہا نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے اور چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ کما فی بدائع الصنائع: إذا فاتته الجماعة فی مسجد حيه فإن أتی مسجداً آخر يرجو إدراك الجماعة فيه فحسن وإن صلی فی مسجد حيه فحسن.(بدائع الصنائع:۱/۱۵۶،سعید)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسجدِ محلّہ کے علاوہ دوسری مسجد قریب ہے اور اس میں جماعت ملنا یقینی ہے تو پھر دوسری مسجد جانا چاہئے تاکہ جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب مل جائے اور دوسری مسجد کا مقامِ صلاۃ قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دیدے، احادیث میں جماعت کی فضیلت وارد ہے اپنی مسجد کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔ ہاں تھیلے میں خروجِ نجاست ناقض وضو ہے لیکن چونکہ یہ آدمی معذور ہے اس کے معدے سے نجاست برابر نکلتی رہتی ہے اس لیے اس کا وضو وقت کے نکلنے سے ٹوٹیگا الا یہ کہ دوسرا ناقض پایا جائے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگر چہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي. (رواه البخاري: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذى والودى ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. (عمدة القاري: ۳/۱۳۰، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث، ملتان)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم:

سوال: کیا عورتیں تنہا جماعت بنا کر نماز پڑھ سکتی ہیں؟

الجواب: عورتوں کا انفراداً نماز پڑھنا افضل ہے جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لیکن آج کل ضرورت کی وجہ سے مثلا حافظہ کو قرآن یاد رکھنا ہے تو گھر کی عورتیں یا چند عورتیں یا حافظات جمع ہوکر جماعت کریں تو بلا کراہت جائز ہونا چاہئے، ہاں فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔

کراہت والے قول کے دلائل ملاحظہ ہوں: فتاویٰ شامی میں ہے:

ذکر الزیلعی أنها تخالف الرجل فی عشر، وقد زدت أکثر من ضعفها:......وتکره جماعتهن. (شامی:۱/۵۰۴، سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

المرأة تخالف الرجل فی مسائل منها......وتکره جماعتهن. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۹، فی بیان سننهاقدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

إن المرأة تخالف الرجل فی عشر خصال......وتکره جماعتهن. (البحرالرائق:۱/۳۲۱، کوئٹة)

درمختار میں ہے:

و یکره تحریما جماعة النساء ولو التراویح. (شامی ۱/۵٦۵ باب الامامة)

عالمگیری میں ہے:

ویکره إمامة المرأة للنساء فی الصلوات کلها من الفرائض والنوافل إلا فی صلاة الجنازة وکذا فی النهایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۵)

شرح عنایہ میں ہے:

(ویکره للنساء أن یصلین جماعة لأنهن فی ذلک لا یخلون عن ارتکاب محرم)أی مکروه لأن إمامتهن إما أن تتقدم علی القوم أوتقف وسطهن وفی الأول زیادة الکشف و هی مکروهة، وفی الثانی ترک الإمام مقامه وهومکروه، والجماعة سنة وترک ما هوسنة أولی من ارتکاب مکروه.وفی أن الأفضل بکل من النساء والعراة أن یصلی وحده . (شرح عنایة علی الهدایة:۱/۳۵۲ ،باب الامامة علی هامش فتح القدیر۔و کذا فی فتح القدیر:۱/۳۵۲ ،باب الامامة)

البحر الرائق میں ہے:

وکره جماعة النساء لأنها لاتخلوعن ارتکاب محرم وهو قیام الإمام وسط الصف

فیکرہ کالعراۃ کذا فی الهدایة وهویدل علی أنها کراهة تحریم لأن التقدم واجب علی الإمام للمواظبة من النبی ﷺ وترک الواجب موجب لکراهة التحریم المقتضیة للاثم.

(البحرالرائق:۱/ ۳۵۱،باب الامامة،کوئتة)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں،عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگر چہ تراویح ہو۔

مالابدمنہ میں ہے:

جماعتِ زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہؒ مکروہ است ونزد دیگر ائمہ جائز است۔(فتاوی رحیمیہ:۴/ ۳۹۸)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نمازِ تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔بحوالہ شامی،(فتاوی رحیمیہ:۱/ ۳۴۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/ ۱۱۵،مجددیہ)

بلا کراہت جائز کہنے والوں کے دلائل:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

(۱) **حدثنا سفیان بن عیینة ،عن عمار الدهنی، عن امرأة من قومه اسمها حجیرة قالت:أمتنا أم سلمة**رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**قائمةً وسط النساء.**

(۲)**حدثنا علی بن مسهر،عن سعید عن قتادة،عن أم الحسن:أنها رأت أم سلمة**رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **زوج النبی**ﷺ **تؤم النساء: تقوم معهن فی صفهن.**

(۳)**حدثنا علی بن هاشم،عن ابن أبی لیلی ،عن عطاء،عن عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها : **أنها کانت تؤم النساء: تقوم معهن فی الصف.**

(۴)**حدثنا هشیم قال:أخبرنا یونس،عن الحسن و مغیرة،عن إبراهیم وحصین،عن**

الشعبی قال :تؤم المرأة النساء فی صلاة رمضان :تقوم معهن فی صفهن.

(۵)حدثنا ابن نمیر، عن حریث، عن حمید بن عبد الرحمن أنه قال: لابأس أن تؤم المرأة النساء:تقوم معهن فی الصف. (مصنف ابن أبی شیبة:۳/ ۵۶۹،۵۷۰،المجلس العلمی)

نیز محقق ابن ہمامؒ نے بھی بلا کراہت جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولکن یبقی الکلام بعد هذا فی تعیین الناسخ،إذ لابد فی إدعاء النسخ منه، ولم یتحقق فی النسخ إلاماذکر بعضهم من إمکان کونه ما فی أبی داؤد وصحیح ابن خزیمة، صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها، وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها یعنی الخزانة التی تکون فی البیت. وروی ابن خزیمة عنهﷺ:إن أحب صلاة المرأة إلی الله فی أشد مکان فی بیتها ظلمة،وفی حدیث له ولابن حبان:وأقرب ما تکون من وجه ربها وهی فی قعربیتها،ومعلوم أن المخدع لایسع الجماعة، وکذا قعربیتها وأشده ظلمة ولایخفی ما فیه، وبتقدیر التسلیم فإنما یفید نسخ السنیة، وهو لایستلزم ثبوت کراهة التحریم فی الفعل بل التنزیه ومرجعها إلی خلاف الأولی، ولاعلینا أن نذهب إلی ذلک فإن المقصود اتباع الحق حیث کان. (فتح القدیر:۱/ ۳۵۴،دار الفکر)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے مجموعۃ الفتاوی میں بلا کراہت جواز تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے،مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہاء نے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایۃ کے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اخبار وآثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہے جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں،محمد بن حسنؒ نے کتاب الآثار میں لکھا ہے:أخبرنا أبوحنیفة نا حماد عن ابراهیم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أنها کانت تؤم النساء فی شهر رمضان فتقوم وسطهن. خبر دی ہم کو ابوحنیفہؒ نے ان کو حماد نے بروایت ابراہیمؒ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں اور ابن حجر عسقلانیؒ تخریج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں:أخرج ابن أبی شیبةؒ ثم الحاکم من طریق أبی لیلی عن عطاء عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أنها کانت تؤم النساء فتقوم معهن فی الصف وأخرج الشافعی

وابن أبی شیبة وعبد الرزاق عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنہا أمت النساء فقامت وسطہن. ابن ابی شیبہؒ اورحاکمؒ نے بسند حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اوران کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہؒ اور عبدالرزاقؒ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عورتوں کی امامت کی اور درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور مستدرک حاکم میں مروی ہے: إن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تؤذن وتقیم وتؤم النساء فتقوم وسطہن. حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذان دیتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اس کو علامہ عینیؒ نے بنایہ میں بیان کیا ہے، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جوعورتوں کی امام ہوتو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہوسکتی ہے تو اس کو قراءت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہوسکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ کہ عورتوں کے حق میں اور اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی ہونی چاہئے میں نے اپنے رسالہ ''تحفة النبلاء فیما یتعلق بجماعة النساء'' میں کی ہے جو چاہے مطالعہ کرلے۔ (مجموعۃ الفتاوی: ۲۶۸، میر محمد کتب خانہ)

مزید ملاحظہ ہو: البنایۃ فی شرح الھدایۃ: ۱/ ۲۵، باب الامامۃ فیصل آباد۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم:

سوال: قرآن اورسنت کی روشنی میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قرآن اورسنت کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو گھر میں بلکہ گھر کے کونے میں نماز پڑھنا افضل ہے، مساجد جانا جب کہ زمانہ پُرفتن ہے اور فحاشیاں عام ہیں پردہ نشین خواتین کے لئے زیبا نہیں نیز شریعت مطہرہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات (جو کہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ یعنی گھر میں قرار سے رہو، لہٰذا دوسری خواتین کو کہاں لائق ہے کہ مساجد میں نماز کے لئے جائیں جب کہ وہاں مردوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔

نیز احادیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عورتوں کے حق میں بھی یہی ہیں کہ گھر کے کونے میں نماز پڑھیں یہ شریعت کا منشاء ہے اور آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کو پسند فرمایا ہے، اسی میں آپ ﷺ کی سنت کی اقتداء ہے اور اتباعِ سنت میں کامیابی ہے جیسا کہ حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ نے آپ ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا اور پوری زندگی گھر میں نماز پڑھی۔

(۲) ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) **عن أم سلمة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج.** رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن مهاجر. (مجمع الزوائد: ۲/ ۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دار الفکر)

(۲) **عن ابن مسعود ﷺ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشیطان.** رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله رجال الصحیح. (مجمع الزوائد: ۲/ ۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دار الفکر)

(۳) ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود ﷺ عن النبی ﷺ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها. و فی هامشه: مخدعها هو البیت الصغیر الذی یکون فی داخل البیت، وقال السندی: هو البیت الذی یخبأ فیه خیر المتاع وهو الخزانة داخل البیت). (رواه أبو داؤد: ۱/ ۸٤ باب التسدید فی ذلک)

(۴) **عن أم حمید** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **امرأة أبی حمید الساعدی ﷺ عن النبی ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنک تحبین الصلاة معی وصلاتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک وصلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی. فأمرت، فبنی لها مسجد فی أقصی شیء من بیتها وأظلمه، فکانت تصلی فیه حتی**

لقيت الله عزوجل. إسناده حسن۔ (صحيح ابن خزيمة: ٢/٨١٥/١٦٨٩، المكتب الاسلامى۔ورواه الامام أحمد۔وابن حبان، كذا فى كنز العمال:٧/٦٧٦)

(۵) صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها **زوج النبى ﷺ قال: خيرمساجد النساء قعربيوتهن**. إسناده حسن. (صحيح ابن خزيمة:٢/٨١٣/١٦٨٣، المكتب الاسلامى)

(٦) عن عبد الله رضی اللہ عنہ **عن النبى ﷺ قال: إن المرأة عورة،فإذاخرجت استشرفهاالشيطان وأقرب ما تكون من وجه ربها وهى فى قعربيتها**. إسناده صحيح۔(صحيح ابن خزيمة: ٢/٨١٣/١٦٨٥،المكتب الاسلامى)

(۷) عن عبد الله رضی اللہ عنہ **عن النبى ﷺ قال:"إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله فى أشد مكان فى بيتها ظلمة**. قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبيرورجاله موثوقون وإسناده حسن. (صحيح ابن خزيمة:٢/٨١٦/١٦٩١، باب اختيار صلاة المرأة فى أشد مكان من بيتها ظلمة،المكتب الاسلامى)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منشاء بھی یہی تھا کہ فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا چاہئے، چنانچہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے آج کل عورتوں نے کیا نئی چیزیں شروع کردی ہیں تو ضرور منع فرماتے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمرة قالت: سمعت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها **تقول: لورای رسول الله ﷺ ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بنى إسرائيل، فقلت ما هذه؟أومنعت نساء بنى إسرائيل؟قالت: نعم**. (صحيح ابن خزيمه:٢/٨١٨/١٦٩٨،المكتب الاسلامى۔ورواه البخارى:١/١٢٠۔ والمسلم:١/١٨٣)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ملاحظہ ہو:

باب اختيارصلاة المرأة فى حجرتها على صلاتهافى دارها وصلاتها فى مسجد قومها على صلاتها فى مسجد النبى ﷺ وإن كانت صلاة فى مسجد النبى ﷺ تعدل ألف صلاة فى

غیرها من المساجد، والدلیل علی أن قول النبی ﷺ: صلاة فی مسجدی هذا أفضل من ألف صلاة فیما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبرنا أبوطاهر......عن عبد الله بن سوید الأنصاری عن عمته امرأة ابن حمید الساعدی أنها جاء ت النبی ﷺ فقالت: یا رسول الله إنی أحب الصلاة معک فقال......الخ کما مر. (رواه ابن خزیمة: ۲/۸۱۵/۱۶۷۹، وإسناده حسن، المکتب الاسلامی)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"صلاة المرأة تفضل علی صلا تها فی الجمع خمساً وعشرین درجةً. (الفردوس بمأثور الخطاب: ۲/۳۸۹/۳۸۲۶، عن ابن عمر، دارالکتب العلمیة)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ زمانہ نبوی میں تو عورتیں مساجد میں جایا کرتی تھیں پھر موجودہ دور میں روکنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: یقیناً دورِ نبوی میں عورتیں مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے جایا کرتی تھیں، لیکن موجودہ دور میں چند وجوہات کی بنا پر روکا جاتا ہے:

(۱) دورِ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا مسجد نبوی تعلیمِ دین کا مرکز تھی اوراحکام اسلام بتدریج نازل ہوتے تھے اور جس طرح احکام نازل ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیان فرماتے اور صحابہ ان کو عمل میں لاتے، جس طرح مرد مکلّف ہیں اسی طرح عورتیں بھی مکلّف ہیں لہذا ان کو بھی احکامِ اسلام جاننے کی ضرورت تھی اس وجہ سے نماز میں شامل ہوتیں تاکہ جو نئے احکام نازل ہوں وہ آپ کی زبانی سنیں اور عمل میں لائیں اور امت کی دیگر آنے والی خواتین تک پہنچائیں، چنانچہ اسی طرح ہوا کہ صحابیات اور ازواجِ مطہرات کے ذریعہ دین کا بڑا حصہ امت تک پہنچا جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

لہذا یہ مقصدِ عظیم پوشیدہ تھا، اس زمانہ میں تعلیم وتبلیغ گھر گھر ہورہی ہے اور وسائل بھی بے شمار مہیا ہوچکے ہیں اب خواتین کو مسجد تک جانے اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) زمانہ نبوی خیر القرون کا زمانہ تھا افشاءِ شر سے اطمینان تھا، فتنہ وفساد کا سدِ باب تھا اس وقت مسجد میں جانا

پرامن تھا کسی خطرہ کا اندیشہ نہ تھالہذا دورِنبوی کو موجودہ دور پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟
جب کہ روزانہ نئے نئے فتنے سر اٹھارہے ہیں عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے افشاءِ شر کے وسائل زیادہ ہیں خیر کی امیدیں کم ہیں فساق وفجار کا غلبہ زیادہ ہے، نیز عورتوں کے فیشن دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں، ایسے دور میں مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے کہ کیا کیا ایجاد کیا ہے تو ضرور منع فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ بھی دورِنبوی سے قریب کا تھا اگر اس زمانہ کا حال ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوجائے تو ایک سیکنڈ کی اجازت گوارہ نہ فرمائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ زمانہ جاہلیت پلٹ کر آرہا ہے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔

(۳) زمانہ نبوی میں صحابیات مساجد میں جاتی تھیں وہ بہت اہتمام کے ساتھ جایا کرتی تھیں اور ہر جگہ پر ان کی رہنمائی ہوتی تھی مثلاً:

(۱) پردہ کا کافی لحاظ ہوتا تھا روایت میں آتا ہے کہ سوتی موٹی چادریں اس طرح لپیٹ لیتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے نظر آتی تھی اور پورا جسم موٹی چادر میں پوشیدہ ہوتا تھا اور موجودہ دور کی خواتین کا پردہ ایک تزیین ہے۔

(۲) بناؤ سنگار کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی بلکہ میلی کچیلی مسجد جایا کرتی تھیں۔
ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: وليخرجن إذاخرجن تفلات، إسناده حسن. (صحیح ابن خزيمة: ۲/۸۱۱/۱۶۷۹، باب الأمر بخروج النساء الی المساجد تفلات، المكتب الاسلامی)

خوشبو لگا کر جانا ممنوع تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن زينب امرأة عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إذا شهدت أحداكن المسجد فلا تمس طيبا". (۲/۸۱۱/۱۶۸۰)

وعن أبی موسى الأشعری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "أيما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا ريحها فهی زانية، وكل عين زانية" إسناده حسن۔ (۲/۸۱۲/۱۶۸۱)

اس روایت میں ہے کہ اگر عورت عطر لگا کر باہر نکلی اور کسی اجنبی مرد کو خوشبو پہنچی تو وہ عورت زانیہ ہے۔ کتنی سخت وعید

ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عورت عطر لگا کر مسجد جائے تو نماز ہی نہ ہوگی۔ملاحظہ ہو:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال مرت بأبی هریرة رضی اللہ عنہ امرأة وريحها تعصف،فقال لها:إلى أين تريدين ياأمة الجبارقالت:إلى المسجد،قال:تطيبت؟قالت:نعم قال:فارجعی فاغتسلی فإنی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول:"لا يقبل الله من امرأة صلاة خرجت إلى المسجد وريحها تعصف حتى ترجع فتغسل"إسناده حسن.(صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۲/۱٦۸۲،المكتب الاسلامی)

(۴)اختلاط سے روکا گیا تھا،مردوں کو حکم تھا کہ نماز کے بعد کچھ انتظار کرلیں تاکہ عورتیں نکل جائیں اس کے بعد مرد نکلیں تاکہ راستہ میں اختلاط نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا سلم يمكث فی مكانه يسيراً قال ابن شهاب: فنرى والله أعلم لكی ينفذ من ينصرف من النساء.(رواه البخاری:۱/۱۱۷/۸٤۱)

(۳)فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاوی:

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة والمخالفة لقوله صلی اللہ علیہ وسلم:"صلاة المرأة فی بيتها أفضل فی صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بيتها" فالأفضل لها ما كان أسترلها لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلاصلاة الجنازة...... قوله(والمخالفة)أی مخالفة الأمرلأن الله تعالیٰ أمرهن بالقرارفی البيوت فقال تعالى:﴿وقرن فی بيوتكن﴾ الاحزاب۳۳.وقال صلی اللہ علیہ وسلم:"بيوتهن خيرلهن لوكن يعلمن". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:۱/۳۰٤،فصل فی بيان الاحق بالامامة،قديمی كتب خانه)

امداد الفتاح میں ہے:

ولايحضرن الجماعات مطلقاً فی كل الأوقات والعجوزكالشابة فی المنع من حضورالجمع والأعياد وغيرها،لأنها ممنوعة عن البروزولذلك كانت صلاتها فی جوف بيتها أفضل من صلاتها فی صحن دارها.(امداد الفتاح:۳٤٥ بيان من تكره امامتهم،بيروت)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

أما فی زماننا فالمفتى به منع الكل فی الكل حتى فی الوعظ ونحوه(قوله لفساد

الزمان) و لذا قالت عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنہا **للنساء حین شکون إلیها من عمر** رضی اللہ عنہ **لنهیه لهن عن الخروج إلی المساجد: لوعلم النبی** ﷺ **ما علم عمر** رضی اللہ عنہ **ما أذن لکن فی الخروج، قهستانی.** (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲٤٥، باب الامامة، کوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

والفتوی الیوم علی الکراهة فی کل الصلوات لظهور الفساد، کذا فی الکافی، وهو المختار کذا فی التبیین. (فتاوی عالمگیری: ۱/۸۹ الباب الخامس فی الامامة، الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والماموم)

شامی میں ہے:

(قوله علی المذهب المفتی به) أی مذهب المتأخرین، قال فی البحر: وقد یقال هذه الفتوی التی اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبیه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقاً اتفاقاً، وأما العجوز فلها حضور الجماعة إلافی الظهر والعصر والجمعة أی و عندهما مطلقاً، فالإفتاء بمنع العجائز فی الکل مخالف للکل، فالاعتماد علی مذهب الإمام قال فی النهر: وفیه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام وذلک أنه إنما منعها لقیام الحامل وهو فرط الشهوة بناء علی أن الفسقة لاینشرون فی المغرب لأنهم بالطعام مشغولون و فی الفجر والعشاء نائمون، فإذا فرض انتشارهم فی هذه الأوقات لغلبة فسقهم کما فی زماننا بل تحریهم إیاها کان المنع فیها أظهر من الظهر. نهر. (شامی: ۱/٥٦٦، باب الامامة، سعید کمپنی)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قول الشارح: واستثنی الکمال بحثا العجائز) لکن من أطلق قال لکل ساقطة لاقطة، وإذا کانت الفساق تتبع البهائم والموتی فی القبور فلان تتبع العجائز المتفانیة أولی، فکل من تکلم علی حسب حاله وما یشاهد فی أهل عصره ومن اتسع إطلاعه منع الکل وهو الصواب ویشهد له حدیث عائشةرضی اللّٰه تعالیٰ عنها**حیث قالت: "لو رأی رسول الله** ﷺ **ما أحدث النساء لمنعهن المساجد" ولم یفصل. رحمتی.** (التحریر المختار: ۱/۷۲، باب الامامة، سعید کمپنی)

فتح القدیر میں ہے:

لایقال: هذا حینئذ نسخ بالتعلیل. لأنا نقول: المنع یثبت حینئذ بالعمومات المانعة من التفتین، أوهومن باب الإطلاق بشرط فیزول بزواله کانتهاء الحکم بانتهاء علته، وقد قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **فی الصحیح: "لوأن رسول الله ﷺ رأی ما أحدث النساء بعده لمنعهن"... بل عمم المتأخرون المنع للعجائزوالشواب فی الصلوات کلهالغلبة الفساد فی سائرالأوقات.** (فتح القدیر: ۱/۳٦٥، باب الامامة، دارالفکر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی کراهة حضورهن فی الصلوات کلها لظهورالفساد. (عنایه علی هامش فتح القدیر: ۱/۳٦٦، دار الفکر)

جوہرہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهورالفسق فی هذا الزمان. (الجوهرة النیرة: ۷۲، باب صفة الصلاة، مکتبه امدادیه ملتان)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

والمختارفی زماننا أن لایجوزشیء من ذلک لفساد الزمان والتظاهربالفواحش.

(الاختیارلتعلیل المختار: ۵۹، دارالدعوة استنبول)

مجمع الانہر میں ہے:

الأحکام قد تختلف باختلاف الزمان، ألایری أن النساء کن یخرجن إلی الجماعات فی زمانه علیه الصلوة والسلام وزمان أبی بکرالصدیق رضی اللہ عنہ **حتی منعهن عمر** رضی اللہ عنہ **واستقر الأمرعلیه وکان ذلک هوالصواب کما فی التبیین.** (مجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ۲/۳۸٤، باب الاجرة الفاسدة تحت کتاب الاجارة، احیاء التراث العربی)

بدائع الصنائع میں ہے:

أماالنساء فلأن خروجهن إلی الجماعات فتنة. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۱/۱۵۵/فصل فی بیان من تجب علیه الجماعة، سعید)

مبسوط میں ہے:

إن العجوزإذاكان لايشتهيها شاب يشتهيها شيخ مثلها وربما يحمل فرط السبق الشاب على أن يشتهيها...... كما فى زماننا فلهذه العلة منعت فى الصلوات كلها. (المبسوط للسرخسي:۲/۴۱،باب صلاة العيدين،ادارة القرآن كراچی)

علامہ عینیؒ نے بھی فتنہ وفساد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ملاحظہ ہوعمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

قال أصحابنا: لأن فى خروجهن خوف الفتنة وهوسبب للحرام،وما يفضى إلى الحرام فهوحرام،فعلى هذا قولهم:يكره مرادهم يحرم،لاسيما فى هذا الزمان لشيوع الفساد فى أهله. (عمدة القارى:۴/۶۴۶،باب خروج النساء الى المساجد)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قلت: لوشاهدت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها **ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات لكانت أشد انكاراً، ولاسيما نساء مصر،فإن فيهن بدعاً لاتوصف ومنكرات لاتمنع،منها ثيابهن من أنواع الحريرالمنسوجة أطرافها من الذهب والمرصعة باللآلى وأنواع الجواهر،وماعلى رؤوسهن من الأقراص المذهبة المرصعة والجواهر الثمنية،والمناديل الحريرالمنسوج بالذهب والفضة الممدودة، وقمصانهن من أنواع الحريرالواسعة الأكمام جداً،السابلة أذيالهاعلى الأرض مقدارأذرع كثيرة بحيث يمكن أن يجعل من قميص واحد ثلاثة قمصان وأكثر.ومنها:مشيهن فى الأسواق فى ثياب فاخرة وهن متبخرات متعطرات مائلات متبخترات متزاحمات مع الرجال مكشوفات الوجوه فى غالب الأوقات.ومنها:ركوبهن على الحميرالغرة وأكمامهن سابلة من الجانبين فى ازر رفيعة جداً.ومنها:غلبتهن على الرجال وقهرهن إياهم وحكمهن عليهم بأمورشديدة،ومنهن نساء يبعن المنكرات بالاجهار، ويخالط الرجال فيها،ومنهن قوادات يفسدن الرجال والنساء ويمشين بينهن بما لايرض به الشرع،ومنهن:صنف بغايا قاعدات متوصلات للفساد،ومنهن صنف دائرات على أرجلهن يصطدن الرجال......و منهن:مغنيات تغنين بأنواع الملاهى بالأجرة للرجال والنساء،ومنهن:صنف خطابات يخطبن للرجال نساء لها**

أزواج بفتن يوقعنها بينهم،وغير ذلك من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشرعية،فانظر إلى ما قالت الصديقةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا**من قولها: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء،وليس بين هذا القول و بين وفاة النبيﷺ إلامدة يسيرة،على أن نساء ذلك الزمان ماأحدثن جزأ من ألف جزء مما أحدثت نساء هذا الزمان.** (عمدة القاری:۴/۶۴۹/۸۶۹،باب انتظار الناس قیام الامام العالم تحت ابواب صفة الصلاة،دارالحدیث ملتان)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

ووجه كون صلاتها في الإخفاء أفضل تحقق الأمن فيه من الفتنة،ويتأكد ذلك بعد وجود ما أحدث النساء من التبرج والزينة، ومن ثم قالت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **ما قالت.**

(فتح الباری:۲/۳۵۰/۸۶۹،باب انتظار الناس قیام الامام،دارنشر الکتب الاسلامیة لاهور)

اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے:

فتح الملهم میں ہے:

وبالنظر إلى التعليل المذكور منعت غير المزنية أيضاً لغلبه الفساق وليلا وإن كان النص يبيحه لأن الفساق في زماننا أكثر انتشارهم و تعرضهم بالليل وعلى هذا ينبغي على قول أبي حنيفةؒ تفريع منع العجائز ليلا أيضاً،بخلاف الصبح فإن الغالب نومهم في وقته، بل عمم المتأخرون المنع للعجائز والشواب في الصلوات كلها لغلبة الفساد في سائر الأوقات. (فتح الملهم:۳/۵۲۶،باب خروج النساء الی المساجد)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الفتوى في زماننا على أنهن لايخرجن، وإن كن عجائز إلى الجماعات،لافي الليل ولافي النهار، لغلبة الفتنة والفساد وقرب يوم المعاد.

قال مفتي الثقلين: الفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات،ومتى كره حضورهن المساجد للصلاة فلأن يكره حضورهن في مجلس الوعظ أولى،انتهى.

و في النهاية: الجملة في هذه المسئلة أن النساء كان يباح لهن الخروج إلى الصلاة ثم منعن بعد ذلك لما صار خروجهن سبباً للفتنة.

و فی الکفایة: والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلوات کلها لظهور الفساد، فمتی کره حضورهن المساجد لأن یکره مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی، کذا فی مبسوط فخر الإسلام، انتهی.

وقال بحر العلوم مولانا عبد الحی فی ''رسائل الأرکان'' بعد تطویل الکلام فی إفتاء منعهن عن الخروج إلی المساجد: وإنما أطنبنا الکلام لما کان یزعم البعض أنهم أبطلوا النص بالتعلیل، وقالوا: إن الحاکم هو اللّٰه تعالی، وکان عالماً بما أحدثته النساء، فلا یظهر لقول أم المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا وجه. ولیس الأمر کما زعموا، وکون الحاکم هو اللّٰه تعالیٰ مسلم، وعلمه بما أحدثته النساء کان متحققاً أیضاً، لکنا نقول: إن حکم اللّٰه تعالیٰ علی لسان رسوله ﷺ بعدم المنع عن خروجهن للمساجد کان مؤقتاً إلی عدم احتمال الفتنة، فانتفی بانتفائه، ومقصود أم المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا لو کانت النساء أحدثن فی الزمان الشریف ما أحدثنه الآن لما حکم رسول اللّٰه ﷺ بالخروج، لانتفاء ما أناط اللّٰه الحکم به، انتهی.

وقال الزیلعی فی ''تبیین الحقائق فی شرح کنز الدقائق'' ولا ینکر تغییر الأحکام بتغییر الزمان، کغلق المساجد یجوز فی زماننا، انتهی. (فتاوی اللکنوی: ص ۳۱٤ـ۳۱۷ ما یتعلق بالجماعة، بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع و مکروہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی میں یہ ممنوع ہو چکا تھا، کما ورد فی الحدیث. (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۴۹، باب الجماعة، مدلل ومکمل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے''۔ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۴۷۴، باب الجماعة، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔بحوالہ ردالمحتار (احسن الفتاوی:۳/۲۸۳، باب الامامۃ و الجماعۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۱۱۵، کتاب الصلوۃ)

فتاوی بینات میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جب عورتوں کا داخلہ مسجد میں بند کیا اور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پسند کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فاروقی فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھتے جو اب عورتوں میں نظر آتی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے۔صحیح بخاری۔(فتاوی بینات:۲/۳۲۷، کتاب الصلوۃ، مکتبہ بینات)

درس ترمذی میں ہے:

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتداءِ اسلام میں دشمنانِ اسلام کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور یہ علت اب باقی نہیں رہی، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جبکہ امن کا دور تھا اب جبکہ دونوں علتیں ختم ہو چکی ہیں لہذا اجازت نہ ہونی چاہئے۔چنانچہ علماء متاخرین کا فتوی اسی پر ہے کہ اس زمانہ میں ان کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں۔(درس ترمذی:۲/۳۲۱، باب فی خروج النساء فی العیدین)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت زمانہ چونکہ شر وفساد سے خالی تھا، ادھر عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے عورتوں کو مساجد میں حاضری کی اجازت تھی اور اس میں یہ قیود تھیں کہ باپردہ جائیں، میلی کچیلی جائیں، زینت اختیار نہ کریں اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں......لیکن جن قیود وشرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی جب عورتوں نے ان قیود وشرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے

گی۔اس بناء پر فقہائے امت نے جو درحقیقت حکمائے امت ہیں عورتوں کی مساجد میں حاضری کو مکروہ قرار دیا۔
(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۲/۲،عورتوں کی نماز کے چند مسائل،مکتبہ لدھیانوی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: آج کل عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کے لئے نہ آئیں۔البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً خوف وغیرہ تو آسکتی ہے، نیز طواف اور زیارتِ روضۂ مبارک کے لئے آنا درست ہے اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہیں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، عام حالات میں کمرے میں ہی نماز پڑھنا افضل ہے احادیث سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۴) **عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **عن النبي ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي. فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل.** إسناده حسن۔ (صحيح ابن خزيمة: ٢/٨١٥/١٦٨٩، المكتب الاسلامي۔ورواه الامام أحمد ۔ وابن حبان ۔ كذا في كنز العمال:٧/٦٧٦)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلاة المرأة في حجرتها على صلاتها في دارها وصلاتها في مسجد قومها على صلاتها في مسجد النبي ﷺ وإن كانت صلاة في مسجد النبي ﷺ تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبي ﷺ: صلاة في مسجدي هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبـرنا أبوطاهر......عن عبد الله بن سويد الأنصاری عن عمته امرأة ابن حميد الساعدی أنها جاء ت النبی ﷺ فـقالت:يا رسول الله إنی أحب الصلاة معک فقال...... الخ كما مر. (رواه ابن خزيمة:۲/۸۱۵/۱۶۷۹، واسناده حسن ،المكتب الاسلامی)

احسن الفتاوی میں ہے:

مکہ مکرمہ میں عورت کوگھر میں نماز پڑھنے پروہی اجر ملے گا جومردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے۔

نیز مذکور ہے: مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم،عذاب اورنفاق سے بشارت صرف مردوں کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مخصوص ہے،عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔(احسن الفتاوی:۳/۴۴،باب صفۃ الصلاۃ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل سوم

جماعتِ ثانیہ کے احکام

مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم:

سوال: مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی حدود میں جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر ہوں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولیٰ پر مکروہ تحریمی ہے اور اگر ہیئت بدل دی جائے یعنی بغیر اذان کے اور محراب یا محاذاتِ محراب سے ہٹ کر ہو تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ کمرہ یا مدرسہ وغیرہ ہو تو اس میں جماعتِ ثانیہ کرلی جائے، نیز جماعتِ اولیٰ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے، جماعتِ ثانیہ کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے اس سے جماعتِ اولیٰ کی وقعت اور عظمت دلوں سے ختم ہوجاتی ہے، البتہ اگر مسجدِ طریق ہے یا جس مسجد کا امام ومؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں جماعتِ ثانیہ بلاکراہت جائز ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

و يكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة في مسجد محلة لافي مسجد طريق أومسجد لا إمام له ولامؤذن......وفي الشامية:(قوله و يكره)أي تحريما لقول الكافي لايجوز، و المجمع لايباح.وشرح الجامع الصغيرأنه بدعة كمافي رسالة السندي(قوله بأذان و إقامة) عبارته في الخزائن:جمع مما هنا و نصبها:يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه أولاغيرأهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان،ولوكررأهله بدونهما أوكان مسجد طريق جازإجماعاً، كما في مسجد ليس له إمام ولامؤذن ويصلي الناس فيه

فوجاً فوجاً...... .(شامی:۱/۵۵۲،باب الامامة،سعید)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان،أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعاً وكذا في مسجد قارعة الطريق كذا في شرح المجمع للمصنف.(فتاوى هندية:۱/۸۳،الفصل الاول في الجماعة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإذا لم يكن للمسجد إمام ومؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه بأذان وإقامة عندنا وعن أبي حنيفةؒ لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسفؒ إذا لم تكن على الهيئة الأولى لايكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازي. (شرح منية المصلى:٦١٤،فصل فى أحكام المسجد الثالث فى مسائل متفرقة تتعلق بالمسجد،سهيل اكيڈمی لاهور) **مزید ملاحظہ ہو:** (البحر الرائق:۱/۳٤٦، باب الامامة۔منحة الخالق حاشية البحر الرائق:۱/۳٤٦،باب الامامة،الماجديه كوئٹه)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر ہر روز کے مقررہ امام ومقتدیوں نے اذان و جماعت وقتِ مقرر پر کی ہے تو اب اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک روایت میں مکروہ نہ ہوگی،مگر ظاہر الروایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے،البتہ تبدیلِ ہیئت اور بلا تبدیلِ ہیئت میں تنزیہی وتحریمی کا فرق ہوجائے گا۔

(فتاوی محمودیہ:۶/۴۳۵،باب الجماعۃ،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۲۶،باب الجماعۃ)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۳۲۲،مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم،فتاوی رحیمیہ:۳/۲۷،کفایۃ المفتی:۳/۱۳۴)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: محلّہ کی مسجد میں چند آدمی جماعت ہوجانے کے بعد پہنچے،اگر وہ لوگ مسجد کے صحن میں نماز پڑھیں تو جماعت کے ساتھ پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے اور ہیئت بدل دی جائے تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، اس کی وجہ یہ کہ اگر تکرارِ جماعت کی عام اجازت دیدی جائے تو پھر جماعتِ اولیٰ کی اہمیت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، ہاں مسجد کے صحن (جو مسجد سے خارج ہو) میں جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔

ملاحظہ ہو شمس الائمۃ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسنؒ قال: كانت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم **إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة، وفي الحديث أن النبي ﷺ خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله ﷺ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا.** (المبسوط للسرخسي: ١/١٣٥، باب الاذان)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ١/٥٥٢ باب الامامة، والفتاوی الهندية: ١/٨٣ الفصل الاول في الجماعة، ومنحة الخالق حاشية البحر الرائق: ١/٣٤٦ باب الامامة الماجدیه، کوئٹه)

امداد الاحکام میں ہے:

مسجدِ محلّہ جس میں امام ومؤذن مقرر ہیں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے مگر ہیئت کے تغیر کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے قول پر گنجائش ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لئے اس پر فتویٰ نہیں دیا، بلکہ مسجدِ محلّہ میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں مطلقاً کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/۴۹۷)

اسلامی فقہ میں ہے:

جس کسی مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اسی میں اگر جماعت ختم ہوجائے اور جماعت کے بعد اسی مسجد کے نمازیوں میں سے دو تین نمازی آجائیں تو ان کو دوبارہ جماعت نہ کرنی چاہئے بلکہ الگ الگ نماز پڑھنی چاہئے، البتہ اگر جہاں جماعت ہوچکی ہو تو اس سے ذرا ہٹ کر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (اسلامی فقہ: ۱/۲۴۵)

کفایت المفتی میں ہے:

جماعتِ ثانیہ اگر جماعتِ اولیٰ کی ہیئت پر ہواور ایسی مسجد میں ہو کہ جس میں جماعت معینہ ہوتی ہے مکروہ تحریمی ہےاور اگر بہ تبدیل ہیئت ہوتو مکروہ تنزیہی ہے،اول لفظ ''لا بـــأس'' یا لفظ جواز مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں ۔(کفایت المفتی:۳/۱۴۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فرادی بلا اذان واقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔بحوالہ مبسوط.(فتاوی رحیمیہ: ۳/۲۷،کتاب الصلاۃ)

نیز ملاحظہ ہو:فتاوی محمودیہ۶/۴۳۷باب الجماعۃ،جامعہ فاروقیہ وفتاوی حقانیہ۳/۱۲۶،باب الجماعۃ۔واللہ ﷻ اعلم۔

جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: راستہ کے کنارے پر ایک مسجد ہےاس کے مقتدی اور محلّہ متعین نہیں ہیں لیکن امام متعین ہے تو اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ امام متعین ہے لہذا یہ مسجد محلّہ کی مسجد کے حکم میں ہےاس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے،ہاں مسجد سے ملحقہ کسی کمرہ یا مدرسہ یا باہر کسی جگہ پر جماعت کرنا چاہئے۔اگر امام بھی متعین نہیں تو جائز ہے۔

شمس الائمۃ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسن ؒ قال: كانت الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم **إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة،وفي الحديث أن النبي ﷺ خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف ؓ فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله ﷺ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا.** (المبسوط للسرخسی:۱/۱۳۵،باب الاذان)

شامی میں ہے:

قوله إلافی مسجد علی طريق هوما ليس له إمام ومؤذن راتب.(شامی:۱/ ۳۹۵،سعید)

البحر الرائق کے حاشیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

أقول: ومفاد هذه النقول كراهة التكرارمطلقاً أى ولوبدون أذان وإقامة، وإن معنى قول قاضيخان: المار يصلى بغير أذان وإقامة أنه يصلى منفرداً لابالجماعة بدليل التعليل و الاستدلال بالمروى عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم **ويؤيده قوله فى الظهيرية، وظاهر الرواية أنهم يصلون وحداناً، وتمامه فيه**.(منحة الخالق حاشية البحرالرائق:۱/ ۳٤٦،باب الامامة،کوئٹہ)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذاكان له إمام معلوم وجماعة معلومة فى محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان،أما إذا صلوا بغيرأذان يباح إجماعاً وكذا فى مسجد قارعة الطريق كذا فى شرح المجمع للمصنف.(فتاوی هندية:۱/ ۸۳،الفصل الاول فی الجماعة)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

مسجد قارعۃ الطریق سے مراد یہ ہے کہ اس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں،جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں اس میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور مسجد محلّہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔(فتاوی دارالعلوم:۳/۶۴، باب الجماعۃ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۲۶،باب الجماعۃ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: اگر جماعتِ ثانیہ کرنی ہوتو اس کے لئے اذان واقامت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد سے باہر صحراء میں جماعتِ ثانیہ کرنا ہوتو اذان واقامت کے ساتھ کرنا چاہئے اور اگر محلّہ یا بستی میں ہوتو صرف اقامت پر اکتفا کرلیا کریں لیکن مسجد میں جماعتِ ثانیہ اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولايكره تركهما لمن يصلى فى المصرإذا وجد فى المحلة......وإذا لم يؤذن فى تلك المحلة يكره له تركهما ولوترك الأذان وحده لايكره كذا فى المحيط ولوترك الإقامة يكره كذا فى التمرتاشي،ويكره للمسافرتركهما وإن كان وحده هكذا فى المبسوط،

ولـو صلى فى بيته فى قرية، إن كان فى القرية مسجد فيه أذان و إقامة فحكمه حكم من صلى فـى بيتـه فـى الـمـصـر وإن لم يكن فيها مسجد فحكمه حكم المسافر كذا فى الشمنى شرح الـنـقـاية، وإن كـان فى كرم أوضيعة يكتفى بأذان القرية أو البلدة إن كان قريباً و إلا فلا، وحد الـقـرب أن يبـلـغ الأذان إليه منها كذا فى مختار الفتاوى. (الفتاوى الهندية: ١/٥٤، الباب البابالثانى الاذان،سعيد)

درمختار میں ہے:

وكـره تـركـهـمـا مـعـاً لـلـمسافر......بخلاف مصل ولو بجماعة فى بيته بمصر أو قرية لها مسجد فلايكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. وفى الشامى قوله فى بيته أى فيما يتعلق بالبلد من الـدار والـكـرم وغيرهما قهستانى. وفى التفاريق وإن كان فى كرم أوضيعة يكتفى بأذان الـقـرية أو البـلـدة إن كان قريباً وإلا فلا وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها...... والظاهر أنه لايشترط سماعه بالفعل تأمل. (الدر المختار مع الشامى: ١/٣٩٥، باب الاذان،سعيد)

نیز درمختار میں ہے:

ويـكـره تـكـرار الـجـماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة. (الدر المختار: ١/٥٥٢، باب الامامة، سعيد۔وكذافى بدائع الصنائع: ١/١٥٣، سعيد)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائطِ رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کے لئے اذان واقامت مکروہ ہے، البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم وامام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لئے اذان واقامت مسنون ہے۔

(فتاوی حقانیہ: ۳/۵۷، باب الاذان)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ چہارم
صفیں درست کرنے کے احکام

مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں دو تین صفوں کو چھوڑ کر بچوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے تا کہ آنے والے مرد اگلی صفوں میں کھڑے ہو سکیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یا بچے مردوں کی صف کے متصل دوسری صف میں کھڑے ہو جائیں پھر آنے والے مردان کے ساتھ یا ان کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔

الجواب: عام طور پر مسجد میں مردوں کی جتنی صفیں ہوتی ہیں اتنی صفوں کے پیچھے بچوں کی صف بنادی جائے اس کے بعد اگر بالغ لوگ آجائیں اور آگے جگہ نہ ہو تو پیچھے کھڑے ہو جائیں۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ ليلني منكم أولو الأحلام والنهى......ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري رضي الله عنه أن النبي ﷺ صلى وقام الرجال وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. (ذكره الزيلعي في نصب الراية:۲/۳۶۔واخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير: ۳۴۱۶۔وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد:۱/۱۲۹) .(امداد الفتاح مع الحاشية:ص۳۴۹، ترتيب صفوف الصلاة۔وهكذا في الفتاوى الهندية:۱/۸۹، الفصل الخامس في بيان مقام الامام والماموم۔ والشامي:۱/۵۷۱باب الامامة،سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگرلڑکوں کے آگے کو جا کر یا صف کو چیر کر بالغوں کی جماعت میں مل سکے تو چلا جاوے اور بالغوں کی جماعت میں شریک ہوجاوے اوراگر کچھ ممکن نہ ہواورلڑکوں کی ہی جماعت میں کھڑا ہوجاوے تب بھی نماز صحیح ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/۳۳۹)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب اگلی صف میں جگہ ہوتو اس کو پُر کرنے کے لئے لڑکوں کی صف کے سامنے سے گذرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں جائز ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۱۹۴)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بچوں کی صف جب بڑی ہواورکوئی بالغ آدمی آکر بالغین کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے تو بچوں کے سامنے سے گذرکرآگے بڑھ جائے۔بچوں کی صف میں کھڑا نہ ہو۔(فتاوی محمودیہ:۶/۴۹۰باب تسویۃ الصفوف)۔واللہ ﷻ اعلم

کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے نابالغ بچہ کو جماعت میں پہلی صف میں کھڑا کرتا ہے،کیایہ درست ہے؟نیز شریعت کی نگاہ میں نابالغ بچوں کی جگہ صف میں کونسی ہے؟وضاحت کے ساتھ مع الدلیل جواب عنایت فرمادیں؟

الجواب: اگرمسجد کی پہلی صف عام طور پر بالغین سے پُر ہوتی ہےتو پھر کمسن بچے کو پہلی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت اورمکروہ ہے،ہاں عام طور پر پہلی صف بالغین سے پُرنہیں ہوتی تو تنہا کھڑا نہ رہے مردوں کے ساتھ شامل ہوجائے،لیکن زیادہ بچے ہیں تو کمسن بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہئے شریعت میں یہی مقام ہے۔ملاحظہ ہوالبحر الرائق میں ہے:

ویقتضی أیضاً أن الصبی الواحد لایکون منفرداً عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، وأن محل هذا الترتیب إنما عند حضورجمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان. (البحر الرائق:۱/۳۵۳،باب الامامة،کوئٹة۔وکذا فی الشامی:۱/۵۷۱باب الامامة،سعید۔وبدائع الصنائع:۱/۱۵۹،سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ "ليلني منكم أولوا الأحلام والنهى" (اخرجه مسلم، والترمذی، وابوداؤد، وابن حبان، والبيهقی، وابن خزيمة، وعبد الرزاق) **ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري رضي الله عنه أن النبي ﷺ "صلى وقام الرجال يلونه وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال.** (ذكره الزيلعي في نصب الراية: ٢/٣٦ـ واخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير: ٣٤١٦ـ وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد: ١/١٢٩). (امداد الفتاح مع الحاشية: ٣٤٩، ترتيب صفوف الصلاة، بيروت)

وفي مسند الحارث: كان النبي "يصفهم في الصلاة فيجعل الرجال قدام الغلمان، والغلمان خلفهم...... (ذكره الزيلعي في نصب الراية من حديث أبي مالك الاشعري رضي الله عنه وقال: رواه الحارث بن أبي اسامة في مسنده: (٢/٣٧). (امداد الفتاح مع الحاشية: ٣٤٩، بيروت ـ وفتاوى حقانية: ٣/١٢١، باب تسوية الصفوف)

امداد المفتیین میں ہے:

حدیث شریف اور عام کتبِ فقہ کی عباراتِ مشہورہ سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا مردوں کی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت ہے۔ جس شخص کے پاس لڑکے کھڑے ہوں اس کو چاہئے کہ انہیں پیچھے ہٹائے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ (امداد المفتیین: ۲/۳۳۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو...... اگر نابالغ لڑکا صرف ایک ہوتو وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۴۸۹ باب تسویۃ الصفوف۔ وفتاوی رحیمیہ: ۱/۱۹۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم:

سوال: بچوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونی چاہئے لیکن اگر صرف ایک بچہ ہو تو کیا وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہو سکتا ہے؟

الجواب: اصل تو یہ ہے کہ بچے مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں، لیکن زیادہ شرارت کرتے ہوں تو ایک ایک دو دو کو صفوں کے کنارے کھڑا کر سکتے ہیں، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہذا اگر ایک ہو تو

اس کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

(ثم الصبیان)ظاهره تعددهم فلوواحداً دخل الصف،وفی الشامی:(قوله:فلوواحداً دخل الصف)ذكره فی البحربحثاً.(الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۵۷۱، باب الامامة،سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله ذكره فی البحربحثاً)قال الرحمتی:ربما يتعين فی زماننا إدخال الصبيان فی صفوف الرجال لأن المعهود منهم إذا اجتمع صبيان فأكثرتبطل صلاتهم بعضهم ببعض وربما تعدى ضررهم إلى إفساد صلاة الرجال انتهى، سندی.(التقريراتِ الرافعی:۷۳،سعید)

نیز حدیث میں ہے:"**ليلنی منكم أولو الأحلام و النهی**" اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے قریب بالغ اور عقلمند کھڑے ہوں گے،تو ایک بچہ کنارے پر کھڑا ہوگا نہ کہ بیچ میں امام کے قریب۔

امدادالفتاح میں ہے:

ثم يصف الصبيان لقول أبی مالک الأشعری رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ صلى وقام الرجال يلونه وأقام الصبيان خلف ذلک وأقام النساء خلف ذلک وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبی بين الرجال. ذكره الزيلعی فی نصب الراية:(۲/۳٦) وأخرجه بنحوه الطبرانی فی معجمه الكبير:(٦/۳٤)وذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد:(۱/۱۲۹). (امداد الفتاح مع الحاشية: فصل فی بيان الأحق بالإمامة وفی بيان ترتيب الصفوف:۳٤۹،بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا:

سوال: عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں عورت کا مقام مرد کے پیچھے ہے لہٰذا عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتی۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال:قوموا فلأصلی لكم قال أنس رضی اللہ عنہ فقمت إلى حصيرلنا قد اسود من طول ما لبس

فنضحته بماء فقام رسول الله ﷺ وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف.(رواه البخاری:۱/۵۵۔والترمذی:۱/۵۵)

دوسری حدیث میں ہے:

فكان ابن مسعود رضی اللہ عنہ يقول: أخّروهن من حيث أخّرهن الله. (مصنف عبد الرزاق:۳/۱۴۹/۵۱۱۵،باب شهود النساء الجماعة)

ہاں اگر گھر میں بیوی شوہر کے برابر کھڑی ہوکر اپنی اپنی نماز پڑھ لیں تو یہ جائز ہے،لیکن اجنبی مرد کے ساتھ کھڑا ہونا یا باجماعت نماز میں ایک امام کی اقتداء میں برابر کھڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مردوں کی صفوں میں پہلی صف اچھی اور آخری صف بری اور عورتوں کی صفوں میں پہلی صف بری اور آخری صف اچھی۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

"خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وشر صفوف النساء أولها وخيرها آخرها"

(رواه مسلم:۱/۱۸۲،باب تسوية الصفوف واقامتها۔والبيهقي في سننه الكبرى:۳/۹۰،باب لا يأتم رجل بامرأة)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو فتنہ کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا شر ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح مسجد میں باجماعت نماز سے منع فرماتے یعنی اس کا تصور بھی نہیں کہ کہیں عورت مرد کے ساتھ نماز باجماعت میں کھڑی ہوجائے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا تو کیا وہ مردوں کی صف میں کھڑی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی داڑھی بھی نکلی ہے۔

الجواب: فقہاء نے خنثی کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ اگر مرد کی علامت ظاہر ہوجائے تو مرد کے حکم میں ہے اور مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا بھی درست ہے لہذا جس لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنا لیا اور لڑکے کی علامات ظاہر ہوگئی تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کی گنجائش ہے اور نماز سب کی صحیح ہوجائیگی۔البتہ ایسا فعل قبیح ہے اور تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے اور حرام ہے اس سے باز آنا چاہئے اور غضبِ الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فإن بال من الذكر فغلام......هذا قبل البلوغ فإن بلغ وخرجت لحيته أو وصل إلى امرأة أو احتلم كما يحتلم الرجل فرجل. (الدرمختار:٦/٧٢٧، كتاب الخنثى، سعيد)

علامہ شامیؒ خنثی مشکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مردوں کی صف میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے لہذا جس میں مردوں کی علامات غالب ہوں اس کی نماز مردوں کی صف میں بدرجۂ اولی صحیح ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں: **وإن قام في صف الرجال فصلاته تامة.** (الشامي:٦/٧٢٨، كتاب الخنثى، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار:٤/٣٥٠۔ والفتاوى الهندية:٦/٤٣٧۔ والهداية:٤/٧٠١۔ وكنزالدقائق: ٤٨٩۔ والبحرالرائق:٨/٤٧٢)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خودساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز قابلِ لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے۔اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔(جدید فقہی مسائل:۲/۱۷۱)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دو ستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم:

سوال: دو ستونوں کے درمیان صف بنانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بلاضرورت جبکہ مسجد میں وسعت بھی ہو تو دو ستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے، احادیث میں نہی وارد ہے البتہ تنگی اور ضرورت ہے تو جائز ہے جیسا کہ شمس الائمۃ سرخسیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ دو ستونوں کے درمیان صف بلاکراہت جائز ہے نیز اس قول کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الحميد بن محمود قال: صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال أنس بن مالك ﷺ: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله ﷺ ......قال أبو عيسى: حديث أنس ﷺ حديث حسن صحيح وقد كره قوم من أهل العلم أن يصف بين

السواری......وقدرخص قوم من أهل العلم فی ذلک. (رواہ الترمذی:۱/۵۳، باب ما جاء فی کراهیة الصف بین السواری ، فیصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن معاویة بن قرة عن أبیه قال: کنا ننهی أن نصف بین السواری علی عهد رسول الله ﷺ ونطرد عنها طرداً. (رواہ ابن ماجة: ۷۰ باب الصلاۃ بین السواری فی الصف)

شیخ عبدالغنی دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

لعل سبب النهی أنه موجب للفرقة والجماعة سبب الجمعیة وهذا إذا کان المکان واسعاً، وأما إذا ضاق المکان وازدحم الناس فلا بد من الصفوف بین السواری. (انجاح الحاجة حاشیة سنن ابن ماجة: ۷۰)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

إذا کان منفرداً لابأس بالصلاة بین الساریتین، إذا لم یکن فی جماعة لأن ذلک یقطع الصفوف، وتسویة الصفوف فی الجماعة مطلوبة (عمدۃ القاری:۳/ ۵۸۰، باب الصلاۃ بین السواری)

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

والاصطفاف بین الأسطوانتین غیر مکروه لأنه صف فی حق کل فریق وإن لم یکن طویلاوتخلل الأسطوانة بین الصف کتخلل متاع موضوع أو کفرجة بین رجلین وذلک لایمنع صحة الاقتداء ولایوجب الکراهة. (المبسوط للسرخسی:۲/ ۳۵ ،باب صلاۃ الجمعۃ)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مبسوط سرخسی میں موجود ہے کہ اگر ستون درمیان میں ہوتو اس سے نہ اقتداء ممنوع ہوتا ہے نہ کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ والاصطفاف بین الاسطوانتین غیر مکروہ...... اگر مسجد میں وسعت ہوتو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ اصطفاف سے احتراز کیا جائے جہاں ستون بیچ میں آجائے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۵۱۲ باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ وامداد الاحکام ۱/۵۲۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فصلِ پنجم

محاذات کا بیان

مسئلہ محاذات کی وضاحت:

محاذات کی تعریف:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے کھڑا ہونا یا مرد کے محاذی یعنی برابر میں اس طرح کھڑا ہونا کہ عورت کا قدم نماز کے دوران میں کسی وقت بھی مرد کے کسی عضو کے مقابل ہوجائے تو اس سے مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔قدم کے برابر ومقابل ہونے سے پنڈلی اور ٹخنہ کا برابر ہونا مراد ہے۔صحیح قول کے موافق یہی معتبر ہے پس اگر عورت کا ٹخنہ اور پنڈلی مرد کے ٹخنہ اور پنڈلی کے برابر میں ہوگی تو محاذات ثابت ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔اگر چہ عورت کا پیر مرد کے پیر سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورت کے پیر کا اگلا کچھ حصہ مرد کے پیر سے پیچھے رہے،اور اگر عورت کا پیر مرد کے پیر سے اس قدر پیچھے ہو کہ دونوں ٹخنے اور پنڈلی بالکل برابر میں نہیں رہتے بلکہ عورت کے ٹخنے اور پنڈلی مرد کے ٹخنے اور پنڈلی سے پیچھے ہوں تو اصح قول کی بنا پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔اس طرح قدم کے علاوہ کسی اور عضو کے مقابل ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔

محاذات کی شرطیں:

(۱)عورت حدِ شہوت کو پہنچ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگر چہ نابالغ ہو۔

(۲)مطلق نماز ہو یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہو۔

(۳)تحریمہ میں دونوں مشترک ہوں یعنی ایک ہی امام کی اقتداء میں ہو یا عورت نے اپنے محاذی مرد

کی تحریمہ باندھی ہو۔

(۴) مرد مکلّف ہو یعنی عاقل بالغ ہو۔

(۵) عورت بھی عاقلہ ہو، امداد الاحکام میں ہے: مجنونہ عورت کی محاذات مفسد نہیں ہے۔ (بحوالہ شامی ۱/۵۶۱)

(۶) امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔

(۷) ایک کامل رکن میں محاذات پائی جائے۔

(۸) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۹) نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو مرد نے پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو۔

(۱۰) دونوں کا ایک مکان میں ہونا۔

محاذات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مرتب ہونے والی چند صورتیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) عورت کا امام کے آگے یا برابر ہونا اس سے امام اور اس عورت اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) عورت کا امام اور مقتدی مردوں کی صف کے درمیان میں یا مقتدی مردوں کی صفوں کے درمیان میں کھڑا ہونا اس صورت میں ایک عورت اپنے پیچھے والی صرف پہلی صف کے محاذی ایک مرد کی نماز فاسد کرے گی اور دو عورتیں صرف پیچھے والی پہلی صف کے دو محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں پیچھے والی تمام صفوں کے تین تین محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں صف تام کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

ایک یا دو عورتیں آگے ہونے کی صورت میں اگر ان کے اور مردوں کے درمیان سترہ بقدر ایک ہاتھ حائل ہوگا تو مانع فساد ہوگا اس سے کم مانع فساد نہیں اور تین یا زیادہ عورتیں آگے ہونے کی صورت میں سترہ حائل ہونے کا اعتبار نہیں اور فسادِ نماز کا حکم بدستور برقرار رہے گا۔

(۳) عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا پس ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرے گی ایک اپنے دائیں اور ایک بائیں اور ایک پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے آدمی کی اور دو عورتیں چار آدمیوں کی یعنی ایک دائیں اور ایک بائیں اور دو پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے دو آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین

عورتیں ایک ایک دائیں بائیں والے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے تین تین محاذی آدمیوں کی آخر صفوں تک نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں دائیں اور بائیں والے ایک ایک آدمی کی اور پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

(۴) ایک ہی صف میں ایک طرف آدمی ہوں اور ایک طرف عورتیں ہوں اور ان کے درمیان میں کوئی حائل نہ ہو تو صرف اس ایک آدمی کی نماز فاسد ہوگی جو عورت کے متصل محاذی ہوگا اور باقی آدمیوں کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ یہ آدمی باقی آدمیوں اور عورتوں کے درمیان بمنزلہ سترہ ہو جائے گا۔

(۵) قدِ آدم یا زیادہ اونچا چبوترہ یا سائبان یا بالا خانہ وغیرہ ہے اور اسکے اوپر مرد ہیں اور نیچے ان کے محاذی عورتیں ہیں یا اس کے برعکس یعنی عورتیں اوپر ہیں اور نیچے ان کے محاذی مرد ہیں تو یہ قدِ آدم اونچائی مانع فسادِ نماز ہو جائے گی اور مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی، قدِ آدم سے کم اونچائی مانع فساد نہ ہوگی۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ حصہ دوم ۲۰۹۔۲۱۵، کتاب الصلاۃ)

احادیث وکتبِ فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ﷺ أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال قوموا فلأصلي لكم......فقام رسول الله ﷺ وصففت و اليتيم وراءه والعجوزمن ورائنا فصلى لنارسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف. (بخاری شریف:۱/۵۵/۳۷۸، باب الصلاة على الحصير۔وكذا في مسند أحمد: ۱۲۶۷٤۔والسنن الكبرى:۳/۹٦۔والنسائي:۱/۲۸۵۔ومؤطا مالك رقم:۳٦۳ ومسلم رقم:۱۵۳۱۔وأبوداود رقم: ٦۱۲۔والترمذي رقم: ۲۳٤)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

حدثنا ابن مهدي عن سفيان عن الأعمش عن إبراهيم أنه كان يكره أن يصلي بصلاة الإمام إذا كان بينهما طريق أونهر أونساء. (مصنف ابن أبي شيبة:٤/۳۲۸۔وهكذا في مصنف عبد الرزاق ۳/۸۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

فكان ابن مسعود ﷺ يقول: أخروهن من حيث أخّرهن الله. (مصنف عبد الرزاق: ۳/۱٤۹/۵۱۱۵

بـاب شهـود النسـاء الجمـاعة ،المجلـس العلمـي۔وصحيح ابن خزيمة: ٢/ ٨١٩/ ١٧٠٠۔والمعجم الكبير للطبرانی:رقم:٩٣٧٢)

امدادالفتاح میں ہے:

(أن لايفصل بين الإمام والمأموم صف من النساء)لما روى عن عمر ﷺ موقوفاً ومرفوعاً للنبى ﷺ :أنه قال:من كان بينه وبين الإمام نهرأوطريق أوصف من النساء فلا صلاة له. (امداد الفتاح :٣٣٤ شروط صحة الاقتداء۔وكذا فی تبيين الحقائق:١/ ١٣٩،باب الامامة،امدادية)

امدادالفتاح میں ہے:

ومحاذات المشتهاةولوفي الماضى كالعجوزالشوهاء في أداء ركن على ما قاله محمدؒ أومقداره على قول أبي يوسفؒ والمراد أن تحاذى رجلا بساقها وكعبها فى الأصح،ولوكانت محرماً له أوزوجة ولامعتبربالسن في الصغيرة إنما العبرة بالضخامة و العبالة لتكون صالحة للجماع فتحاذيه وفى صلاة مطلقة هى ذات الركوع والسجود ......مشتركة تحريمة المستلزم للاشتراك تادية والاشتراك يتحقق باتحاد فرضها و ارتباط صلاتهما بابتناء تحريمتهما على تحريمة الإمام أويكون هوإماماً لها فى مكان متعد حتى لوكان أحدهما على مكان والآخر على الأرض والدكان قدرقامة الرجل لا تفسد صلاته لاختلاف المكان بلا حائل بينهما مثل مؤخرة الرحل فى الطول وغلظ الأصبع فإن كان لا تضرالمحاذاة لأن أدنى الأحوال القعود فقدرالحائل بقدره، والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناها قدرما يقوم به المصلى ولم يشرإليها لتتأخرفان أشارإليها فلم تتأخرهى فسدت صلاتها دون صلاته لاتيانه بما فى وسعه، وتقدمه عنها بالمشى مكروه فاذا ترك الإشارة فسدت بالمحاذاة صلاته،والتاسع من شروط المحاذاة المفسدة أن يكون الامام قد نوى إمامتها لأنه شرط لصحة اقتدائهاكما قدمناه فاذا لم ينوها لاتفسد محاذاتها،وفى الجمعة والعدين قال أكثرهم:لايصح أيضاً اقتداؤها ما لم ينوإمامتها بالخصوص. (امداد الفتاح:٣٦٤ باب ما يفسد الصلاة۔وكذا فی شرح منية المصلى:٥٢١، فصل فی الامامة ،سهيل اكيڈمی۔وفی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:٣٢٩ ،باب ما يفسد الصلاة،قديمی ۔و فی الشامی: ١/ ٥٧٢ باب الامامة ،

سعید۔وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:١/٢٤٧ باب الامامة ، العربیة کوئٹه۔وهكذا فی الفتاوی الهندية:١/٨٩ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والمأموم۔ والبحر الرائق:١/٣٥٤۔٣٥٨ باب الامامة ، الماجدية كوئٹه۔ وتبيين الحقائق:١/١٣٧باب الامامة)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

بالاخانہ پرعورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم:

سوال: اگر مسجد کی دوسری منزل پر بہت ساری عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور عورتوں کے پیچھے مرد نمازی ہیں لیکن زمین کی سطح پر ہیں تو مردوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی صف اگر مسجد کی دوسری منزل پر ہو اور مردوں کی صف زمین کی سطح پر ہو اور عورتیں مردوں کی صف پر مقدم نہ ہوں تو نماز ادا ہو جائے گی، اور مقدم ہونے کی صورت میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن چونکہ متون میں حائل کی صورت میں صلاۃِ رجال کو فاسد نہیں کہا بلکہ صحیح کہا ہے لہذا اس صورت میں بھی مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

السابع اتحاد المكان حتى لو كان احدهما على دكان علو قامة والآخرعلى الأرض لاتفسد صلاته. (شرح منية المصلى:٥٢٢ فصل فی الامامة ، سهيل اكيڈمی۔وامداد الفتاح:٣٦٤،بيروت۔وفتح القدير:١/٣٦٤، باب الامامة۔والفتاوى الهندية:١/٨٩ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والمأموم۔والشامی: ١/٥٧٦، باب الامامة)

التحریر المختار میں ہے:

(قوله فهذا صريح فی أن الحائل غير معتبر)هوصريح فی أن الصف الأول من الرجال لايعد حائلا ولايمكن أن يقال غيره من الحوائل مثله لنقل أهل المذهب أن الحائل يمنع الفساد كعبادة مفتاح السعادة وما نقله طحطاوی عن أبی السعود فی أول مسئلة المحاذاة بقوله ولوكان ورائهن حائط خلفه صفوف لاتفسد صلاتهم على الأصح و حينئذ يفيد اطلاق ما فی الخانية وغيرهما بما فی مفتاح السعادة. (التحريرالمختار:١/٨٦ على هامش الشامی)

ملاعلی قاریؒ نے شرح نقایہ میں نقل فرمایا ہے:

والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وقفه رواه الطبراني...... والحديث مع كونه موقوفاً لا دلالة له فيه إلا على الاستحباب فأخروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت في الأحاديث المرفوعة وعلى تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه في حكم المرفوع فلا دلالة فيه على ابطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقاية: ١/ ٢٠٤، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل:

سوال: حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کا مسئلہ لاینحل سا ہے اس میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا کسی اور کے مذہب پر فتوی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقہاء نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے یا نہیں؟

الجواب: محاذات سے فسادِ صلاۃ کا مسئلہ صرف مذہبِ احناف کے مطابق ہے ورنہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محاذات کوئی چیز نہیں۔ پھر احناف کی دلیل اس مسئلہ میں صرف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''أخروهن من حيث أخرهن الله'' ملا علی قاریؒ نے شرح نقایہ میں فرمایا مرفوعاً حدیث صحیح نہیں ہے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح ہے تب بھی صرف استحباب ثابت ہوسکتا ہے کہ عورتوں کو پیچھے نماز پڑھنا مستحب ہے جیسے بچوں کے لئے پیچھے مستحب ہے اگر تسلیم بھی کرے کہ امر وجوب کے لئے اور موقوف مرفوع کے حکم میں ہے تب بھی حالتِ محاذات میں نماز فاسد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فسادِ نماز کے لئے مضبوط دلیل چاہئے جو یہاں موجود نہیں ہے لہذا نماز فاسد نہ ہونی چاہئے، لیکن ملا علی قاریؒ کی عبارت متون شروح وفتاوی سے مختلف ہے لہذا اعتبار متون وشروح وفتاوی کا ہونا چاہئے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ عام حالات میں تو متون وغیرہ ہی کا اعتبار ہوگا یعنی محاذات مفسد ہے لیکن حرم شریف میں چونکہ محاذات سے بچنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے لہذا ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملا علی قاریؒ کی اس عبارت پر فتوی دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

کیونکہ علامہ شامیؒ وغیرہ نے تو صراحت فرمائی ہے کہ مفتی اگر غیر مشہور قول پر فتوی دے مواضعِ ضرورت میں آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے تو ٹھیک ہے اور گنجائش ہے۔ اس کے برخلاف ہم یہ کہیں کہ حرم میں بھی نماز فاسد ہوجائے گی تو اس میں بہت تنگی اور حرج ہے۔

بعض علماء نے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے کہ چونکہ ائمۂ حرم عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے لہذا عورتوں کی نماز ہی نہ ہوگی اور محاذات کا تحقق نہ ہوگا، لیکن اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ائمہ کے مذہب کے مطابق عورتوں کی علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ نے خود بتایا کہ ہم عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا علاء الدین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود شیخ سبیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم عورتوں کی بھی نیت کرتے ہیں، لہذا یہ کہنا کہ عورتوں کی نیت نہیں کرتے تو محاذات نہ ہوگی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حاصل کلام: حرم شریف میں مسئلہ محاذات کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ ملا علی قاریؒ کی عبارت پر فتوی دے، علامہ شامیؒ کے قول کے مطابق ضرورت کے وقت آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے۔

ملا علی قاریؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأما قول صاحب الهداية لقوله ﷺ أخّروهن من حيث أخّرهن الله فغيرمعروف رفعه و أغرب منه أنه جعله من المشاهير وهذا خلاف ما عليه الجماهير، والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود رضي الله عنه ووقفه رواه الطبراني......والحديث مع كونه موقوفاً لا دلالة له فيه إلاعلى الاستحباب فأخّروهن عن الرجال كتأخرالأطفال وفق ما ثبت في الأحاديث المرفوعة وعلى تسليم أن الأمرللوجوب بناء على أنه في حكم المرفوع فلا دلالة فيه على إبطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقاية: ۱/ ۲۰٤، ترتيب الصفوف، سعيد)

ملاحظہ ہو علامہ شامی کا قول مواضعِ ضرورت میں غیر مشہور روایت پر فتوی دینا:

وفي المعراج عن فخرالأئمة: لوأفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً. (شامي: ۱/۲۸۹ باب الحيض، مطلب لوأفتى مفت الخ، سعيد۔ورسم المفتي: ٤٤)

نیز علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی یہ قول البحر الرائق میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفي معراج الدراية معزياً إلى فخرالأئمة لوأفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً. (البحر الرائق: ۱/۱۹۳، باب الحيض، الماجديه)

نیز قواعد شریعت اور مزاجِ شریعت کے بھی موافق ہے: یعنی حرج اور تنگی نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ آسانی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قال الله تعالی: ﴿وماجعل علیکم فی الدین من حرج﴾و﴿یرید الله بکم الیسرولایرید بکم العسر﴾

عن أبی بردة قال بعث النبیﷺ جده أبا موسی ومعاذ إلی الیمن فقال:"یسّرا ولاتعسّرا وبشّرا ولاتنفّرا وتطاوعا ولاتختلفا"متفق علیه. (مشکاة: ۲/۳۲۳ باب ما علی الولاة من التیسیر)

شرح مجلۃ میں ہے:

المشقة تجلب التیسیر. المادة ۱۷:(شرح المجلة ۲۷ ـ ۲۸)

إن الصعوبة تصیر سبباً للتسهیل ویلزم التوسیع فی وقت المضایقة......اعلم أن أصل الشرع مبناه علی الیسروالتسهیل، قال الله تعالی:﴿یرید الله بکم الیسرولایرید بکم العسر﴾ و﴿وما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾وقالﷺ :"أحب الدین إلی الله الحنفیة السمحة". المادة۱۷ :(شرح المجلة: ۱/۴۸،رشیدیه ، محمد خالد الاتاسی)

مفتی اعظم پاکستان ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ بھی حرم میں محاذات کے باوجود نماز کی صحت کا فتوی دیتے تھے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حدیث:"أخّروهن من حیث أخّرهن الله" کی تحقیق:

سوال: کتبِ حدیث میں مشہور ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ رزین یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے پھر علمائے کرام کیوں اس کو موقوف فرماتے ہیں اور مرفوع کی نفی کرتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ذکرالبغوی فی مشکاة المصابیح فی الرقاق عن حذیفة رضی الله عنه قال:سمعت رسول اللهﷺ یقول فی خطبته الخمرجماع الاثم......وسمعته یقول:" أخّروا النساء حیث أخّرهنّ الله".رواه رزین. (مشکاة المصابیح: ۹/۲۸۶)

قال الألبانیؒ:لاأصل له مرفوعاً. (مشکاة:۳/۱۳۰/۵۲۱۵)

وفی المرقاة:(رواه رزین)وفی التمییزلابن الربیع حدیث " أخّروا النساء حیث أخّرهنّ الله" یعنی النساء قال شیخنا فی مصنف عبد الرزاقؒ:وذکرأحادیث بمعناه من طریق الطبرانی ثم قال:ولانطیل

بها......فالحديث مشهورعند المحدثين لكن بالمعنى اللغوى لا بالمعنى الاصطلاحي. (مرقاة المفاتيح ۲۸٦/۹)

وفي مصنف عبد الرزاق: عبد الرزاق عن الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمرعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: كان الرجال......فكان ابن مسعود رضي الله عنه يقول:" أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". (مصنف عبد الرزاق: ۱٤۹/۳)

وفي المقاصد الحسنة: حديث:" أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" قال الزركشي عزوه الى الصحيحين غلط وكذا من عزاه لدلائل النبوة للبيهقي مرفوعاً ولمسند رزين، ولكنه في مصنف عبد الرزاق ومن طريقه الطبراني من قول ابن مسعود رضي الله عنه في حديث أوله: كان في بني إسرائيل الرجل و المرأة يصلون جميعا. (المقاصد الحسنة: ۱۵/۱ ـ وكذا في كشف الخفاء ٦۷/۱)

قال الزيلعيّ في نصب الراية: الحديث: ٦۹: قال رسول الله ﷺ:" أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله" قلت: حديث غريب مرفوعاً. وهوفي مصنف عبد الرزاق موقوف على ابن مسعود رضي الله عنه. فقال: أخبرنا سفيان الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمرعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: كان الرجال و النساء في بني إسرائيل يصلون جميعاً فكانت المرأة تلبس القالبين فتقوم عليها فتواعد خليلها فألقى عليهن الحيض فكان ابن مسعود رضي الله عنه يقول:" أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله"......انتهى.

ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبراني في معجمه: قال السروجي في الغاية: كان شيخنا الصدرسليمان يرويه:"الخمرأم الخبائث، والنساء حبائل الشيطان، وأخّروهن من حيث أخّرهن الله" ويعزوه إلى مسند رزين وقد ذكرهذا الجاهل أنه في دلائل النبوة للبيهقي...... وقد تتبعته فيه فلم أجده فيه لامرفوعاً ولاموقوفاً. والذى فيه مرفوعاً: الخمرجماع الإثم والنساء حبالة الشيطان والشباب شعبة من الجنون، ليس فيه أخّروهن من حيث أخّرهن الله أصلا. (نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: ۳٦/۲ جدّة)

خلاصہ: عام طور پر مصنف عبد الرزاق کا حوالہ اس حدیث کا دیا جاتا ہے، مصنف عبد الرزاق میں یہ موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔ فكان ابن مسعود ص يقول.

(۲) صاحب مشکاۃ نے رزین کا حوالہ دیا ہے، مگر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت رزین کی طرف

کرنا صحیح نہیں۔(مقاصد حسنہ)

(۳)علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ صدر سلیمان نے فرمایا اس حدیث کے کل چار اجزاء میں سے پہلے تین اجزاء وہاں موجود ہیں، مگر چوتھا جزء جو ہمارے مسئلہ سے متعلق ہے ''أخّروهن من حيث أخّرهن الله'' اس کا وہاں بالکل وجود نہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ ششم

اقتدا کے احکام

عورتیں ہوں اور پیچھے والے کمرے میں مرد کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام کے پیچھے آگے والے کمرے میں عورتیں ہیں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہیں تو اقتدا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر عورتیں آگے والے کمرہ میں ہیں اور مرد پیچھے والے کمرہ میں ہیں تو مردوں کی اقتدا صحیح ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ اقتدا درست نہ ہو؛ جیسے علامہ شامیؒ نے اسی کو مختار کہا ہے، نیز اس میں ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ مرد اگلے کمرہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور عورتیں پچھلے کمرہ میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل......وفی الشامی:(قوله صف من النساء)المراد به ما زاد علی ثلاث نسوة فانه یمنع اقتداء جمیع من خلف......ولو کان صف من النساء بین الرجال والإمام لایصح اقتداء الرجال بالإمام ویجعل حائلاً......وفی المعراج عن المبسوط:فان کان صف تام من النساء وورائهن صفوف الرجال فسدت تلک الصفوف کلها استحساناً،والقیاس أن لاتفسد إلاصلاة صف واحد،ولکن استحسن لحدیث عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً وموقوفاً علیه"من کان بینه وبین الإمام نهرأوطریق أوصف من النساء فلاصلاة له"فهذا صریح فی أن الحائل غیرمعتبرفی صف النساء والا فسدت صلاة

الصف الأول من الرجال فقط لكونه صار حائلا بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس، فظهر أن ما ذكره الشارح من اعتبار الحائل أو الارتفاع انما هو فيمادون الصف التام من النساء كالواحدة والثنتين، أما الصف فهو خارج عن القياس اتباعاً للأثر، هذا ماظهر فتدبر، والله أعلم. (شامی:۱/۵۸٤، باب الامامة سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا كان صف تام من النساء خلف الإمام وورائهن صفوف من الرجال فسدت صلاة تلك الصفوف كلها استحساناً كذا في المحيط. (الفتاوی الهندية:۱/۸۷، الفصل الرابع فی بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتدا کا حکم:

سوال: اگر امام ایک کمرہ میں ہو اور اس کے ساتھ چند مقتدی ہیں اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض مقتدی دوسرے الگ کمرے میں اقتدا کرتے ہیں تو ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دونوں کمرے ساتھ ہیں اور درمیان میں بڑا راستہ یا دو صف کے بقدر خالی جگہ نہیں ہے تو دوسرے کمرے والوں کی اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما ماصححه فی الظهيرية فی مسألة السطح فالظاهر أنه بناء على ما إذا كان السطح متصلاً بالمسجد فحينئذ يصح الاقتداء ويكون مافی الخانية مبنياً على عدم الاتصال المذكور بدليل أنه فی الخانية علل للمنع بكثرة التخلل واختلاف المكان: أی لكون صحن الدار فاصلاً بين السطح والمسجد فيفيد أنه لولا ذلك لصح الاقتداء ويؤيده ما فی البدائع حيث قال: لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به ليس بينهما طريق فاقتدى به صح اقتداؤه عندنا، لأنه إذا كان متصلاً به صار تبعاً لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد فهو كاقتدائه فی جوف المسجد إذا كان لايشتبه عليه حال الامام......وقد جزم صاحب الهداية فی مختارات النوازل بأن العبرة للاشتباه ثم قال بعده: وإن قام على سطح داره واقتدى بالإمام إن لم يكن بينها حائل ولو شارع يصح، فيتعين حمل مافی الظهيرية

علی ما إذا لم یکن حائل کماقلنا،فیصح لاتحاد المکان وما نقله الشرنبلالی عن البرهان فلیس فیه تصحیح الاقتداء مع اختلاف المکان،لأنه بتخلل الحائط لایختلف المکان کما قدمناه عن قاضیخان، وفی التتارخانیة:وإن صلی علی سطح بیته المتصل بالمسجد ذکرشمس الأئمة الحلوانیؒ أنه یجوز...... (شامی: ۱/ ۵۸۷،سعید وهکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

امدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید......ویشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیریشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهواختیارشمس الأئمة الحلوانیؒ لماروی أن النبی ﷺ:کان یصلی فی حجرة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها **والناس فی المسجد یصلون بصلاته** (أخرجه البیهقی فی سننه: ۳/ ۱۰۹) **وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر.......** (امداد الفتاح: ۳۳۵ شروط صحة الاقتداء،بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اقتدادوسرے مکان میں درست ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/ ۳۶۷،مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/ ۳۰۶،فصل مانع اقتداء۔واللہ ﷻ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا کا حکم:

سوال: اگرکسی مسجد سے کوئی مکان متصل ہوصرف درمیان میں دیوارحائل ہواورامام کی تکبیرات بھی سنائی دیتی ہوتو کیااس مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا کرنا درست ہے؟

الجواب: مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدادرست ہے جبکہ صفوف متصل ہوں اور درمیان میں خالی جگہ یابڑاراستہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہوامدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید...... و یشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیر یشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانیؒ لماروی أن النبی ﷺ: کان یصلی فی حجرة عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها **والناس فی المسجد یصلون بصلاته**(أخرجه البیهقی فی سننه: ۱۰۹/۳)**وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر**....... (امداد الفتاح:۳۳۵ شروط صحة الاقتداء۔وکذافی الشامی:۵۸۷/۱،سعید۔وهکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء......طریق أی نافذ أبوالسعود عن شیخه.قلت:ویفهم ذلک من التعبیرعنه فی عدة کتب بالطریق العام، وفی التتارخانیة :الطریق فی مسجد الرباط و الخان لایمنع،لأنه لیس بطریق عام....... (الدرالمختار مع الشامی:۵۸٤/۱،سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جس مکان کی چھت مسجد سے بالکل متصل ہو اس طرح کہ بیچ میں راستہ نہ ہو تو اس چھت پر سے اقتدا درست ہے اور اگر درمیان میں راستہ ہو تو اقتداء درست نہیں مگر جبکہ راستہ میں صفیں کھڑی ہو کر مسجد کی صفوں سے متصل ہو جائیں تو اس مکان کی چھت پر سے اقتدا درست ہے۔(عمدۃ الفقہ :۱۹۷/۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر اقتدا کا حکم:

سوال: اگر مکان مسجد سے متصل ہو تو اس کی چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مکان مسجد سے متصل ہے اور درمیان میں خالی جگہ بھی نہیں ہے اور امام کی تکبیرات کا علم بھی ہوتا ہے تو اقتدا جائز اور درست ہے تاہم اقتدا نہ کرنے میں احتیاط ہے، کیونکہ اتحادِ مکان نہیں پایا جاتا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجدالحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه

حال الإمام عليهم لسماع أورؤية ولم يتخلل إلا الجدار كما ذكره شمس الأئمة فيمن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد أوفى منزله بجنب المسجد وبينه وبين المسجد حائط مقتدياً بإمام في المسجد وهويسمع التكبيرمن الإمام أومن المكبرتجوز صلاته كذا في التجنيس والمزيد. (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ۱۰۹، باب الامامة ،مکة المکرمة)

طحطاوی میں ہے:

وفي حاشية الدررللمؤلف :الصحيح اعتبارالاشتباه فقط، وقواه في الدربالنقل عن المعتبرات خلافاً لما في الدرر، والبحروغيرهما من اشتراط عدم اختلاف المكان،فلو اقتدى من بمنزله بمن في المسجد وان انفصل عنه صح ان لم يوجد مانع من نحوطريق، ولم يشتبه حال الإمام.(طحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۹۳،باب الامامة،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو:شامی:۱/۵۸۷ـوفتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/۳۶۷ـوامداد الاحکام:۱/۵۲۷ـ**واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجدِ کبیر میں بلا اتصالِ صفوف اقتدا کا حکم:

سوال: بڑی مساجد میں بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اتصالِ صفوف کے بغیر لوگ نماز پڑھتے ہیں، یعنی درمیان میں بہت خلا رہتا ہے، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ حرمین میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

الجواب: مسئلہ بالا کے بارے میں فتاوی میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں، بعض فتاوی میں مرقوم ہے کہ مسجد کبیر میں فصل کثیر مانع اقتدا ہے، اور دیگر بعض میں یہ قید مذکور نہیں ہے، فی زماننا حالات پر مدِنظر رکھتے ہوئے مسجدِ کبیر میں بلا قید نماز درست ہو جانی چاہئے، کیونکہ حرمین کی مساجد، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کافی وسیع ہیں، اور عام دنوں میں صفوف میں اتصال نہیں ہوتا، تو ہزاروں آدمیوں کی نماز خراب ہو جائیگی، پھر علامہ طحطاویؒ نے اس کی اچھی توجیہ فرمائی ہے کہ جب امام کی حالت مقتدیوں پر واضح ہو تو اتحادِ مکان کی وجہ سے اقتدا صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل إلا في الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة ، وجامع القدس الشريف أعني مايشتمل على المساجد الثلاثة الأقصى والصخرة والبيضاء. (فتاوی الشامی:۱/۵۸۵،سعید).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه...ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام فى المحراب فإنه يجوز. (الفتاوى الهندية: ١/٨٨،الباب الخامس فى الامامة).

امداد الفتاح میں ہے: **والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل ...** (امدادالفتاح:ص٣٣٥).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والفضاء الواسع فى المسجدلايمنع وإن وسع صفوفاً لأن له حكم بقعة واحدة كذا فى الأشباه من الفن الثاني، فلواقتدى بالإمام في أقصى المسجد، والإمام فى المحراب جاز كما فى الهندية ، قال البزازى : المسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه إلا فى الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة ، وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة ، الأقصى والصخراء ، والبيضاء كما فى الحلبي والشرح ، والظاهر أن ذلك لاشتباه حال الإمام على المأموم لا لاختلاف المكان . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:٢٩٣). و للاستزادة انظر : (الدررعلى الغرر:١/٩٢-وشرح منية المصلى:ص٥٢٤-والفتاوى البزازية: ٤/٥٥) . واللہ ﷻ اعلم۔

مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو اقتدا کا حکم:

سوال: اگر امام کی فجر اتوار کی ہو اور مقتدی کی فجر سنیچر کی ہو تو اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہو تو اقتدا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

ولامن يصلى فرضاً خلف من يصلى فرضاً آخر. (مختصرالقدورى:ص٤٢،باب الجماعة،سعيد)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغاير الفرضان أى وصفة كمن صلى ظهرامس خلف من يصلى ظهر اليوم فإنه لايجوز. (الجوهرة النيرة:٧٣)

نور الایضاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام مصلياً فرضاً غيرفرضه.وقال المحشيؒ:قوله غيرفرضه:مثل أن يصلي المأموم صلاة الظهرمن يوم السبت والإمام من صلاة الظهرمن يوم الأحد. (نور الايضاح مع الحاشية:٧٦ باب الامامة،مجيديه)

نیز ملاحظہ ہو: مراقي الفلاح :١٠٨ باب الامامة،مكة المكرمة۔امداد الفتاح:٣٣٤، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بيروت۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلوٰۃ القائم خلف القاعد علی الکرسی کا حکم:

سوال: اگرکوئی حنفی امام ہوجس کے گھٹنوں میں سخت دردہو(ARTHRITIS)کاشکارہووہ کھڑے ہوکررکوع بھی ٹھیک سے کرسکتاہے،لیکن مسلمان ماہرطبیب نے کہاہے کہ اگروہ سجدہ میں جائیگاتوہمیشہ کے لیے اس کے گھٹنےخراب ہوجائیں گے۔اب دریافت طلب امریہ ہے کہ کیاوہ شخص کرسی پربیٹھ کرسجدہ اشارہ سے کرکے امامت کراسکتاہے؟نیزیہ بھی بتلایئے کہ اس کے لیے کتنی رخصت ہےاوراس کے لیے حل کیاہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام مومی یعنی اشارہ سے سجدہ کرتاہے،اورمومی کے پیچھے غیرمومی کی نمازصحیح اوردرست نہیں ہوتی۔لأنه أدنى حالاً من المأمومين۔ہاں امام اگرزمین پربیٹھ کررکوع،سجدہ زمین پرکرتاہے توپھراس کے پیچھے قائم مقتدی کی نمازدرست ہوگی،لأن صلاة القائم خلف القاعدالذي يركع ويسجد صحيح۔لہذاامام ماہرطبیب کےمشورہ سے زمین پربیٹھ کررکوع وسجدکےساتھ نمازپڑھالے۔

ملاحظہ ہوہدایہ میں ہے:

ويصلي القائم خلف القاعد وقال محمدؒ: لايجوز، وهوالقياس لقوة حال القائم ونحن تركناه بالنص . وهوماروي أنه عليه الصلاة والسلام صلى آخر صلاته قاعداً والقوم خلفه قيام...ولايصلي الذى يركع ويسجدخلف المومى لأن حال المقتدى أقوى . (الهدايةمع فتح القدير:١/٣٦٨،٣٧١،دارالفكر).

درمختارمیں ہے:

وصح اقتداء ...وقائم بقاعد يركع ويسجد ، لأنه صلى الله عليه وسلم صلى آخر صلاته قاعداً وهم قيام وأبوبكر يبلغهم تكبيره. وفي الشامية: قوله "وقائم بقاعد"... وقيد

القاعد بكونه يركع ويسجد، لأنه لو كان مومياً لم يجز اتفاقاً. (الدرالمختار مع ردالمحتار:۵۸۸،سعيد).

نیز مذکور ہے:

ولا قادر على ركوع وسجود بعاجز عنهما لبناء القوى على الضعيف . وفى الشامية: قوله بعاجزعنهما أى بمن يؤمى بهما قائماً أوقاعداً ، بخلاف ما لوأمكناه قاعداً فيصح قال ط (الطحطاوى): والعبرة للعجز عن السجود، حتى لو عجز عنه وقدر على الركوع أومأ.

(الدرالمختار مع ردالمحتار:۵۷۹،سعيد).

وللاستزادة انظر: (البحرالرائق:۱/۳٦٤،المكتبة الماجدية،وشرح منية المصلى ،ص: ۵۱٦، سهيل، وفتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية:۱/۸۹،وفتح باب العناية:۱/۲۸۱،بيروت). واللہ ﷻ اعلم۔

اقتداء المعذور بالمعذور کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح کا عذر ہے اور مقتدی کو سلس البول کا عذر ہے تو اقتدا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اختلافِ عذر کے وقت اقتدا صحیح نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سلس البول والے کی اقتدا خروجِ ریح والے کے پیچھے صحیح قول کے مطابق درست نہیں؛ جیسا کہ علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وإن اختلف لم يجز كما فى الزيلعى والفتح وغيرهم،وفى السراج ما نصه:ويصلى من به سلس البول خلف مثله وأما إذا صلى خلف من به سلس البول وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد ومثله فى الجوهر......لكن اعترض فى النهر ذلك بأنه يقتضى جوازاقتداء ذى سلس بذى انفلات وليس بالواقع لاختلاف عذرهما، وهومبنى على أن المراد بالاتحاد اتحاد العين، وهوظاهرما فى شرح المنية الكبيروكذا صرح فى الحلية بأنه لايصح اقتداء ذى سلس بذى جرح لايرقأ أوبالعكس، وقال: كما هوظاهرالمذهب، فإنه يجوزاقتداء معذوربمثله إذا اتحد عذرهما لا إن

اختلف. (شامی: ۱/۵۷۸، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله لأن مع الإمام حدثاً ونجاسةً)قال في النهر: مقتضى هذا التعليل أن يجوزاقتداء من به سلس البول بمن به انفلات ريح وليس بالواقع لاختلاف عذرهما فالأولى أي يعلل بمحض اختلاف عذرهما لايكون الإمام صاحب عذرين والمقتدى صاحب عذرواحد فتدبر. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۴۹، باب الامامة۔ وكذافي شرح منية المصلي: ۵۱۶، سهيل اكيڈمی۔ وكذافي الفتاوى الهندية: ۱/۸۴، الفصل الثالث في بيان من يعلم امامه لغيره۔ **واللہ ﷻ اعلم**۔

دوعذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح اور سلس البول دو عذر ہوں اور مقتدی کو صرف خروجِ ریح کا عذر ہو تو اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اقتدا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ امام مقتدی سے ادنیٰ حال والا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما إذا صلى خلف من به السلس وانفلات ريح لايجوزلأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد...... . (شامی: ۱/۵۷۸باب الامامة، سعيد)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولايجوزأن يصلى خلف من به سلس البول وانفلات ريح لأن الإمام صاحب عذرين والمأموم صاحب عذرواحد. (الجوهرة النيرة: ۸۲، امدادية ملتان)

امداد الفتاح میں ہے:

ولايكون أدنى حالاً من المأموم كان يكون......معذوراً والمقتدى خالياً عنه. (امداد الفتاح: ۳۳۳، شروط صحة الاقتداء، بيروت)۔ **واللہ ﷻ اعلم**۔

جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نماز ترکِ واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی کیونکہ سجدۂ سہو نہیں کیا تھا اب اعادہ کر رہا

ہے تو تین نئے آدمی جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اس کی اقتدا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دونوں قول مروی ہیں کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہوا یا دوسری سے لہذا آسانی کے خاطر نئے آدمی کی اقتدا صحیح ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اقتدا نہ کرے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإن كان تركه للشيء من الواجبات عمداً أثم ولا يسجد للسهو لأنه شرع تخفيفاً لمن سها وهذا المعتمد وجب عليه إعادة الصلاة تغليظاً عليه لجبر نقصانها إذ لا يتمكن من جبره إلا بإعادتها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل: تكون الثانية فرضاً فهي المسقطة. (امداد الفتاح: ۱۵۵، باب سجود السهو، دار احياء التراث)

شامی میں ہے:

قوله المختار أنه أي الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا في شرح الأكمل على أصول البزدوي، ومقابله ما نقلوه عن أبي اليسر من أن الفرض هو الثاني، واختار ابن الهمامؒ الأول قال: لأن الفرض لا يتكرر، وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالأول...... لأن كون الفرض هو الثاني دون الأول يلزم منه عدم سقوطه بالأول وليس كذلك، لأن عدم سقوطه بالأول إنما يكون بترك فرض لا بترك واجب وحيث استكمل الأول...... (شامی: ۱/۴۵۷، واجبات الصلاة۔ وایضاً: شامی ۲/۶۳-۶۵، باب قضاء الفوائت، سعيد)

امداد الفتاوی میں ہے:

في رد المحتار باب الجنائز فإذا أعادها (الولي) وقعت فرضاً مكملاً للفرض الأول من نظير إعادة الصلاة المؤداة بكراهة فإن كلاً منهما فرضا كما حققناه في محله، اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا. (امداد الفتاوی: ۱/۳۶۴، باب السهو في الصلاة)

احسن الفتاوی میں ہے:

صلاۃِ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قولِ عدمِ صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ لہذا ایسی

صورت میں قول عدمِ صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔(احسن الفتاوی:۳/۳۵۲،باب الامامة والجماعة).

کفایت المفتی میں ہے:

اس نماز میں دوسرے لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے شریک نہیں ہو سکتے،اگر شریک ہوں گے تو ان کے فرض ادا نہ ہوں گے۔(کفایت المفتی:۳/۱۳۸،امامت وجماعت،دارالاشاعت)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا قول احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔واللہ ﷻ اعلم۔

نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتدا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں کسی شافعی نے حنفی امام کی اقتدا کی اور امام نے قنوت نہیں پڑھا تو شافعی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں شافعی مقتدی کی نماز حنفی امام کے پیچھے درست ہے ہاں شافعی کو چاہئے کہ قنوت پڑھے پھر سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر نہیں پڑھا تو سجدہ سہو کرلے لیکن سجدہ سہو بھی نہیں کیا تب بھی ایک قول کے مطابق نماز درست ہے۔ ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وصلى شافعي الصبح خلف حنفي ومكث الإمام بعد الركوع قليلاً وأمكن المأموم القنوت قنت وإلا تابعه وترك القنوت ويسجد للسهو على الأصح وهو اعتبار اعتقاد المأموم ولو اعتبرنا اعتقاد الإمام لم يسجد. (شرح المهذب للامام النوويؒ:٤/٢٩٠،باب صفة الأئمة، دار الفكر)

شرح الوجیز میں ہے:

فلو صلى الشافعي الصبح خلف حنفي،ومكث الحنفي بعد الركوع قليلاً وأمكنه أن يقنت فيه فعل وإلا تابعه،وهل يسجد للسهو؟إن اعتبرنا اعتقاد المأموم:نعم،فإن اعتبرنا اعتقاد الإمام فلا. (شرح الوجيز:٢/١٥٦،الفصل الثاني في صفات الأئمة،دار الكتب العلمية بيروت۔ وكذا في روضة الطالبين۔وعمدة المفتيين:١/٣٤٨،باب صفة الأئمة، المكتب الاسلامي۔وكذا في أسنى المطالب:٢/٢٥، باب صفة الأئمة في الصلاة،دار الكتب العلمية)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: اگر کسی نے امام سے پہلے لفظ "الله أكبر" کہا تو نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی امام کی تکبیر تحریمہ سے قبل فارغ ہوجائے تو اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی اس شخص کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح أی كبّر مع الإمام وفرغ من قوله "الله" قبل فراغ الإمام من قوله "الله" لايصير شارعاً فی الصلاة فی أظهر الروايات كذا فی الفتاوی...... ولوقال "الله" مع قول الإمام "الله" أو بعده ولكن فرغ من قوله "أكبر" قبل فراغ الإمام من قوله "أكبر" فالأصح أنه لايجوز شروعه أيضاً لأنه إنما يصير شارعاً بالكل أی بمجموع "ألله أكبر" لابقوله "ألله" فقط فيقع الكل فرضاً وإذا كان كذلك يكون قد أوقع فرض التكبير قبل الإمام وكل فرض أوقعه قبل الإمام فهو غير معتد به فكان كأنه لم يكبّر فلايصح شروعه. (شرح منية المصلى: ٢٦٠، فرائض الصلاة الأول تكبيرة الافتتاح، سهيل)

امداد الفتاح میں ہے:

فإن غلب على أنه كبّر قبل الإمام لايجزئه. (امداد الفتاح: ٢٨٢ فصل فی سننها، بيروت)

درمختار میں ہے:

ولايصير شارعاً بالمبتدأ فقط كـ"الله" ولا بـ"أكبر" فقط هو المختار، فلوقال "الله" مع الإمام و"أكبر" قبله أو أدرك الإمام راكعاً فقال "الله" قائماً و"أكبر" راكعاً لم يصح فی الأصح، كما لوفرغ من "الله" قبل الإمام، وفی الشامی: (قوله فی الأصح) أی بناء على ظاهر الرواية، وأفاد أنه كما لايصح اقتداءه لايصير شارعاً فی صلاة نفسه أيضاً وهو الأصح كما فی النهر عن السراج. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/ ٤٨٠ فصل فی بيان تالف الصلاة، سعيد۔ وكذا فی الفتاوی الهندية: ١/ ١٦٨، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة۔ وكذا فی نفع المفتی والسائل: ٢٧٣، ما يتعلق بالقعود والركوع والسجود والقيام، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

مقتدی نے امام کی تکبیرِ تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تکبیرِ تحریمہ

پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کرلی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہوگیا لہذا اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ بحوالہ شامی۔(احسن الفتاوی:۳/۳۰۵، باب الامامۃ والجماعۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتدا کا حکم:

سوال: حنفی اگر مسافر شافعی کی اقتدا کرے نمازِ ظہر میں اور شافعی اتمام کرے تو حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابرؒ کا اختلاف ہے مثلاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتیین میں تحریر فرمایا ہے کہ حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ لیکن دوسرے بعض حضرات کے نزدیک نماز درست ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں حنفی مقتدی کی نماز صحیح ہونی چاہئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سفر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زيد يقول: صلى بنا عثمان رضي الله عنه بمنى أربع ركعات فقيل فى ذلك لعبدالله بن مسعود رضي الله عنه فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنىٰ ركعتين وصليت مع أبى بكر الصديق رضي الله عنه بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه بمنى ركعتين فليت حظى من أربع ركعات ركعتان متقبلتان. (رواه البخاري: ۱/۱۴۷/۱۰۷۳، باب الصلاة بمنى)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنور شاه الكشميريؒ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم فى الفروع. فالصحابة رضي الله عنهم والتابعونؒ وكذا الأئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء فى الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين فى آرائهم وأقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكير أو خلاف فى ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أو يتبعون أهل المذاهب إن كانوا مقلدين لهم. (معارف

السنن: ۱/۱۶۰، سعید)

حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتدا جائز ہے اور نماز صحیح ہے ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في الدر المختار عند تعديد الواجبات فصرح في ضمنه أن المتابعة تصح عندنا في الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعيؒ ونقله الحافظ ابن تيميةؒ عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندنا وسيع......وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطاً ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبويوسفؒ وما ذلک إلا ليكون الاقتداء جائزاً ولولا ذلک لما كان أبويوسفؒ ليقتدي به فإنه أورع من ذلک ...... (فیض الباری علی صحیح البخاری: ۲/۳۹۶، باب الصلاة، بمنی المکتبة العزیزیة)

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما رواه أبوداؤد أن ابن مسعودؓ صلى أربعاً فقيل له: عبت على عثمانؓ ثم صليت أربعاً؟ فقال: الخلاف شر، وفي رواية البيهقي إني أكره الخلاف. (عمدة القاری: ۵/۳۸۰/۱۰۸۴، باب الصلاة بمنی دار الحدیث ملتان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے اعتقاد کے مطابق اقتدا درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

نیز علامہ شامیؒ نے بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ امام کی رائے کا اعتبار ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقال الهندواني وجماعة: لايجوز ورجّحه في النهاية بأنه أقيس، لأن الإمام ليس بمصل في زعمه وهو الأصل فلايصح الاقتداء به. (شامی: ۲/۸، باب الوتر والنوافل، سعید)

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مقتدی کے نزدیک امام ایسا عمل کر رہا ہے جو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کے زمرہ میں آتا ہے تو مقتدی کی اقتداء صحیح ہوگی، جیسے مسافر امام چار رکعات پڑھائے تو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب ہوا عملِ مفسد نہیں اس لئے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے یعنی نفل کو فرض کے ساتھ ملایا۔

اقتداء بالمخالف کے سؤال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر

سے نقل کی ہے: ’’بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أو عدمها لم يصح وإن شک كره‘‘ اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ’’بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ‘‘ البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنی التأويل ما نقله في رد المحتار عن حاشية الرملي على الأشباه: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما في رد المحتار أي المراعات في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة. قلت: في التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب... (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۰۶)۔

لہٰذا مقتدی کی نماز امام کے پیچھے اس وقت صحیح ہوگی جبکہ مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب نہیں کررہا ہے، اور اگر مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب کررہا ہو تو اقتدا جائز نہ ہوگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اقتدا بالموافق ومخالف کے احکام:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی یا حنبلی امام کے پیچھے سفر میں چار رکعت ظہر کی نماز پڑھ لے تو آپ کے فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں اس کو جائز کہا گیا ہے، جب کہ بہت سارے مفتی حضرات اس کو واجب الاعادہ کہتے ہیں اور بعض رسائل میں اس پر مضامین بھی آئے ہیں۔

الجواب: ہم نے تفصیلی فتویٰ لکھا تھا جس کو اختصار کے پیش نظر کتاب میں مختصر کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں اقتدا کی دو قسمیں ہیں: (۱) اقتدا بالموافق۔ (۲) اقتدا بالمخالف۔

اقتدا بالموافق میں چونکہ امام اور مقتدی دونوں کے نزدیک نفل وفرض مخلوط ہوئے اس لیے نماز واجب الاعادہ ہے، اور اقتدا بالمخالف میں فقہا کی عبارات اس پر شاہد ہیں کہ مقتدی کے مذہب میں امام مفسدات اور ترکِ فرائض کا ارتکاب نہ کرے، تو نماز صحیح اور درست ہے اگرچہ مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کا مرتکب ہو، اور مسئلہ بالا میں خلط النفل بالفرض ترکِ واجبات کے قبیل سے ہے، مفسدات کے ذیل میں نہیں آتا، اس لیے نماز

صحیح ہے،اوراس کی نظیر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں بعض ائمہ آمین کے بعد فاتحہ کے لیے وقفہ دیتے ہیں یا کافی دیر خاموش رہتے ہیں جو احناف کے نزدیک تاخیر واجب کے ذیل میں آتا ہے لیکن کسی نے نماز کو واجب الاعادہ نہیں کہا نیز صحابہ کرام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سفر اور موسمِ حج میں اقتداء کرتے تھے حالانکہ بعض صحابہ کا مسلک سفر میں قصر کا تھا لیکن بغیر کسی تذبذب کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں: اقتدا بالموافق میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لايحل كما حرره القهستانی،وكذا صرح فی البحر بتأثيمه فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(شامی:۲/ ۱۲۸،باب صلاة المسافر،سعید).

البحر الرائق میں ہے:

وأما الثالث أعني حكم السفر فهو تغيير بعض الأحكام فذكر المصنف منها قصر الصلاة والمراد وجوب قصرها حتى لو أتم فإنه آثم عاصٍ... فلو أتم وقعد فی الثانية صح وإلا لا أی وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلاً كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق:۲/ ۱۳۰،کوئٹۃ۔ وكذافی الهداية مع الفتح:۲/ ۳۲، دار الفكر۔والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹).

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزيمة عندنا فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض فی محله وهو الجلوس على الركعتين وتصير الأخريان نافلة له مع الكراهة لتأخير الواجب وترك واجب القصر وترك افتتاح النفل وخلطه بالفرض وكل ذلك لايجوز .(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۴۲۵،باب صلاة المسافر،قديمی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار رہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے،اگر چہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔(فتاوی رحیمیہ:۳/ ۵۱۔واحسن الفتاوی:۴/ ۷۷)۔

مخالف مذہب کی اقتداء کی صحت کے دلائل ملاحظہ ہو:

عن عبد الرحمٰن بن زيد قال: صلى عثمان رضي الله عنه بمنى أربعاً. فقال عبد الله: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ومع أبى بكر رضي الله عنه ركعتين، ومع عمر رضي الله عنه ركعتين زاد عن حفص، ومع عثمان صدراً من إمارته، ثم أتمها زاد من ههنا عن أبي معاوية، ثم تفرقت بكم الطرق فلوددت أن لى من أربع ركعات ركعتين متقبلتين. قال الأعمش فحدثنى معاوية بن قرة عن أشياخه: أن عبدالله صلى أربعاً قال: فقيل له عبت على عثمان ثم صليت أربعاً قال: الخلاف شر. (رواه ابوداود ،رقم:١٩٦٢،والبيهقى فى الكبرى، رقم:٥٦٤١).

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے ساتھ فرائض میں موافقت کرتے ہوئے اقتداء درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بھی اسی طرح مروی ہے:

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عمرؓ قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين وأبوبكربعده وعمر بعد أبي بكر وعثمان صدراً من خلافته ثم صلى أربعاً فكان ابن عمرإذا صلى مع الإمام صلى أربعاً وإذا صلاها وحده صلاها ركعتين. (مصنف ابن ابى شيبة:٨/٣٤٢).

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

فحاصله أن صاحب الهداية جوز الاقتداء بالشافعي بشرط أن لايعلم المقتدى منه ما يمنع صحة صلاته في رأي المقتدى كالفصد نحوه... فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعى على ثلاثة أقسام الأول أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفى فلاكراهة فى الاقتداء به وفي حاشيته لابن عابدين الشاميؒ: انظر هل المراد بالاحتياط الاتيان بالشروط والأركان أومايشمل ترك المكروه عندنا كترك رفع اليدين عند الانتقالات وتأخيرالقيام عن محله فى القعود الأول بسبب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وظاهر كلام الشيخ إبراهيم فى شرح المنية الأول فإنه قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة.

(البحر الرائق مع منحة الخالق:۲ / ۴۵،۴۶، کوئٹه).

الدر المختار میں ہے:

إن تيقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شك كره. وفي حاشية ابن عابدين: قال: المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن...وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة، فقيد بالمفسد دون غيره كما ترى ...وفي حاشية الأشباه للخير الرملي: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة ، إذا لم يتحقق منه مفسد . (الدر المختار مع رد المحتار: ۱ /۵۶۳، ط:سعيد).

شرح منية المصلی میں ہے:

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه مايفسد على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع وإنما اختلف في الكراهة قيل يكره وقيل لايكره حتى قالوا: لو شاهد من الشافعي أنه افتصد ثم غاب عنه ثم رأه يصلي يجوز له الاقتداء أما لوعلم منه المقتدى مايفسد الصلاة في اعتقاد الإمام كما لو رأى الشافعي مس ذكره أوامرأة ثم يصلي ولم يتوضأ هل يجوز الاقتداء به فالأكثرعلى أنه يجوز وهوالأصح. (شرح منية المصلی، ص۵۱۶، سهيل).

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

” أي المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن“ اوراس سے پہلے تحریر فرمایا: الذي يميل اليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد۔(امداد الفتاویٰ:۱/۳۰۶).

رمز الحقائق میں ہے:

والطريق في هذا أن يقال: يجوز اقتداء الحنفي بالشافعي والشافعي بالحنفي وكذا بالمالكي والحنبلي مالم يتحقق من إمامه مايفسد صلاته في اعتقاده.(رمز الحقائق: ۱/ ۷۹).

نیز مسئلہ مذکورہ بالا میں ان علماء کی آراء کو مدِنظر رکھا جائے جوفرماتے ہیں کہ امام کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے جیسے: حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیریؒ (فیض الباری:۱/۳۵۱)، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، (معارف السنن:۱/۱۶۰) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (امدادالفتاوی:۱/۳۰۶) تو پھر اقتدا اور صحتِ نماز میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

اگرچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرائض وشرائط کی رعایت کرے پھر بھی نماز مکروہِ تحریمی ہوگی۔ ملاحظہ ہو تقریرات الرافعی میں علامہ شامیؒ کی عبارت پر کلام کرنے کے بعد بحوالہ علامہ سندھی مذکور ہے:

قال السندی: فصار الحاصل أن الشافعی إن راعی مذهب المأموم فی الشرائط والفرائض والواجبات والسنن من کل وجه فتصح صلاة المأموم من غیر کراهة...وإن راعی فی الشرائط والفرائض دون الواجبات فالصلاة مکروهة تحریماً...وإن راعی فی الشرائط والفرائض دون السنن فالصلاة مکروهة تنزیهاً ، هذا ما أدین الله به. (التحریر المختار: ۱/۷۲، ط: سعید،وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲٤٤) .

یعنی شافعی امام مقتدی کے مذہب کے مطابق فرائض وشرائط واجبات اورسنن کی رعایت کرتا ہے تو مقتدی نماز بلاکراہت صحیح اور درست ہوگی، اوراگرفقط فرائض وشرائط کی رعایت کرتا ہے واجبات کا خیال نہیں کرتا تو نماز مکروہِ تحریمی ہوگی، اوراگرفرائض وشرائط کے ساتھ واجبات کی رعایت بھی کرتا ہے لیکن سنن کی رعایت نہیں کرتا تو نماز مکروہِ تنزیہی ہوگی۔

لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علامہ شامیؒ کی عبارت کو ترجیح دے کرواجبات کی رعایت نہ کرنے پربھی نماز کو بلاکراہت صحیح اور درست قرار دیا ہے، مزید براں سابقہ آثار بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اوراسی پر عمل درآمد بھی ہے۔ بنابریں بلاکراہت والاقول راجح ہے۔

ملاحظہ ہوعلامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي یمیل إلیه القلب عدم کراهة الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیرمراع فی الفرائض ، (ای ماکان مراعی فی الفرائض فقط دون الواجبات) لأن کثیراً من الصحابة والتابعین کانوا أئمة مجتهدین وهم یصلون خلف إمام واحد مع تباین مذاهبهم . (فتاوی الشامی:۱/٥٦٤،سعید).

ہاں علامہ سندیؒ کا اصول اس صورت میں کارآمد ہے جب کہ کوئی آدمی خود نماز میں کراہتِ تحریمی کا ارتکاب کرے لیکن یہاں امام نے مقتدی کے نزدیک مکروہ کا ارتکاب کیا جوامام کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، بالفاظ دیگر یہ کراہت متفقہ نہیں۔

نیز سب مسلمان سوائے چند بریلویوں کے ائمہ حرم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، اور ہمارے اکابرؒ بھی پڑھتے رہے اور تاہنوز پڑھتے ہیں، حالانکہ ان میں اکثر سورۂ فاتحہ کے بعد مقتدی کی فاتحہ کے لیے وقفہ کرتے ہیں جو احناف کے نزدیک تاخیر فرض یا ترکِ واجب کے زمرے میں آتا ہے تو ہمارے فتوے کی روشنی میں اس میں کوئی حرج نہیں، نیز اگر مقتدی کے نزدیک امام کا ترکِ واجب کراہتِ تحریمی کا سبب ہوتا تو پھر شافعیہ کے پیچھے ہر حال میں فقہاء نماز کو مکروہ فرماتے کیونکہ وہ مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ فاتحہ کا وقفہ دیتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تارکِ سجدۂ سہو شافعی امام کے پیچھے نماز کا حکم:

سوال: ایک شافعی امام نے قعدۂ اولیٰ کو ترک کیا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، اور حنفی مقتدی بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں بتلایا کہ شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو مسنون ہے لازم نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حنفیوں کی نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں لکھا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کی موافقت صرف فرائض میں ضروری ہے اگر مقتدی کے اعتقاد کے مطابق ترکِ واجب کرے تو نماز ہو جاتی ہے، مثلاً امام نے فاتحہ کے بعد وقفہ کیا تو احناف کے ہاں واجب میں تاخیر ہوئی اور سجدۂ سہو واجب ہوا لیکن سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا کیونکہ امام کے ساتھ فرائض میں موافقت ہوئی، کیا یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے؟ اور شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو مسنون ہونے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف میں مختار اور مفتی بہ قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مقتدی کی نیت کا اعتبار ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی مقتدی کی نیت کا اعتبار ہے، ہاں احناف میں سے بعض محققین امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہیں، اس قول کی بناپر حنفی مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سفر میں حضرت عثمانؓ کی اقتدا میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال سمعت عبدالرحمن بن زيد يقول: صلى بنا عثمانؓ بمنى أربع

رکعات فقيل فی ذلک لعبد الله بن مسعودؓ فاسترجع ثم قال : صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى ركعتين وصليت مع أبي بكر الصديق بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطابؓ بمنى ركعتين فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان. (رواه البخاری: ١/١٤٧).

حضرت علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں:

قال شيخنا: والحق أنه لاعبرة لرأي المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة المخالفين لهم فی الفروع . (معارف السنن:١/١٦١).

لیکن عام فقہاء اس پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ مقتدی کی نیت کا اعتبار کرتے ہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما روى أبوداود أن ابن مسعودؓ صلى أربعاً فقيل له عبت على عثمان ثم صليت أربعاً فقال: الخلاف شر و رواية البيهقي إني أكره الخلاف. (عمدة القاری:٥/٣٨٠).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم يكن غيرمراع فی الفرائض (أی ماكان مراع فی الفرائض فقط دون الواجبات)، لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم . (فتاوی الشامی:١/٥٦٤، باب الامامة،سعید).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

مراعات کا محل صرف فرائض ہیں کما فی ردالمحتار: أی المراعاة فی الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع. (امداد الفتاویٰ:١/٣٠٦)۔

(باء) شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو سنن میں سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شافعی امام سجدۂ سہو چھوڑ دے

تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی، ہاں ترکِ سنت کی وجہ سے نماز مکروہِ تنزیہی ہوگی۔
ملاحظہ ہو نہایۃ المحتاج میں ہے:

سجود السهو سنة موكدة ولو في نافلة. (نهاية المحتاج:٢/٦٦).

العزیزشرح الوجيز میں ہے:

قال الغزالي وهي (السجدات) ثلاثة : الأولى سجدة السهو ، وهي سنة عند ترك التشهد الأول ... سجدة السهو و ليست بواجبة و إنما هي سنة ... لنا أن الصلاة لاتبطل بتركها ، فلا تجب كالتشهد الأول. (العزيزشرح الوجيز:٢/٦٢).

مغنی المحتاج میں ہے:

فإن سلم عمداً أي ذاكراً للسهو فات السجود في الأصح لأنه قطع الصلاة بالسلام والثاني: أن العمد كالسهو، ...أو سهواً وطال الفصل عرفاً فات السجود في الجديد...وإلا أي وإن لم يطل الفصل ولم يرد السجود فلا سجود لعدم الرغبة فيه فصار كالمسلم عمداً في أنه فوته على نفسه بالسلام. (مغني المحتاج:١/٤٣٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ میں عدمِ قراءت والاقول مرقوم ہے، البتہ دیگر بعض کتب کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے۔
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدي في بقية صلاته إذا كان مدركاً، أي لايجب عليه لأنه شفع أخير في حقه ومن مشائخنا من قال: ذكر في الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو والاستدلال به إلى العكس أولىٰ لأنه ألحقه بالمنفرد في حق السهو فكذا في حق القراءة . (بدائع الصنائع:١/١٠٢، صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافرأتم المقيم منفرداً لأنه التزم الموافقة فی الركعتين فصار كالمسبوق فی التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفرداً فيقرأ وقيل: لايقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة. (شرح النقاية: ١/ ٢٨٤، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله في الأصح) وقال الحلوانی: يقرأ، قهستانی. (طحطاوی علی الدر: ١/ ٣٣٥)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية: ١/ ١٦٩ـ والفتاوی الهندية: ١/ ١٤٣ـ والشامی: ٢/ ١٢٩، سعيد ـ والبحر الرائق: ٢/ ١٣٥ـ والهداية مع الفتح: ٢/ ٤٠ـ **واللہ ﷻ اعلم۔**

جنات کے پیچھے اقتدا کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص جنات کے پیچھے اقتدا کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر جنات انسانی شکل میں ہے تو اس کے پیچھے اقتدا درست ہے اور نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ بدرالدین شبلی الحنفی اپنی کتاب" آكام المرجان فی أحكام الجان"، میں تحریر فرماتے ہیں:

نقل ابن أبی الصيرفی الحرانی الحنبلی فی قواعده عن شيخه أبی البقاء العسكری الحنبلی أنه سئل عن الجنی هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال نعم لأنهم مكلفون والنبی ﷺ مرسل إليهم. والله أعلم. (آكام المرجان فی غرائب الأخبار وأحكام الجان: ص٦٢، الباب السادس والعشرون فی بيان هل تصح الصلاة خلف الجنی، آرام باغ کراچی)

انسانی شکل میں ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حرکات وسکنات کا پتہ چلنا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتصح إمامة الجنی أشباه ...وفی الشامی: (قوله وتصح إمامة الجنی) لأنه مكلف... (قوله أشباه)...إنما يستلزم أحكامها إذا كانوا على صورة ظاهرة ولهذا لو جامع امرأة ووجدت لذة لايلزمها الاغتسال كما فی الخانية إلا إذا أنزلت كما فی الفتح أوجاء ها على صورة آدمی كما فی الحلية وكذا يقال فی إمامة الجنی. والله أعلم. (الدر المختار مع الشامی:

١/٥٥٤،باب الامامة،سعید)

نیز جنات کے ذبیحہ کے بارے میں علامہ شامیؒ نے انسانی شکل کی قید لگائی ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله وجني)لما في الملتقط"نهى رسول الله عن ذبائح الجن"أشباه،والظاهر أن ذلک محله ما لم يتصوربصورة الآدمي ويذبح وإلافتحل نظراً إلى ظاهر الصورة ويحرر.

(شامی: ٦/٢٩٨ كتاب الذبائح،سعيد۔وكذا في الطحطاوي:٤/١٥٢،كتاب الذبائح،العربية كوئٹه)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

"الأشباه والنظائرللعلامة ابن نجيم الحنفيؒ: ٢/٩٦،أحكام الجان، ادارة القرآن كراچی .وكذا في الأشباه والنظائر للسيوطيؒ : ٢/٦٦ ،القول في أحكام الجان، الثالث:هل تنعقد الجماعة بالجن،دارالكتب العلمية.وكذا في مجموعة الرسائل اللكنوي: تدويرالفلک في حصول الجماعة بالجن والملک،الفصل الأول في حصول الجماعة بالجن: ١/٢٧٢ ،ادارة القرآن كراچی.وفتاوى اللكنوي:ص٣٢٥،بيروت". واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام

امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتدا کا حکم:

سوال: ایک شخص امام کے سلام پھیرتے وقت شاملِ نماز ہوا یا اس سے پہلے لیکن قعدہ میں بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا تو اس شخص کی اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہو تو نیت توڑے گا یا سابقہ نماز جاری رکھے گا؟

الجواب: مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے تحریمہ کہی تو اقتدا صحیح ہوگی اور اگر امام نے ایک جانب سلام پھیر دیا اس کے بعد تحریمہ کہی تو اقتدا صحیح نہیں ہوئی، اب یہ شخص نئی تحریمہ کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله وتنقضی قدوة بالأول)أی بالسلام الأول، قال فی التجنیس:الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال:السلام جاء رجل واقتدی به قبل أن یقول علیکم لایصیر داخلاً فی صلاته. (شامی:۱/٤٦٨ واجبات الصلاة،سعید۔و کذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۵۱، فصل فی بیان واجبات الصلاة،قدیمی)

درمختار میں ہے:

وإذا فسد الاقتداء بأی وجه کان لایمنع شروعه فی صلاة نفسه لأنه قصد المشارکة و هی غیر صلاة الانفراد علی الصحیح،محیط،وادعی فی البحر أنه المذهب. (الدرالمختار: ۱/

۵۸۲، باب الامامة،سعید)

بدائع الصنائع میں ہے:

الاقتداء عبارة عن المتابعة والشركة فيقتضى المساواة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۸،سعید)

کفایۃ المفتی میں ہے:

جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کر لی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہوگیا صحتِ اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتدا کہنا کافی ہے اقتدا کی صحت صرف نیت اقتداء کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوجاتی ہے، پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے۔ (کفایت المفتی: ۳/۴۳۸، کتاب الصلاۃ، دار الاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اقتدا بعد لفظ السلام: یہ اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۵۴۷، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا۔ تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام نے لفظ السلام کہا علیکم نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی یہ اقتداء معتبر نہیں ہے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ بحوالہ شامی۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۲۰۵ مزید وضاحت: ۵/۱۳۵)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۲۷۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/۶۹، باب الاجماعۃ، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۴۹، فصل فی المسبوق واللاحق، مکتبہ دار العلوم کراچی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرنے سے نماز کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

ولو سلم ساهياً إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا...... وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لايلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط: إن سلم في الأولىٰ مقارناً لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به، وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۵۹، سعید۔ و كذا في الطحطاوي: ۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

و لا يسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكراً لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكراً له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلما معاً لايلزمه لأن سهوه سهو المقتدي وسهو المقتدي متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضي ما فاته ثم يسجد للسهو في آخر صلاته. (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۶، سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام اگر غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کی تو درست ہے یا نہیں؟ نیز امام واپس آ گیا اور قعدہ میں بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟ اور اگر واپس نہیں آیا اور چھٹی رکعت بھی ملالی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتدا اس وقت صحیح اور درست ہے جبکہ امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے واپس آجائے۔ اور اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق مقتدی کی اقتدا صحیح اور درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' ہوگی اور یہ فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا صلى الإمام الظهر أربع ركعات وقعد على الرابعة وقام إلى الخامسة ساهياً وجاء

إنسان واقتدى به في صلاة الظهر قال الشيخ الإمام أبوبكر بن الفضلؒ: يصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم يقيد الخامسة بالسجدة يكون في تحريمة تلك الصلاة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ١/١٠٢، فصل في المسبوق).

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

امام اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو چھٹی رکعت ملالے اور سجدہ سہو کرلے فرض اس کے پورے ہوگئے۔ اگر کوئی شخص پانچویں یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ امام کی دو رکعت نفل ہیں۔ (دار العلوم دیوبند، مدلل ومکمل: ۴/۴۱۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کا حکم:

سوال: مسبوق اگر پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کرے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ اور مسبوق کے حق میں یہ مزید رکعت فرض ہوگی یا نفل؟

الجواب: اگر امام پانچویں رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہوگیا اور مسبوق نے اس کی متابعت کی تو اگر امام چوتھی رکعت میں بیٹھا تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ مسبوق حالتِ انفراد میں ہے اور مسبوق کو کسی دوسرے کی اقتدا کرنا مفسدِ نماز ہے۔ (البتہ فتاویٰ قاضیخان میں مرقوم ہے کہ چوتھی رکعت پر امام بیٹھا ہو تب بھی مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی)۔ اور اگر امام چوتھی رکعت میں نہیں بیٹھا تھا تو جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے تب تک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور جب امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو سب کی نمازِ فرض ختم ہوکر نفل ہوجائے گی۔ پس اگر امام نے چھٹی رکعت بھی ملالی تو مسبوق امام کی متابعت کرے گا، پھر اپنی باقی نماز ادا کرلے، اور یہ نماز اس کے حق بھی نفل ہوجائے گی جیسا کہ امام کے حق میں ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو قام إمامه لخامسة فتابعه تفسد وإلا لا حتى يقيد الخامسة بسجدة، ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتداءه في موضع الانفراد.

وفي الشامية: قوله إن بعد القعود، أي قعود الإمام القعدة الأخيرة قوله تفسد، أي صلاة المسبوق لأنه اقتداء في موضع الانفراد، ولأن اقتداء المسبوق بغيره تفسد، قوله وإلا، أي

وإن لم يقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلاته ، لأن ما قام إليه الإمام على شرف الرفض ولعدم تمام الصلاة فإن قيدها بسجدة انقلبت صلاته نفلاً ، فإن ضم إليها سادسة ينبغي للمسبوق أن يتابعه ثم يقضي ما سبق به وتكون له نافلة كالإمام، ولاقضاء عليه لو أفسده لأنه لم يشرع فيه قصداً . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ١/ ٥٩٩،سعيد).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

إذا صلى الإمام الظهر أربع ركعات وقعد على الرابعة وقام إلى الخامسة ساهياً وجاء إنسان واقتدى به في صلاة الظهر قال الشيخ الإمام أبوبكر بن الفضل : يصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم يقيد الخامسة بالسجدة يكون في تحريمة تلك الصلاة . (فتاوی قاضیخان على هامش الفتاوى الهندية: ١/ ١٠٢،فصل فی المسبوق).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے تب تک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور جب امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو سب کی نماز فرض جاتی رہے گی اور نفل ہو جائے گی،پس اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق بھی اس کی متابعت کرے پھر مسبوقانہ کو ادا کرے اور یہ اس کے لیے بھی نفل ہو جائیں گے جیسا کہ امام کے حق میں ہوئے ہیں۔(عمدۃ الفقہ :۲/ ۲۲۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟

سوال: مسبوق امام کے سلامِ اول کے بعد کھڑا ہوگا یا سلامِ ثانی کے بعد؟

الجواب: مسبوق کو فوت شدہ نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جبکہ اس کو یقین ہو جائے کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے اور اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہے،اور عامۃً یہ سلامِ ثانی کے وقت ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

ثم إذا سلم الإمام لايعجل بالقيام وينظر هل يشتغل الإمام بقضاء ما نسيه فإذا تيقن فراغه يقوم إلى قضاء ما سبق ولايسلم مع الإمام، وفيه حكاية وهي أن أبايوسف كان على مائدة الرشيد فقال لزفر ما تقول يا أبا هزيل متى يقوم المسبوق إلى قضاء ما سبق به فقال زفر: بعد

سلام الإمام فقال له أبويوسفؒ: أخطأت فقال زفرؒ:بعد ما يسلم تسليمة فقال: أخطأت فقال زفرؒ: قبل سلام الإمام فقال:أخطأت،ثم قال أبويوسفؒ:إنما يقوم بعد تيقنه أن الإمام فرغ من صلاته فقال زفرؒ:أحسنت أيد الله القاضي. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱/۱۲٤،فصل فی بيان الشروع فی الصلاة،امداديه)

امدادالفتاح میں ہے:

وفي المحيط وغيره:ينبغي للمسبوق أن يمكث ساعة بعد فراغ الإمام ثم يقوم لجواز أن يكون على الإمام سهواً ليتابعه فيه انتهى. (امداد الفتاح:۵۱٤،باب سجود السهو۔وكذافی مراقی الفلاح علی حاشية الطحطاوی:٤٦٤، باب سجود السهو،قديمی كتب خانه۔وهكذا فی البحرالرائق: ۲/۱۰۰، باب سجود السهو،الماجديه)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنا تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہونا معلوم ہوجائے۔قال فی الهندية: **و ينبغي للمسبوق أن يمكث ساعة بعد سلام الإمام لجواز أن يكون على الإمام سهو،عالمكيرى.** (احسن الفتاوی: ۳/۳۷۷ ،باب المسبوق واللاحق)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیر دے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اگر عمداً سلام پھیر دیا، ورنہ فاسد نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والمسبوق يسجد مع إمامه)قيد في السجود لأنه لايتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء فإن سلم فإن كان عامداً فسدت وإلالا.

(شامی:۲/۸۲،باب سجود السهو،سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها أن يتابع الإمام في السهوولايتابعه في التسليم والتكبيروالتلبية فإن تابعه في

التسليم والتكبير فسدت. (الفتاوى الهندية: ۹۲/۱)

البحر الرائق میں ہے:

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السجود لافي السلام فيسجد معه......فإن سلم فإن كان عامداً فسدت وإلا فلا. (البحر الرائق: ۱۰۰/۲، باب سجود السهو، الماجدية)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو تو کرنا ضروری ہے لیکن سجدہ سہو کے لئے سلام میں امام کا اتباع ناجائز ہوتا ہے، اگر قصداً امام کے ساتھ سلام پھیرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی اور سہوا پھیرنے سے فاسد نہ ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ: ۵۵۶/۶، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسبوق کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام کے سلام کے بعد مسبوق بقیہ نماز پڑھ رہا تھا ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کر لی تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: مسبوق واجب الانفراد ہوتا ہے امام نہیں بن سکتا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

فمن جملة أحكام المسبوق ما ذكروا من جملتها أنه فيما يقضي كالمنفرد إلا في أربع مسائل إحداهما لايجوز اقتداءه ولا الاقتداء به لأنه بان من حيث التحريمة. (شرح منية المصلي: ۴۳۷، سهيل اكيڈمي۔ والفتاوى الهندية: ۹۲/۱۔ والشامي: ۵۹۷/۱، سعيد۔ وفتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱۰۱/۱)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا:

سوال: ایک مسبوق اپنی فوت شدہ رکعات اکثر بھول جاتا ہے اور جب ادا کرتا ہے تو اپنے قریب والے کو دیکھ کر اپنی فوت شدہ رکعات پوری کرتا ہے تو اس طرح کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اس کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

أما لو نسي أحد المسبوقين المتساوين كمية ما عليه فقضى ملاحظاً للآخر بلا اقتداء به صح. (فتح القدير: ۱/۳۹۰، باب الحدث في الصلاة، دار الفكر۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/۳۷۸، باب الحدث في الصلاة، كوئتة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

إذا قضى المسبوقان ملاحظاً أحدهما الآخر ليعلم عدد ما عليه من فعله، فلا بأس به.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۹۲، باب الامامة، قديمي۔ وكذا في الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۹۷، باب الامامة، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۹۲، الفصل السابع).

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۳۷، مکتبہ رحیمیہ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۵۶۴، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا:

سوال: کیا مسبوق کے لئے جائز ہے کہ فجر کی نماز میں فوت شدہ رکعت ادا کرتے وقت جہر کرے؟

الجواب: مسبوق فوت شدہ رکعت میں منفرد کے حکم میں ہے اور منفرد کو جہری نماز میں اختیار رہے لہذا مسبوق کو بھی اختیار ہے کہ جہری نماز کی فوت شدہ رکعت جہر سے ادا کرے، بشرطیکہ دوسرے مسبوقین کی نماز میں خلل نہ ہو۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله (كمن سبق ركعة من الجمعة) أي أنه إذا قام ليقضيها لا يلزمه المخافتة بل له أن يجهر فيها ليوافق القضاء الأداء. (شامي: ۱/۵۳٤، فصل في القراءة، سعيد)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أو بعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعله المقتدي)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله كمن سبق بركعة من الجمعة) والمغرب والعشاء والفجر كذلك لأن المسبوق منفرد في الأقوال. (طحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۳٤، فصل يجهر الامام۔ وكذا في امداد الفتاح: فصل في

واجبات الصلاة۔وفی الفتاوی الهندية:١/٧٢، واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنی ويتعوذ ويقرأ. (الدر المختار :١/٥٩٦،سعيد)

فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

فجر میں مسبوق بقیہ رکعت قراءتِ جہری سے پوری کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیو بند:۳/۳۸۹ مدلل ومکمل)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دورکعت کس طرح پوری کرے؟

سوال: مغرب کی نماز میں کسی کی دو رکعت چھوٹ گئی تو ادا کرتے وقت دو رکعات کے درمیان قاعدہ کرے گا یا نہیں کریگا اور اگر نہیں کیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مغرب کی فوت شدہ دو رکعات کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں قراءت بھی کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ بھی کرے لیکن اگر قعدہ نہیں کیا تو بھی استحسانا جائز ہے اور نماز صحیح ہے نہ سجدہ سہو لازم ہے اور نہ اعادہ لازم ہے۔ مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضي الله عنه أن جندباً ومسروقاً أدركا ركعة يعنی من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق فی الثانية والثالثة وقام جندب فی الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلک فأتيا ابن مسعود رضي الله عنه فقال: كل قد أصاب أوقال: كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبرانی فی الكبيربأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفی هذه الطريق جابرالجعفی والأكثرعلى تضعيفه۔ (مجمع الزوائد: ٢/٨٦ ،باب فيما يدرك مع الامام وما فاته،دارالفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوأدرک مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ فی الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد فی أوليهما لأنها ثنائية ولولم يقعد جازاستحساناً لاقياساً ولم يلزمه سجود السهولوسهواً

لکونها أولیٰ من وجه. (شرح منیة المصلی:٤٦٨،فصل فی سجود السهو،سهیل)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهومن سبقه الإمام بکلها أوبعضها وحکمه أنه یقضی أول صلاته فی حق القراء ة وآخرها فی حق القعدة وهومنفرد فیما یقضیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۰۹، فصل فیما یفعل المقتدی۔وکذا فی الشامی:١/٥٩٧،باب الإمامة،سعید)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے آخری تشہد میں شریک ہوا تو نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر کا اختلاف رہا ہے،بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مسافر امام کی فراغت کے بعد لاحق مسبوق ہے پس پہلی دو رکعتیں بلا قراءت ادا کرے گا کیونکہ یہ لاحق ہے،اور تیسری اور چوتھی رکعت قراءت کے ساتھ ادا کرے گا یہی جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے اس پر شیخ الہندؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے دستخط ہیں، یہ حضرات شامی کی عبارت سے استدلال فرماتے ہیں: **ومقیم ائتم بمسافرقوله ومقیم أی فهو لاحق بالنظرللأخیرتین وقد یکون مسبوقاً أیضاکما إذا فات أول صلاة إمامه المسافر.** (شامی:١/٥٩٤، أحکام المسبوق واللاحق)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے یہ ہے یہ شخص صرف مسبوق ہے لاحق نہیں ہے لہذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے اور آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ حضرتؒ نے اس سلسلہ میں مفصل فتوی تحریر فرمایا ہے جس کی تفصیلات اور دلائل فتاوی خلیلیہ :ص ۹۹۔۱۱۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دلائل میں سے کچھ حسبِ ذیل درج ہیں:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن کان الإمام مسافراً والقوم مقیمین ومسافرین صلی الإمام بالطائفة الأولیٰ رکعة ثم انصرفوا بإزاء العدووجاء ت الطائفة الثانیة وصلی بهم رکعة فمن کان مسافراً خلف الإمام بقی إلی تمام صلاته رکعة ومن کان مقیما بقی إلی تمام صلاته ثلاث رکعات ثم ینصرفون

بإزاء العدو وترجع الطائفة الأولىٰ إلى مكان الإمام فمن كان مسافراً يصلي ركعة بغير قراءة لأنه مدرك أول الصلاة ومن كان مقيماً يصلي ثلاث ركعات بغير قراءة في ظاهر الرواية فإذا أتمت الطائفة الأولىٰ صلاتهم ينصرفون بإزاء العدو وتجيء الطائفة الثانية إلى مكان صلاتهم فمن كان مسافراً يصلي ركعة بقراءة لأنه مسبوق ومن كان مقيماً يصلي ثلاث ركعات الأولىٰ بفاتحة الكتاب وسورة لأنه كان مسبوقاً فيها وفي الأخريين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها. (الفتاوى الهندية: ١/١٥٥، الباب العشرون في صلاة الخوف، بلوچستان)

شامی میں ہے:

(قوله والمقيم) ذكر في البحر أن المقيم المقتدي بالمسافر كالمسبوق في أنه يتابع الإمام في سجود السهو ثم يشتغل بالإتمام، وأما إذا قام إلى إتمام صلاته وسها فذكر الكرخي: أنه كاللاحق فلا سجود عليه بدليل أنه لايقرأ، وذكر في الأصل: أنه يلزمه السجود وصححه في البدائع لأنه إنما اقتدى بالإمام بقدر صلاة الإمام، فإذا انقضت صار منفرداً وإنما لايقرأ فيما يتم لأن القراءة فرض في الأوليين وقد قرأ الإمام فيهما. (شامی: ٢/٨٣، باب سجود السهو۔ وفي الشامي أيضا: ١/٥٩٤، أحكام المسبوق)

محقق علماء نے حضرت سہارنپوریؒ کے فتوے کو اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں مسافر امام کے پیچھے تشہد میں شریک ہونے والا مقیم مقتدی صرف مسبوق کے حکم میں ہے لہذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، اب اس کو چاہئے کہ پہلی دو رکعات سورۂ فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے، اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور دو رکعات پر قعدہ بھی کریگا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتاوی خلیلیہ: ۱/۹۹۔۱۱۳، فصل فی حکم اللاحق والمسبوق، مکتبۃ الشیخ۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۸۶۔۳۹۷، باب المسبوق۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے نمازِ ظہر میں دوسری رکعت میں شریک ہوا تو بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

جواب: یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے البتہ محققین کے نزدیک مقیم مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہو کر منفرد ہو جائے گا، لہذا مسبوق کی طرح تینوں رکعات ادا کرے گا پہلی رکعت قراءتِ فاتحہ وسورۃ کے ساتھ ادا کرے گا اور قعدہ کرے گا اور آخری دو رکعات صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكراهتها مفتاح السعادة. فيما يقضيه أى بعد متابعته لإمامه، ويقضي أول صلاته في حق قراءة وآخرها في حق تشهد، وفي الشامي قوله يقضي أول صلاته في حق قراءة. (الدرالمختارمع الشامی: ۵۹۶/۱، باب الامامة، سعید)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفتاوی الهندية، باب صلاة الخوف۔ وفتاوی خليليه: ۹۹/۱۔۱۱۳۔ واحسن الفتاوی: ۳۸۶/۳، کما مر۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

لاحق کی نماز کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کا دوسری رکعت میں وضو ٹوٹ گیا اور جب وضو کرنے گیا تو دو رکعتیں نکل گئیں، اب امام کے سلام کے بعد نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اسے فوت شدہ نماز بلا قراءت پڑھنی چاہئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی تھی، پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

واللاحق من فاتته الركعات كلها أوبعضها لكن بعد اقتدائه بعذر......وحكمه كمؤتم فلايأتي بقراءة......ويبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه أدراكه و إلا تابعه.

وفي الشامي: ففي شرح المنية: وحكمه أن يقضي مافاته أولا ثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ. وفي النتف: إذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الإمام به ثم إن أدرك الإمام في شيء من الصلاة يصليه معه. و في البحر: و حكمه أنه يبدأ بقضاء مافات بالعذرثم يتابع الإمام إن لم

يفرغ و هذا واجب لا شرط، حتى لو عكس يصح، فلو نام في الثالثة و استيقظ في الرابعة فإنه يأتي بالثالثة بلا قراءة، فإذا فرغ منها صلى مع الإمام الرابعة، وإن فرغ منها الإمام صلاها وحده بلا قراءة أيضا، فلو تابع الإمام ثم قضى الثالثة بعد سلام الإمام صح و أثم ، و مثله في الشرنبلالية و شرح الملتقى للباقاني. وهذا العمل مما أغفل التنبيه عليه جميع محشي هذا الكتاب، و الحمد لله ملهم الصواب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۹۵، أحكام المسبوق و اللاحق، سعيد۔ و كذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۲، الفصل السابع في المسبوق و اللاحق)

احسن الفتاوی میں ہے:

لاحق اولاً فوت شدہ رکعات ادا کرے اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے ورنہ تنہا ادا کرے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۸۰، باب المسبوق واللاحق۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۱۹۳، باب المسبوق واللاحق)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

فصلِ ہشتم

حدث اور استخلاف کے مسائل

سلامِ اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز پوری ہوئی یا نہیں یا وضو کر کے واپس آ کر دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو کیا حکم ہے کسی کو خلیفہ بنائے گا یا نہیں؟

الجواب: سلامِ ثانی اصح قول کے مطابق واجب ہے لہذا شخص مذکور وضو کر کے واپس آئے اور دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدرالمختار: ١/٤٦٨، واجبات الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

ويجب لفظ السلام مرتين وهو الأصح. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ٢٥١، واجبات۔ وكذا في بدائع الصنائع: ١/٩٤، سعيد)

درمختار میں ہے:

سبق الإمام حدث...... ولو بعد التشهد ليأتي بالسلام استخلف. وفي الشامي: قوله ليأتي بالسلام: قال ابن الكمال: صرح بذلك في الهداية وهذا صريح في أنه لا خلاف للإمامين هنا إذ لا خلاف لهما في وجوب التسليم، وقوله استخلف: أشار إلى أن الاستخلاف حق الإمام. (الدرالمختار مع الشامي: ١/٦٠٠ باب الاستخلاف، سعيد)

وفی تقریرات الرافعی:

قوله وقد یجاب الخ :یبعد هذا الجواب تعلیل ابن ملک للوجوب بقوله صیانة الخ فإنه یدل علی التعمیم. (التحریرالمختارللرافعی علی الشامی:۱/۷۸ باب الاستخلاف،سعید)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی قاضی خان:۱/۱۱۵، فصل فی الاستخلاف۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا:

سوال: اگر کسی امام کا وضوٹوٹ گیا اور چلا گیا پھر از خود ایک آدمی دوسری یا تیسری صف سے آیا اور نماز پوری کردی تو نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: اگر مقتدی امام کے مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے امام کی جگہ پر آگیا اور نماز پوری کردی تو نماز صحیح ہوگئی، جو بھی عمل کثیر ہوا وہ اصلاحِ صلاۃ کے لئے تھا اس لئے مفسد نہیں ہے ہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ استدبارِ قبلہ لازم نہ آئے ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإن تقدم رجل من غیرتقدیم أحد وقام مقام الأول قبل أن یخرج الإمام من المسجد جاز،ولوخرج الإمام من المسجد قبل أن یصل هذا الرجل إلی المحراب ویقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم ولاتفسد صلاة الإمام الأول. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۱۵، فصل فی الاستخلاف)

شامی میں ہے:

وإن قدم القوم واحدا أوتقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جازإن قام مقام الأول قبل أن یخرج من المسجد ولوخرج فسدت صلاة الکل دون الإمام. (شامی:۱/۶۰۱، باب الاستخلاف،سعید۔ والفتاوی التاتارخانیة:۱/۵۸٤،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

ویفسد کل عمل کثیرلیس من أعمالها ولالإصلاحها(قوله ولالإصلاحها)خرج به الوضوء والمشی لسبق الحدث فإنهما لایفسدانها. (شامی:۱/٦۲٤،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”إن هذه الصلاة لایصلح فیها شئ من کلام الناس
إنما هی التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن“
(مشکاة)

فیما یفسد الصلاة
وما یکره فیها

فصلِ اول

مفسداتِ نماز کا بیان

قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: کیا قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب: احناف کے نزدیک بحالتِ نماز قراءت من المصحف مفسدِ نماز ہے اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، چاہے فرض نماز ہو یا نفل یا تراویح۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله وقراءة مالايحفظه أي مطلق سواء كان قليل أو كثيروهوظاهرالرواية عن الإمام ......ولأبي حنيفةؒ في فسادها وجهان: أحدهما أن حمل المصحف، والنظرفيه، وتقليب الأوراق عمل كثيروالثاني أنه تلقن من المصحف فصاركما لوتلقن من غيره وهومناف للصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال، وهوالصحيح كذا في الكافي، ولولم يكن قادراً إلا على القراءة من المصحف لايجوزله ذلك ويصلي بغيرقراءة لأنه أمي ولافرق بين الإمام والمنفرد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:٣٣٦،باب ما يفسد الصلاة، قديمي-وكذا في تبيين الحقائق:١/١٥٨،باب ما يفسد الصلاة،امداديه)

درمختار میں ہے:

وقراءته من مصحف أي ما فيه قرآن مطلق لأنه تعلم......وفي الشامي:(قوله أي ما فيه قرآن)عممه ليشمل المحراب،فإنه إذا قرأ مافيه فسدت في الصحيح بحر(قوله مطلقا)أي

قلیلاً أو کثیراً، إماماً أو منفرداً، أمیاً لا یمکنه القراء ة إلا منه أو لا (قوله لأنه تعلم) ذکروا لأبی حنیفةؒ فی علة الفساد وجهین....... (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، باب ما یفسد الصلاة، سعید۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۱۰، باب ما یفسد الصلاة، الماجدیه کوئٹه۔ والفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۱، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، بلوچستان۔ والفقه الاسلامی وأدلته: ۲/ ۸، دار الفکر)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۶۸، باب مفسداتِ نماز مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۱۹، باب مفسدات الصلاۃ، دار العلوم حقانیہ۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۴۵، مسائل زلۃ القاری۔

دیگر ائمہ کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک قراءۃ من المصحف مطلقاً جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک صرف نوافل میں گنجائش ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر امام حافظ ہو تو مکروہ ہے اور فرائض میں علی الاطلاق مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

لو قرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء کان یحفظه أم لا بل یجب علیه ذلک إذا لم یحفظ الفاتحة کما سبق ولو قلب أوراقه أحیاناً فی صلاته لم تبطل. (شرح المهذب للامام النوویؒ: ۴/ ۹۵، فرع لو قرأ القرآن من المصحف، دار الفکر)

مواہب الجلیل میں ہے:

فأجاز مالک أن یؤم الإمام فی المصحف فی قیام رمضان وکره ذلک فی صلاة الفرض. (مواهب الجلیل: ۲/ ۳۸۲۔ وکذا فی التاج والإکلیل: ۲/ ۳۸۲۔ ومنح الجلیل: ۱/ ۳۴۵)

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

وکره نظر بمصحف فی فرض وفی أثناء نفل لا فی أوله لأنه یغتفر فی النفل ما لا یغتفر فی الفرض. (حاشیة الدسوقی: ۱/ ۴۹۶۔ وکذا فی المدونة۔ والذخیرة)

المغنی میں ہے:

قال أحمد لا بأس أن یصلی بالناس القیام وهو ینظر فی المصحف قیل له فی الفریضة قال لم أسمع فیه شیئاً، وقال القاضی: یکره فی الفرض ولا بأس به فی التطوع إذا لم یحفظ فإن کان حافظاً کره أیضاً، قال: وقد سئل أحمد عن الإمامة فی رمضان فقال: إذا اضطروا إلی

ذلک نقله علی بن سعید وصالح بن منصور. (المغنی:۱/ ۶۱۲ ،دار الکتب العلمیة بیروت)

الشرح الکبیر میں ہے:

(ویجوزله النظرفی المصحف)یجوزله النظرفی المصحف فی صلاة التطوع قال أحمد: لابأس أن یصلی بالناس القیام وهویقرأ فی المصحف قیل له الفریضة؟قال:لم أسمع فیها بشیء،وسئل الزهری عن رجل یقرأ فی رمضان فی المصحف فقال:کان خیارنا یقرؤون فی المصاحف،روی عن عطاء ویحیی الأنصاری،ورویت کراهته عن سعید بن المسیب والحسن ومجاهد وإبراهیم لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة،وقال القاضی: لابأس به فی التطوع إذا لم یحفظ، فإن کان حافظاً کره لأن أحمد سئل عن الإمامة فی المصحف فی رمضان قال:ان اضطرإلی ذلک. (الشرح الکبیر علی هامش المغنی:۱/۶۳۷،دار الکتب العلمیة بیروت)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وأجاز الحنابلة القراء ة فی أثناء الصلاة فی المصحف،ویکره ذلک لمن یحفظ لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة والنظرإلی موضع السجود لغیرحاجة کما یکره فی الفرض علی الإطلاق لأن العادة أنه لایحتاج إلی ذلک فیها. (الفقه الاسلامی وأدلته:۲/۱۱ مفسدات الصلاة عند الفقهاء،دار الفکر)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سیلولرفون بجنے پرعملِ کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر کی ضرورت پڑے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عمل کثیر مفسدِ نماز ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر پایا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والعمل الکثیرلا القلیل، واختلفوا فی الفاصل بینهما علی خمسه أقوال:

منها أن لایشک الناظرإلیه أنه لیس فی الصلاة، وإن اشتبه علی الناظرفهوقلیل علی الأصح.

والثاني: أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص وشد السراويل وما يقام بيد واحدة قليل.

والثالث: الحركات الثلاث المتواليات كثير.

والرابع: أن الكثير ما يكون مقصوداً للفعل.

والخامس: أن يفوض إلى رأى المبتلى به وهو المصلى......قال الزيلعي: وهذا أقرب الأقوال إلى رأى أبي حنيفة. (امداد الفتاح: ۳۵۹ فصل مايفسد الصلاة، بيروت۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۲۳، باب ما يفسد الصلاة، قديمى۔ وكذا فى الشامى: ۱/۶۲۴، باب ما يفسد الصلاة)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۴۱۸، باب مفسدات الصلاۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چھینکنے والے کو ''یرحمک اللہ'' کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص کو نماز میں چھینک آئی اس نے ''الحمد للہ'' کہا دوسرے نے اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا تو دونوں کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ قصداً نہیں کہنا چاہئے اور اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنے والے کی نماز فاسد ہوگئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله خطاب عاطس أى خطاب المصلى العاطس، وإنما قيد بالخطاب من المصلى لأنه لوقاله العاطس لنفسه لاتفسد لأنه بمنزلة قوله يرحمنى الله وبه لاتفسد ظهيريه، ولوقال ''الحمد لله'' فمن العاطس لنفسه لاتفسد وكذا من غيره...... (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۲۵، باب ما يفسد الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وتشميت عاطس بـ''يرحمك الله'' عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف: لاتفسد لأنه دعاء بالمغفرة و الرحمة كما لو قال العاطس: الحمد لله على أصح الروايتين......وجه قول أبي حنيفة ما رويناه من قوله ﷺ ''إن هذه الصلاة لايصلح فيها شيء من كلام الناس

الحديث. قال لقائله أي: لتشميت معاوية بن الحكم ﷺ، ولأنه يجرى فى مخاطبات الناس فكان من كلامهم. (امداد الفتاح: ٣٦٢، فصل ما يفسد الصلاة، بيروت)

احسن الفتاوی میں ہے:

یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (احسن الفتاوی: ۴۴۱/۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر لیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی شافعی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا شافعی امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر لیا تو حنفی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شافعی امام نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو حنفی کے نزدیک مفسدات میں سے ہے لہذا حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی، فرض دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعي فيجوزما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الاجماع. (شامی: ٥٦٣/١، فى الاقتداء بالشافعى، سعيد)

تحریر المختار میں ہے:

وإذاعلم المقتدى منه ما يزعم به فساد صلاته كالفصد ونحوه لايجزيه ثم قال فحاصله أن صاحب الهداية جوزالاقتداء بالشافعي بشرط أن لايعلم المقتدى منه ما يمنع صحة صلاته فى رأى المقتدى. (تقريرات الرافعي على هامش الشامي: ٧١/١، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

(قوله وكذا كل مفسد) ولوظهرأن بإمامه مايمنع صحة الصلاة أعادهاوما لوأخل بركن أوشرط كظهورأنه توضأ بماء مستعمل أوخرج منه بعد وضوئه دم أوقيح أوقيء فإن الوضوء صحيح عند الإمام مالك فى جميعها باطل عندنا(قوله بطلت)فيلزم إعادتها . (طحطاوى على

الدرالمختار: ۱/ ۲۵۳، باب الامامة)

نورالایضاح میں ہے:

وإن سها عن القعود الأخيرما لم يسجد وسجد لتأخيره فرض القعود فإن لم يعد حتى سجد للزائد على الفرض صارفرضه نفلاً...... ولا يسجد للسهولترك القعود فى هذا الضم فى الأصح لأن النقصان بالفساد لاينجبربالسجود. (نورالايضاح مع مراقى الفلاح : ۱۸۰، باب سجود السهو،مكة المكرمة۔وكذا فى الدر المختارمع الشامى:۲/ ۸۵،باب سجود السهو)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم:

سوال: اگرکسی امام کے پیچھے عورت مقتدیہ تھی اس نے امام کو لقمہ دیا تو امام کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: جب عورت مقتدیہ ہو اور امام صاحب نے حالتِ نماز میں غلطی کی تو عورت کو تصفیق کرنا چاہئے یعنی تالی بجائے نہ کہ لقمہ دے اگر لقمہ دیدیا تو امام صاحب کو لینے سے احتراز کرنا چاہئے اور اگر لقمہ لے لیا تو نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

امدادالفتاح میں ہے:

وتدفعه المرأة بالإشارة أو التصفيق بظهرأصابع يدها اليمنى على صفحة كف اليسرى لأن لهن التصفيق ولاترفع صوتها بالقراء ة أوبالتسبيح لأنه فتنة فلايطلب منهن التسبيح للدرء. (امداد الفتاح:۱ ۰ ٤ ،بيروت)

البحرالرائق میں ہے:

وفى شرح المنية: الأشبه أن صوتها ليس بعورة،وإنما يؤدى إلى الفتنة كماعلل به صاحب الهداية وغيره فى مسئلة التلبية ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح فى الصلاة لهذا المعنى،ولايلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه. (البحر الرائق:۱/ ۲۷۰، باب شروط الصلاة)

فتاوی شامی میں ہے:

(قوله وصوتها)يعنى أنه ليس بعورة(قوله)على الراجح عبارة البحرعن الحلية أنه الأشبه

وفی النهر وهو الذی ینبغی اعتماده. (فتاوی شامی: ١/٤٠٦، مطلب فی ستر العورة)

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں، امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں، جس سے امام متنبہ ہو جائے، زبان سے کچھ نہ کہیں۔ (معارف القرآن: ۷/۱۳۲)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سلام کے جواب میں یہ الفاظ "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ" کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلی کو سلام کیا اس کے جواب میں مصلی نے یہ الفاظ کہے "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ"، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ یہ دعائیہ جملہ محلِ جواب میں صادر ہوا ہے اور عرفاً دوسروں کے حوالہ سلام پہنچاتے ہیں لہٰذا احتیاطاً نماز فاسد ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله رضی اللہ عنہ أنه قال: "کنا نسلم علی النبی ﷺ وهو فی الصلاة فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیه فلم یرد علینا وقال: إن فی الصلاة شغلاً". (بخاری شریف: ١/ ١/ ١١٩٩، باب ما ینهی من الکلام فی الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وکل شیء قصد به الجواب کـ"یا یحیی خذ الکتاب" ویفسدها جواب مستفهم عن ندالله سبحانه؛ أی قال قائل: هل مع الله إله آخر؟ فأجاب المصلی: بـ"لا إله إلا الله" فسدت صلاته عندهما خلافا لأبی یوسفؒ ولهما أنه أخرجه مخرج الجواب وهو صالح له لأنه یستعمل فی موضعه عرفاً فیجعل جواباً لأن الکلام یبنی علی قصد المتکلم فإن من رأی

رجلاً اسمه يحيى وبين يديه كتاب وقال: يا يحيى خذ الكتاب بقوة وأراد خطابه لم يشكل على أحد أنه متكلم لا قارئ. (امداد الفتاح: ٣٦٢، باب ما يفسد الصلاة ـ وكذا في حاشية الطحطاوي: ٣٢٦، باب ما يفسد الصلاة، قديمي)

شامی میں ہے:

(قوله تفسد إن قصد جوابه) ذكر في البحر أنه لو قال مثل ما قال المؤذن، إن أراد جوابه تفسد وهكذا لو لم تكن له نية لأن الظاهر أنه أراد به الإجابة، وكذلك إذا سمع اسم النبي ﷺ فصلى عليه فهذا إجابة. (شامي: ١/ ٦٢١، باب ما يفسد الصلاة، سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

ولو سمع اسم النبي ﷺ فصلى عليه تفسد ولو سمع الأذان فأجاب وأراد به الجواب أو لم يكن له نية تفسد لأن الظاهر أنه أراد به الجواب. (تبيين الحقائق: ١/ ١٥٧، باب ما يفسد الصلاة، امداديه ملتان) نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ ۶/ ۶۳۱ ـ واللہ ﷻ اعلم۔

"أستغفر الله العظيم" پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا امام کے پیچھے یا اکیلے اور "أستغفر الله العظيم" پڑھنا شروع کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ خطا اور عمد میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں استغفر اللہ العظیم اگر بقصد جواب پڑھا یا کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے عمداً ہو یا خطاً اور اگر وساوس کو دور کرنے کے لئے پڑھا یا برائے ذکر پڑھا تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ عمداً ہو۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

أخبر بما يسوءه فاسترجع أو بما يسره فحمد الله وأراد به جوابه تفسد صلاته، وإذا أخبر بما يعجبه فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب لا تفسد صلاته عند الكل وإن أراد به الجواب فسدت عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ. (الفتاوى الهندية: ١/ ٩٩ ـ وكذا في الشامي: ١/ ٦٢٠، سعيد)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

ولوتعوذ لدفع الوسوسة لاتفسد مطلقاً. إذ لافرق بينها وبين الحوقلة. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١/٢٦٢، فصل ما يفسد الصلاة)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

منہ میں چوینگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز کی حالت میں منہ میں چوینگم رکھی ہے اور تھوڑی بہت حلاوت حلق میں جاری ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی، نیز منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر میٹھی چیز ہے اور حلاوت پیٹ میں پہنچتی ہے تو مفسدِ نماز ہے۔
(۲) اگر حلاوت ختم ہوگئی اور بار بار چباتا ہے تو بھی مفسدِ نماز ہے۔
(۳) اگر منہ میں چھوٹی چیز ہے جو مانعِ قراءت نہیں تو مفسدِ نماز نہیں لیکن نماز مکروہ ہوگی۔
(۴) اگر بڑی چیز ہے جو مانعِ قراءت ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله أما المضغ فمفسد) أي إن كثروتقديره بالثلاث المتواليات كما في غيره كذا في شرح المنية، وفي البحرعن المحيط وغيره: ولومضغ العلك كثيراً فسدت، وكذا لو كان في فمه اهليلجة فلاكها، فإن دخل في حلقه منها شيء يسيرمن غيرأن يلوكها لا تفسد، وإن كثرذلك لاتفسد (قوله كسكر) أفاد أن المفسد أما المضغ الكثيرأووصول عين المأكول إلى الجوف بخلاف الطعم، قال في البحرعن الخلاصة: ولوأكل شيئاً من الحلاوة وابتلع عينها فدخل في الصلاة فوجد حلاوتها في فيه وابتلعها لاتفسد صلاته، و لوأدخل الفانيد أوالسكرفي فيه ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته. (شامي: ١/٦٢٣، باب ما يفسد الصلاة۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٢٤، قديمي)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولوأدخل الفانيد أوالسكرفي فيه ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه

تفسد صلاته كذا في الخلاصة. وهو المختار كذا في الظهيرية، ولو مضغ العلك كثيراً فسدت كذا في المحيط السرخسي، إذا لاك الفوفلة فلم ينفصل منها شيء إن كثر ذلك فسدت من أجل أنه عمل كثير وإن انفصل عنها شيء ودخل حلقه فسدت ولو قل، وأما إذا لم يلكها ودخل ريقه لم تفسد. (الفتاوى الهندية: ١/١٠٢، الباب السابع فيما يفسد الصلاة)

درمختار میں ہے:

وأخذ درهم ونحوه في فيه لم يمنعه من القراءة فلو منعه تفسد. وفي الشامي: (قوله لم يمنعه من القراءة) قال في الحلية: الأولى أن يقول بحيث يمنعه من سنة القراءة كما ذكره في الخلاصة، حتى لو كان لا يخل بها لا يكره كما في البدائع، ثم قول قاضيخان: ولا بأس أن يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا تمنعه من القراءة يشير إلى أن الكراهة تنزيهية (قوله فلو منعه) بأن سكت أو تلفظ بألفاظ لا تكون قرآناً، شرح المنية. (الدر المختار مع الشامي: ١/٦٤١، مكروهات الصلاة، سعيد)

نور الایضاح میں ہے:

ووضع شيء في فمه يمنع القراءة المسنونة. (نور الايضاح: ٩١، فصل في المكروهات)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولو يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا يمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفي موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لا تفسد صلاته ولكن يكره له، وإن لم يمنعه شيئاً فلا بأس به. (التاتارخانية: ١/٥٦٥، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي، ادارة القرآن) **واللہ ﷻ اعلم۔**

پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی کی جیب میں خون سے بھرا ہوا خراب انڈا موجود ہے یا پیشاب سے بھری ہوئی بوتل ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نجاست اور ناپا کی جب تک اپنے محل اور معدن میں ہو تو مفسدِ صلاۃ نہیں ہے لیکن اپنے

محل میں نہ ہوتو مفسد ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگئی ،لیکن خون سے بھرا ہوا خراب انڈا جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہوجائے گی کیونکہ نجاست اپنے محل میں ہے۔
شامی میں ہے:

كما لو صلى حاملاً بيضة مذرة صار مخها دماً جاز،لأنه في معدنه، والشيء مادام في معدنه لايعطى له حكم النجاسة،بخلاف ما لوحمل قارورة مضمومة فيها بول فلا تجوز صلاته لأنه في غيرمعدنه كمافي البحرعن المحيط. (شامي:١/٤٠٣،باب شروط الصلاة،سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ونجاسة باطنة في معدنه فلايظهرحكمها كنجاسة باطن المصلي ولوصلي وفي كمه قارورة مضمومة فيها بول لم تجزصلاته لأنه في غيرمعدنه ومكانه ولوصلى وفي كمه بيضة مذرة قد صار مخها دماً جازت لأنه في معدنه و الشيء ما دام في معدنه لا يعطى له حكم النجاسة الكل في المحيط. (البحرالرائق:١/٢٦٧،باب شروط الصلاة،كوئتة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا صلى و في كمه بيضة مذرة قد حال مخها دماً جازت صلاته وكذا البيضة التي فيها فرخ ميت كذا في فتاوى قاضيخان،في النصاب رجل صلى وفي كمه قارورة فيها بول لاتجوزالصلاة سواء كانت ممتلئة أولم تكن لأن هذا ليس في مظانه ومعدنه بخلاف البيضة المذرة لأنه في معدنه ومظانه وعليه الفتوى كما في المضمرات. (الفتاوى الهندية:١/٦٢، الفصل الثاني وطهارة ما يستر به العورة)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم:

سوال: عورت نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ اس کے کچھ بال ظاہر تھے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چوتھائی حصہ کے بقدر بال کھلے رہے تو نماز فاسد ہوگئی لیکن اگر چوتھائی سے کم کھلے رہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويفسدها أداء ركن......وهوقدرثلاث تسبيحات أما لوحصل الانكشاف المانع أقل من

ذلک أو الانکشاف الیسیر فی الزمن الکثیر فإنه غیر مفسد (قوله مع کشف عورة) مراده به مایعم کشف ربع عضو منها فإنه مانع. (حاشیة الطحطاوی علی الدر: ۱/ ۲٦٦، باب ما یفسد الصلاة۔وکذا فی الشامی: ۱/ ۴۰۸، سعید)

شامی میں ہے:

وللحرة...... جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الأصح (قوله النازل) أی عن الرأس بأن جاوز الأذن، وقید به إذ لاخلاف فیما علی الرأس. (شامی: ۱/ ۴۰۵، سعید۔وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۵۸، الفصل الاول فی الطهارة وستر العورة)

فتاوی لکھنوی میں ہے:

الساق من المرأة وشعرها النازل وبطنها وفخذها کل ذلک عضو علی حدة...... فلو انکشف منها الربع فی الصلاة لم تجز و إلا یجوز عندهما، وعند أبی یوسفؒ: و الأکثر ما فوق النصف، وفی النصف عنه روایتان کذا فی الهدایة...... لاتفسد الصلاة بانکشاف القلیل من العورة، و إن طال إلی أداء رکن... (فتاوی اللکھنوی: ۲۴۵، ۲۴۸، التشریح الثانی فی ستر العورة، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار "سبحان ربی الأعلی" کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور قصداً ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہر حال مفسد نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۰۲، باب مفسدات الصلاۃ۔وامداد الفتاح: ۱/ ۲۸۹ باب مایفسد الصلاۃ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم:

سوال: عام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ اگر مرد نماز میں ہو اور عورت بوسہ لے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر عورت نماز میں ہو اور مرد بوسہ لے تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں محقق ابن ہمامؒ نے فرمایا "والله أعلم بوجه الفرق" یعنی دونوں میں فرق کی وجہ اللہ کو معلوم ہے۔علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن

عورت کی نماز اس وجہ سے فاسد ہوئی کہ مرد کا بوسہ اس کے لئے جماع کے حکم میں ہے کیونکہ عورت تو پہلے سے تیار ہے برخلاف عورت کا بوسہ۔ دوسری وجہ یہ ذکر فرمائی کہ عام طور پر عورتوں میں شہوت کا غلبہ بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتا ہے لہذا جب مرد بوسہ لے گا تو عورت کو بھی شہوت ہوگی اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن مرد کا بوسہ مفسدِ صلاۃ ہو یہ بات بندہ کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسے کہ محقق ابن ہمامؒ کی سمجھ میں نہیں آئی، میرے خیال میں شرح زاہدی کا قول بہتر ہے جس سے دونوں کے بوسہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نیز عورت پر شہوت غالب ہے یہ بات تو عقلاً نقلاً قیاساً تجربۃً ہر لحاظ سے درست نہیں۔ اور بوسہ جماع کے معنی میں ہے یہ بھی حنفیہ کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ حنفیہ بوسہ لینے کو ناقضِ وضو نہیں سمجھتے معلوم ہوا کہ بوسہ جماع کے معنی میں نہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

قلت: لعل وجه الفرق هو أن القياس أن لاتفسد في الصورتين لأن فعل غير لايفسد صلاة المصلي.

أما ترى إلى أنه لو أخذ رجل ثياب المصلي أو وضع اليد على بدنه لايفسد لكن إنما يفسد بسبب كونه في معنى الجماع، وهو فعل الرجل فلما قبل المصلية كأنه وجد الجماع فتفسد صلاتها، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة من قبله.

ووجه آخر أن الشهوة على النساء غالبة فلما قبلها فكأنها وجدت الشهوة من جانبها أيضاً فتفسد صلاتها بهذا السبب، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة فيه. والله أعلم.

(فتاوى اللكهنوى: ٢٨٦، ما يتعلق بما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار ابن حزم)

فتح القدیر میں ہے:

ولو مس المصلية بشهوة أو قبلها ولو بغير شهوة تفسد ولو قبلت المصلي ولم يشتهها تفسد كذا في الخلاصة، والله أعلم بوجه الفرق. (فتح القدير: ١/٤٠٤، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الفكر)

عدمِ فساد والوں کے اقوال ملاحظہ ہوں:

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

وإن قبلت المصلي امرأته ولم يقبلها هو لاتفسد صلاته...... وكذا لو كانت هي تصلي

فقبلها لاتفسد صلاتها.(الجوهرة النيرة:٧٧،مكتبة امداديه)

البحرالرائق میں ہے:

وأما قولهم كما فى الخانية والخلاصة لو كانت المرأة هى المصلية دونه فقبلها فسدت بشهوة أوبغيرشهوة ولوكان هوالمصلى فقبلته ولم يشتهها فصلاته تامة فمشكل إذ ليس من المصلى فعل من الصورتين فمقتضاه عدم الفساد فيهمافى شرح الزاهدى ولوقبل المصلية لاتفسد صلاتها. (البحر الرائق: ١٢/٢، باب مايفسد الصلاة،الماجدية_وكذا فى الشامى: ٦٢٩/١، مطلب فى المشى فى الصلاة،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

ورده فى الفتح حيث قال والله أعلم بوجه الفرق وذلك لأنه لاصنع للمصلى فى الوجهين فمقتضاه عدم الفساد فيهما......والذى فى شرح الزاهدى التسوية فى عدم الفساد بالتقبيل.(حاشية الطحطاوى على الدر المختار:٢٦٦/١،ما يفسدالصلاة). **واللہ ﷻ اعلم۔**

نماز میں غیرعربی میں اورکلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم:

سوال:ایک عورت جب نماز پڑھتی ہے تو سجدہ یا قعدہ میں انگریزی زبان میں یہ دعا پڑھتی ہے''یا اللہ میرے شوہر اور بچوں کی حفاظت فرمائے''اس عورت کی نماز فاسد ہوئی یانہیں؟

الجواب:نماز میں غیرعربی میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے پھر جو دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو وہ مفسدِ نماز ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں عورت کی نماز فاسد ہوگئی اوراعادہ کرنا چاہئے۔ فتاوی قاضیخان میں ہے:

إذا قرأ القرآن فى الصلاة بالفارسية عند أبى حنيفةؒ يجوزوإن كان يحسن العربية لايجوزوتفسد صلاته كذاذكرشمس الأئمة الحلوانىؒ وعلى هذا الخلاف جميع أذكارالصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية''يارب بيامرزمرا''(اے اللہ مجھے بخش دے)إذاكان يحسن العربية تفسد صلاته وكذاكل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:٨٦/١، باب افتتاح الصلاة،بلوچستان)

امداد الفتاح میں ہے:

ویفسدها الدعاء بمایشبه کلامنا نحو: اللّٰهم ألبسني ثوب کذا أو زوجني امرأة ...... وذکر في البحر عن المرغیناني ضابطاً فقال: الحاصل أنه إذا دعا بماجاء في الصلاة أو في القرآن أو في المأثور لاتفسد صلاته وإن لم یکن في القرآن أو المأثور ولا یستحیل سؤاله من العباد تفسد. انتهی. (امداد الفتاح: ۳۵۸ مایفسد الصلاة)

شامی میں ہے:

لکن المنقول عندنا الکراهة فقد قال في غرر الأفکار شرح درر البحار في هذا المحل: وکره الدعاء بالعجمیة لأن عمر رضی اللہ عنہ نهی عن رطانة الأعاجم......وقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلی قولهما بعد جواز الصلاة بالقراءة بالفارسیة إلا عند العجز وأما صحة الشروع بالفارسیة وکذا جمیع أذکار الصلاة فهي علی الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقاً خلافاً لهما کما حققه الشارح هناک......ولایبعد أن یکون الدعاء بالفارسیة مکروهاً تحریماً في الصلاة. (شامی: ۱/ ۵۲۱، الدعاء بغیر العربیة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۳۲، باب مفسدات الصلاۃ والمکروہات)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں، اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: جدید فقہی مسائل میں ہے:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز درست ہے یا نہیں؟ ابتداء میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس آواز کی بازگشت ہے۔ اس طرح اس آواز پر مقتدیوں کی نقل وحرکت گویا امام کی بجائے ایک دوسری آواز کی بناء پر ہوگی اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ مقتدی

امام کی بجائے کسی اور کی آواز پر نقل وحرکت کرے۔

اس کے مقابلے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے باوجود نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح ہے اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے کہ نماز کے باہر کے ایک شخص کی تلقین پر نمازیوں نے نقل وحرکت کی، چنانچہ جب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور مدینہ کے مضافات کی بعض مساجد میں جہاں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کر رہے تھے، قبلہ کی تبدیلی کی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی تو سب نے اپنا رخ بدل لیا۔ظاہر ہے یہ نقل وحرکت ایک ایسے شخص کی آواز پر عمل میں آئی جو نماز سے باہر تھا۔

اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی نقل اور اس کا چربہ نہیں ہے بلکہ بعینہ امام کی وہی آواز ہے جو اس کی زبان سے نکلتی ہے، اس طرح اب لاؤڈ اسپیکر سے نماز وامامت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

بعض علماء اس کے استعمال میں ایک گونہ کراہت سمجھتے ہیں اور ناگزیر ضرورت ہی پر اس سے کام لینے کو درست سمجھتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے بلا ضرورت امام کی آواز کو تقویت دینے والی مکبرین کے تقرر کو مکروہ قرار دیا ہے۔لہذا یہی حکم لاؤڈ اسپیکر کا بھی ہوگا، مگر یہ استدلال قابلِ غور ہے، مکبرین کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی جب کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا بعینہ امام کی آواز ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے ان دونوں کو ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کو حسبِ ضرورت اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ اس کی آواز مناسب حدود اور مسجد میں رہے اور مسجد سے باہر اپنے کاموں میں مصروف لوگوں تک پہنچانے سے گریز کیا جائے کہ اس سے قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہانت کا اندیشہ ہے۔(جدید فقہی مسائل :۱/۱۳۴، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۴/۶۴۔فتاوی حقانیہ:۳/۲۲۰۔امداد الفتاوی:۱/۶۰۵، ۶۰۸۔کفایت المفتی:۷/۲۰۶۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام:ص ۳۵۔۶۵۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کی مزید تحقیق:

سوال: بعض حضرات لاوڈ سپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ سپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: لاوڈ سپیکر پر نماز پڑھنا بلا کسی شبہ کے جائز اور درست ہے اس کو مشکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔ دلائل مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

بوّب الإمام البخاریؒ ’’في العمل في الصلاة‘‘ باب إذا قيل للمصلي تقدم و انتظر فانتظر فلابأس به. (بخاری شریف: ۱/۱۶۲)

یعنی اگر مصلی نے خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کرنا... اس کی اہمیت لاؤڈ سپیکر (Loud Speaker) پر نماز پڑھنے کے مسئلہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ لاوڈ سپیکر پر نماز نہیں ہوتی یا مشکوک ہوتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقتدی تک پہنچنے والی آواز درحقیقت امام کی آواز نہیں بلکہ لاوڈ سپیکر امام کی آواز کو جذب کر کے مقتدی تک پہنچاتا ہے اور مقتدی اس کی اتباع میں انتقالات کرتا ہے تو گویا خارج الصلاۃ کی اتباع میں انتقالات کرنا پایا گیا لہذا نماز درست نہیں۔

اکثر مفتی حضرات اور علمائے کرام کے نزدیک لاوڈ سپیکر پر نماز ہو جاتی ہے، نماز کے صحیح ہونے کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) محققین علماءِ سائنس کہتے ہیں کہ مقتدی تک پہونچنے والی آواز امام ہی کی آواز ہے لاوڈ سپیکر کی نہیں لہذا خارج الصلاۃ کی آواز کی اتباع میں انتقالات کرنا نہیں پایا گیا تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

(۲) بالفرض اگر یہ امام کی آواز نہیں لاوڈ سپیکر کی آواز ہے تب بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ لاؤڈ سپیکر غیر عاقل ہے اور خارج الصلاۃ کی اتباع اس وقت مفسد ہے جب یہ عاقل ہو، غیر عاقل کی اتباع مفسد نہیں، اس کی مثال صوت الصدی کی ہے پہلے زمانے میں امام گنبد میں نماز پڑھاتا تھا امام کی آواز گنبد میں ٹکرا کر مقتدیوں تک پہنچتی تھی اور اسی آواز پر مقتدی انتقالات کرتے تھے تو اس میں خارج الصلاۃ کی اتباع پائی گئی مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ لاؤڈ سپیکر پر پڑھی گئی نماز کے بارے میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتِ سائنس سے قطع نظر اگر اس آواز کو امام کی اصل آواز نہ مانا جائے بلکہ مثل صوتِ

صدی کے قرار دیا جائے تو خود مقیس علیہ میں بھی فسادِ صلاۃ کا حکم نہ فقہاء کی تصریح سے ثابت ہے اور نہ اس کی وجہ فقہی ہوسکتی ہے، بلکہ اگر امام کی آواز کسی مقتدی کو بذریعۂ صدی یعنی آواز بازگشت پہنچ جائے اور مقتدی اس پر نقل وحرکت کرے تو اس میں بھی کوئی وجہِ فساد کی نہیں معلوم ہوتی پھر اس پر مکبّر الصوت کو قیاس کر کے مفسدِ نماز کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (آلاتِ جدیدہ: ص ۶۵)

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ نے زیرِ بحث مسئلہ میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۰ ۳ رسالہ "امام الکلام فی تبلیغ صوت الإمام")

اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ خارج الصلاۃ کی اتباع مفسد ہے چاہے عاقل ہو یا غیر عاقل تو یہ اس وقت مفسد ہے جب کہ اس اتباع سے امتثال امر اللہ مقصود نہ ہو اگر امتثال امر اللہ مقصود ہو تو مفسد نہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں امام کے انتقالات کو مقتدیوں تک پہنچانا مقصود ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مصلی فی غیر القراءۃ خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کر لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس کے شواہد مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تحویلِ قبلہ کے موقع پر ایک صحابی نے خبر دی اور تمام مصلی حضرات نے قبول کر لیا اور دورانِ نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر لیا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج البخاری عن البراء رضی اللہ عنہ فی قصة تحویل القبلة: وکان یعجبه أن تکون قبلته قِبل البیت وأنه صلی أول صلاة صلاها صلاة العصر وصلّی معه قوم فخرج رجل ممن صلی معه فمرّ علی أهل مسجد وهم راکعون فقال: أشهد بالله لقد صلیت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قِبل البیت. (صحیح البخاری: ۱/ ۱۰، ۱۱)

(۲) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونے کو تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے:

أخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: ما کنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الا بالتکبیر. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۷، الذکر بعد الصلاۃ)

وروی عنه البخاری أیضا: کنت أعرف انقضاء صلاة رسول الله بالتکبیر. (صحیح البخاری: ۱/ ۱۱۹)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امامت فرمائی دو رکعت کے بعد اعلان فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو ہم

مسافر ہیں اور مقیمین نے دورانِ نماز اعلان سن کر نماز پوری کی۔ملاحظہ ہو:

أخرج البيهقي في سننه الكبرى:قال عليه الصلاة والسلام لأهل مكة حين أمهم بها:"أتمّوا صلاتكم فإنا قوم سفر". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۱۳۶۔وأبو داؤد:۱/۱۷۳)

نیز فقہاء نے بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے:

قال في الدر:وندب للإمام......أن يقول بعد التسليمتين في الأصح :أتمّوا صلاتكم فإني مسافرلدفع توهّم أنه سها. (الدرالمختار:۲/۱۳۰،سعید)

(۴)مقتدی کے کہنے پر امام قراءت میں تطویل کرے تاکہ آمین میں شریک ہو اس میں بھی خارج الصلاۃ کا اثر قبول کرنا ہے:

وذكر البخاري في باب جهر الإمام بالتأمين:وكان أبوهريرة ﷺ ينادي الإمام لاتفتني بآمين...... (بخاری شریف:۱/۱۰۷)

وقال العيني في شرح البخاري:

وروى البيهقي من حديث أبي رافع أن أبا هريرة ﷺ كان يؤذن لمروان بن الحكم فاشترط أن لايسبقه بالضالّين حتى يعلم أنه دخل الصّف فكان إذا قال مروان ولاالضّالين قال أبوهريرة ﷺ آمين يمدّ بها صوته وقال:إذا وافق تأمين أهل الأرض تأمين أهل السماء غفرلهم. (عمدة القاري: ٤/٤٩٨،دارالحديث ،ملتان)

(۵)خسوفِ شمس کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں اشارہ سے جواب دیا۔ملاحظہ ہو:

روى البخاريؒ في أبواب الوضوء والخسوف من حديث أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنها **قالت:أتيت عائشة** رضي الله تعالىٰ عنها **زوج النبي ﷺ حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون هي قائمة تصلي فقلت ما للناس؟فأشارت بيدها إلى السماء وقالت سبحان الله فقلت آية؟فأشارت أي نعم.** (صحيح البخاري:۱/۳۰،۱٤٤)

(۶)ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے امامت کرائی جب آپ ﷺ تشریف لائے تو پیچھے ہٹنا شروع کیا آپ نے اشارہ سے روکدیا اور نماز پوری کی۔ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم برواية المغيرة بن شعبة ﷛ قال......فانتهينا إلى القوم وقد قاموا في الصلاة يصلي بهم عبد الرحمن بن عوف وقد ركع بهم ركعة فلما أحسّ بالنبي ﷺ ذهب يتأخّر فأومأ إليه فصلى بهم فلما سلم قام النبي ﷺ وقمت وركعنا الركعة التي سبقتنا. (مسلم شريف: ۱/۱۳٤)

(۷) صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تو صحابہ نے غیر امام کی اقتداء کی پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوئی اسی طرح جو لوگ مکبر کی آواز پر انتقالات کرتے رہتے ہیں وہ سب غیر امام کی تکبیر پر انتقالات کرتے رہتے ہیں۔ملاحظہ ہو:

بوّب الإمام البخاري ؒ باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم وذكر فيه حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **الطويل وفيه:**

فكان أبوبكر ﷛ يصلي قائماً وكان رسول الله ﷺ يصلي قاعداً يقتدي أبوبكر ﷛ بصلاة رسول الله ﷺ والناس مقتدون بصلاة أبي بكر ﷛. (صحيح البخاری: ۱/۹۹)

(۸) کبھی نبی پاک ﷺ نے بچہ کی آواز سن کر نماز مختصر فرمادی۔ملاحظہ ہو:

وفي الصحيح للإمام البخاري ؒ عن أنس ﷛ أن النبي ﷺ قال: إني لأدخل في الصلاة و أنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه. (صحيح البخاری: ۱/۹۸)

وذكر ابن أبي شيبة عن ابن سابط: أن رسول الله قرأ في الركعة الأولى بسورة نحوا من ستين آية فسمع بكاء الصبي قال: فقرأ في الثانية بثلاث آيات. (مصنف ابن أبی شيبة: ۳/٤۷۱٤/٥۰٤، المجلس العلمي۔ومصنف عبد الرزاق: ۲/۳٦٥، ادارة القرآن)

قال الشيخ محمد عوامة: الحديث مرسل ورجاله ثقات.

(۹) ایک مرتبہ باندی کے پوچھنے پر نبی پاک ﷺ نے اشارہ سے جواب مرحمت فرمایا۔ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم بسنده عن كريب مولى ابن عباس ﷛ أن عبد الله بن عباس ﷛ وعبد الرحمن بن أزهر والمسور بن مخرمة أرسلوه إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **زوج النبي ﷺ فقالوا اقرأ عليها السلام منا جميعاً وسلها عن الركعتين بعد العصر وقل إنا أُخبرنا أنك تصلينها**

وقد بلغنا أن رسول الله ﷺ نهى عنها، قال ابن عباس رضي الله عنه وكنت أصرف مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه الناس عنها وبلّغنها ماأرسلوني به فقالت: سل أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا، فخرجت إليهم فأخبرتهم بقولها فردّوني إلى أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بمثل ما أرسلوني إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقالت أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: سمعت رسول الله ﷺ ينهى عنها ثم رأيته يصليها أمّا حين صلّاهما فإنه صلى العصر ثم دخل وعندي نسوة من بني حرام من الأنصار فصلاهما فأرسلت إليه الجارية فقلت: قومي بجنبه فقولي له: تقول أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا يا رسول الله إني أسمعك تنهى عن هاتين الركعتين وأراك تصليهما فإن أشار بيده فاستأخري عنه، قالت: ففعلت الجارية فأشار بيده فاستأخرت عنه فلما انصرف قال: يا ابنة أبي أمية سألتِ عن الركعتين بعد العصر أنه أتاني أناس من بني عبد القيس بالإسلام من قومهم فشغلوني عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان. (مسلم شریف: ۱/۲۷۷)

نیز فقہاء کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ نمازی نے اشارہ سے جواب دے دیا یا خارج الصلاۃ کی بات قبول کر لی قراءت کے علاوہ میں تو نماز فاسد نہیں ہوتی، ملاحظہ فرمائیں چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصلی نے اشارہ سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال في الدر: ورد السلام ولو سهواً بلسانه لا بيده بل يكره.

وقال الشامیؒ: لا بيده أي لا يفسدها رد السلام بيده. (شامی مع الدر المختار: ۱/۶۱۶)

(۲) مصلی سے پوچھا جائے یہ پیسہ کھوٹا ہے یا کھرا اور اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو رد المصلي السلام بيده أو طلب منه شيء فأومأ برأسه أو عينيه أو حاجبه أي قال نعم أو لا لا تفسد بذلك وكذا لو أراه إنسان درهماً وقال أجيد هو؟ فأومأ بنعم أو لا لعدم العمل الكثير. (شرح منية المصلی: ٤٤٥، سهيل اکیڈمی)

(۳) مصلی سے تعدادِ رکعات کے متعلق پوچھا جائے اور انگلی کے اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو: وفي شرح المنية:

وروي عن أبي بكر أنه أجاب فيمن أي في مسئلة من قال له أي للمصلي كم صليتم ؟

فأشار إليه المصلی بيده أی بإصبعين منها إلی أنهم صلوا ركعتين وبثلاث إلی أنهم صلوا ثلاثاً ونحو ذلک، لاتفسد صلاته. (شرح منية المصلی: ٤٤٤، سهيل)

(۴) اگر کوئی آدمی پیچھے کی صف میں اکیلا تھا اور اس نے اگلی صف سے کسی کو کھینچا اور اگلی صف والا اس کی اتباع میں پیچھے آ گیا تو راجح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۵) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی دوسرا آدمی باہر سے آیا اور مصلی سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ اور خارج کی اتباع میں مصلی آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(٦) اگر کوئی صف میں داخل ہوا اور مصلی نے اس کو جگہ دی تو علامہ شامیؒ نے اس صورت میں بھی یہ بات راجح قرار دی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی چاہے مصلی نے یہ کام آنے والے کے کہنے سے کیا ہو یا اس کے کہے بغیر ہر صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو وجد فرجة فی الأول لاالثانی له خرق الثانی لتقصيرهم، وفی الحديث ''من سدّ فرجة غفر له'' وصح ''خياركم ألينكم مناكب فی الصلاة'' وبهذا يعلم جهل من يستمسک عند دخول داخل بجنبه فی الصف ويظن أنه رياء كما بسط فی البحر، لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه ثم نقل تصحيح عدم الفساد فی مسئلة من جذب من الصّف فتأخر.

قال ابن عابدينؒ:

كما بسط فی البحر أی نقلاً عن فتح القدير قال ويظن أن فسحه له رياء بسبب أن يتحرک لأجله بل ذاک إعانة علی إدراک الفضيلة وإقامة لسدّ الفرجات المأمور بها فی الصف والأحاديث فی هذا شهيرة كثيرة.

(لكن نقل المصنف وغيره الخ) استدرک علی ما استنبطه فی البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول فی المسئلة، وعبارة المصنف فی المنح بعد أن ذكر: لو جذبه آخر فتأخر الأصح لاتفسد صلاته، وفی القنية: قيل لمصل منفرد تقدّم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلی حتی وسع المكان عليه فسدت صلاته وينبغی أن

یمکث ساعة ثم یتقدم برأی نفسه، وعلّله فی شرح القدوری بأنه امتثال لغیر أمر اللہ تعالی أقول: ما تقدم من تصحیح صلاة من تأخر ربما یفید تصحیح عدم الفساد فی مسئلة القنیة، لأنه مع تأخره بجذبه لاتفسد صلاته ولم یفصّل بین کون ذلک بأمره أم لا......هذا وقد ذکر الشرنبلالی فی شرح الوهبانیة ما مر عن القنیة وشروح القدوری ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول اللہ ﷺ فلایضر. (شامی: ۱/۵۷۱).

وفی مفسدا ت الصلاة من الدر: أو دخل فرجة الصف فوسع له فسدت...وقال ابن عابدین: المعتمد فیه عدم الفساد. (شامی: ۱/۶۲۲)

(۷) امام کا آنے والے کی رعایت کرتے ہوئے رکوع کوطویل کرنا، اگراس نیت سے ہوکہ اسے رکوع مل جائے تواعانۃ علی الطاعۃ ہونے کی وجہ سے جائز ہے اوراس سے نماز فاسد نہیں ہوگی حالانکہ امام نے خارج الصلاۃ کی رعایت کی:

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

وکره تحریما إطالة الرکوع والقراءة لإدراک الجائی أی إن عرفه وإلا فلا بأس به ولو أراد التقرب إلی اللہ تعالیٰ لم یکره اتفاقاً.

قال الشامیؒ: ولو أراد التقرب إلی اللہ أی خاصة من غیر أن یتخالج قلبه بشیء سوی التقرب حتی ولا إعانة علی إدراک الرکعة...أقول: قصد الإعانة علی إدراک رکعة مطلوب فقد شرعت إطالة الرکعة الأولیٰ فی الفجر اتفاقاً وکذا فی غیره علی الخلاف إعانة للناس علی إدراکها... (شامی: ۱/۴۹۵)

مذکورہ بالا احادیث وعباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین فی غیر القراءۃ قبول کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہذا لاؤڈ سپیکر خارج الصلاۃ ہے جو امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس میں کوئی وجہِ فساد پائی جاتی ہے، نیز پرانے زمانے میں لاؤڈ سپیکر درمیان میں خراب ہوجاتا تھا لیکن آج کل لاؤڈ سپیکر عمدہ ہوتے ہیں اکثر خراب نہیں ہوتے ہاں اگر خارج الصلاۃ کا لقمہ قراءت صلاۃ میں قبول کیا تو نماز فاسد ہوجائیگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ دوم

مکروہاتِ نماز کا بیان

سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں سیل فون کی گھنٹی بجنے لگے تو اس کو عملِ قلیل سے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نماز کے دوران گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنا جائز ہے یعنی ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کردے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

مصلی کے لئے ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے سائلنٹ (silent) پر کردے یا بند کردے، اور اس کی طرف خاص توجہ رکھے لیکن کسی وجہ سے بھول گیا اور نماز میں بجنے لگے تو فوراً عملِ قلیل سے بند کردینا چاہئے کیونکہ گھنٹی کا مسلسل بجنا دیگر مصلیوں کی سخت ناگواری کا سبب ہے اور خود اپنی نماز کے لئے بھی باعثِ خلل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے نماز مختصر فرمادی تاکہ بچہ کی ماں پریشان نہ ہوجائے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ روتا ہے اور چپ کرنا مشکل ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا، اسی طرح سیل فون جب رونا شروع کرے تو اس کو بند کرنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا کیونکہ سیل فون بھی بچہ کی طرح جلدی خاموش ہونے والا نہیں ہے اور اس میں مصلیوں کی تشویش کا سبب ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی قتادة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: إنی لأقوم فی الصلاة أرید أن أطول فیها فأسمع بكاء

الصبی فأتجوز فی صلاتی کراهة أن أشق علی أمه. وفی روایة: قال أنس ﷺ: فیخفف مخافة أن تفتن أمه. وفی روایة: فأتجوز فی صلاتی مما أعلم من شدة وجد أمه من بکائه. وفی روایة: کراهة أن أشق علی أمه. (بخاری شریف: ۱/۹۸، باب أخف الصلاة عند بکاء الصبی)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والثانی أن ما یقام بالیدین عادة کثیر......ویقام بید واحدة قلیل......وفی مکروهات الصلوة......ویکره العمل القلیل. (امداد الفتاح: ۳۵۹-۳۸۳، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

العمل الکثیر یفسد الصلاة والقلیل لا، کذا فی محیط السرخسی وکل ما یقام بید واحد فهو یسیر ما لم یتکرر کذا فی فتاوی قاضیخان وأنه لو نظر إلیه ناظر من بعید إن کانت لایشک أنه فی غیر الصلاة فهو کثیر مفسد وإن شک فلیس بمفسد وهذا هو الأصح کما فی التبیین. وهو أحسن کذا فی محیط السرخسی وهو اختیار العامة کذا فی فتاوی قاضیخان والخلاصة وإن تقلد سیفاً أو نزعه لاتفسد صلاته. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۱، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

ندائے شاہی میں ہے:

نماز میں موبائل بند کرنا: ضروری ہے کہ نماز شروع ہونے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کر دی جائے اور اس کا خاص اہتمام رکھنے کی عادت ڈالی جائے لیکن اگر اتفاق سے گھنٹی بند کرنا بھول گیا اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ قلیل کے ذریعہ (ایک ہاتھ سے جیب میں رکھے) موبائل بند کر دینا چاہئے۔ (ماہنامہ: ص۱۴ ندائے شاہی مراد آباد، دسمبر ۲۰۰۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کوٹ (jacket) کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں کوٹ (jacket) کو کندھے پر ڈال دے اور آستینوں میں ہاتھ داخل نہ کرے تو نماز میں کچھ نقص وخرابی آئے گی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں اس طرح کوٹ کندھے پر ڈالنا اور ہاتھ آستینوں میں داخل نہ کرنا سدل یعنی کپڑا

لٹکانے کے حکم میں ہے اور یہ مکروہ ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولایسدل ثوبه لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل وهو أن یجعل ثوبه علی رأسه وکتفیه ثم یرسل أطرافه من جوانبه. وفی فتح القدیر: (قوله لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل) عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أنه صلی اللہ علیہ وسلم "نهی عن السدل فی الصلاة وأن یغطی الرجل فاه" أخرجه أبوداؤد والحاکم وصححه **(قوله وهو أن یضع الخ) ویصدق أیضاً علی لبس القباء من غیر ادخال الیدین کمیه، وقد صرح بالکراهة فیه.** (فتح القدیر مع الهدایة: ۱/۴۱۲، فصل ویکره للمصلی، دار الفکر۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۲۴، کوئتة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السدل أن یجعل القباء علی کتفیه ولم یدخل یدیه فی الکمین، قالوا: ومن صلی فی قباء ینبغی أن یدخل یدیه فی کمیه ویشده بالمنطقة مخافة السدل کذا فی فتاوی قاضیخان. (فتاوی هندیة: ۱/۱۰۶)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والصحیح الذی علیه قاضیخان، والجمهور أنه یکره لأنه إذا لم یدخل یدیه فی کمیه صدق علیه اسم السدل لأنه إرخاء للثوب بدون لبس معتاد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۵۰، فصل فی المکروهات، قدیمی۔ وکذا فی امداد الفتاح: ۳۷۹)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا:

سوال: کیا نماز میں کچھ نقص آئے گا اس صورت میں کہ مصلی اپنے رومال یا چادر کا ایک کنارہ یا دونوں کو لٹکادے اور چھوڑ دے؟

الجواب: رومال یا چادر کا ایک کنارہ اگر کندھے پر ڈالدے تو نماز میں کوئی نقص نہیں ہے البتہ دونوں کناروں کو چھوڑ دے اور لٹکائے رکھے تو نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو؛ امدادالفتاح میں ہے:

ویکره سدله...... السدل وهو أن یجعل الثوب علی رأسه وکتفیه ویرسل جوانبه من غیر أن یضمها...... وفی الظهیریة هو أن یضع ثوبه علی کتفیه ویرسل طرفیه انتهی. وفی مجمع

الروايات: لوكان تحت الرداء قميص أوثوب اختلفوا في كراهة السدل و الصحيح أنه يكره انتهى. وفي البحرعن فتح القدير أن السدل يصدق على أن يكون المنديل مرسلاً من كتفيه كما يعتاده كثيرفينبغي لمن على عنقه منديل أن يضعه عند الصلاة، ولافرق بين أن يكون الثوب محفوظاً عن الوقوع أولاانتهى، وذلك لقول أبي هريرة رضي الله عنه أنه عليه السلام "نهى عن السدل وأن يغطي الرجل فاه". (أخرجه أبوداؤد في الصلاة باب ماجاء في السدل في الصلاة: ٦٤٣ - و الترمذي في الصلاة باب ما جاء في كراهة السدل في الصلاةمن زيادة أن يغطي الرجل فاه: ٣٧٨ - والبيهقي في الصلاة باب كراهية السدل في الصلاة: ٢/٢٤٢ - وابن حبان في صحيحه في الصلاة: ٢٢٨٩ - والحاكم في المستدرك: ١/٢٥٣، وقال: حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه فيه، ووافقه الذهبي) **وفي المحيط لأنه تشبه بفعل اليهود حال عبادة النيران.** انتهى. (امداد الفتاح: ٣٧٩ فصل في المكروهات، بيروت)

درمختار میں ہے:

وكره سدل (تحريماللنهي) ثوبه أي إرساله بلا لبس معتاد...... كشد ومنديل يرسله من كتفيه، فلومن أحدهما لم يكره كحالة عذر...... وفي الشامي (قوله كشد) هوشيء يعتاد وضعه على الكتفين كما في البحروذلك نحوالشال...... وفي تقريرات الرافعي...... (قول الشارح فلومن أحدهما لم يكره) أي أحدكتفيه ولف الباقي على عنقه، سندي تأمل وبه يعلم عدم المخالفة لمافي البحر. (الدر المختارمع الشامي مع حاشيته تحرير المختار: ١/٦٣٩ / ٨٤ مكروهات الصلاة) الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(قوله ولا يسدل ثوبه) وهوأن يلقيه من رأسه إلى قدميه أويضع الرداء على كتفيه ولم يعطفه على بعضه. (الجوهرة النيرة: ٧٥، امدادية ملتان)

حضرت مفتی رشید صاحبؒ نے عرب کے معتاد سدل کوبغیر کراہت کے جائز فرمایا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۰۸) مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ عرب حضرات رومال لٹکا کر اس کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں جس سے کراہت اور مؤکد ہوجاتی ہے اس لئے ہمارا خیال یہ کہ عرب حضرات کے طریقہ پر رومال لٹکانے سے بچنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا یعنی کہنیوں کو نماز میں کھلا چھوڑنا کیسا ہے؟

الجواب: بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔وضو کے لئے یا اور کسی سبب سے آستین چڑھائی ہوں تو اتارلیوے پھر نماز شروع کرے اگر رکعت پانے کے شوق میں نماز میں داخل ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اتارلیوے کہ جس سے عملِ کثیر لازم نہ آئے۔ امداد الفتاح میں ہے:

ویکره تشمیر کمیه عنهما لقوله ﷺ "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لاأکف شعراً ولا ثوباً" متفق علیه۔ **وهو یتضمن کراهة تشمیر الکمین ولما فیه من الجفاء المنافی للخشوع لما فیه من التهاون والتکاسل وقلة الأدب.** (امداد الفتاح: ۳۷۷ فصل فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

(قوله کمشمر کم أو ذیل)أی کما لو دخل فی الصلاة وهو مشمر کمه أو ذیله،وأشار بذلک إلی أن الکراهة لاتختص بالکف وهو فی الصلاة کما أفاده فی شرح المنیة،لکن قال فی القنیة:واختلف فیمن صلی وقد شمر کمیه لعمل کان یعمله قبل الصلاة أو هیئته ذلک ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراک الرکعة مع الإمام،وإذا دخل فی الصلاة کذلک وقلنا بالکراهة فهل الأفضل إرخاء کمیه فیها بعمل قلیل أو ترکها؟لم أره: والأظهر الأول بدلیل قوله الآتی ولو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل تأمل .

هذا هو قید الکراهة فی الخلاصة والمنیة بأن یکون رافعاً کمیه إلی المرفقین،وظاهره أنه لایکره إلی مادونهما،قال فی البحر:والظاهر الإطلاق لصدق کف الثوب علی الکل و نحوه فی الحلیة،وکذا قال فی شرح المنیة الکبیر:إن التقیید بالمرفقین اتفاقی،قال:وهذا لو شمرهما خارج الصلاة ثم شرع فیها کذلک،أما لو شمر وهو فیها تفسد لأنه عمل کثیر. (شامی:۱/ ٦٤٠،مکروهات الصلاة،سعید۔وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۲٤،مکروهات الصلاة،الماجدیة کوئٹه۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :۳٤۹، فصل فی المکروهات،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی :۳/ ۴۰۶، باب مفسدات الصلاۃ ومکروہات۔فتاوی رحیمیہ :۳/ ۴۱، کتاب الصلاۃ ،مکتبۂ رحیمیہ۔

وفتاوی محمودیہ:٦/٦٥٢،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ، جامعہ فاروقیہ۔کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدے میں جاتے وقت مصلی اپنا پاجامہ یا کرتہ سمیٹ لے تو نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: رکوع سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اٹھانے سے نماز میں کراہت پیدا ہوتی ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ نماز میں ایسی حرکت کرنا اور اس کو عادت بنا لینا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور بعید نہیں کہ عملِ کثیر کی طرف مفضی ہوکر فسادِ صلاۃ کا باعث بن جائے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویکره كف ثوبه أي:رفعه بين يديه أومن خلفه إذا أراد السجود،انتهى وقيل:أن يجمع ثوبه ويشده في وسطه كذا في شرح الإرشاد انتهى لما قدمناه من قوله ﷺ''أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وأن لاأكف شعراً ولاثوباً''متفق عليه ولما فيه من الجبر المنافي لوضع الصلاة وهوالخشوع والخضوع كذا في البرهان.(امداد الفتاح: ۳۷۹، فصل فی المکروھات،بیروت)

شامی میں ہے:

وكره كفه أي رفعه أي سواء كان من بين يديه أومن خلفه عند الانحطاط للسجود.

(شامی:١/ ٦٤٠،مکروھات الصلاۃ،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: قومہ سے سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اوپر کو اٹھا لیتے ہیں نماز میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں اور نماز ادا ہو جاتی ہے۔(فتاوی دارالعلوم:۴/۹۳، باب مکروہاتِ نماز)

کفایت المفتی میں ہے:

یہ فعل مکروہ ضرور ہے مگر مفسدِ نماز نہیں ہے کراہتِ تحریمی بدرجہ غالب ہے۔(کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸، مکروہاتِ نماز، دارالاشاعت۔وفتاوی محمودیہ:٦/٦٠٢، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آج کل مسجد میں لمبے کرتے رکھتے ہیں اور عوام جو کام کاج سے نماز کے لئے آتے ہیں وہ اس کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مناسب نہیں سمجھتے تو اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ عام مجمع میں ان کپڑوں سے نہیں جاتے لہٰذا نماز مکروہ ہونی چاہئے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: بظاہر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کے لباس سے یہ زیادہ ساترِ بدن ہوتے ہیں۔ پھر ان کپڑوں سے نماز میں ایک قسم کی عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئے تو خاص لباس میں عبادت ادا کی نہ کہ فیشن ایبل کپڑوں میں، پھر فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض فتاوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلا آستین کے کپڑوں میں بھی نماز مکروہ ہے جیسے فتاوی محمودیہ، فتاوی رحیمیہ وغیرہ لہٰذا ان کپڑوں سے نماز میں کراہت پیدا نہیں ہوگی۔

اور بعض کا یہ خیال ہے کہ عام مجمع میں نہیں جاتے اس لئے مکروہ ہونا چاہئے۔ تو اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو کام کاج میں پہنتے ہیں جو خستہ ہوتے ہیں ان کپڑوں کو پہن کر عام مجمع میں جانے سے شرم آتی ہے مثلاً ہمارے عرف میں اکثر دکانوں میں کام کرنے والے پہنتے ہیں تو ان کپڑوں میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة في ثياب البذلة ثوب لايصان ولايحفظ عن الدنس ونحوه ابتذال الثوب وغيره امتهانه وقيل: ما يلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء وكذا ثياب المهنة كحكمة في أوزانها وهي الخدمة والعمل فيحترزعنها تكميلاً لرعاية مقام الوقوف بين يدي الله سبحانه وتعالىٰ بماأمكن من تجميل الظاهر والباطن وفي قوله تعالى: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف:٣١) **إشارة إليه وإن كان المراد به سترالعورة على ماذكره أهل التفسير كما تقدم وقال في التجنيس تكره في ثياب البذلة لما روى أن عمر ﷺ راى رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لوكنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟فقال: لا،فقال عمر ﷺ: "الله أحق أن تتزين له".** أخرجه البيهقي في سننه من حديث ابن عمرفي الصلاة باب ما يستحب أن يصلى فيه من الثياب:٢/٢٣٦،انتهى۔ (امداد الفتاح شرح نور الايضاح :٣٨٧، فصل

فی المکروھات،بیروت)

شامی میں ہے:

والظاھرأن الکراھة تنزیھیة. (شامی :۱/ ٦٤١، مکروھات الصلاة۔وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳٥۹، فصل فی مکروھات الصلاة،قدیمی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا: حضرت نبی کریم ﷺ سے نصف آستین کی قمیص پہننا منقول نہیں ہے،ایسی قمیص خلافِ سنت ہے اس کہ پہن کر نماز پڑھنا بھی خلافِ سنت ہے (مکروہ ہے)۔(فتاوی محمودیہ ٦/ ٦٥۴ فصلِ ثانی مکروہاتِ نماز، جامعہ فاروقیہ۔امدادالاحکام ۱/ ۵٦۳)

البتہ جوصرف آستین چڑھاتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے پوراجبہ پہن کر نماز پڑھے۔واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں جمائی آنے پر داہنا ہاتھ منہ پر رکھنا چاہئے یا بایاں ہاتھ؟ نیز جولوگ ہاہ ہاہ کی آواز نکالتے ہیں یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب: نماز میں جمائی لینا یہ شیطانی عمل ہے حتی الامکان اس سے احتراز کرنا چاہئے تاہم بلا اختیار آجائے تو حالتِ قیام میں داہنا ہاتھ منہ پر رکھے تاکہ زیادہ عمل نہ ہواور دیگر حالتوں میں بایاں ہاتھ استعمال کرےاور ہاہ ہاہ کی آواز نکالنا اختیار سے ہوتو مکروہ تحریمی ہےاوراگر بلااختیار ہےتو معاف ہے جیسے چھینک آنے پر کچھ حروف نکلتے ہیں۔البتہ کراہت سے خالی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

(قوله والتثاؤب)قلت:ولھذا السبب کان من الشیطان کما فی حدیث الصحیحین أنه ﷺ قال:"التثاؤب من الشیطان فإذا تثاءب أحدکم فلیکظم ما استطاع"وفی روایة لمسلم"فلیمسک بیده علی فیه،فإن الشیطان یدخله"وألحق بالید الکم،وھذا إذا لم یمکنه کظمه:أی رده وحبسه،فقد صرح فی الخلاصة بأنه إن أمکنه عند التثاؤب أی یأخذ شفته بسنه فلم یفعل وغطی فاه بیده أوبثوبه یکره......ثم فی المجتبی:یغطی فاه بیمینه وقیل بیمینه

فی القیام وفی غیرہ بیسارہ.

قلت: ووجہ القیل أظہر لأنہ لدفع الشیطان کما مر، فہو کإزالۃ الخبث وہی بالیسار أولیٰ، لکن فی حالۃ القیام لما کان یلزم من دفعہ بالیسار کثرۃ العمل بتحریک الیدین کانت الیمنی أولی،...... ولم أرمن تعرض للکراہۃ ہنا ہل تحریمیۃ أوتنزیہیۃ......وأما التثاؤب نفسہ فإن نشأ من طبیعتہ بلاصنعہ فلا بأس، وإن تعمدہ ینبغی أن یکرہ تحریماً لأنہ عبث، وقد مر أن العبث مکروہ تحریماً فی الصلاۃ. (شامی: ۱/ ۶۴۵، مکروہات، سعید)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وإن کان التنحنح بعذر بأن یکون لہ سعال فہو عفو یعنی لایفسد وإن حصل بہ حروف لأنہ جاء من قبل من لہ الحق فجعل عفواً کالعطاس والجشاء فإنہ لایفسد وکذا التثاؤب إذا ظہر لہ حروف مہجاۃ کذا فی فتاوی العتابی. (البنایۃ فی شرح الہدایۃ: ۱/ ۷۷۸، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، فیصل آباد)

درمختار میں ہے:

والأنین والتأوہ والتأفیف والبکاء بصوت یحصل بہ حروف لوجع أومصیبۃ قید للأربعۃ إلا لمریض لایملک نفسہ عن أنین وتأوہ لأنہ حینئذٍ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورۃ. وفی الشامی: (قولہ وإن حصل حروف) أی لہذہ المذکورات کلہا کما فی المعراج، لکن ینبغی تقییدہ بما إذا لم یتکلف إخراج حروف زائدۃ علی ما تقتضیہ طبیعۃ العاطس ونحوہ کما لوقال فی تثاؤبہ ہاہ ہاہ مکرراً لہا فإنہ منہی عنہ بالحدیث تأمل. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۶۱۹، باب مایفسد الصلاۃ، سعید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تصویر والے سکّے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ابھری ہوئی تصویر والے دھات کے سکّے جیب میں رکھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تصویر والے سکّے جیب میں ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا البتہ احتیاط سے رکھنے چاہئے تاکہ سجدہ کی جگہ نہ گرے۔

ملاحظہ ہوامداد الفتاح میں ہے:

إلاأن تكون الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للقائم إذا نظرها إلابتأمل كالتي على الدينار لأنها لاتعبد عادة،وقال في التجنيس والمزيد:إذا صلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لابأس به؛لأن هذا يصغرعن البصر انتهى. (امداد الفتاح: ٣٩٢ ،فصل في المكروهات،بيروت)

شامی میں ہے:

(قوله لاالمستتربكيس أوصرة) بأن صلى ومعه صرة أوكيس فيه دنانيرأودراهم فيها صورصغارفلا تكره لاستتارها بحر،ومقتضاه أنها لوكانت مكشوفة تكره الصلاة مع أن الصغيرة لاتكره الصلاة معها.(قوله لا تتبين)هذاضبط ممافي القهستاني حيث قال بحيث لاتبدوللناظرإلاببتصربليغ كما في الكرماني،أولا تبدوله من بعيدكما في المحيط ثم قال:لكن في الخزانة:إن كانت الصورة مقدارطيريكره،وإن كانت أصغرفلا. (شامی: ١/٦٤٨، مكروهات الصلاة،سعيد)

تبيين الحقائق میں ہے:

قال رحمه الله (إلا أن تكون صغيرة)لأنها لاتعبد إذاكانت صغيرة بحيث لاتبدو للناظروالكراهة باعتبارالعبادة فإذا لم يعبد مثلها لايكره. (تبيين الحقائق:١/١٦٦،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها ،امدادية)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

پیسے روپیے پراولاً تو تصویر چھوٹی ہے جس کا کوئی اعزاز نہیں ہوتا ہے دوسرے جیب یا کسی اور کپڑے میں نماز کیوقت مخفی رہتی ہے سامنے نہیں ہوتی۔(فتاوی محمودیہ:٦/٦٧٤،باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، جامعہ فاروقیہ)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے: تصویر والی نوٹوں کے جیب میں ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲/۳۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اردو میں قعدہ میں یہ دعا پڑھی: یااللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے لیکن ایک قول کے کراہتِ تنزیہی کا بھی ہے، لہذا اگر اس نماز کا اعادہ نہیں کیا تو بعض حضرات کے قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

لكن المنقول عندنا الكراهة، فقد قال في غرر الأحكام شرح درر البحار في هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية، لأن عمر ﷺ "نهى عن رطانة الأعاجم"......ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلاة. (شامي: ۱/۵۲۱، الدعاء بغير العربية، سعيد)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وعلى هذا الخلاف جميع أذكار الصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية "یارب بیامرزمرا" (اے اللہ مجھے بخش دے) إذا كان يحسن العربية تفسد صلاته وكذا كل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۸٦، باب افتتاح الصلاة، بلوچستان)

احسن الفتاوی میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۳۲، باب مفسدات الصلوۃ ومکروہات۔ وفتاوی محمودیہ: ٦/٦٢٧، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۲۰۹، باب مکروہات الصلوۃ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رہ گئی نماز کے بعد اس کو معلوم ہوا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چنے کی مقدار کوئی چیز منہ میں رہ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولا يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا يمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفي موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القراءة وإنما

منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولكن يكره له،وإن لم يمنعه شيئاً فلابأس به.
(التاتارخانية:١/٥٦٥، الفصل الرابع فى بيان ما يكره للمصلى،ادارة القرآن)

فتح القدیر میں ہے:

وذكر شيخ الاسلام أكل بعض اللقمة وبقي في فمه بعضها فدخل في الصلاة فابتلعه لاتفسد مالم تكن ملء الفم. (فتح القدير:١/٤١٢،دارالفكر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

رجل أكل أوشرب قبل الشروع في الصلاة ثم شرع في الصلاة وبقي في فمه فضل طعام أوشراب فأكل أوشرب ما بقي فيه لاتفسد صلاته وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية: ١/١٠٢)

البحرالرائق میں ہے:

ثم إذاكان ابتلاع ما بين أسنانه غيرمفسد بشرطه على الخلاف فهومكروه كما صرح به في منية المصلي لأنه ليس من أعمال الصلاة ولاضرورة فيه فكان مكروهاً وإن كان قليلا. (البحرالرائق:٢/١٥،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الماجدية)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھائے پھر رکھ لئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ اگر چہ ایک انگلی ہی ہو رکھنا فرض ہے اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اٹھانے کے بعد رکھ دئے لہذا سجدہ ادا ہو گیا لیکن سنت طریقہ کے خلاف ہوا اس وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔ امدادالفتاح میں ہے:

ويفترض السجود لقوله تعالى:﴿واسجدوا﴾(الحج:٧٧)**ولأمر النبي ﷺ به وللإجماع على فرضيته ، والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة لا الأنف،مع وضع أحدى القدمين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين من الأرض فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجود......ووضع شيء من أصابع الرجلين نحو القبلة حالة السجود على الأرض،ولايكفي لصحة السجود وضع ظاهر القدم لأنه ليس محله لقوله ﷺ "أمرت أن**

أسجد على سبعة أعظم،على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين“ متفق عليه،وقوله ﷺ ”إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب:وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه“وهو اختيار الفقيه أبي الليث كما في البرهان.(امداد الفتاح: ٢٥٧، أحكام السجود،بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله:(وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين)يصدق ذلك بأصبع واحدة قال في الخلاصة:وأما وضع القدم على الأرض في الصلاة حال السجدة ففرض فلو وضع إحداهما دون الأخرى تجوز صلاته......ويكفي وضع أصبع واحدة في الفتح عن الوجيز، وضع القدمين فرض فإن وضع إحداهما دون الأخرى جاز،ويكره......وفي البحر:ونص صاحب الهداية في التجنيس على أنه لو لم يوجه الأصابع نحو القبلة يكون مكروهاً. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٣٠،باب شروط الصلاة،قديمي)

مراقی الفلاح میں ہے: ويكره تحويل أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود لقوله ﷺ ”فليوجه من أعضائه إلى القبلة ما استطاع.(مراقي الفلاح: ١٢٨،فصل في المكروهات)

نیز ملاحظہ ہو:شامي: ١/٤٩٩،سعيد-وفتح القدير: ١/٣٠٥،دار الفكر-والبحر الرائق: ١/٣١٨، كوئتة-والفتاوى الهندية: ١/٧٠-

احسن الفتاوی میں ہے:

دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحہ واحدہ زمین پر رکھنا واجب ہے،اور ایک قول کے مطابق فرض ہے،تیسرا قول سنت کا بھی ہے،قولِ اول راجح ہے۔پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے گا،اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادۃ ہوگی،واضح رہے کہ ظہرِ قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے،اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔(احسن الفتاوی: ۳/۳۹۸،باب مفسدات الصلاۃ۔وفتاوی حقانیہ: ۳/۸۱)۔واللہ ﷻ اعلم۔

گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: گانے بجانے کی جگہیں مثلاً بازار وغیرہ پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نماز کی جگہ الگ ہو اور وہاں گانے بجانے کی آواز نہیں آتی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہاں گانے بجانے کی جگہ میں نماز پڑھنا جبکہ وہاں سے آواز آتی ہو اور نماز میں خلل پڑتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے خراب اور ردی جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو جہاں پر بھی گانا بجانا ہو اسی کے حکم میں ہے لہذا نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

نهى النبي ﷺ عن الصلاة في المقبرة والمجزرة والمزبلة والحمام. (رواه البيهقي: ۲/ ۳۲۹)

امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة فى الطريق لأن فيه منع الناس عن المرور وشغله بما ليس له لأنها حق العامة للمرور وفى الحمام وفى المخرج أى الكنيف وفى المقبرة وفى أمثالها لما رواه ابن ماجة، والترمذى عن ابن عمر رضي الله عنه "أن رسول الله نهى أن يصلى فى سبعة مواطن فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفى الحمام ومعاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله...... والمغتسل مكان الاغتسال والعلة كونها موضع النجاسة وألحق بها المغتسل، لأنه مصب النجاسة والأوساخ والنهى عن الصلاة فى الحمام لمعنين أحدهما: أنه مصب الغسالات فعلى هذا لايكره فى سائره فإذاغسل منه موضعاً ليس فيه تمثال لاتكره فيه، والثانى: أن الحمام بيت الشياطين، وفى الفتاوى: لابأس بالصلاة فى المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر... وتكره بحضرة كل مايشغل البال كزينة وبحضرة مايخل بالخشوع كلهو ولعب كماذكرنا. (امداد الفتاح: ۳۸۶، فصل فى المكروهات، بيروت۔ وبدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۱، سعيد۔ والشامى: ۱/ ۴۱۰، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کوئی زینت کی چیز ہو جو دل کو نماز میں متوجہ ہونے سے روک دے یا خشوع میں خلل انداز ہو تو نماز مکروہ ہوگی، اور اگر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ تیار کی ہے جہاں گانے بجانے وغیرہ کی آواز نہیں آتی تو نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ سوم

سترہ کے احکام

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے:

سوال: ایک جماعت خانے میں آنے کا راستہ پہلی صف کے کنارے سے ہے اور نماز شروع ہونے کے بعد بھی مصلی آتے ہیں اور اکثر مقتدیوں کے سامنے سے گذرنا پڑتا ہے لیکن امام کے سامنے دیوار ہے تو یہ امام کا سترہ ہے لیکن مقتدیوں کا سترہ نہیں ہے تو امام کے سامنے والی دیوار تمام مقتدیوں کے لئے بطور سترہ کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے لہذا کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں البتہ نماز باجماعت ختم ہونے کے بعد اگر مصلی سنتیں پڑھتے ہوں تو ان کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہوگا، نیز مسبوق امام کی نماز کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وسترة الإمام سترة لمن خلفه، لأن النبی ﷺ صلی بالأبطح إلی عنزة رکزت له ولم یکن للقوم سترة. ذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد: ۲/ ۸٤ وأخرجه البخاری فی باب الصلاة إلی العنزة ومسلم فی باب سترة المصلی۔ (امداد الفتاح: ٤٠٠، فصل فی اتخاذ السترة)

شامی میں ہے:

(وکفت سترة الإمام للکل أی للمقتدین به کلهم وعلیه فلومرمارفی قبلة الصف فی

المسجد الصغير لم يكره إذا كان للامام سترة، وظاهره الاكتفاء بها ولو بعد فراغ إمامه، وإلا فما فائدته؟ وقد يقال: فائدته التنبيه على أنه كالمدرك لايطلب منه نصب سترة قبل الدخول في الصلاة وإن كان يلزم أن يصير منفرداً بلاسترة بعد سلام إمامه، لأن العبرة لوقت الشروع وهو وقته كان مستتراً بسترة إمامه تأمل. (شامی:۱/۶۳۸،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،سعيد)

ہدایہ میں ہے:

وسترة الإمام سترة للقوم لأنه عليه السلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة. (ہدایہ:۱/۱۳۹،باب ما يفسد الصلاةوما يكره فيها)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے پس جب امام کے آگے سترہ ہوتو اگر کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گذرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہی حکم مسبوق کے لئے بھی ہے کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی کافی رہے گا۔ (عمدۃ الفقہ :۲/۲۷۶، سترہ کے مسائل،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے ہاتھ کو اپنے پیچھے والے مصلی کے لئے سترہ بنایا اس صورت میں اس مصلی کے آگے سے گذرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے سامنے ایک ذراع لمبی اور بقدر ایک انگشت کوئی چیز ہو تو سامنے سے گزرنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہوگا،لہذا جب پورا ہاتھ سترہ کی جگہ استعمال کیا تو بدرجۂ اولیٰ جائز ودرست ہوگا۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

(أن يغرز سترة) لما روينا، ولقوله عليه الصلاة والسلام "ليستتر أحدكم ولو بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك ۱/۲۵۲ وأحمد في مسنده ۳/۴۰۴. (وأن تكون طول ذراع فصاعداً) لحديث مسلم "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: سئل رسول الله ﷺ عن سترة المصلي فقال: مثل مؤخرة

الرحل" أخرجه مسلم في الصلوة ،باب سترة المصلي و النسائي في القبلة باب سترةالمصلي .**وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقها كماأخرجه أبوداؤد وقال ﷺ "أيعجز أحدكم إذا صلى أن يجعل أمامه مثل مؤخرة الرحل**" ذكره الزيلعي في نصب الراية: ٢/ ٨١ وقال: غريب بهذا اللفظ .**وفي حديث آخر:"إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل ولايبال بمرورمار**"أخرجه مسلم في الصلاة باب سترة المصلي .**وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن ما دون ذلك ربما لايبدو للناظرفلايحصل به المقصود،وروى الحاكم مرفوعاً:"استتروا في صلاتكم ولوبسهم**"أخرجه الحاكم في المستدرك: ١/ ٢٥٢ ،وقال:على شرط مسلم ووافقه في التلخيص وأحمد في مسنده :٣/ ٤٠٤ .**وقال ابن مسعود** رضي الله عنه**:"يجزئ من السترة السهم وهويصلح بياناً للطول والغلظ جميعا،ذكره شمس الأئمة السرخسيؒ**.(امداد الفتاح: ٣٩٨، فصل في اتخاذ السترة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

درخت اور جانور اور آدمی وغیرہ کا بھی سترہ ہوسکتا ہے اوران کے آگے ہوتے ہوئے پرے سے گذرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ:۲۷۶،مجددیہ)۔

انعام الباری میں ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی خودسترہ بن جائے جیسے یہاں طالبِ علم بعض اوقات ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ وہ خود کھڑے ہوجاتے ہیں تاکہ لوگ سامنے سے گزرجائیں یہ ٹھیک ہے۔(انعام الباری:۳/۲۶۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اپنا ہاتھ بطورِسترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: مصلی کے سامنے سے گزرنے والا شخص اگر اپنا ہاتھ بطورِسترہ لٹکادے اور گذرجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا گزرنے والے کا ہاتھ سترہ بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ گزرنے والے کے بدن کے علاوہ کوئی اور چیز مصلی اور گزرنے والے کے درمیان حائل ہو،لہذا بصورتِ مسئولہ گزرنے والے کا ہاتھ سترہ نہیں بن سکتا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإنما يأثم إذا مر ... ويحاذي أعضاء المار أعضاء ه لوكان يصلي على الدكان .

(الهداية:١/١٣٨، وكذا فی ردالمحتار:١/٦٣٥،سعيد).

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولا يكون بينهما حائل... أى بين المصلی و المار يعنی الإثم إذا لم يكن بينهما ما يحول كالأستوانة والجدار وأما إذا كان بينهما حائل فلا يأثم المار. (البناية فی شرح الهداية:١/٧٨٨،فيصل آباد).

درج کردہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گزرنے والے کا عضو سترہ نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ سترہ کے لیے حائل کا لفظ ہے یعنی سترہ وہ ہے جو مصلی اور گزرنے والے کے درمیان حائل ہوتا ہے، پھر یہ بھی یادرہے کہ گزرنے کی ممانعت گزرنے والے کے ہر ہر عضو پر عائد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: شافعی فقہ کی کتاب میں ہے:

قال ويحرم المرور بينه وبينها...والمراد أنه يحرم على العامد العالم المكلف المعتقد لحرمة المرور ، ولو ببعض بدنه كيده. (تحفة الحبيب على شرح الخطيب:٢/٢٦٥).

واللہ ﷻ اعلم۔

رومال یا لاٹھی رکھ کر گزرنے کا حکم:

سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا لاٹھی کھڑی کر کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے نیز اس کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ لاٹھی کھڑی کر کے گذر جائے اور گرنے سے پہلے اس کو پکڑ لے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فإن كان معه شيء يضعه بين يديه ثم يمرويأخذه......أقول: وإذا كان معه عصالاتقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومرمن خلفها هل يكفى ذلك؟ لم أره. (شامی:١/٦٣٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،سعيد).

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وفي حاشية العناية للشيخ سعد الدين أنه لو أسبل غشاوة من السقف كفاه للسترة . قلت: وعلى هذا فمن كان لا بد أن يمر بين يدي المصلي فليسبل منديله أمامه ثم ليمر، ولعله يكون أيسر له من مروره كما هو. (فيض الباری:٢/٨٣).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر گذرنے والے کے ساتھ ایسا عصا (لاٹھی) ہے جس کو کھڑا کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کو نمازی کے آگے کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے تھام کر نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کی وضاحت نہیں ملی (شامی) بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے گرنے سے پہلے گذر جائے اور پھر اس کو پکڑ لے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلوۃ: ۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)۔

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کر کے اس کے پیچھے سے گذر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں لہذا بوقتِ ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۱۰ باب مفسدات الصلاۃ)۔

انعام الباری میں ہے:

اگر ہاتھ میں رومال ہے رومال لٹکا کر گزر جائے یہ بھی جائز ہے۔ (انعام الباری: ۳/۲۶۱، بحوالہ فیض الباری: ۲/۸۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم:

سوال: لکڑی وغیرہ نہیں ہے تو تار یا رسی سامنے رکھنا سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ یک انگشت موٹی چیز ہو اور عامۃً تار یا رسی اتنے موٹی نہیں ہوتی پھر سترہ کو گاڑنے کا حکم ہے صرف رکھنا اکثر حضرات کے نزدیک کافی نہیں ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں کافی نہیں ہونا چاہئے مگر بوقتِ عذر چونکہ خط کھینچنے کی گنجائش ہے تو پھر رسی یا تار کا رکھنا بدرجۂ اولی درست ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کا دھیان جما رہے گا اور منتشر نہ ہوگا گذرنے والا بدستور گنہگار رہے گا کیونکہ گذرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلک أدناه لأن مادون ذلک ربما لايبدو للناظر

فلایحصل به المقصود......وإن لم يجد ما ينصبه منع جماعة من المتقدمين الخط وأجازه المتأخرون بما روى في السنن عن النبي ﷺ أنه قال:"إن لم يكن معه عصا فليخط خطاً" (هوجزء من حديث أخرجه ابن ماجة في اقامة الصلاة باب ما يستر المصلي و أبوداؤد في الصلاة باب الخط اذا لم يجد عصا)قيل:هومطعون فيه كذا في شرح الكنز للديري وفي التجنيس لايعتبرالخط هو المختارأي ليس بمسنون ليقام به سنة السترة،إذ لايحصل به المقصود لعدم ظهوره من بعيد وهورواية والثانية أنه أي:الخط سنة ،عن محمد أنه يخط لحديث أبي داؤد:"فإن لم يكن معه عصا فليخط خطا"انتهى.

قال في شرح المنية:ويجوزالعمل بمثله في الفضائل وكذا قال الكمال ابن الهمام والسنة أولى بالاتباع مع أنه يظهرفي الجملة،إذ المقصود جمع الخاطربربط الخيال به كيلا ينتشر،انتهى.وأيضاً إن سلم أنه غيرمفيد فلاضررفيه من العمل بالحديث الذي يجوزالعمل به في مثله،انتهى.وإن وجد ما يغرزه ولكن تعذرالغرزلصلابة الأرض،اختلف الأئمة فيه أيضاً فمنهم من منعه،قال القدوري:قال أبوحنيفةؒ:إذا خط المصلي بين يديه في الصحراء أوطرح سوطاً لم يعتد به من المسنون حتى ينصب شيئاًكمؤخرة الرحل،ولأن المقصود هوالحيلولة بينه وبين المارلايحصل به فيكون وجوده كعدمه كذا في شرح الديري وهوالمختار كما قال في التجنيس إذا تعذرغرزالسترة لايعتبرالإلقاء هوالمختار ومن اعتبرالإلقاء قال:يلقي بين يديه طولاً ليجعل كأنه غرزثم سقط هذا اختاره الفقيه أبو جعفرؒانتهى.قال هشام:حججت مع أبي يوسفؒ وكان يطرح بين يديه السوط كذا في التقريب. (امداد الفتاح: ۳۹۹، فصل في اتخاذ السترة،بيروت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا:

سوال: سترہ کا حکم،مقدار اور کیا مدرسہ ھذا میں جو چھوٹے ڈسک (desks) جن کی مقدار ایک ذراع ہے،طولاً سترہ کے قائم مقام ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سترہ رکھنا مستحسن ہے،البحر الرائق میں بغیر سترہ کے نماز کو مکروہ لکھا ہے اس کی مقدار ایک

ذراع لکھی ہے تقریباً ڈیڑھ فٹ اور مدرسہ ہذا کی چھوٹی ٹپائی سترہ کا کام دے سکتی ہے طولا ،اس لئے کہ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ گذرنے والے کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص نماز پڑھ رہا ہے اور یہ امتیاز حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

سترة بقدر ذراع طولا وغلظ أصبع لتبدو للناظر بقربه دون ثلاثة أذرع على حذاء أحد حاجبيه لا بين عينيه والأيمن أفضل ولا يكفي الوضع ولا الخط وقيل يكفي فيخط طولاً وقيل كالمحراب ويدفعه هو رخصة فتركه أفضل بدائع. (الدر المختار:۱/۶۳۷،سعید)

شامی میں ہے:

والظاهر أن المراد به ذراع اليد صرح به الشافعية وهو شبران (قوله وغلظ أصبع) كذا في الهداية لكن جعل في البدائع بيان الغلظ قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب بحر، ويؤيده مارواه الحاكم وقال على شرط مسلم أنه قال: يجزى من السترة قدر مؤخرة الرحل. تنبيه: لم يذكروا ما إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلا هل يكفي وضعه بين يديه والظاهر نعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام المار آنفا وكذا لو بسط ثوبه وصلى عليه ثم المفهوم من كلامهم أنه عند إمكان الغرز لا يكفي الوضع وعند إمكان الوضع لا يكفي الخط. (شامی:۱/۶۳۷،سعید)

المبسوط للسرخسی میں ہے:

وإنما قال بقدر ذراع طولاً ولم يذكر العرض وكان ينبغي أن تكون في غلظ أصبع لقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ يجزئ من السترة السهم فإن المقصود أن يبدو للناظر فيمتنع من المرور بين يديه وما دون هذا لا يبدو للناظر من بعد. (مبسوط:۱/۱۹۰)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقيل ما يقع به الامتياز كذا في الشرح. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۱/۲۴۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا:

سوال: کیا سترہ کے لئے وہ چیز کافی ہے جس کے اندر خلا ہو مثلاً ٹپائی وغیرہ؟

الجواب: خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: أعدلتمونا بالكلب والحمار؟ لقد رأيتني مضطجعة على السرير فيجيء النبي** ﷺ **فيتوسط السرير فيصلي فأكره أن أسنحه، فانسل من قبل رجلي السرير حتى أنسل من لحافي.** (بخاری: ۱/۷۲ باب الصلاة الی السریر)

عمدۃ القاری میں ہے: **فيتوسط السرير أي يجعل نفسه في وسط السرير.** (عمدة القاری: ۱/۵۸۵)

بنایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وقال: كل موضع مرتفع يعتبر سترة كالسطح والسرير. (البناية فی شرح البناية: ۱/۷۸۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق:

سوال: کیا فقہاء کے نزدیک ایسی روایت ہے جس میں مسجدِ صغیر و کبیر اور صحراء میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف محلِ سجود تک محدود ہو؟

الجواب: فقہاء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء یا مسجدِ کبیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف موضعِ سجود تک محدود ہے، اور موضعِ سجود کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ گذرنے والے پر نہ پڑے، اور چھوٹی مسجد میں (جس پر مسجدِ کبیر کی تعریف صادق نہ آتی ہو) مصلی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

الا أن المار آثم لقوله عليه السلام: "لوعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه من الوزر لوقف أربعين" وإنما يأثم إذا مر في موضع سجوده على ما قيل. (هداية: ۱/۱۳۸)

بنایہ میں ہے:

قوله على ما قيل: وهو اختيار شمس الأئمة السرخسيؒ وشيخ الإسلامؒ وقاضيخانؒ، وقال فخر الإسلامؒ: إذا صلى رامياً بصره إلى موضع سجوده ولايقع عليه بصره لايكره، ومنهم من قال مقدار صفين أو ثلاثة، ومنهم من قدره بثلاثة أذرع ومنهم من قدر بخمسة أذرع ومنهم من قدر بأربعين ذراعاً، وقال التمرتاشيؒ: والأصح إن كان بحال لوصلى صلاة خاشع بصره ولايقع على المار فلا يكره نحو أن يكون منتهى بصره في قيامه إلى موضع سجوده وفي

رکوعه إلی صدور قدميه وفی سجوده إلی أرنبة أنفه وفی قعوده إلی حجره وفی السلام إلی منكبه وهذا كله إذا كان فی الصحراء وفی الجامع الذی له حكم الصحراء وأما فی المسجد فالحد هو المسجد إلا أن يكون بينه وبين المار أسطوانة وغيرها...... (البناية فی شرح الهداية: ۱/۷۸۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز پڑھنے والے کی سجدہ کی جگہ میں سے کسی کا گذرنا مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے اگر چہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ...اصح یہ ہے کہ میدان اور بہت بڑی مسجد میں جو میدان کے حکم میں ہے نمازی کے قدموں سے سجدہ کی جگہ تک میں گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور گذرنے والا گنہگار ہے اس کے بعد سے نہیں اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے میں قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر جمائے ہوئے ہو تو جتنی دور تک اس کی نگاہ پھیلے اتنی دور تک گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے بعد یعنی جب گذرنے والے پر اس کی نگاہ پھیل کر نہ پڑے تو مکروہ نہیں یہی صحیح ہے اور یہ موضعِ سجود کی وضاحت ہے کیونکہ تقریباً موضعِ سجود کا اطلاق اس پر ہوتا ہے اس لئے یہی مرجح ہے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

مسجدِ کبیر کی تعریف: درمختار میں ہے:

ويمنع من الاقتداء طريق تجری فيه عجلة أو نهر تجری فيه السفن أو خلاء فی الصحراء أو فی مسجد كبير جداً كمسجد القدس...قال الشامی: ثم رأيت فی حاشية المدنی عن جواهر الفتاوی أن قاضيخان سئل عن ذلك فقال: اختلفوا فيه فقدره بعضهم بستين ذراعاً وبعضهم قال: إن كانت أربعين ذراعاً فهی كبيرة و إلا فصغيرة هذا هو المختار. (الشامی: ۱/۵۸۵، سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور چھوٹی مسجدوں میں جو قول مختار کی بناء پر چالیس گز شرعی کی مقدار سے کم ہوں اگر نمازی کے آگے سترہ یا کوئی حائل نہ ہو تو قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے کیونکہ یہ مکان واحد کے حکم میں ہیں۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”الوتر حق واجب فمن لم یوتر فلیس منا“

باب ......﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعاء قنوت کا بیان

فصلِ اول

وتر کی نماز کا بیان

غیر رمضان میں وتر با جماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے علاوہ میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان المبارک کے علاوہ میں اگر کسی نے کبھی کبھی ایک دو مرتبہ کر لی تو جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر اعتراض نہیں کیا، البتہ اکثر اوقات کرنا بدعت اور مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مداومت ثابت نہیں ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ویوتر بجماعة استحباباً فی رمضان فقط علیه إجماع المسلمین لأنه نفل من وجه والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة: أن فیما کان علی سبیل التداعی أو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره، وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه وإذا اقتدی أربعة بواحدة کره اتفاقاً. (مراقی الفلاح: ۱۴۵، باب الوتر وأحکامها، مکة المکرمة)

طحطاوی میں ہے:

(قوله فالاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان) وما فی النوازل عن المغنی الاقتداء فی الوتر خارج رمضان جائز فلاینافی الکراهة لأن معناه صحیح. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:

٣٨٦،باب الوتر،قديمى)

درمختار میں ہے:

ولايصلى الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أى يكره ذلك على سبيل التداعى. وفى الشامى: (قوله أى يكره ذلك)أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدورى فى مختصره لايجوز،الكراهة لاعدم أصل الجواز،لكن فى الخلاصة عن القدورى أنه لايكره،وأيده فى الحلية بما أخرجه الطحاوى عن المسوربن مخرمة، قال: دفناأبا بكر رضي الله عنه ليلاً فقال عمر رضي الله عنه: إنى لم أوتر، فقام وصفنا ورائه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلافى آخرهن،ثم قال:ويمكن أن يقال:الظاهرأن الجماعة فيه غيرمستحبة ثم إن كان ذلك أحياناً كما فعل عمر رضي الله عنه كان مباحاً غيرمكروه،وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث. (الدرالمختارمع الشامى:٢/٤٨، باب الوتر،سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/۲۳۸،باب الوتر۔ واحسن الفتاوی:۳/۴۵۵،باب الوتر والنوافل۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز عشاء سے پہلے پڑھ لی یعنی جب مسجد میں داخل ہوا تو وتر کی جماعت ہورہی تھی اس میں شامل ہوگیا بعد میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو نمازِ وتر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وقتِ عشاء اور وتر ایک ہے لہذا نسیاناً مقدم کرنے سے نماز ہوجائے گی اعادہ واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر کیا تو اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ دونوں میں ترتیب واجب ہے یعنی عشاء پہلے پڑھنا واجب ہے اور نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان وقته(الوتر)فالكلام فيه فى موضعين أحدهما فى بيان أصل الوقت......أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبى حنيفةؒ أنه شرع مرتباً عليه حتى لايجوزأداءه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه وهوالترتيب إلاإذاكان ناسياً وهذا بناء على ما ذكرنا أن الوتر واجب عند أبى حنيفةؒ ويبنى على هذا الأصل أن من صلى العشاء على غيروضوء وهولايعلم ثم توضأ فأوترثم تذكرأعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولايعيد الوترفى قول أبى

حنیفۃ لأن الوتر کان أصلاً بنفسه فی حق الوقت لاتبعاً للعشاء إلاأن وقته بعد فعل العشاء إلاأن تقدیم أحدهما علی الآخرواجب حالة التذکرفعند النسیان یسقط. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۲، سعید)

البحرالرائق میں ہے:

قوله ولا یقدم علی العشاء للترتیب ولأنهما فرضان عند الإمام وإن کان أحدهما اعتقاداً والآخرعملاً فأفاد أنه عند التذکرحتی لوقدم الوترناسیاً فإنه یجوز. (البحرالرائق: ۱/۲۴۶، کتاب الصلاۃ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولوصلی الوترناسیاً للعشاء أوصلاهما فظهرفساد العشاء دون الوترأجزاه عند الإمام لسقوط الترتیب بمثل هذا العذر. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:۱۷۸، کتاب الصلاۃ،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۳/۴۵۷، باب الوتر۔ **واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔**

وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا:

سوال: ایک مسجد کے مصلی حضرات بعض احناف ہیں اور بعض شوافع ہیں رمضان المبارک میں سب کے ساتھ ملکر ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں لیکن وتر کے لئے علیحدہ جماعت کرنی پڑتی ہے تو ان حضرات کا کہنا ہے کہ وتر بھی ہم ایک ہی امام کے پیچھے پڑھ لیں اور چند دن حنفی امام ہو اور چند دن شافعی امام ہو تو کیا یہ درست ہوگا ؟ اور تمام مصلی حضرات اس پر راضی ہیں حکم بیان فرمائیں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی امام کے پیچھے وتر پڑھنا درست ہے، البتہ جب شافعی امام پڑھائے تو تین رکعت ایک سلام سے پڑھائے علامہ نوویؒ نے اسی کو افضل قرار دیا ہے۔

ہاں اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو حنفی مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ مسبوق کے حکم میں ہوکر ایک رکعت دعاءِ قنوت کے ساتھ پوری کرلے نماز صحیح ہوجائے گی پھر علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

البحرالرائق میں ہے:

وجوزه أبوبکرالرازی ویصلی معه بنیة الوترلأن إمامه لم یخرج بسلامه عنده وهو

مجتهد فيه. (البحر الرائق:٢/٣٩، باب الوتر،الماجديه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبى بكر الرازى أن اقتداء الحنفى بمن يسلم على رأس الركعتين فى الوتر يجوز،وإذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدى فأتم منفرداً وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازى. (فتح القدير:١/٤٣٧،باب صلاة الوتر،دارالفكروكذا فى منظومة ابن وهبان:١/٦٢ شعر:٦٧،الوقف المدنى ديوبند ـ وكذا فى البناية شرح الهداية:١/٨٣٥، باب صلاة الوتر، فيصل آباد پاكستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

لو اقتدى خلف الشافعى وسلم الشافعى على الركعة الثانية كما هومذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفى عند أبى بكر الرازى وابن وهبان:

ولوحنفى قام خلف مسلم☆ لشفع ولم يتبع وتم فموتر

(العرف الشذى على سنن الترمذى:١/١٠٤،باب ماجاء فى فضل الوتر،فيصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔(فتاوی حقانیہ :۳/۲۴۲،باب الوتر)۔

ہم جمہور کے قول کے موافق عمل کریں اس قول پر عمل نہ کریں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلى الوتربمن يقنت فى الوتربعد الركوع فى القومة والمقتدى لايرى ذلك تابعه فيه هكذا فى فتاوى قاضيخان. (فتاوى هندية:١/١١١ ـ والدرالمختار:٢/٧ باب الوتر،سعيد)

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففى الأفضل أوجه......والثانى إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبو زيد المروزى للخروج من الخلاف فإن أبا حنيفةؒ لا يصحح المفصولة والثالث إن كان منفرداً فالفصل أفضل وإن كان إماماً فالوصل حتى تصح صلاته

لكل المقتدين......والمذهب أن السنة أن يقنت في الركعة الأخيرة من صلاة الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور في المذهب ونص عليه الشافعيؒ وبه قال جمهور الأصحاب.(شرح المهذب :٤/١٣، ١٥،دارالفكر)

نیز مذکور ہے:

يصح الاقتداء بالحنفي و نحوه إلا أن يتحقق إخلاله بما نشترطه ونوجبه وهذه الأوجه جارية في صلاة الشافعي خلف حنفي وغيره.(شرح المهذب:١/٢٠٣،دارالفكر)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا:

سوال: اگر ایک شافعی کسی حنفی کی اقتداء میں وتر کی نماز پڑھ لے یعنی تین رکعت ایک سلام سے تو شافعی مقتدی کی وتر صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: شافعی مقتدی کی وتر حنفی کے پیچھے صحیح اور درست ہے اس لئے کہ شوافع کے نزدیک وتر ایک رکعت، تین رکعت، ۵ رکعت، ۷ رکعت، ۹ رکعت اور زیادہ سے زیادہ ۱۱ تک پڑھ سکتے ہیں، اور تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کو امام نوویؒ نے شرح المہذب میں افضل قرار دیا ہے اختلاف سے بچتے ہوئے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز درست ہے۔ شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففي الأفضل أوجه......والثاني إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبوزيد المروزي للخروج من الخلاف فإن أباحنيفةؒ لايصحح المفصولة والثالث إن كان منفرداً فالفصل أفضل وإن كان إماماً فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين......والمذهب أن السنة أن يقنت في الركعة الأخيرة من صلاة الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور في المذهب ونص عليه الشافعيؒ وبه قال جمهور الأصحاب.(شرح المهذب:٤/١٣، ١٥،دارالفكر)

اعانۃ الطالبین میں ہے:

وأقله ركعة وأدنى الكمال أي أن الكمال في الوتر له مراتب وأدناها ثلاث ثم خمس ثم سبع ثم تسع فكل مرتبة أعلى من التي قبلها وأدنى من التي بعدها وأكثره إحدى عشر

رکعة.(اعانة الطالبین:۱/۲۴۹)

شرح المہذب میں ہے:

ویجوز أن یجمعها بتسلیمة لما روت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **أن النبی**ﷺ **کان لایسلم فی رکعتی الوتر**.(شرح المهذب:٤/١١، باب الوتر،دار الفکر)۔**واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم**۔

شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دوسلام سے وتر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی کی اقتداء میں وتر کی نماز دوسلام کے ساتھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شافعی امام تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھائے تو حنفی کی وتر صحیح ہے اور اگر دوسلام سے پڑھائے تو حنفی مقتدی کھڑے ہوکر اپنی وتر پوری کرلے تو حنفی کی وتر صحیح ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبوبکر الرازی ویصلی معه بنیة الوتر لأن إمامه لم یخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فیه.(البحر الرائق:٢/٣٩، باب الوتر،الماجدیه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبی بکر الرازی أن اقتداء الحنفی بمن یسلم علی رأس الرکعتین فی الوتر یجوز،وإذا سلم الإمام علی رأس الرکعتین قام المقتدی فأتم منفرداً وکان شیخنا سراج الدین یعتقد قول الرازی.(فتح القدیر:١/٤٣٧، باب صلاة الوتر،دار الفکر۔وکذا فی منظومة ابن وهبان: ١/٦٢، شعر: ٦٧ الوقف المدنی دیوبند۔وکذا فی البنایة شرح الهدایة:١/٨٣٥ ،باب صلاة الوتر،فیصل آباد پاکستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

لواقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هومذهبهم ثم أتم الوترصح وتر الحنفی عند أبی بکر الرازی وابن وهبان:

ولوحنفی قام خلف مسلم☆ لشفع ولم یتبع وتم فموتر

(العرف الشذی علی سنن الترمذی:١/١٠٤، باب ماجاء فی فضل الوتر،فیصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔ (فتاوی حقانیہ: ۲۴۲/۳، باب الوتر)۔ لیکن یہ قول راجح نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلی الوتر بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فی القومة والمقتدی لایری ذلک تابعه فیه هکذا فی فتاوی قاضیخان. (فتاوی هندیة: ۱/۱۱۱۔ والدرالمختار: ۲/۷ باب الوتر۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم:

سوال: ایک شخص لاعلمی کی وجہ سے وتر نماز کو مغرب نماز پر قیاس کرتا تھا اور تیسری رکعت میں سورت نہیں ملاتا تھا۔ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد اب اس پر گذشتہ تمام وتر نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، اور مسئلہ نہ معلوم ہونا کوئی عذر نہیں ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں گذشتہ تمام وتروں کی قضا لازم ہوگی جو سورت ملائے بغیر پڑھی تھی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

دلیل الفریضة لماکان قاصراً لکونه من أخبار الآحاد ظهر أثر المقصود فیماهو من باب الاحتیاط وهو لزوم القراءة فی کل رکعة کالسنن لمشابهة بهامن حیث الثبوت فیفسد بترک القراءة فی رکعة منه احتیاطاً من المستصفی عن الإیضاح والبرهان والتبیین والفتح وغیرها. (امداد الفتاح: ۴۱۳، باب الوتر، بیروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفی الحاوی تذکر أنه ترک القراءة فی کل رکعة واحدة من صلاة یوم ولیلة قضی الفجر والوتر ووجهه أن ترک القراءة فی رکعة واحدة لایبطلها فی سائر الصلوات إلا الفجر والوتر. (طحطاوی علی الدر: ۱/۳۰۴، باب قضاء الفوائت)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وقرأ فی کل رکعة منه فاتحة الکتاب وسورة) بیان لمخالفته للفرائض، فیقرأ فی

كل ركعة منه حتماً ونقل في الهداية أنه بالإجماع وفي التجنيس لوترك القراءة في الركعة الثالثة منه لم يجزفي قولهم جميعاً. (البحر الرائق:۲/۴۳،باب الوتر،الماجديه). واللہ ﷻ اعلم۔

نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز تراویح سے پہلے پڑھ لی تو اب وتر کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ وتر قبل از تراویح پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بعد از تراویح افضل ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ووقتهما بعد صلاة العشاء على الصحيح إلى طلوع الفجرولتبعيتها للعشاء ويصح تقديم الوترعلى التراويح وتأخيره عنها وهوأفضل حتى لوتبين فساد العشاء دون التراويح والوترأعادوا العشاء ثم التراويح دون الوترعندأبي حنيفة. (مراقي الفلاح: ۱۵۹،فصل في صلاة التراويح،مكة المكرمة)

درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتروبعده في الأصح......وفي الشامية:أي من أقوال ثلاثة:الأول أن وقتها الليل كله،قبل العشاء وبعده وقبل الوتروبعده......الثاني : أنه ما بين العشاء والوتر،وصححه في الخلاصة......الثالث:ما مشى عليه المصنف تبعاً للكنز،وعزاه في الكافي إلى الجمهور،وصححه في الهداية والخانية والمحيط بحر. (الدر المختارمع رد المحتار:۲/۴۴، صلاة التراويح،سعيد)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

فصلِ دوم

دعاءِ قنوت کا بیان

وتر کی رکعتوں کی تعداد میں شک ہوتو دعا قنوت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو وتر کی تعداد میں شک ہوا کہ دو رکعت ہوئی یا تین رکعت تو قنوت کونسی رکعت میں پڑھے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ جس رکعت میں شک ہوا اسی میں دعاءقنوت پڑھ لے پھر قعدہ بھی کرے ہوسکتا ہے کہ تیسری رکعت ہو پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے اور اس میں بھی قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرلے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

أما لو شک أنه فی ثانیته أو ثالثته کرره (القنوت) مع القعود فی الأصح وفی الشامی: (قوله کرره مع القعود) أی فیقنت و یقعد فی الرکعة التی حصل فیها الشک لاحتمال أنها فی الثالثة، ثم یفعل کذلک فی التی بعدها لاحتمال أنها الثالثة وتلک کانت ثانیة.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/ ۱۰، باب الوتر والنوافل، سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

لو شک فی الوتر وهو قائم أنها ثانیة أم ثالثة یتم تلک الرکعة ویقنت فیها أیضاً و یسجد للسهو هو المختار. (خلاصة الفتاوی: ۱/ ۱۷۰، الفصل السادس عشر فی السهو فی الصلاة، الرشیدیة)

مزید ملاحظہ ہو: الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۱۱، باب الوتر، بلوچستان۔ وفتاوی قاضیخان: ۱/ ۱۰۵، علی هامش

الهندية۔و البحرالرائق:۲/ ۴۱،باب الوتر ،الماجدية۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر وتر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس میں قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔(عمدۃ الفقہ کتاب الصلاۃ:۲/۲۹۴،وتر کا بیان،المجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/۲۳۶،باب الوتر۔واللہ ﷻ اعلم۔

دعا قنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہیں تو کیا پڑھے گا؟

الجواب: اگر دعائے قنوت یاد نہ ہو تو ''اللّٰهم اغفرلی'' پڑھے یا ''ربنا آتنافی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار'' پڑھے یا تین مرتبہ ''یا رب یارب '' پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ومن لم يحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقيه أبو الليثؒ:يقول:اللّٰهم اغفر لی ويكررها ثلاث مرات أويقول:ربنا آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار،قال فی التجنيس وهواختيارمشايخنا أويقول:يارب يارب يارب،ثلاثاً ذكره الصدر الشهيد فهذه ثلاثة أقوال مختارة. (مراقی الفلاح :۱۴۴،باب الوتروأحكامها،مكة المكرمة۔وكذا فی البحرالرائق:۲/ ۴۲،باب الوتر۔وكذا فی الشامی:۲/ ۷، باب الوتر والنوافل،سعيد)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے مشہور دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو کیا سورۂ اخلاص اس کی جگہ پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاءِ احناف نے فرمایا کہ جو شخص دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو تین مرتبہ ''اللّٰهم اغفرلی'' پڑھے یا ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار'' یا تین مرتبہ ''یا رب یارب '' پڑھے، یہ افضل ہے۔ہاں سورۂ اخلاص بھی پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ دعاءِ قنوت یاد نہ ہونے کے وقت کوئی

دعا حتمی طور پر متعین نہیں ہے، اور کریم کی تعریف اس سے مانگنے کے مترادف ہے "الثناء علی الکریم سوال"۔
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ومن لایحسن القنوت بالعربیة أو لایحفظه ففیه ثلاثة أقوال مختارة قیل یقول: یارب ثلاث مرات ثم یرکع وقیل یقول: اللّٰهم اغفرلی ثلاث مرات وقیل: اللّٰهم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار والظاهر أن الاختلاف فی الأفضلیة لا فی الجواز وأن الأخیر أفضل لشموله. (البحر الرائق: ۲/ ٤۲، باب الوتر والنوافل، الماجدیة)

مراقی الفلاح میں ہے:

و من لم یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه أبو اللیثؒ: یقول: اللّٰهم اغفرلی ویکررها ثلاث مرات أو یقول: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار، قال فی التجنیس وهو اختیار مشایخنا أو یقول: یارب یارب یارب ثلاثاً ذکره الصدر الشهید فهذه ثلاثة أقوال مختارة. (مراقی الفلاح: ١٤٤، باب الوتر وأحکامها، مکة المکرمة۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ٤۲، باب الوتر۔ وکذا فی الشامی: ۲/ ۷، باب الوتر والنوافل، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دارد؟

سوال: وتر کی تیسری رکعت میں جو حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں اس طرح کرنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں چند آثار موقوفہ صحابہ و تابعین سے مروی ہیں اور اکثر لیث بن أبی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہیں، جب کی نماز کی بنیاد ہی سکون ووقار پر ہے لہٰذا اس طرح کرنا اچھا نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبوبکر قال حدثنا أبو الأحوص عن مغیرة عن إبراهیم قال: ارفع یدیک للقنوت. حدثنا معاویة ابن هشام قال: حدثنا سفیان عن لیث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه فی قنوت الوتر، حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربی عن لیث عن ابن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه إذا قنت فی الوتر. (مصنف ابن

أبی شیبة: ٤/٥٣١/٧٠٢٦-٧٠٢٨ ،باب رفع الیدین فی قنوت الوتر،المجلس العلمی)

سنن الکبری للبیهقی میں ہے:

أخبرنا أبوعبد الله الحافظ أنبأ أبوبکرالجراحی ثنا یحیی بن شاسویه ثنا عبد الکریم السکری ثنا وهب بن زمعة أخبرنی علی الباشانی قال:سألت عبد الله یعنی ابن المبارکؒ عن الذی دعا ومسح وجهه قال:لم أجد له ثبتاقال علیؓ:ولم أره یفعل ذلک قال:وکان عبد اللهؓ یقنت بعد الرکوع فی الوتروکان یرفع یدیه،وروی عن عبد الله بن مسعودؓ وأبی هریرةؓ فی قنوت الوتر. (السنن الکبری للبیهقی،باب رفع الیدین فی القنوت: ٢/٢١٢،بیروت)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن الأسود قال کان عبد الله ؓ یقرأ فی آخرر کعة من الوتر(قل هو الله أحد)ثم یرفع یدیه فیقنت قبل الرکعة،رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه لیث بن أبی سلیم وهومدلس وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ٢/٢٤٤،باب القنوت فی الوتر،دار الفکر)

ارواء الغلیل میں ہے:

روی الأثرم عن ابن مسعودؓ:"أنه کان یقنت فی الوتروکان إذا فرغ من القراءة کبرورفع یدیه ثم قنت.

لم أقف علی سنده عند الأثرم لأننی لم أقف علی کتابه وإنماوجدت قطعة منه فی الطهارة فی مجموع محفوظ فی المکتبة الظاهریة بدمشق وغالب الظن أنه لایصح فقد أخرجه ابن أبی شیبة والطبرانی والبیهقی من طریق لیث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه فی قنوت الوتر،ولیث هوابن أبی سلیم وهوضعیف لاختلاطه. (ارواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل:٢/١٦٩/٤٢٧، باب صلاة التطوع، المکتب الاسلامی،بیروت)

خلاصہ: ان تمام آثار سے ابتداءِ قنوت میں رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے دوام کا ثبوت نہیں ملتا حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات:

سوال: وتر میں دعاء قنوت کے وقت شوافع وحنابلہ پوری دعا میں جو رفع یدین کرتے ہیں ان کے دلائل کیا ہیں کیا کوئی صریح صحیح حدیث موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: تتبعِ کتب کے بعد معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے پاس اس بارے میں کوئی صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے، البتہ ایک حدیث جو مستدرک حاکم میں ہے اس سے استدلال کیا ہے لیکن محققین حضرات نے فرمایا: ''لم أقف علیہ عند الحاکم''یعنی عام طور پر یہ روایت مستدرک حاکم میں نہیں ملتی اس کے علاوہ چند صحابہ کے عمل اور عمومی دعاؤں والی روایات جن میں رفع یدین کا ذکر ملتا ہے ان سے استدلال کرتے ہیں۔ شوافع کے مستدلات ملاحظہ فرمائیں:

البیان میں ہے:

وھل یستحب رفع الیدین فی القنوت؟ فیہ وجھان: أحدھما: وھو اختیار الشیخ أبی إسحاق: أن ذلک غیر مستحب لأن النبی ﷺ لم یرفع یدیہ إلا فی الاستسقاء والاستنصار وعشیۃ عرفۃ. والثانی: أن ذلک مستحب وھو قول أکثر أصحابنا لما روی أن النبی ﷺ قال: لاترفع الأیدی إلا فی سبعۃ مواضع: عند رؤیۃ البیت وعلی الصفا والمروۃ وفی الصلاۃ وفی الموقف بعرفۃ وعند الجمرتین، وروی عن عثمان رضی اللہ عنہ أنہ کان یرفع یدیہ حتی یبدو ضبعاہ، وفی مصنف ابن أبی شیبۃ: کان عمر رضی اللہ عنہ یقنت بنا بعد الرکوع ویرفع یدیہ حتی یبدو ضبعاہ، وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ أنھما کانا یرفعان أیدیھما إلی صدورھما، فعلی ھذا: یستحب أن یمسح یدیہ علی وجھہ عند الفراغ من الدعاء لما روی ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: إذا دعوت...... فادع اللہ ببطون کفیک ولاتدع بظھورھما فإذا فرغت...... فامسح راحتیک علی وجھک انتھی، قال ابن الصباغ ولایمسح بیدیہ علی غیر وجھہ من جمیع بدنہ فإن فعل ذلک کان مکروھاً. (البیان فی مذھب الامام الشافعی: ۲/۲۵۶)

حاشیتان علی کنز الراغبین شرح منہاج الطالبین میں ہے:

ویسن القنوت فی اعتدال ثانیۃ الصبح وھو اللّٰھمّ اھدنی فیمن ھدیت الخ للاتباع. رواہ الحاکم فی المستدرک عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ إذا رفع رأسہ من

الركوع في صلاة الصبح في الركعة الثانية رفع يديه فيدعوبهذا الدعاء: اللّٰهمّ اهدني إلى آخرما تقدم لكن لم يذكر "ربنا" وقال: صحيح، ورواه البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا دعاء ندعوبه في القنوت من صلاة الصبح فذكرما تقدم، وفي رواية له كان صلى الله عليه وسلم يقنت في صلاة الصبح وفي وتر الليل بهؤلاء الكلمات فذكرماتقدم والصحيح سنّ الصلاة على رسول الله وفي آخره رواها النسائي في قنوت الوتر الذي علّمه النبي صلى الله عليه وسلم الحسن بن علي رضي الله عنه، فالحق به قنوت الصبح والصحيح سنّ رفع يديه فيه لما تقدم من حديث الحاكم والثاني قاسه على غيره من أدعية الصلاة. (حاشيتان على كنز الراغبين: ۱/۲۴۳)

قال عماد ذكي البارودي في تعليقه على حاشيته على كنز الراغبين في حديث الحاكم: "لم أقف عليه عند الحاكم". (حاشيتان على كنز الراغبين: ۱/۲۴۳)

حنابلہ کا مذہب:

المغنی میں ہے:

فيرفع يديه في حال القنوت، قال الأثرم: كان أبوعبد الله يرفع يديه في القنوت إلى صدره واحتج بأن ابن مسعود رضي الله عنه رفع يديه في القنوت إلى صدره وروى ذلك عن عمر رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه وبه قال إسحاق وأصحاب الرأي......ولنا قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا دعوت الله فادع ببطون كفيك ولاتدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهك رواه أبوداؤد وابن ماجة، ولأنه فعل من سمينامن الصحابة، وإذا فرغ من القنوت فهل يمسح وجهه بيديه؟ فيه روايتان: أحداهما لايفعل لأنه روى عن أحمد أنه قال: لم أسمع فيه بشيء ولأنه دعاء في الصلاة فلم يستحب مسح وجهه فيه كسائر دعائها. الثانية: يستحب للخبر الذي رويناه و روى السائب بن يزيد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا دعارفع يديه ومسح وجهه بيديه ولأنه دعاء يرفع يديه فيه فيمسح بهماوجهه كما لوكان خارجاً عن الصلاة وفارق سائرالدعاء فإنه لايرفع يديه. (المغني: ۱/۷۸۶)

ان مستدلات وروایات کا جواب:

مذہبِ احناف کے مطابق ان روایات کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مراد ابتداء ہی میں اٹھانا ہے یعنی

دعاءِ قنوت کے لئے رفع یدین کرلے پھر ہاتھوں کو باندھ لے اٹھائے رکھنا مراد نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو محیط برہانی میں ہے:

وفی آثارأبی حنیفةؒ قال محمدؒ:یرفع یدیه فی تکبیرات القنوت کما یرفع فی افتتاح الصلاة ثم یضعهما ویدعووهذا قول أبی حنیفةؒ.

قال الشیخ الإمام أبوعبد الله الجرجانیؒ:قد صرّح بوضع الیمنی علی الشمال. (المحیط البرهانی:الفصل الثالث عشر،التراویح والوتر، ۲/۲۷۱)

شامی میں ہے:

ویکبرقبل رکوع ثالثته رافعاً یدیه کما مرثم یعتمد،وفی الشامی:قوله ثم یعتمد أی یضع یمینه علی یساری کما فی حالة القراءة. (الشامی: ۲/۶)

نیز شیخ عزبن عبدالسلام شافعی فرماتے ہیں کہ قنوتِ وتر میں رفع یدین مستحب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی موصلہ میں ہے:

ولایستحب رفع الیدین فی القنوت،کمالایرفع فی دعاء الافتتاح، ولافی الدعاء بین السجدتین،ولم یصح فی ذلک حدیث،وکذا لایرفع الیدان فی الدعاء إلافی المواطن التی رفع فیهارسول اللهﷺ یدیه. (الفتاوی الموصلة:ص۳۴،للشیخ العزبن عبدالسلام الشافعیؒ دارالفکر، بیروت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان

قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے:

سوال: کتبِ فقہ میں قنوتِ نازلہ کے کیا الفاظ مرقوم ہیں؟ اور کیا پڑھنا چاہئے جو چاہے پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر شامی میں مرقوم دعا معمول ہے اسی کو پڑھنا چاہئے، ہاں مناسب الفاظ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر وہی ہے جو شامی میں ہے کبھی کبھی طویل الفاظ مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بن جاتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دوسری رکعت سے قومہ لمبا ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اللهم اهدني...... اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات. وألّف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل عليهم بأسك الذي لايرد عن القوم المجرمين. (شامیؒ ۲/۶، باب الوتر والنوافل، سعید)

نورالایضاح میں ہے:

اللهم اهدنا بفضلك فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شرما قضيت إنك تقضي ولايقضى عليك إنه لايذل من واليت و

لایعزمن عادیت تبارکت ربنا وتعالیت وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم.

(نورالایضاح :۹۵ باب الوتر،مجددیۃ ملتان)

مراقی الفلاح میں ہے:

اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما أعطیت وقنا شرما قضیت إنک تقضی ولایقضی علیک وإنہ لایذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت وحسنہ الترمذی. (رواہ أبوداؤد فی کتاب الوتر باب القنوت فی الوتروالترمذی فی کتاب الوتر باب ما جاء فی قنوت الوتروقال ھذا حدیث حسن لانعرفہ الامن ھذا الوجہ وابن ماجۃ فی کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب ماجاء فی القنوت فی الوتروالدارمی فی کتاب الصلاۃ باب الدعاء فی القنوت والنسائی فی کتاب قیام اللیل باب الدعا فی الوتر) **وزاد البیھقی بعد والیت ولایعزمن عادیت وزادالنسائی بعد وتعالیت وصلی اللہ علی النبی فھو کما تری بصیغۃ الإفراد فیہ وفی المروی عنہ ﷺ حال دعائہ فی قنوت الفجرلماکان یفعلہ ،قال الکمال بن الھمام لکنھم أی المشایخ لفقوہ من حدیث فی حق الإمام عام لایخص القنوت فقالوہ بنون الجمع أی اللّٰھم اھدناوعافنا وتولنا إلی آخرہ انتھی،قلت:ومنھم صاحب الدررو الغررو البرھان.** (مراقی الفلاح: ۱۴۳، باب الوتر وأحکامھا ،مکۃ المکرمۃ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھ لیں اگر امام مسنون کے ساتھ دوسری دعاؤں کا بھی اضافہ کیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دعاءِ قنوت میں منقول دعا کے علاوہ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں ،ہاں دنیوی دعاؤں کے مشابہ نہ ہوں مثلاً یا اللہ فلاں جگہ سونے کی کان عطا کردے یا فلاں لڑکی سے نکاح کا انتظام فرمادے،شامی میں یہ دعا منقول ہے:

اللّٰھم اغفرللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات.وألّف بین قلوبھم،و أصلح ذات بینھم،وانصرھم علی عدوک وعدوھم،اللّٰھم العن کفرۃ الکتاب الذین یکذبون

رسلک ویقاتلون أولیائک، اللّٰھم خالف بین کلمتھم، وزلزل أقدامھم، وأنزل علیھم بأسک الذی لایرد عن القوم المجرمین. (شامی:۲/۶، باب الوتر والنوافل،سعید)

اوراس سے ملتی جلتی دعا علامہ خوارزمی نے کفایہ شرح ہدایہ میں ۱/ ۳۷۹ پرنقل فرمائی۔

علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

و أما دعاء القنوت: ولیس فی القنوت دعاء موقت کذا ذکر الکرخی فی کتاب الصلاۃ لأنه روی عن الصحابة أدعیة مختلفة فی حال القنوت، ولأن الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاج إلی إحضار قلبه وصدق الرغبة منه إلی اللہ تعالیٰ فیبعد عن الإجابة. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۳،سعید)

علامہ کاسانیؒ کی اس عبارت سے یہ باتیں مفہوم ہوئیں:

(۱) قنوت میں مخصوص دعا ضروری نہیں۔

(۲) صحابہ سے مختلف دعائیں مروی ہیں۔

(۳) مخصوص دعا پڑھنے کی عادت کی وجہ سے کبھی خشوع اور توجہ نہیں رہتی بلکہ معنی کی طرف کبھی خیال بھی نہیں جاتا۔ ہاں قنوتِ وتر میں احناف کے ہاں ''اللّٰھم إنانستعینک'' پڑھنا مسنون ہے اس کے ساتھ دوسری دعا پڑھ لے تو درست ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وقال بعض مشائخنا المراد من قوله لیس فی القنوت دعاء موقت ما سوی قوله اللّٰھم إنانستعینک لأن الصحابة اتفقوا علی ھذا فی القنوت. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۲،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے صرف تیس دن تک پڑھنا چاہئے یا اس سے زیادہ؟ کب اور کس وقت؟ کیا عشاء کی چوتھی رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنا چاہئے اور تیس دن کی کوئی تحدید نہیں جب تک مصیبت وبلا عام ہو وہاں تک پڑھیں اور فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھیں، نیز عشاء کی چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولایقنت لغیره إلا لنازلة فیقنت الإمام فی الجهریة وقیل فی الکل. وفی الشامی: قال فی الصحاح: النازلة الشدیدة من شدائد الدهر، ولاشک أن الطاعون من أشد النوازل أشباه (قوله فیقنت الإمام فی الجهریة) یوافقه مافی البحر والشرنبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة: وإن نزل بالمسلین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر، وهو قول الثوری وأحمد، وکذا مافی شرح الشیخ إسمعیل عن الغایة: قنت فی صلاة الفجر، ویؤیده مافی شرح المنیة حیث قال بعد کلام: فتکون شرعیته: أی شرعیة القنوت فی النوازل مستمرة ...... وهو صریح فی أن القنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غیرها من الصوات الجهریة أو السریة. (شامی: ۲/ ۱۱، باب الوتر، سعید)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قوله یوافقه ما فی البحر) قال العلامة ط والسندی ماوقع فی بعض نسخ البحر والإمداد عن الغایة إن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر فهو تحریف من النساخ وصوابه الفجر. (تقریرات الرافعی: ۲/ ۸۸، سعید)

کفایت المفتی میں ہے:

جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوتِ نازلہ پڑھیں امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں، قنوتِ نازلہ کسی مصیبت کے وقت پڑھنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۴۴۲، دارالاشاعت)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

آقائے دوجہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی عام اور دیگر عالمگیر مصیبت نازل ہو جائے مثلاً غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے حملہ اور تشدد ہونے لگے اور دنیا کے سر پر خوفناک جنگ چھا جائے یا دیگر بلاؤں اور بربادیوں اور ہلاکت خیز طوفانوں میں مبتلا ہو جائے، تو ایسی مصیبت کے دفعیہ کے لئے فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے اور جب تک وہ مصیبت دفع نہ ہو جائے یہ عمل برابر جاری رہتا تھا، لہذا جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانے تک قنوتِ نازلہ

پڑھنا جائز ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۲۹۵،کتاب الصلاۃ قنوتِ نازلہ،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام طحاویؒ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا مطلب:

سوال: فجر کی نماز میں جب مسلمان مشکل میں پڑ جائیں تو قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے لیکن امام طحاویؒ اس کو منسوخ کہتے ہیں ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: امام طحاویؒ سے دو قول مروی ہیں: (۱) قنوت فی الفجر منسوخ ہے۔(۲) ثابت ہے۔

دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ سخت مصیبت میں جائز ہے اور عام لڑائی میں جائز نہیں یا یہ کہ امام طحاویؒ کا قول ''لابأس'' بہ کا مطلب یہ ہے کہ مسنون نہیں اگرچہ جائز ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام طحاویؒ کا یہ قول فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں ہے۔ شرح معانی الآثار میں ہے:

فثبت بما ذكرنا أنه لاينبغي القنوت فی الفجرفی حال الحرب ولاغيره قياساً ونظراً على ماذكرنامن ذلک وهذا قول أبی حنيفة وأبی يوسف ومحمد رحمهم الله تعالیٰ. (شرح معانی الآثار:۱/۱۸۰،باب القنوت فی صلاۃ الفجروغیرها،فیصل)

نثر الازهار علی شرح معانی الآثار میں ہے:

وليعلم أن كلام المصنفؒ صريح فی نسخ القنوت فی غيرالوترسواء كان لنازلة أو غيرهاوالمصرح فی كتب المذهب جوازه عند النازلة وذكروه عن المصنفؒ أيضاً. (نثر الأزهارعلی شرح معانی الآثار:۱/۴۷۱)

امانی الاحبار میں ہے:

والظاهرمن كلام الطحاوی أن أباحنيفةؒ وصاحبيهؒ لايقولون بالقنوت فيما سوی الوترمطلقاً......وذكرأئمتنا الثلاثة أنهم قالوا لاقنوت فی الفجرأصلاً لكن ذكرغيرواحد عن الإمام المصنفؒ لابأس بالقنوت إن وقعت بلية وعلى هذا فمشروعية القنوت للنازلة مستمرة لم ينسخ كما صرح الشيخ ابن الهمام وغيره وعلى هذا مشی الشامی و غيره ... وقد تقدم الجمع بين ما أثبته المصنفؒ ههنا وبين ماذكروه عن المصنفؒ من ثبوت القنوت فی النازلة بأنه لايشرع لمطلق الحرب وإنما يشرع لبلية شديدة. (امانی الأحبار:۴/۵۹)

شامی میں ہے:

لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلوة والسلام، وهو مذهبنا وعليه الجمهور، وقال الحافظ أبوجعفر الطحاويؒ: إنما لايقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلابأس به، فعله رسول اللهﷺ. (شامي: ٢/ ١١، مطلب في القنوت للنازلة، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: اماني الاحبار: ٤/ ٥٩ ـ وعمدة القاري: ٥/ ٢٣٩، ٢٤١، باب القنوت قبل الركوع وبعده ـ وشرح فتح القدير: ١/ ٤٣٤، باب صلاة الوتر، دار الفكر ـ ومراقي الفلاح مع الطحطاوي: ٣٧٧، باب الوتر، قديمي ـ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ـ

نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں امام صاحب جب دعا قنوت پڑھتے ہیں تو اس وقت ہاتھ باندھنا چاہیے یا لٹکانا چاہیے؟

الجواب: اس بارے میں مذہبِ احناف میں دونوں کی اجازت ہے ایک دوسرے کو ملامت نہیں کرنا چاہیے ہاں ہاتھ لٹکانے پر تعامل ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ثم الاعتماد سنة القيام عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ حتى لايرسل حالة الثناء والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح فيعتمد في حالة القنوت و صلاة الجنازة ويرسل في القومة وبين تكبيرات الأعياد. (هداية: ١/ ١٠٢، باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمدؒ أنه سنة القراءة......قال الفضلي: إن السنة في صلاة الجنازة وتكبيرات العيد والقومة التي بين الركوع والسجود وهو الإرسال......والصحيح ما قاله شمس الأئمة الحلواني وهو الذي أشار إليه في الكتاب أن كل قيام فيه ذكر مسنون، فالسنة فيه الاعتماد كما في حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة، وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الإرسال فيرسل في القومة عن الركوع وبين تكبيرات الأعياد وبه كان يفتي شمس الأئمة

السرخسیؒ وبرهان الأئمةؒ والصدر الشهيدؒ، وذكر في فتاوى قاضيخان: وكما فرغ من التكبير يضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة، وكذا في تكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة والقنوت ويرسل في القومة. (شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱/۲۸۷، باب صفة الصلاة۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/۳۰۸۔ والشامي: ۱/۴۸۷ و ۲/۹، باب الوتر، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے اس لئے احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۹۲، مسائل قنوتِ نازلہ، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: کفایت المفتی: ۳/۴۴۱، کتاب الصلاۃ قنوتِ نازلہ، دارالاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۱۷۸، جامعہ فاروقیہ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”من صلیٰ فی یوم ثنتی عشرۃ رکعۃ
بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنۃ“

(مصنفِ عبدالرزاق)

باب......﴿۹﴾

سنن اورنوافل کا بیان

باب ...... ﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کرادا کرنے کا حکم:

سوال: ظہر کی سنت بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظہر کی سنت بیٹھ کرادا کرنا بغیر عذر کے بھی جائز اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبربه لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعداً مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله......فلایستثنی من جواز النفل جالساً بلاعذرشیء علی الصحیح (قوله یجوزالنفل قاعداً) مطلقاً من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:٤٠٢، فصل فی صلاة النفل جالساً،قدیمی۔وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:١/٢٩٢)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

نفل نماز کے فاسد ہوجانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نفل کھڑے ہوکر شروع کی پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اب اس کو بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز شروع کرنے سے لازم اور واجب ہوجاتی ہے لہذا اب اس کا حکم واجب کا ہے

،تو صورتِ مسئولہ میں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ويتنفل المقيم راكباً أى بلا عذر......واحترزبالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه كالوتروالنذوروما لزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة......فلايجوزعلى الدابة بلاعذرلعدم الحرج كمافي البحر. (شامی:۱/ ۲۳۲،سعید۔وهكذا فی غمزعيون البصائرشرح الأشباه والنظائر۔وكذا فی حاشية الطحطاوى على مراقی الفلاح:۲ ۰ ٤، قديمی)

امداد الفتاح میں ہے:

لا يصح على الدابة صلاة الفرض ولا الواجبات كالوتروالمنذوروماشرع فيه نفلاً فأفسده. (امداد الفتاح:۲ ۵ ٤، بيروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت نماز اور فرض نماز بغیر وضو کے پڑھی یاد آنے کے بعد جب قضا کرے گا تو سنت کی قضا کرے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر وقت ہی میں یاد آ گیا اور وضو کر کے پڑھنا چاہتا ہے تو سنن بھی دوبارہ پڑھ لے اور اگر بعد از وقت قضا کرنا چاہتا ہے تو قضا فقط فرائض کی ہے سنن کی قضا نہیں ہے صرف فجر کی سنت فرض کے ساتھ قضا کر سکتا ہے زوال سے پہلے۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت صلى رسول الله ﷺ العصرثم دخل بيتى فصلى ركعتين فقلت:يارسول الله صليت صلاة لم تكن تصليها قال:قدم على مال فشغلنى عن ركعتين كنت أصليها بعد الظهرفصليتها الآن قلت:يارسول الله أفنقضيها إذا فاتتا قال: لا.** (شرح معانی الآثار للامام الطحاویؒ:۱/ ۲٤۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت کے بعد سنن کی قضا نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فنقول بالله التوفيق لاخلاف بين أصحابنا فى سائرالسنن سوى ركعتى الفجرأنها إذا فاتت عن وقتها لاتقضى سواء فاتت

وحدها أومع الفريضة لما روت أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا أن النبی ﷺ دخل حجرتی بعد العصر......وأما سنة الفجرفإن فاتت مع الفرض تقضى مع الفرض استحساناً لحديث ليلة التعريس فإن النبی ﷺ لما نام فی ذلک الوادی ثم استيقظ بحرالشمس فارتحل منه ثم نزل وأمربلالاً فأذن فصلى ركعتی الفجرثم أمره فأقام فصلى صلاة الفجروأما إذا فاتت وحدها لاتقضى عند أبی حنيفةؒ وأبی يوسفؒ. (بدائع الصنائع:۱/۲۸۷،سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

حکم قضاء الصلاة المسنونة:ولم تقض سنة الفجرإلابفرائضها مع الفرض إلى الزوال سواء قضى الفرض بجماعة أومنفرداً فإنه يصلی السنة ثم يقضی الفرض والقياس أن لاتقضى السنة لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبربقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض:وما روی أنه عليه السلام"قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس"فيبقى مارواه على الأصل فلا تقضى وحدها قبل طلوع الشمس اتفاقاً وتقضى بعده قبل الزوال تبعاً اتفاقاً......وأما غيرها من السنن فلا تقضى تبعاً لا فی الوقت على الصحيح. (امداد الفتاح: ۵۰۲،حکم قضاء الصلاة المسنونة،بیروت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت یا نفل نماز بغیر وضو کے پڑھی تو" لزم النفل بالشروع" کی وجہ سے قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قضاء واجب نہیں ہے،اور" لزم النفل بالشروع" کا مطلب یہ کہ شروع کرنا صحیح ہو پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اور صورتِ مسئولہ میں بغیر وضو کے شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أصحابنا إذا شرع فی التطوع يلزمه المضی فيه......ثم الشروع إنما يكون سبب الوجوب إذا صح فأما إذا لم يصح فلا حتى لوشرع فی التطوع على غيروضوء أوفی ثوب نجس لايلزمه القضاء. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۱/۲۹۱،سعید کمپنی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عصر کی سنتِ قبلیہ شروع کی پھر جماعت شروع ہونے کی وجہ سے توڑ دی تو عصر کے بعد پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: عصر کے بعد پڑھنا مکروہ ہے مکروہ اوقات کے علاوہ میں قضا کرنا صحیح ہے لیکن اگر کسی نے کر لی تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی یعنی ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح النافلة فی وقت مستحب ثم أفسدها أو فسدت...... لایقضیها فیما بعد العصر قبل الغروب أو بعد طلوع الفجر قبل ارتفاع الشمس أی یکره أن یقضیها...... ولو قضاها فیهما تسقط عنه وتصح مع الکراهة. (شرح منیة المصلی: ۲۴۴، سهیل اکیڈمی لاهور۔ وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۷۴، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر: ۱/ ۲۹۹)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کسی کے پیچھے پڑھ لی اس کے بعد دوسری جگہ کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو یہ شخص اس کے پیچھے ظہر کی سنت ادا کر سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ خروج عن العہدۃ کے لئے مطلق نیت کافی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے: ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ثم اعلم أن ما ذکره المصنف هنا مخالف لما قدمه فی شروط الصلاة بقوله وکفی مطلق نیة الصلاة لنفل وسنة وتراویح، وذکر الشارح هناک أنه المعتمد، ونقلنا هناک عن البحر أنه ظاهر الروایة وقول عامة المشایخ وصححه فی الهدایة وغیرها، ورجحه فی الفتح ونسبه إلی المحققین. قلت: فعلی هذا یصح الاقتداء فی التراویح وغیرها بمفترض وغیره، ومثلها سائر السنن الرواتب کما تفیده عبارة الخانیة تأمل. (شامی: ۱/ ۵۹۰ باب الامامة، سعید کمپنی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا کیا حکم

ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک مباح ہے اور شوافع کے دو قول ہیں: (۱) مستحب (۲) مباح، مالکیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ ہے اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے مگر سنت نہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب: وأقره في البحر والمصنف...... وفي الشامي: (قوله وحرر إباحة ركعتين) فإنه ذكر أنه ذهبت طائفة إلى ندب فعلها، وأنه أنكره كثير من السلف وأصحابنا ومالك واستدل لذلك بما حققه أن يكتب سواد الاحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفي المندوبة، أم ثبوت الكراهة فلا إلا أن يدل دليل آخر وما ذكر من استلزم تأخير المغرب فقد قدمنا عن القنية استثناء القليل، والركعتان لايزيد على القليل إذ تجوز فيهما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۴، باب الوتر والنوافل، سعيد۔ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۸۷، مكروهات الصلاة، امدادية ملتان۔ وكذا في فتح القدير: ۱/۴۴۵، باب النوافل۔ والفتاوى الهندية: ۱/۵۲)

شرح المہذب میں ہے:

فرع في استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران في طريقة الخراسانيين (الصحيح) منهما الاستحباب لحديث عبد الله بن مغفل رضي الله عنه...... الخ. (شرح المهذب: ۴/۸ باب صلاة التطوع، دار الفكر۔ وكذا في روضة الطالبين: ۱/۳۲۷، في صلاة التطوع، المكتبة الاسلامي۔ وكذا في حاشية الجمل: ۱/۴۸۱، باب في صلاة النفل، دار الفكر)

فتح الباری میں ہے:

وادعى بعض المالكية نسخها فقال: إنما كان ذلك في أول الأمر حيث نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس...... الخ. (فتح الباري: ۲/۱۰۸، كتاب الاذان باب كم بين الاذان والاقامة۔ وفي مواهب الجليل: ۲/۴۱۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

المغنی میں ہے:

ركعتان قبل المغرب بعد الأذان فظاهر كلام أحمد رحمه الله: أنهما جائزتان وليستا سنة ...... الخ.

(المغني لابن قدامة: ۱/۷۶۶، دار الكتب العلمية، بيروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے اور بعض کتابوں میں حدیث مذکور ہے لیکن کتبِ حدیث میں یہ روایت نہیں ملتی، البتہ ایک عمومی حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں مثلاً آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، پھر اس حدیث سے مطلق نماز مراد ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق کہ رات کی نماز چار رکعت ایک تحریمہ سے پڑھنا افضل ہے اس وجہ سے فقہاء نے چار رکعتیں مستحب قرار دی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اختیار ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن مغفل رضی اللہ عنہ أنه علیه السلام قال: بین کل أذانین صلاة بین کل أذانین صلاة ثم قال فی الثالثة: لمن شاء". (رواہ البخاری: ۱/۸۷، باب بین کل اذانین صلاۃ، فیصل)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب أربع قبل العشاء لماقاله فی الاختیار شرح المختار: یستحب أن یصلی قبل العشاء أربعاً وقیل: رکعتین،......وعن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها "أنه علیه السلام کان یصلی قبل العشاء أربعاً ثم یصلی بعدها أربعاً ثم یضطجع". (امداد الفتاح: ص۴۲۸، بیروت۔ و کذا فی الاختیار ۱/۷۲، باب النوافل، بیروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وأما الأربع قبل العشاء فلم یذکر فی خصوصها حدیث لکن یستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حدیث عبداللّٰه بن مغفل رضی اللہ عنہ أنه علیه السلام قال: بین کل أذانین صلاة بین کل أذانین صلاة ثم قال فی الثالثة: لمن شاء "فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها یفید الاستحباب لکن کونها أربعاً یتمشی علی قول أبی حنیفةؒ لأنها الأفضل عنده فیحمل علیها لفظ الصلاة حملاً للمطلق علی الکامل ذاتاً ووصفاً. (شرح منیة المصلی: ص۳۸۵، سهیل)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے نیز اکابرین کے مختلف فتاوی میں بھی مذکور ہے، البتہ کتبِ فقہیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن علامہ شامیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان نقل کیا ہے ''إذا صح الحديث فهو مذهبي'' لہذا اس کی بنا پر وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے دائرۂ مذہب سے خارج نہیں ہوگا بلکہ عینِ مذہب پر عمل ہوگا چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے بھی (فتاویٰ رشیدیہ ص:۳۸۴) پر تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف میں ہے:

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن صلاة رسول الله ﷺ فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة ثم يصلي ثماني عشرة ركعة ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح. (رواه مسلم: ١/ ٢٥٤)

بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر الركعتين وهو جالس. (السنن الكبرى للبيهقي: ٣/ ٣٣، دار المعرفة)

مزید ملاحظہ فرمائیں: (بخاری شریف: ١/ ١٥٥. باب المداومة على ركعتي الفجر. مسلم شريف: ١/ ٢٥٦. وابوداود شريف: ص ١٩٠. جامع ترمذي شريف: ١/ ١٠٨. وابن ماجه شريف: ص ٨٣. ومسند امام احمد بن حنبل: ٦/ ٢٩٨/ ٢٦٥٩٥. ودارقطني: ٢/ ٣٧. ومؤطا امام محمد: ص ١٤٨).

معارف السنن میں ہے:

والركعتان بعد الوتر لم يرو عن أبي حنيفةؒ والشافعيؒ شئ. وأنكرهما مالكؒ، وقال أحمدؒ: لا أفعلهما ولا أمنع من فعلهما، حكاه النوويؒ في ''شرح مسلم'' و''شرح المهذب'' وكذا في ''شرح المواهب'' وأباحهما الأوزاعيؒ...... وحكى عن أبي الحسن الآمديؒ: أنهما من السنن الراتبة، وذكر أنه أوصىٰ بهما خالد بن معدان، وكثير بن مرة الحضرمي، وفعلهما حسن. (معارف السنن: ٤/ ٢٠٥، بيان المذاهب في الركعتين بعد الوتر جالساً، سعيد).

شامی میں ہے:

وفی حاشية البحر للخير الرملی: رأيت فی كتب الشافعية أنه قد سن الأذان لغير الصلاة...... وعند تغول الغيلان: أی عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه. أقول: ولا بعد فيه عندنا، أی لأن ما صح فيه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ينص عليه، لما قدمناه فی الخطبة عن الحافظ ابن عبد البرؒ والعارف الشعرانیؒ عن كل من الأئمة أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبی. (الشامی: ۱/۳۸۵، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة، سعيد۔ شرح عقود رسم المفتی: ص۱۷)

فتاوی دار العلوم میں ہے:

وتر کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں نیز آنحضرت ﷺ نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ۴/۲۲۰، مسائل سنن غیر مؤکدہ، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۳۵۔ وکفایت المفتی: ۳/۳۱۸۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۲۲۴۔ وفتاوی رحیمیہ: ۳/۲۴۔

اشکال اور جواب:

اشکال: "اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وتراً" کی حدیث کے ساتھ رکعتین بعد الوتر والی روایت کا تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں: (۱) "اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وتراً" کا حکم استحباب پر مبنی ہے اور رکعتان بعد الوتر جواز کے لئے ہے۔

(۲) یہ دو رکعتیں وتر کی تکمیل کے لئے ہیں۔

(۳) رات کی آخری نماز وتر کو رکھو مغرب اور عشاء پہلے ہو اور وتر بعد میں۔

(۴) رات کو آخری نماز جو عشاء مع الوتر ہیں اس کا مجموعہ وتر یعنی طاق بناؤ مطلب یہ کہ وتر کو مت چھوڑو یہ بھی لازم ہے، اور وتراً نکرہ سے اس توجیہ کی تائید ہوئی کیونکہ صلاۃ وتر کے لئے معرفہ الوتر کا لفظ احادیث میں مستعمل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوسکتا ہے تو عشاء کے بعد دو یا چار رکعات پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد اصل میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز ہے لہذا کوشش یہی کرنا چاہئے کہ سوکر اٹھنے کے بعد اخیر شب میں پڑھے لیکن کوشش کے باوجود اٹھنا مشکل ہے یا طالب علم رات کو دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا ہے سونے سے پہلے دو یا چار رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے تو امید ہے کہ ثواب مل جائے گا۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ومن المندوبات صلاة الليل حثت السنة الشريفة عليها كثيراً وأفادت أن لفاعلها أجراً كبيراً فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعاً......وروى الطبراني مرفوعاً لابد من صلاة بليل ولوحلب شاة وما كان بعدصلاة العشاء قبل النوم. (البحر الرائق:۲/۵۲،باب النوافل،الماجدية)

شامی میں ہے:

قلت:قد صرح بذلک في الحلية،ثم قال فيها بعد كلام:ثم غير خاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هي التهجد،وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في اصطلاح التطوع بعد النوم،وأيد بما في مجمع الطبراني من حديث الحجاج بن عمرو ﷺ قال:" يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد،إنما التهجد،المرء يصلي الصلاة بعد رقده"غير أن في سنده ابن لهيعة وفيه مقال،لكن الظاهر رجحان حديث الطبراني الأول لأنه تشريع قولي من الشارع ﷺ بخلاف هذا،وبه ينتفي ماعن أحمد من قوله قيام الليل من المغرب إلى طلوع الفجر......أقول:الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيان لكونه وقته بعد صلاة العشاء، حتى لو نام ثم تطوع قبلها لا يحصل السنة فيكون حديث الطبراني الثاني مفسراً للأول،وهوأولىٰ من إثبات التعارض والترجيح ،لأن فيه ترك العمل بأحدهما،ولأنه يكون جارياً على الاصطلاح، ولأنه المفهوم من اطلاق الآيات والآحاديث،ولأن التهجد إزالة النوم بتكلف مثل:تأثم أي تحفظ عن الإثم،نعم صلاة الليل وقيام الليل أعم من التهجد وبه يجاب ماورد على قول الإمام أحمد هذا ما ظهرلي. والله أعلم. (شامی:۲/۲۴،باب النوافل،سعید

کمپنی ۔وھکذا فی شرح منیة المصلی:٤٢٤،سھیل)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتیین جلد دوم:۳۵۹۔وفتاوی محمودیہ:۲۳۴/۷،باب السنن والنوافل،جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ تہجد با جماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز قصداً با جماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے ہاں کبھی بغیر تداعی کے ایک دو کسی کی اقتداء کرے تو گنجائش ہے البتہ مداومت مکروہ ہے افضل اور بہتر یہ ہے کہ تنہا ادا کی جائے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها......وعن شمس الأئمةؒ أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذاکان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لواقتدی واحد بواحد أواثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أم ابن عباس رضی الله تعالی عنهمافی صلاة اللیل......وصح أنه ﷺ أم أنساً والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین،وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة،وإن اقتدی أربعة بواحدکره اتفاقاً. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:٣٨٦،باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔وکذا فی الشامی:٤٩/٢،کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی،سعید کمپنی۔وکذا فی المبسوط للامام السرخسیؒ:٨٦/٢، باب صلاة الکسوف،ادارة القرآن)

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولیٰ من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفیٰ،لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بهادون الثانی. (اعلاء السنن:٩٣/٧،باب کراهة الجماعة فی النوافل،ادارة القرآن، کراچی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص تہجد پڑھ رہا تھا اور فجر کا وقت داخل ہوگیا تو یہ نفل واجب الاعادہ ہے یا مستحب الاعادہ یا کیا حکم ہے؟

الجواب: تہجد پڑھتے وقت صبح صادق طلوع ہو جائے تو نماز پوری کرلے، یہ نفل صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لوصلی تطوعاً فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجرفإن الأفضل إتمامها،لأن وقوعه فی التطوع بعد الفجرلاعن قصد ولاینوبان عن سنة الفجرعلی الأصح. (شامی: ۱/ ۳۷٤،سعید کمپنی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن صلی تطوعاًفی آخر اللیل فلماصلی رکعة طلع الفجرکان الإتمام أفضل......

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۵۲)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھے تو کیا اسے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے نمازِ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ظاهرمامرأن التهجد لایحصل إلابالتطوع،فلونام بعد صلاة العشاء ثم قام فصلی فوائت لایسمی تهجداً وتردد فیه بعض الشافعية......قلت:والظاهرأن تقییده بالتطوع بناء علی الغالب وأنه یحصل بأی صلاة کانت لقوله فی الحدیث المار"وماکان بعد صلاة العشاء فهومن اللیل". (شامی:۲/ ۲٤، فی صلاة اللیل،سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۳/ ۲۶۰، باب السنن والنوافل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے چار رکعات تراویح چھوڑ دی جب اس کو اخیر شب میں ادا کرتا ہے تو تہجد والا اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تہجد پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو اقتدی من یصلی سنة بمن یصلی سنة أخری فإنه یجوز کسنة العشاء خلف من یصلی التراویح...... (البحر الرائق:۱/۳۶۱،باب الامامة،الماجدیة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لو اقتدی من یصلی السنة بعد العشاء لمن یصلی التراویح ولو نوی سنة العشاء جاز...... (الفتاوی الهندیة:۱/۱۱۷۔وکذا فی الفتاوی الولوالجیة:۱/۱۷۔وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹۶۔و فی بدائع الصنائع:۱/۲۹۰،سعید)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ رکعت کا ثبوت:

سوال: اشراق کی نماز میں فقہائے کرام دو یا چار رکعت پڑھنا تحریر فرماتے ہیں، احادیث میں دو رکعت سے زائد ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں دو رکعت سے زائد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو الترغیب والترہیب میں ہے:

روی عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ قال: من صلی الفجر ثم ذکر الله حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار وأخذ الحسن بجلده فمده، رواه البیهقی. (الترغیب والترهیب:۱/۱۷۸)

شعب الایمان میں ہے:

عن العلاء وأبی الجهم قالا: کان الحسن بن علی جالساً بعد صلاة الصبح فی المسجد فأتاه رجل فدعاه وجلساءه إلی طعام فأضرب عنه ثم دعا فدعاه فقال الحسن لجلسائه

قوموا فما منعني أن أجيبه في المرة الأولىٰ إلا أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: "من صلى الغداة ثم ذكر الله عزوجل حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين أوأربع ركعات لم تمس جلده النار" وأخذ الحسن بجلده فمده فإذا الذي دعاهم عبد الله بن الزبيرفلما وضع الطعام قال الحسن: إني صائم فقال ابن الزبير: اتحفوه بتحفة. (شعب الايمان:۳/۴۲۰)

سنن ترمذی میں ہے:

عن أبي الدرداء وأبي ذررضي الله عنهماعن رسول الله ﷺعن الله تبارك وتعالى أنه قال" ابن آدم اركع لي أربع ركعات من أول النهارأكفك آخره". (رواه الترمذي:۱/۱۰۸،باب ما جاء في صلاة الضحى،فيصل۔وأبوداؤد:۱/۱۸۳)

اس حدیث کومحدثین نے صلوۃ الضحی کے باب میں ذکرفرماتے ہیں لیکن نمازِ اشراق کی فضیلت میں بھی ہوسکتی ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز ہے۔

ملاحظہ ہوحضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

قال الفقهاء والمحدثون:إن صلاة الضحى وصلاة الإشراق واحدة إن صلى بمجرد ذهاب الوقت المكروه بعد الطلوع فصلاة إشراق ولوتأخرعنه بزمان فصلاة الضحى غير صلاة الإشراق و يفيدهما ما روى على أن النبي ﷺ صلى الإشراق حين كانت الشمس من ههنا مقدارمايكون ههنا وقت العصر...... (العرف الشذي على هامش الترمذي:۱/۱۰۷،باب ما جاء في صلاة الضحى). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:

سوال: تحیۃ المسجد سنت ہے یا مستحب؟ اگرنوافل کاوقت نہ ہوتو کیا کرے؟

الجواب: تحیۃ المسجد سنت ہے لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعدفرض یاسنتِ قبلیہ میں مشغول ہوگیاتو یہ نمازتحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجائے گی۔

اگرمکروہ وقت ہوجس میں نوافل نہیں پڑھ سکتے توذکرواذکارمیں مشغول ہوجائے مثلاً "**سبحان الله و الحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر**"وغیرہ۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويسن تحية) كتب الشارح في هامش الخزائن أن هذا رد على صاحب الخلاصة حيث ذكر أنها مستحبة......ثم قال: وقد حكى الإجماع على سنيتها غير أن أصحابنا يكرهونها في الأوقات المكروهة تقديماً لعموم الحاظر على عموم المبيح ...... فإنه يسبح ويهلل ويصلي على النبي ﷺ فإنه حينئذٍ يؤدي حق المسجد، كما إذا دخل للمكتوبة فإنه غير مأمور بها حينئذٍ كما في التمرتاشي......قال في النهي: وينوب عنها كل صلاة صالها عند الدخول فرضاً كانت أو سنة، وفي البناية معزياً إلى مختصر المحيط أن دخوله بنية الفرض أو الاقتداء ينوب عنها وإنما يؤمر بها إذا دخله لغير صلاة (قوله في الضياء) عبارته وقال بعضهم: من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد إما لحدث أو لشغل أو نحوه يستحب له أن يقول: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، قاله أبو طالب المكي في قوت القلوب. (شامی: ۲/ ۱۸، ۱۹، باب النوافل، سعید)

معارف السنن میں ہے:

الصلاة هذه تسمى تحية المسجد سنة عندنا وعند الكل عبّر عنها بالسنة صاحب الدر المختار وعبّر عنها صاحب الخلاصة بأنها مستحبة وكذالك اختلف فيها كلمات المالكية والشافعية والأمر متقارب. (معارف السنن: ۳/ ۴۹۵، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد میں آکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر تحیۃ المسجد پڑھ لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا بالکل جائز اور درست ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں تحیۃ المسجد بھی نفل کی ایک قسم ہے اس وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا جائز اور درست ہے۔ البتہ ثواب میں کمی ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: سألت النبي ﷺ عن صلاة الرجل وهو قاعد فقال: "من

صلی قائماً فهو أفضل ومن صلی قاعداً فله نصف أجر القائم...... (رواه البخاری:۱/۱۵۰/۱۱۰۵،فیصل)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعداً مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله......فلا یستثنی من جواز النفل جالساً بلا عذر شیء علی الصحیح (قوله یجوز النفل قاعداً)مطلقاً من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:۴۰۲، فصل فی صلاة النفل جالسا،قدیمی۔وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۲۹۲ ۔والدر المختار مع الشامی:۲/۳۶،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کر سکتے ہیں عند الاحناف والشوافع کیا حکم ہے؟

الجواب: صلوۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا درست نہیں ہے،احناف اور شوافع دونوں کے ہاں یہی حکم ہے اس لئے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے مگر کبھی کبھی ایک دو کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی کے تو درست ہے اسی طرح تین ہوں تو بھی اصح قول کے مطابق بلا کراہت صحیح ہے البتہ چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت :وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولیٰ من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفیٰ،لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بها دون الثانی. (اعلاء السنن:۷/۹۳،باب کراهة الجماعة فی النوافل،ادارة القرآن،کراچی)

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها......وعن شمس الأئمة أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس

لـلاجتماع عليهم أما لواقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره لأن النبيﷺ أم ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فى صلاة الليل......وصح أنهﷺ أم أنساً واليتيم والعجوز فصلى بهم ركعتين،وكانت نافلة وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه والأصح عدم الكراهة،وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى:٣٨٦، باب الوتر، قديمى كتب خانه۔وكذا فى الشامى:٤٩/٢،كراهة الاقتداء فى النفل على سبيل التداعى، سعيد كمپنى۔وكذا فى المبسوط للامام السرخسى:٨٦/٢، باب صلاة الكسوف،ادارة القرآن)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں ہے۔(فتاوی محمودیہ:۷/۲۵۳،باب السنن والنوافل،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۲۶۶،باب السنن والنوافل)

البجیرمی میں ہے:

تتمة: من القسم الذى لاتسن الجماعة فيه صلاة التسابيح. (البجيرمى على الخطيب:٨٠/٢ القول فى النوافل المؤكدة بعدالرواتب،التوفيقية)

نہایۃ المحتاج میں ہے:

ومما لاتسن فيه الجماعة......وصلاة التسبيح. (نهاية المحتاج:١٢٢/٢،باب فى صلاة النفل،دار الفكر)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق:

سوال: صلاۃ التسبیح مطول اور مختصر میں کیا فرق ہے؟اور سند کے اعتبار سے دونوں میں کونسی زیادہ اصح ہے؟

جواب: صلاۃ التسبیح مطول سب سے زیادہ مشہور ہے اور سند کے اعتبار سے زیادہ ٹھیک طریق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبدالعزیز پر بعض نے کچھ کلام کیا ہے اور محدثین کے مختلف نظریات ہیں بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے البتہ موضوع کہنا غلط ہے۔

اور شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو:تعليق الالبانى على سنن الترمذى:٣٥٠/٢/ ٤٨٢،بيروت۔وسنن ابن

ماجة:۱/۴۴۲/۱۳۸٦،بیروت۔وسنن ابی داود:۱/۴۹۹/۱۲۰۰،بیروت۔ لیکن اسی روایت کو صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں ضعیف قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو:صحیح ابن خزیمة:۱/۱۲۱٦،باب صلاة التسبیح،المکتب الاسلامی۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ مجموعہ طرق کی وجہ سے درجۂ حسن سے کم نہیں ہے۔

ہاں صلاۃ التسبیح مختصر سند کے اعتبار سے اصح ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مختصر میں تسبیحات کی تعداد تیس ہے اور مطول میں کل تعداد تین سو ہے، ہر رکعت میں پچھتر ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی رافع رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ للعباس رضی اللہ عنہ ألا أصلک ألا أحبوک ألا أنفعک قال بلی یارسول الله قال:یا عم صل أربع رکعات تقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب وسورة فإذا انقضت القراء ة فقل الله أکبروالحمد لله وسبحان الله ولاإله إلاالله خمس عشرة مرة قبل أن ترکع ثم ارکع فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً ثم اسجد فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً ثم اسجد فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً قبل أن تقوم فذلک خمس وسبعون فی کل رکعة وهی ثلثة مائة فی أربع رکعات ولوکان ذنوبک مثل رمل عالج غفرها اللہ لک......قال أبوعیسی هذا حدیث غریب من حدیث رافع...... عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن أم سلیم غدت علی النبی ﷺ فقالت علمنی کلمات أقولهن فی صلا تی فقال: کبری الله عشراً وسبحی الله عشراً واحمدیه عشر اً ثم سلی ما شئت یقول نعم نعم.وفی الباب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وعبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ والفضل بن عبا س رضی اللہ عنہ وأبی رافع رضی اللہ عنہ قال أبوعیسی حدیث أنس رضی اللہ عنہ حدیث حسن غریب وقد روی عن النبی ﷺ غیرحدیث فی صلاة التسبیح ولایصح منه کبیرشیء وقد روی ابن المبارک وغیرواحد من أهل العلم صلاة التسبیح ذکروالفضل فیه. (ترمذی شریف:۱/۱۰۹ باب ماجاء فی صلاة التسبیح،فیصل)

قال الألبانی: صحیح. (سنن ترمذی:۲/۳۵۰/۴۸۲،بیروت)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

والحدیث فی صلاة التسبیح مختلف فیه،قیل:ضعیف،وقیل:إنه حسن، وهو المختار عند جمهور المحدثین وأدرجه ابن الجوزی فی کتاب الموضوعات،وقال الحافظ ابن

حجر فی أماليه على كتاب الأذكار للنووی أنه قد أشار ابن الجوزی حيث أدرجه فی كتاب الموضوعات وكلام الحافظ مضطرب فی الحكم على حديث التسبيح فإنه قال فی التلخيص إن كل الأسانيد ضعيفة. (العرف الشذی على سنن الترمذی:۱/۱۹۰،باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح)

نیز ملاحظہ ہو: (ابوداؤد شریف: ص۱۸۳،باب صلاۃ التسبیح ـ و ابن ماجه شریف :ص۹۹، صلاۃ التسبیح ـ سنن کبری للبیهقی:۳/۵۱، باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح ـ مجمع الزوائد:۲/۲۸۱،باب صلاۃ التسبیح ،دارالفکر).

مختصر صلاۃ التسبیح ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: جاءت أم سليم إلى النبی ﷺ فقالت: يارسول الله علمنی كلمات أدعوبهن فی صلاتی قال سبحی الله عشراً واحمديه عشراً وكبريه عشراً ثم سليه حاجتك يقول: نعم نعم. (نسائی شریف:۱/۱۹۱،باب الذکر بعد التشهد)

البانی صاحب فرماتے ہیں:

حسن الأسناد الترمذی. (صحیح و ضعیف سنن النسائی ۳/۴۴۳/۱۲۹۹،تحقیق الالبانی)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: جاءت أم سليم إلى رسول الله ﷺ فقالت: يارسول الله علمنی كلمات الخ...... وعلى هامشه قال الأعظمی: إسناده حسن ـ (صحیح ابن خزیمة مع الحاشیة:۱/۴۳۰/۸۵۰، باب اباحة التسبیح و التحمید و التکبیر فی الصلاۃ ،المکتب الاسلامی)

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: جاءت أم سليم إلى رسول الله ﷺ فقالت: ......الخ. وعلى هامشه: قال شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن ـ (صحیح ابن حبان:۴/۲۲۹/۲۰۱۱)

مستدرک میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی الله عنه: أن أم سليم غدت على النبی ﷺ فقالت: ......الخ هذا حديث صحيح على شرط مسلم و لم يخرجاه ـ (المستدرک:۲/۴۴۹/۸۹۳). وقال الذهبی فی التلخيص: على شرط مسلم ـ

لكن قال الألبانی فی ”سلسلة الضعيفة و الموضوعة“:ضعيف.

أخرجه النسائی:۱/۱۹۱ـوالترمذی:۱/۱۰۹ـوابن خزيمة ......وقال الترمذی:حديث حسن غريب۔

وقال الحاكم صحيح على شرط مسلم،ووافقه الذهبی أقول هو كما قالا،لولا أن عكرمة بن عمارفيه ضعف من قبل حفظ كما أشارإليه الحافظ بقوله:صدوق يخطیء، وفی روايته عن يحيى بن أبی كثيراضطراب،ولم يكن له كتاب،قلت:فبحسب مثله أن يكون حسن الحديث،وأما الصحةفلا،وهذا إذا لم يخالف من هوأوثق من أحفظ،وليس الأمر كذلک هنا.(السلسلة الضعيفة والموضوعة: ۸/۱۶۵)

قلت لايصح ماقاله الشيخ الألبانی فإن عكرمة بن عمارثقة إلا فی روايته عن يحيى بن أبی كثيرفهی ضعيفة لاضطرابه فيها فقد أطلق توثيقه أيوب السختيانی والعجلی وابن المدينی وأحمدبن حنبل وابن معين وأحمد بن صالح المصری وأبوداؤد وأبوزرعة الدمشقی وابن عماروعلی بن محمد الطنافسی وإسحاق بن أحمد بن خلف البكاری الحافظ والدارقطنی وغيرهم واجمعوا على اضطراب روايته عن يحيى بن أبی كثيروإنما تكلم منه يحيى بن سعيد القطان لأجل ذلک.(تحريرالتقريب:۳/۳۲)

وهذا الحديث ليس من رواية عكرمة عن يحيى بن أبی كثيرفالرواية صحيحة وكون الحديث مرسلاً بسندآخرلاينافی صحة الرواية المرفوعة.والله أعلم،

نیز محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کوتلقی بالقبول حاصل ہواورامت میں تعامل شروع ہوجائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہوجاتی ہےاوراس حدیث کے صحیح ہونے کاحکم لگایاجائے گا۔

ملاحظہ ہوقواعدفی علوم الحدیث میں ہے:

قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح،قال ابن عبد البر فی الاستذكار لما حكى عن الترمذی أن البخاری صحح حديث البحر” هو الطهورماءه “ وأهل الحديث لايصححون مثل إسناده لكن الحديث صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول.

قلت:والقبول يكون تارة بالقول وتارة بالعمل عليه ولذا قال المحقق فی الفتح و قول

الترمذی العمل علیه عند أهل العلم یقتضی قوة أصله وإن ضعف خصوص هذا الطریق.(قواعد فی علوم الحدیث: ص ٦٠)

دوسری جگہ ہے:

وقال البیهقی کان عبد الله بن المبارکؒ یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذلک تقویة للحدیث المرفوع.(قواعد فی علوم الحدیث: ص٦٢،دار السلام)

بل الحدیث إذا تلقته الأمة بالقبول فهو عندنا فی معنی المتواتر.والله أعلم.

معارف السنن میں ہے:

والأحادیث المرویة فیها تجاوز العشرة:من روایة عبد الله بن عباس رضی الله عنه والفضل رضی الله عنه وأبیهما العباس رضی الله عنه وأبی رافع رضی الله عنه وأنس رضی الله عنه وابن عمر رضی الله عنه وعلی بن أبی طالب رضی الله عنه وأخیه جعفر رضی الله عنه وابنه عبد الله بن جعفر رضی الله عنه وأم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها والأنصاری......غیر مسمی......وقیل:هو جابر بن عبد الله رضی الله عنه،وقیل أنه أبو کبشة الأنماری رضی الله عنه،تجدها مسرودة فی اللآلی المصنوعة، وأمثل هذه الأحادیث وأشهرها وأصحها إسناداً حدیث ابن عباس رضی الله عنه وموسی بن عبد العزیز فیه وثقة بن معین والنسائی وابن حبان وأخرج البخاری من طریقه فی القراءة، وأخرج له فی الأدب. وحدیث أبی رافع رضی الله عنه فیه موسی بن عبیدة الربذی ضعفوه، ولکن ابن حبان ذکره فی الثقات،وقال ابن سعد:ثقة ولیس بحجة ،وعسی أن یصلح مثله شاهداً لحدیث ابن عباس رضی الله عنه وأقول:وحدیث عبد الله بن عمرو رضی الله عنه عند أبی داؤد له طرق،وأحسنها طریق أبی داؤد،وقد حسنها المنذری فیکفی شاهداً لحدیث ابن عباس رضی الله عنه،علا أنه قد صححه الحاکم من غیر طریق أبی داؤد أیضا،ووافقه الذهبی فی ”تلخیصه“قال:هذا إسناد صحیح لاغبار علیه.وحدیث أنس رضی الله عنه الذی رواه الترمذی فی الباب الظاهر أنه لاعلاقة له بصلاة التسبیح کما ینبه علیه العراقی وابن حجر وغیرهما، والبقیة لاتخلو عن ضعیف وساقط،وربما أفاد قوة اجتماعها وإن کان آحادها ضعیفة، وصحة حدیث ابن عباس رضی الله عنه وحده یکاد یکون کفیلاً لصحة البقیة والله أعلم. ولاشک أن الشریعة الغراء عینت أنواعاً من الصلاة،وکل نوع لیس له أصل فی الشریعة بدعة،ومن

أحدثها من غير أصل ثابت ابتدع. والحديث في صلاة التسبيح قد اختلفوا فيه. الخلاف غالبه في حديث ابن عباس رضي الله عنه لاغير، والأقوال فيه وفي غيره تبلغ إلى خمسة: الصحة والحسن......

فالأول: اختاره أبوعلي بن السكن وابن خزيمة وابن مندة وأبوبكر الآجري وأبوبكر بن أبي داؤد وأبوموسى المديني والديلمي صاحب مسند الفردوس وأبوبكر الخطيب وأبوسعد السمعاني صاحب "كتاب الأنساب" وأبو الحسن بن الفضل وأبومحمد عبد الرحيم المصري شيخ المنذري وأبوالحسن المقدسي وسراج الدين البلقيني وصلاح الدين العلائي شيخ الحافظ ابن حجر البدر الزركشي، وكلهم من حفاظ الحديث وجهابذة الفن.

والثاني: ذهب إليه ابن المديني شيخ البخاري ومسلم بن الحجاج والمنذري وابن الصلاح والنووي في تهذيب الأسماء وفي الأذكار والتقي السبكي وابن حجر في أمالي الأذكار وفي الخصال المكفرة للذنوب المقدمة المؤخرة. (معارف السنن: ٤/ ٢٨٤، باب ما جاء في صلاة التسبيح، سعيد كمپنی)

صلاۃ التسبیح کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ تعداد کے اعتبار سے دس سے زیادہ ہیں جو درجِ ذیل صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۲) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ
(۳) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۴) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ
(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ (۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۸) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ
(۹) حضرت عبیداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (۱۰) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ جن کے نام میں اختلاف ہے۔

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور اور سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کے علاوہ دوسری بعض احادیث کو کچھ محدثین نے ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے

،لیکن قدماء محدثین میں سب سے بڑے اور بہت جلیل القدر حضرات نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن قرار دیا ہے اور موضوع ہونے کا قول ان میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ درج ذیل محدثینؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

(۱) ابو علی بن سکنؒ　(۲) ابن خزیمہؒ

(۳) حاکمؒ　(۴) ابن مندہؒ

(۵) ابو بکر الآجریؒ　(۶) ابو بکر بن ابو داوٗدؒ

(۷) ابو موسی المدینیؒ　(۸) دیلمیؒ

(۹) خطیبؒ　(۱۰) سمعانیؒ

(۱۱) ابو الحسن المصریؒ　(۱۲) ابو الحسن المقدسیؒ

(۱۳) بلقینیؒ　(۱۴) علائیؒ

(۱۵) زرکشیؒ　(۱۶) البانیؒ

درج ذیل مشائخِ حدیث نے اس کو حسن قرار دیا ہے:

(۱) ابن المدینی جو امام بخاری و امام مسلم کے شیخ ہیں　(۲) منذریؒ

(۳) ابن الصلاحؒ　(۴) نوویؒ

(۵) سبکیؒ　(۶) ابن حجرؒ

یہ سب حضرات حدیث میں امامِ فن اور ماہرِ فن ہیں اور جن کو اس فن میں مقتدا اور امام مانا جاتا ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے والوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم:

سوال: مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھنے کو اوابین کہنے کا کیا حکم ہے؟ احادیث سے اس نماز کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور ائمہ کرام کا کیا مذہب ہے؟ آج کل عرب حضرات اس پر تنقید کرتے ہیں۔

الجواب: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات کو اوابین کہنا سلف سے منقول ہے اور اوابین کی نماز

احادیث سے ثابت ہے اگر چہ احادیث ضعف سے خالی نہیں تاہم مجموعی طور پر درجۂ حسن سے کم بھی نہیں، خصوصاً فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مسلم ہے اور فقہاءِ کرام کے یہاں بھی صلاۃ الاوابین کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: " من صلی بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة" قال أبوعيسی: وقد روی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **عن النبی ﷺ قال: " من صلی بعد المغرب عشرين ركعة بنی الله له بيتاً فی الجنة"**

قال أبوعيسیٰ: حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن أبي خثعم، قال: وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن عبد الله بن أبي خثعم منكر الحديث وضعفه جداً.

(ترمذی شریف: ۱/ ۹۸، باب ماجاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب. وكذا رواه ابن ماجة: ۸۱، باب ماجاء فی الست الركعات بعد المغرب. وكذا رواه الطبرانی فی الكبير: ۱۹/ ۱۳۹. والأوسط: ۲/ ۳۳۰/ ۸۳۱، من اسمه أحمد وقال: لم يروهذا الحديث عن يحيی بن أبی كثيرالاعمربن عبد الله تفرد به زيدبن الحباب. وكذا رواه ابن خزيمة: ۱/ ۵۸۸/ ۱۱۹۵، باب فضل التطوع بين المغرب والعشاء، المكتب الاسلامی. وقال الأعظمی: إسناده ضعيف. وكذا رواه أبويعلی فی مسنده: ۱۲/ ۲۷۵/ ۵۸۸۷. وكذا رواه المنذری فی الترغيب و الترهيب: ۱/ ۴۰۴، الترغيب فی الصلاة بين المغرب والعشاء).

حضرت مولانا شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

فسمی هذه الصلاة بصلاة الأوابين فی عرف الناس ولم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱/ ۱۰۱، فيصل)

اعلاء السنن میں ہے:

قلت: إخراج ابن خزيمة له فی "صحيحه" يدل علی أنه ثقة عنده ويؤيده ما قال فی تهذيب التهذيب (۵/ ۲۹۱) وأما عبد الله (هو ابن عبد الرحمن بن ثابت بن الصامت) فلم أر فيه جرحاً ولاتعديلاً، لكن إخراج ابن خزيمة له فی صحيحه يدل علی أنه عنده ثقة، وجعل العلامة الحافظ السيوطی كل ما فی صحيح ابن خزيمة صحيحاً كما فی كنز

العمال (۱/۳)فعلی هذا یکون الحدیث صحیحاً وهومقتضی موضوع صحیح ابن خزیمة أیضاً وإن کان عند البخاری والترمذی ضعیفاً،فإن الاختلاف غیرمضرفافهم. (اعلاء السنن: ۱۹/۷، باب النوافل والسنن،ادارة القرآن).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن عماربن یاسرقال:رأیت عماربن یاسرؓ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال:رأیت حبیبی رسول الله ﷺ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال:"من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وإن کانت مثل زبد البحر". رواه الطبرانی فی الثلاثة وقال:تفرد به صالح بن قطن البخاری قلت:ولم أجد من ترجمه۔ (مجمع الزوائد:۲/۲۳۰،باب الصلاة قبل المغرب وبعدها)

طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن یحیی قال حدثنا صالح بن قطن البخاری قال:حدثنا عثمان بن محمد بن عماربن یاسرقال:حدثنی أبی عن جدی قال رأیت عماربن یاسرؓ صلی بعد المغرب ست رکعات......الخ.لایروی هذا الحدیث عن عمارؓ إلابهذا الإسناد تفرد به صالح بن قطن.(رواه الطبرانی فی الأوسط:۸/۱۲۰/۷۲۴۱، مکتبة المعارف ریاض)

لسان المیزان میں ہے:

له حدیث فی صلاة عمارؓ ست رکعات بعد المغرب،وهوغریب لأنه تفرد به وأورده ابن الجوزی فی العلل وقال فی إسناده مجاهیل. (لسان المیزان:۲/۲۹۵/۳۸۸۰، المطبوعات الاسلامی).

وذکره المنذری فی الترغیب والترهیب:

وقال صالح هذا لایحضرنی الآن فیه جرح ولاتعدیل. (الترغیب والترهیب:۱/۴۰۴، الترغیب فی الصلاة بین المغرب والعشاء،بیروت).

فیض القدیر میں ہے:

"من صلی ست رکعات بعد المغرب قبل أن یتکلم غفرله ذنوب خمسین سنة" رواه ابن

نصرفی الصلاة عن ابن عمربن الخطاب وفیه محمد بن غزوان قال فی المیزان:عن أبی زرعة منکر الحدیث و عن ابن حبان:یقلب الأخبارویرفع الموقوف.(فیض القدیر:٦/١٩٨).

الترغیب والترہیب میں ہے:

وروی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ......**وهـذا الحديث الذی أشارإليه الترمذی**. ورواه ابن ماجة من رواية يعقوب بن الوليد المدائنی عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة،ويعقوب كذبه أحمد و غيره۔(الترغيب و الترهيب:١/٤٠٤،الترغيب فی الصلاة بين المغرب و العشاء).

ترمذی شریف میں ہے:

قال أبوعيسى وقد روى عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا**عن النبی ﷺقال:''من صلی بعد المغرب عشرين ركعة بنی الله له بيتا فی الجنة''**. (ترمذی شريف:١/٩٨،باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب).

وروى محمد بن المنكدرمرسلاً:من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها صلاة الأوابين.

فیض القدیر میں ہے:

من صلى مابين المغرب والعشاء فإنها فی رواية فإن ذلک صلاة فی رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى:﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾ (الاسراء:٢٥) **ابن نصرفی كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدرمرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارک فی الرقائق.** (فيض القدير: ٦/١٩٧/٤٠٨٨۔وكذا فی الاستذكار:٢/٤٠۔والتمهيد:١٩/٢٣۔والتيسيرشرح الجامع الصغير:٢/٨٢٧)

علامہ بنوریؒ احادیث الباب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم يصح فيها حديث أی فی فضل الست والأربع والعشرين مع كثرة الأحاديث الواردة فيها ، فإنها لا تخلوعن ضعيف أومجهول، و تجد هذه الروايات مجموعة فی شرح المنتقی وبعضها فی زوائد الهيثمی ولكن بضم بعضها إلى بعض يقوى حالها،وبالأخص فی باب الفضائل فإنه واسع وفضل الله أوسع وحديث الباب ضعيف والعمل به مع ضعفه.

(معارف السنن:٤/١١٤،النوافل بعدالمغرب وتحقيق صلاة الأوابين،سعيد)

حیاۃ الصحابہ میں ہے:

أخرج ابن زنجويه عن ابن عباس ﷺ قال: إن الملائكة لتحف بالذين يصلون بين المغرب والعشاء وهى صلاة الأوابين، كذا فى الكنز: ٤/١٩٣. (حياة الصحابة:٣/٣٧٦، الاهتمام بالنوافل بين المغرب والعشاء، المكتبة التجارية).

لفظ ''الأوابين''کا استعمال:

فیض القدیر میں ہے:

من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها فى رواية فإن ذلك صلاة فى رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى: ﴿فإنه كان للأوابين غفوراً﴾(الاسراء:٢٥) **ابن نصر فى كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارك فى الرقائق.** (فيض القدير: ٦/١٩٧/٨٨٠٤۔وكذا فى الاستذكار:٢/٤٠۔والتمهيد:١٩/٢٣۔والتيسير شرح الجامع الصغير:٢/٨٢٧)

شرح بلوغ المرام میں ہے:

ما بين المغرب والعشاء و يقولون: الصلاة فى هذا الوقت هى صلاة الأوابين. (شرح بلوغ المرام:١/٢٦٨ للشيخ عطيه سالم)

مرقات شرح مشکاۃ میں ہے:

قال ابن الملك عن ابن عباس ﷺ: الصلاة بين المغرب والعشاء صلاة الأوابين، رواه الترمذى. (مرقات شرح مشكاة:٤/٢٨٣، باب السنن وفضائلها)

معارف السنن میں ہے:

قال الشيخ: التنفل بعد صلاة المغرب بست ركعات يسمى بصلاة الأوّابين فى عرف الناس، ولعله أراد رحمه الله أنه لم يثبت تسميتها صلاة الأوابين فى رواية وإن قد اشتهرت بها فى العرف، والأمر كذلك، فقد ورد فى حديث زيد بن أرقم عند أحمد و مسلم وترمذى وابن أبى شيبة وغيرها تسمية صلاة الضحى بصلاة الأوابين فقال ﷺ : صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال من الضحى، وفى تفسير القرطبى عن عون العقيلى قال: الأوّابون هم الذين يصلون صلاة الضحى وعزاه فى ''شرح المنتقى'' إلى الأصبهانى فى الترغيب عن عون غير أنه قال: سميت الصلاة ما بين المغرب والعشاء فى رواية مرسلة بصلاة الأوابين أيضاً

ففي شرح المنتقى في باب ما جاء في الصلاة بين العشائين: روى عن محمد بن المنكدر أن النبي ﷺ قال: إنها صلاة الأوابين وفي الحلبي الكبير عن المبسوط من حديث ابن عمر رضي الله عنه مرفوعاً قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين وتلا: ﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾ وكذلك في فتح القدير لكن لم أقف على مخرجه مع استقراء، ولابد له من أصل وإن كان ضعيفاً من جهة السند، فإذن لامانع من أن تكون هذه أيضاً صلاة الأوابين كما كانت صلاة الضحى الأوابين، وتسميتها في الصحيح بها لاينافي تسمية غيرها بها كما يقوله شارح المنتقى ثم رأيت في "قيام الليل" لابن نضر عن محمد بن المنكدر وأبي حازم تسميتها بصلاة الأوابين، وكذلك مرفوعاً عن ابن المنكدر بإسناد ثابت، ولعله ما أشار إليه صاحب (المنتقى) وكذا رواه عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه موقوفاً عليه. (معارف السنن: ١١٣/٤، تحقيق صلاة الأوابين، سعيد)

مذاہبِ اربعہ میں "صلاة الأوابين" کا ثبوت:

مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب ست ركعات بعد المغرب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين" وتلا قوله تعالى: ﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾ (الاسراء: ٢٥) .... (امداد الفتاح: ٤٢٩ فصل في بيان النوافل، بيروت)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

وإن تنفل بعدها (بعد المغرب) بست ركعات فحسن أي مستحب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات الخ. رواه ابن خزيمة في صحيحه والترمذي...... (الثمر الداني ٩٢ باب النوافل والسنن، بيروت)

مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو الاقناع میں ہے:

وصلاة الأوابين وتسمى صلاة الغفلة لغفلة الناس عنها بسبب عشاء أونوم أونحو ذلك،وهى عشرون ركعة بين المغرب والعشاء وأقلها ركعتان لحديث الترمذى. (الاقناع: ۱/۱۷۸۔وکذا فی اعانة الطالبین:۱/۱۵۱۔واسنی المطالب:۳/۲۱۷۔وحواشی الشروانی:۲/۱۱)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

ويستحب التنفل بين المغرب والعشاء لماروى عن أنس بن مالک ﷺ فى هذه الآية ﴿تتجافى جنوبهم عن المضاجع﴾الآية،قال: كانوا ينتفلون ما بين المغرب والعشاء يصلون،رواه أبوداؤد عن عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنها **عن رسول الله ﷺ قال:"من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً فى الجنة"**قال أبوعيسى هذا حديث غريب۔ (المغنى:۱/۷۷۴، التنفل بين العشاء ين،دارالكتب العربية،بيروت)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم:

سوال: کسی نے نفل کی دو رکعت کی نیت کی اور قاعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف چلا گیا پھر چوتھی بھی ملا دی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی نے دو رکعت کی نیت کی یا چار کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ پر نہیں بیٹھا سہواً کھڑا ہو گیا تو واپس آئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے،اور اگر تیسری رکعت کے بعد یاد آیا تو چوتھی رکعت ملا کر نماز پوری کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله والأصل أن كل شفع صلاة)أى فلايلزمه بتحريمة النفل أكثرمن ركعتين وإن نوى أكثر منهما، وهوظاهرالرواية عن أصحابنا بحر......(قوله أوترك قعود أول)لأن كون كل شفع صلاة عليحدة يقتضى افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هوقول محمد وهو القياس. لكن عندهما لما قام إلى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلاة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الأخيرة هى الفرض وهوالاستحسان وعليه فلوتطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغى الجوازاعتباراً بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه لأنه قد فسد ما اتصلت

بـه الـقـعـدة وهو الركعة الأخيرة ، لأن التنفل بالركعة الواحدة غيرمشروع فيفسد ما قبلها.

(شامی:۲/۳۲، باب النوافل،سعید۔وکذا فی مراقی الفلاح:۱۴۹، فصل فی النوافل،مکة المکرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن لـم يـنو أربعاً وقام إلى الثالثة يعود إجماعاً وتفسد إن يعد كذا في البرجندي. (الفتاوی الهندية:۱/۱۱۴)

احسن الفتاوی میں ہے:

استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں،اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی،اورترکِ واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہوگیا۔(احسن الفتاوی:۳/۴۶۳)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۷/۴۲۵،باب سجودالسہو،جامعہ فاروقیہ۔واللہ ﷻ اعلم۔

سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگرکوئی شخص ظہر کی سنت وقت داخل ہونے کے بعداذان سے پہلے پڑھ لےتو سنت ادا ہوگی یانہیں؟نیزاستحباب کےخلاف ہے یانہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے سنت ادا کرلے تو ادا ہوجائے گی،البتہ اذان کے بعدفرض سے پہلے ادا کرنا افضل اوربہتر ہے وجہ یہ ہے کہ سننِ قبلیہ فرائض کا مقدمہ ہیں تاکہ فرائض خشوع اورتوجہ کے ساتھ کامل طور پرادا ہوسکے اسی وجہ سے فرائض اورسنن کے درمیان فقہاء کلامِ دنیوی سے منع کرتے ہیں لہذااذان کے بعدادا کرنا چاہئے تاہم اذان سے پہلےبھی درست ہے۔

ملاحظہ ہوترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن السائب رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ كا ن يصلي أربعاً بعد أن تزول الشمس قبل الظهرفقال: إنها ساعة تفتح فيها أبوب السماء وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح. (رواه الترمذي:۱/۱۰۸۔وكذا في الشامي:۲/۱۳۔وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح:۳۸۸،قديمي)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصلاة المسنونة فوقت جملتها وقت المكتوبة لأنها توابع للمكتوبات فكانت تابعة لها في الوقت. (بدائع الصنائع: ١/ ٢٨٤، سعيد)

شامی میں ہے:

ثم اختلف في الأفضل بعد ركعتي الفجر قال الحلوانيؒ: ركعتا المغرب ثم التي بعد الظهر بخلاف التي قبلها لأنها قيل: هي للفصل بين الأذان والإقامة. (شامی: ٢/ ١٤، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٨٨، قديمي)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم:

سوال: دوسرے کو استخارہ کے لئے کہنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دو یا زیادہ سے کرائے تو کس کی رائے کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: استخارہ کا معنی خیر طلب کرنا ہے اور دعا کے لئے دوسرے کو کہہ سکتے ہیں تو طلبِ خیر بھی دعا ہے اس کے لئے بھی کہنا درست ہے، نیز جن سے قبولیتِ دعا کی زیادہ امید ہوتی ہے ان سے بھی دعا کی درخواست کی جاتی ہے، اور اگر چند آدمیوں سے کرایا تو جس کی رائے پر عمل کریگا اسی میں خیر ہوگی ان شاء اللہ۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

قوله يعلمنا الاستخارة أي صلاة الاستخارة ودعائها وهي طلب الخيرة...... من قولك اختاره الله وفي النهاية: خار الله لك أي أعطاك ما هو خير لك......وهو في لسان العرب على معان منها سوال الفعل والتقدير اطلب منك الخير فيما هممت به. (عمدة القاري: ٥/ ٥٢٢، دار الحديث ملتان)

فتاوی مہمہ میں ہے:

النوع السادس: التوسل إلى الله عزوجل بدعاء الرجل الصالح الذي ترجى إجابته فإن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يسألون النبي ﷺ أن يدعو الله لهم بدعاء عام ودعاء خاص ففي الصحيحين من حديث أنس بن مالك رضي الله عنه أن رجلاً دخل يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال: يارسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا فرفع النبي ﷺ يديه وقال: "اللّٰهم أغثنا ثلاث

مرات فما نزل من منبره إلا والمطر يتحادر من لحيته وبقى المطر أسبوعاً كاملاً الخ...... (الصحيح البخاری:۱/۱۳۷) وهناک عدة وقائع سأل الصحابة ﷺ النبیﷺ أن يدعو لهم على وجه الخصوص ومن ذلک أن النبیﷺ ذکر أن فی أمته سبعين ألفاً يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب...... الخ، فقام عکاشة بن محصن وقال: يارسول الله ادع الله أن يجعلنی منهم فقال: أنت منهم...... وأيضاً من التوسل الجائز أن يطلب الإنسان من شخص ترجى إجابته أن يدعو الله تعالى له...... . (الفتاوی المهمة للشيخ محمد صالح العثيمين:ص۵۹۔ومجموعة فتاوی ورسائل ابن عثيمين۲/۲۶۶)

امدادالاحکام میں ہے:

دونوں میں خیر ہے جس پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ وہ دونوں شقیں جائز ہوں۔(امدادالاحکام:۱/۶۱۶،فصل فی السنن والنوافل)۔واللہ ﷻ اعلم۔

استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم:

سوال: استخارہ تین مرتبہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: استخارہ میں اصل دل کا رجحان ہے اگر خیر کی طرف میلان ایک مرتبہ میں ہوگیا تو ایک مرتبہ بھی درست ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی نہیں ہوا تو سات مرتبہ کر لینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ﷺ قال: قال رسول اللهﷺ: يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربک فيه سبع مرات ثم انظر إلى الذى يسبق إلى قلبک فإن الخير فيه. (أخرجه ابن السنی فی عمل اليوم والليلة:۱۶۱)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله ومنها رکعتا الاستخارة وفی البخاری فليستخر به سبعاً. (طحطاوی علی الدر ۱/۲۸۸۔وکذا فی امداد الفتاح:۴۴۰،فصل فی تحية المسجد،بيروت۔وکذا فی شرح منية المصلی:۴۳۱،سهيل)

شامی میں ہے:

ينبغي أن يكررها سبعاً.(شامی:۲/ ۲۷،باب النوافل،سعید)

مرقات میں ہے:

قيل ويمضي بعد الاستخارة لما ينشرح له صدره انشراحاً خالياً عن هدى النفس فإن لم ينشرح لشيء فالذي يظهر أنه يكرر الصلاة حتى يظهر له الخير قيل إلى سبع مرات. (مرقاة شرح مشكاة:۳/ ۲۰۹)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/ ۲۶۳،باب السنن والنوافل)۔واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

دعاءِ استخارہ میں ”خرلی واخترلی“ میں فرق:

سوال: دعاء استخارہ میں ”خِرْ لی وا خترلی“ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: ”اللّٰھم خرلی“یعنی اے اللہ میرے لئے خیر کا فیصلہ فرمادیجئے اور ”واخترلی“یعنی اس کو میرے لئے چن لیجئے۔

عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أمراً قال: ”اللهم خرلي واخترلي“ هذا حديث غريب......وهو ضعيف عند أهل الحديث.(ترمذی شریف:۲/ ۱۹۱،أبواب الدعوات)

تاج العروس میں ہے:

خار الله لك في الأمر جعل لك ما فيه من الخير.(تاج العروس:۳/ ۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

ومنه دعاء الاستخارة ”اللّٰهم خرلي“ أي اخترلي أصلح الأمرين واجعل الخيرة فيه.

(لسان العرب:٤/ ۲۵۹)

”واخترلی“ کے بارے میں ملاحظہ ہو: تاج العروس میں ہے:

و بالمختار أي اختر ما شئت.(تاج العروس:۳/ ۱۹۵)

لسان العرب میں ہے: **والاختيار: الاصطفاء وكذلك التخير.**(لسان العرب:٤/ ۲۵۹)

مجمع بحار الانوار میں ہے: **خرلي واخترلي أي اجعل أمري خيراً وألهمني فعله واختر لي الأصلح.** (مجمع بحار الأنوار:۲/ ۱۳۱)

علامہ وحیدالزمان صاحبؒ نے لغات الحدیث میں ذکر فرمایا:

''خــر لی و اختر لی''میرا کام بھلا کردے اور جو میرے حق میں بہتر ہو وہی میرے لئے اختیار کر۔(لغات الحدیث:۱/۱۵۶،باب الخاء مع الیاء،آرام باغ کراچی)

القاموس الوحید میں ہے:

مخصوص نماز کے بعد خدا سے یہ دعا کرنا کہ اس کے لئے فلاں معاملہ میں جو بات باعثِ خیر ہو اس کی رہنمائی فرمائے،اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ دعا منقول ہے:''الـلّٰهم خر لی و اختر لی'' . (القاموس الوحید:۱/۴۸۹،حسینیہ دیوبند)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”من قام إیماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم
من ذنبہ وماتآخر“
(رواہ البخاری)

باب......(۱۰)

تراویح کی نماز کا بیان

باب ...... ﴿۱۰﴾

نمازِ تراویح کا بیان

تروایح میں ختمِ قرآن پر اشکال اور جواب:

سوال: بعض حضرات تراویح میں ختمِ قرآن پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔اس کا کیا جواب ہے اور کیا تراویح میں ختمِ قرآن ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف میں تراویح میں ایک مرتبہ پورا قرآن ختم کرنا سنتِ مؤکدہ ہے،فقہاء اور اکابرؒ کی عبارات سے یہی مترشح ہوتا ہے اور صحابہ کرام کے آثار سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تراویح میں کثرتِ تلاوت کا اہتمام ہوتا تھا۔دلائل درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله"والختم مرة سنة" قراءة الختم في صلاة التراويح سنة، وصححه فى الخانية وغيرها، وعزاه فى الهداية إلى أكثرالمشايخ. وفى الكافى إلى الجمهور، وفى البرهان: وهو المروى عن أبي حنيفة والمنقول فى الآثار. قال الزيلعي: ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر، لأن الأخبار تظاهرت عليها. وقال الحسن عن أبي حنيفة: يقرأ في كل ركعة عشر آيات ونحوها، وهوالصحيح لأن السنة الختم فيها مرة وهو يحصل بذلك مع التخفيف، لأن عدد ركعات التراويح فى الشهرستمائة ركعة وعدد آى القرآن ستة آلاف آية وشيء. (فتاوى الشامي:۲/ ٤٦،سعيد).

علامہ عینیؒ شرح البخاری میں فرماتے ہیں:

إن أكثر المشايخ على أن السنة فيها الختم مرة فلا يترك لكسل القوم. (عمدة القارى: ٤٥٩/٥، ط:ملتان).

محقق ابن ہمامؒ نے صاحبِ ہدایہ کی عبارت " **فلا يترك لكسل القوم** " کے تحت فرمایا:" **تاكيد فى مطلوبية الختم** "۔اس عبارت سے ختم القرآن فی التراویح کا مؤکد ہونا مترشح ہوتا ہے۔(فتح القدیر:۱/۴۶۹، دارالفکر)۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

لأن السنة في التراويح الختم مرة. (المبسوط :١٤٦/٢،ادارة القرآن، وكذا فى مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى،ص٤١٤،قديمى،وتبيين الحقائق:١٧٩/١،باب الوتروالنوافل).

وفى تحفة الملوك مع شرحه :

و سنتها : الختم ، مرة يعنى : ختم القرآن مرة واحدة فى الشهر ، كذا قاله عامة المشايخ . (تحفة الملوك مع شرحه لابن ملك:٧٦٥/١).

قال العلامة العينيؒ: فإن قلت: ما المراد في قول المصنف على أن السنة فيها الختم. قلت: قال فى الدراية : أى سنة الخلفاء الراشدين. قلت: ...ان المراد من قول المصنفؒ ان السنة هي سنة عمربن الخطاب ومن بعده من الخلفاء الراشدين...وفى النهاية: والفضل فى الختم مرتين، وأهل الاجتهاد كانوايختمون فى كل عشرليال ، وعن أبي حسين أنه كان يختم في شهر رمضان إحدى وستين وثلاثين فى الأيام وواحدة فى التراويح كذا فى فتاوى قاضيخان. (البناية فى شرح الهداية:٦٦٧/٢،مكتبه رشيديه).

فتاویٰ واحدی میں ہے:

سوال: ختم در تراویح سنتِ مؤکدہ است یا غیر مؤکدہ؟ بینوا توجروا۔

جواب: **الظاهر أنه سنة مؤكدة كما يدل عليه إطلاق المتون و يشير إليه ما فى الهداية فلا يترك لكسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات ...انتهى، حيث يستفاد منه الختم فى التراويح سنة أصلية لا من الزوائد كما لا يخفى . والله أعلم.** (فتاویٰ واحدی،ص:۱۵۹،ط: کوئٹہ)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

یہ علمائے احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تاکد ہی ہے بعض کا قول عدمِ تاکد بھی ہے اور منشا اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسن نے امام صاحبؒ سے سنیت نقل کی ہے۔ من غیر تصریح بتاکده أو عدمه۔ اکثر مشائخؒ نے اس کو سنتِ موکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تاکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنیت پر محمول کیا ولو مستحباً۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۹۲، فصل فی التراویح)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فتاویٰ محمودیہ میں فرماتے ہیں:

تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا ختم کرنا پڑھ کر یا سن کر سنتِ موکدہ ہے، اسی طرح جماعت بھی سنتِ موکدہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۱۴، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں تفصیلی فتویٰ مذکور ہے۔ کچھ اقتباس حسبِ ذیل درج ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ تراویح میں ایک ختم تاکیدی سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے، روافض اس سے محروم ہیں اور حفظِ قرآن نیز بقاء قرآن کا بڑا ذریعہ ہے، اگر خدانخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظِ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہوجائیگا۔ اور حفاظ عنقاء ہوجائیں گے، لہذا کسی بھی صورت میں اس سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سنت پر خیر القرون اور صحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذہب کے علماء، فقہاء، مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر دل وجان سے عامل اور متفق ہیں، علامہ بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں:

ویسن الختم فیها مرة وما زاد فحسن هكذا جرى التوارث من زمان أمير المؤمنين عمر إلى هذا الآن وهذه الأحكام مما اتفق عليه فقهاء المذاهب الأربع من غير خلاف.

(رسائل الارکان، ص: ۱۳۹).

وإن كسل القوم من استماع القراءة مع القدرة عليه أساءوا ولايترك الختم لكسل القول (رسائل الارکان، ص۱۳۹) **وأما القراءة فالمختار الذى قاله الأكثرون وأطبق الناس على العمل بأن تقرأ الختمة بكمالها فى التراويح في جميع الشهر فيقرأ كل ليلة نحو جزء من ثلثين جزءاً .** (کتاب الاذکار للامام النوویؒ، ص۸۳)

اسلاف کا عمل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے: اتفاقِ سلف توارثِ ایشاں اصل عظیم است در فقہ: یعنی سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ

میں اصل عظیم ہے۔(۸۵/۲)ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں کہ جو عمل سلف سے متوارث ہو اس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔ **لأن المسلمين توارثوا هكذا فوجب أن يتبع توارث المسلمين.** (البحر الرائق:۲/ ۱۶۵) بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختم قرآن کے لیے مشروع ہوئی ہے۔ **لأنها (أي التراويح) شرعت لأجل ختم القرآن.** (طحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۲۴۱). ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ (۲/۳-۲۷۲، ط:مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

مفتی رفیع صاحب مدظلہ اجماع کی بحث میں لکھتے ہیں:

اتنی دلیل کافی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا انہوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی۔

مزید لکھتے ہیں: اگر کسی زمانہ میں خدانخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی (یعنی رکعتوں کی تعداد) اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لیے لازم ہوگی کہ پوری امت کا اجماع اس پر چلا آرہا ہے۔اور حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: "ماراه المسلمون حسناً فهوعندالله حسن"۔(مقدمہ امداد الاحکام:۱/۸۱-۸۵)۔

تراویح میں قرآن ختم کرنے سے متعلق چند آثارِ صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن الهاد أن ثعلبة بن أبي مالك القرظي حدثه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة في رمضان ، فرأى ناساً في ناحية المسجد يصلون فقال: "مايصنع هؤلاء؟ قال قائل: يارسول الله ! هؤلاء ناس ليس معهم قرآن ، وأبي بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته ، قال : " قد أحسنوا ،أو قد أصابوا" ولم يكره ذلك لهم". (رواه البيهقي في "الكبرى" (۲/ ۴۹۵)، و في "معرفة السنن والآثار"(۵۴۰۰) .

قال النيموي: وإسناده جيد وله شاهد دون حسن عند أبي داود. (آثار السنن،ص:۲۴۷،باب في جماعة التراويح).

ورواه أيضاً أبوداود (۱۳۷۹)، **وقال ليس هذا الحديث بالقوي مسلم بن خالد ضعيف، وابن حبان في "صحيحه"** (۲۵۴۱)، **قال شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف، وابن خزيمة في "صحيحه"**(۲۲۰۸)، **ومحمد بن نصر المروزى في "قيام رمضان"**(۱۵) .

وإسناده ضعيف لضعف مسلم بن خالد؛ قال ابن حجر: صدوق كثير الأوهام. وقال في تحرير تقريب التهذيب: بل ضعيف يعتبر به في المتابعات والشواهد، فقد ضعفه أبوجعفر النفيلي، وأبوداود، وعلي بن المديني، والنسائي، والبخاري، وقال: منكر الحديث ذاهب الحديث، وأبوحاتم الرازي، وأبوزرعة الرازي، وابن نمير، والبزار، والذهبي ... واختلف فيه قول ابن معين والدارقطني فوثقاه مرة وضعفاه مرة أخرى، وقال ابن عدي: حسن الحديث، وأرجو أن لا بأس به، وقال ابن سعد: وكان كثير الحديث، كثير الغلط والخطأ في حديثه. (التحرير على التقريب:۳/۳۷۲،ترجمة:٦٦٢٥).

قال العلامة المحدث مولانا ظفر أحمد العثماني: ففيه ما يدل على أن جماعتهم لقيام رمضان كان لختم القرآن فحسب، فإن قوله: "هؤلاء ناس ليس معهم قرآن" ليس معناه أنهم لايقدرون على قراءة قدر ما تجوز به الصلاة، فإن ذلك بعيد عن الصحابة الكائنين بالمدينة جداً، بل معناه ليس معهم القرآن كله. (اعلاء السنن:۷/۷٤).

وروى الضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" (۱۱٦۱) بسنده عن أبي بن كعب رضي أن عمر رضي أمر أبياً أن يصلي بالناس في رمضان فقال: إن الناس يصومون بالنهار ولايحسنون أن يقرءوا، فلو قرأت عليهم بالليل فقال: يا أمير المؤمنين هذا شيء لم يكن فقال: قد علمت ولكنه أحسن فصلى بهم عشرين ركعة. وقال: إسناده حسن.

وذكر صاحب كنزل العمال أن ابن منيع روى عن أبي بن كعب أن عمر بن الخطاب رضي أمره أن يصلي بالليل في رمضان...الخ. (كنزل العمال:۸/٤۰۹/۲۳٤۷۱).

وقال في إعلاء السنن بعد ذكر هذا الأثر: ولاينزل عن الضعيف، و فيه أيضاً ما يشعر بأن علة الجماعة في التراويح هي تحصيل قراءة القرآن، ولايصح حمل قوله: "ولا يحسنون أن يقرءوا" على نفي إحسان القراءة مطلقاً عنهم كما مر، فلا بد من حمله على ما قلنا: إنهم لايحسنون أن يقرءوا القرآن كله منفردين، فلو قرأت عليهم بالليل وأنت أقرأهم لحصل الختم للناس كلهم. (اعلاء السنن:۷/۷٤).

وعلى هامشه قال: قلت: ويدل على سنية الختم في قيام رمضان تجويز مالك

وأحمد قراءة القرآن في المصحف في قيام رمضان بدليل أثر عائشةؓ: أنها كان يؤمها مولى لها في رمضان في المصحف، كما في "العمدة" للعينيؒ (۷٥۷/۲) الأثر علقه البخاري في "الصحيح" وفي "المغني" لابن قدامة: سئل الزهري عن رجل يقرأ في رمضان في المصحف؟ فقال: كان خيارنا يقرء ون في المصاحف...الخ. فلولا أن الختم سنة في قيام رمضان لم يكن حاجة إلى القراءة في المصحف ولم يضطر الأئمة إلى تجويزه، وأبوحنيفةؒ كره ذلك لما فيه من العمل الكثير المبطل للصلاة عنده، ولايتحمل المبطل لأجل السنة فافهم. (حاشية اعلاء السنن:۷/۷٤).

وللاستزادة انظر: (اعلاء السنن:۷/۷۳-۷٦، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية).

حضرت حسن بصریؒ سے بھی ختم القرآن فی التراویح منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حسين بن علي، عن زائدة، عن هشام، عن الحسن، قال: من أم الناس في رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطئ القراءة فليختم القرآن ختمة، وإن كان قراءة بين ذلك فختمة ونصف، وإن كان سريع القراءة فمرتين. (رواه ابن ابی شيبة:۲/۳۹۲/۷۷٦۱).

بعض حضرات نے درجِ ذیل روایات سے بھی تراویح میں ختمِ قرآن پر استدلال کیا ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل وكان يلقاه في كل ليلة في رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول الله صلى الله عليه وسلم أجود بالخير من الريح المرسلة. (رواه البخاری) وفي صحيح البخاري في مقام آخر: أن جبريل كان يعارضني القرآن كل سنة مرة وأنه عارضني العام مرتين. (رواه البخاری كتاب المناقب باب علامات النبوة رقم الحديث ۳٤۲٦- (ملخصاً من تعليقات شرح تحفة الملوك لعبدالمجيد بن عبدالرحمن: ۱/۷٦٥).

ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں پورے رمضان میں ایک مرتبہ ختم فرماتے تھے اور وفات والے سال میں دو مرتبہ ختم فرمایا تھا، اور سابقہ آثار سے تراویح میں کثرتِ تلاوت کا اہتمام معلوم ہوا اس سے یہ واضح ہوا کہ تراویح میں ختمِ قرآن کا اہتمام ہوتا تھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم:

سوال: تراویح مطلق نیت سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یا تراویح کی نیت ضروری ہے؟

الجواب: اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق نیت کافی ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک مطلق نیت کافی نہیں ہے لہذا احتیاط اس میں ہے کہ تراویح کی نیت کرے یا صرف سنت کی یا قیام اللیل کی تا کہ اختلاف سے نکل جائے اور بالاتفاق صحیح ادا ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط، وفي الشامي: (قوله وكفى الخ) أي بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد (قوله على المعتمد) أي من قولين مصححين وإنما اعتمد هذا لما في البحر من أنه ظاهر الرواية وجعله في المحيط قول عامة المشايخ ورجحه في الفتح ونسبه إلى المحققين (قوله إذ تعيينها الخ) لأن السنة ما واظب عليها النبي ﷺ في محل مخصوص فإذا أوقعها المصلي فيه فقد فعل الفعل المسمى سنة والنبي ﷺ لم يكن ينوي السنة بل الصلاة لله تعالىٰ وتمام تحقيقه في الفتح (قوله والتعيين) أي بالنية أحوط لاختلاف الصحيح **بحر**. (الدر المختار مع الشامي: ١/ ٤١٧، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

قوله: (ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح) وأما في السنة والتراويح فظاهر الرواية ما في الكتاب كما في الذخيرة والتجنيس وجعله في الهداية هو الصحيح وفي المحيط أنه قول عامة المشايخ وفي منية المفتي وخزانة الفتاوى أنه المختار ورجحه في فتح القدير ونسبه إلى المحققين بأن معنى السنة كون النافلة مواظباً عليها من النبي ﷺ بعد الفريضة المعينة أو قبلها...... وذكر قاضيخان في فتاواه في فصل التراويح اختلاف المشايخ في السنن والتراويح والصحيح أنها لا تتأدى بنية الصلاة وبنية التطوع لأنها صلاة مخصوصة فتجب مراعاة الصفة للخروج عن العهدة وذلك بأن ينوي السنة أو متابعة النبي ﷺ، وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي ويعين قال بعضهم: يحتاج لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لا يحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. فقد اختلف التصحيح فلذا

قال في منية المصلي: والاحتياط في التراويح أن ينوي التراويح أوسنة الوقت أوقيام الليل. (البحر الرائق:۱/۲۷۸، كوئتة۔وكذا في الفتاوى الهندية:۱/۶۵۔وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۸۱۔والبزازية على هامش الهندية:۴/۲۹۔وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۱/۱۹۴)

سعایہ میں ہے:

فالحاصل أنه اختلف التصحيح في هذه المسئلة فلهذا ذكرجم غفيرمن أصحابنا منهم صاحب السراجية وصاحب المنية وصاحب الظهيرية وابن الهمام وغيرهم أن الاحتياط أن لايكتفي بمطلق النية بل ينوي السنة أومتابعة الرسول ﷺ وفي فتاوى العلامة قاسم بن قطلوبغا......فالاحتياط أن ينوي التراويح أوسنة الوقت فإنه أبعد عن الخلاف انتهى. (السعاية:۲/۱۰۲، سهيل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک حافظ صاحب ایک مسجد میں ۱۰ اور دوسری مسجد میں ۱۰ رکعات تراویح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک مسجد میں دس رکعات اور دوسری مسجد میں دس رکعات پڑھانا جائز ہے اور تراویح کی سنت ادا ہوجائے گی، ہاں ہر ایک مسجد میں ۲۰ رکعات پڑھائے تو دوسری مسجد والوں کی سنت ادا نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوزكذا في محيط السرخسي والفتوى على ذلك كذا في المضمرات......والأفضل أن يصلي التراويح بإمام واحد فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة فإن انصرف على تسليمة لايستحب ذلك في الصحيح وجازت التراويح بإمامين على هذا الوجه. (الفتاوى الهندية:۱/۱۱۶،فصل في التراويح،بلوچستان)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوأم في التراويح مرتين في مسجد واحد......وإن في المسجدين اختلف فيه،حكى

عن أبی بکر الاسکاف أنه لایجوز یعنی لایجوز تراویح أهل المسجد الثانی واختاره أبو اللیث. (شرح منیة المصلی: ۴۰۸، سهیل)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

امام دوجگہ تراویح پڑھائے تو تراویح ہوجاتی ہے اور اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھادے تو مفتی بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والوں کی تراویح نہ ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۸۸، دارالاشاعت مکمل ومدلل)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک حافظ کا تراویح میں دوجگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: اگر ایک حافظ نے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن سنایا پھر دوسرا قرآن شروع کیا تو اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدیوں کی سنت ادا ہوجائے گی اور امام صاحب کو بھی فضیلت کا ثواب مل جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل. (الدر المختار: ۲/ ۴۶، باب النوافل ۔وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۶۸، باب الوتر والنوافل، الماجدية).

فتاویٰ واحدی میں مرقوم ہے:

سوال: درصورتیکہ حافظ درتراویح بجماعۃ درقریہ ختم خواند بعدازاں درقریہ دیگر درتراویح ختم خواند، سنتِ ختم ازاں جماعۃ ادا گرددیا نہ؟

جواب: **الظاهر أنه تأدى عنهم السنة لأنهم سمعوا الختم فی التراویح و سنة التراویح لم یسقط عن الإمام بالختم مرة لما فی العالمکیریة : لو حصل الختم بعد التاسع عشر والحادی والعشرین ، لایترک التراویح فی بقیة الشهر، لأنها سنة کذا فی الجوهرة النیرة ، انتهی ، فیکون اقتداء من یصلی السنة بمن یصلی السنة، وکون الختم الثانی فی حق الإمام فضیلة کما فی الدر المختار: لا یوجب خللاً في حصول السنة في حق المقتدین لأنهم ما سمعوا الختم مرة ، انتهی ، وقد حصل في حق المقتدین فی التراویح الختم مرة فیحصل لهم ثواب السنة . والله أعلم . حرره الفقیر عبد الواحد السیوستانی**. (فتاوی واحدی، ص: ۱۵۹،

ط: کوئٹہ)۔

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو آیا تراویح سنت بختم مذکورہ ان دونوں کے لئے ادا ہوگی یا نہیں اور ثواب پائیں گے یا نہیں؟

جواب: ادا ہوگی خزانۃ الروایات میں ہے:

قد روی بعض أهل العلم عن كنز الفتاوی: رجل أم قوماً فی التراويح وختم فيها ثم أم قوماً آخرين له ثواب الفضيلة ولهم ثواب الختم، بعض اہلِ علم نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی تو اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ختم کا۔ واللہ اعلم، (حرره الراجی عفو ربه القوی أبو الحسنات محمد عبد الحی). (مجموعۃ الفتاوی: ۱/۲۷۸، کتاب الصلاۃ، آرام باغ کراچی)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۷/۳۱۵، فصل ثالث تراویح قرآن ختم کرنے کا بیان مبوب ومرتب۔ امداد الاحکام: ۱/۶۲۶، فصل فی التراویح۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۷۴، مسائل تراویح۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب اگر تراویح کی نماز پڑھانے سے انکار کردے کہ میں ہمیشہ سے دوسری جگہ پڑھاتا ہوں آپ کے لئے دوسری انتظام کردوں گا تو اس پر جبر ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر امام کہے میں ہی پڑھاؤں گا تو یہ اس کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: امامِ راتب تراویح کا زیادہ حقدار ہے، لیکن اگر امام صاحب کو دوسری جگہ پڑھانا ہے تو مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اہلِ مسجد امام صاحب سے تراویح پڑھانے کا مطالبہ کریں تو امام صاحب کو مان لینا چاہئے کیوں کہ یہ بھی امامت ہی کی ایک قسم ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً.

(الدر المختار: ۱/۵۵۹، سعید)

فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظِ قرآن ہے اور زید بھی حافظِ قرآن ہے وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں تراویح پڑھانے کا حق مجھ ہی کو ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب بکر امام مقرر ہو گیا تو تراویح کا حق بھی اسی کو ہے۔(فتاوی دار العلوم دیو بند: ۴/۲۸۲، دار الاشاعت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے اگر امام نہ پڑھا سکے یا اجازت دیدے تو دوسرے حافظ کو سپرد کردینا چاہئے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۴۲۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامتِ تراویح کا حکم:

سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامت تراویح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ڈاڑھی منڈوانے والا شریعت کی نگاہ فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیک صالح امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا چاہئے ہاں اگر میسر نہ ہو اور ہٹانے پر بھی قدرت نہیں ہے تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ امام کے پیچھے پڑھ لے۔

(دلائل کی تفصیل ''باب الامامت'' کے تحت گذر گئی وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنت کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب کسی مسجد میں ۴۰ سال تراویح پڑھاتے ہیں بڑے با اخلاق اور لوگوں کے خیر خواہ ہیں اور کفن دفن وغیرہ کاموں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور بہت سارے مصلی حضرات ان کے شاگرد بھی ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں رکھتے ہیں کترواتے ہیں تو اب کیا کرنا چاہئے اگر ان کو تراویح پڑھانے سے علیحدہ کردیا جائے تو مصلیوں میں انتشار کا خوف ہے لہذا کوئی حل بتائیں؟

الجواب: سنت کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح مکروہ ہے، صورتِ مسئولہ میں حافظ صاحب دوسرے امور میں متبعِ شریعت ہے اور بڑے با اخلاق ہے تو ڈاڑھی ایک قبضہ رکھنا بھی تو شریعت ہی

کا حکم ہے اور آنحضور ﷺ کی دائمی سنت ہے لہذا حافظ صاحب سے کہا جائے کہ سنت کے مطابق رکھیں اور ایک قبضہ سے قبل نہ کتروائیں، اس سے حافظ کا اتباعِ شریعت میں اضافہ ہوگا اور حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوگا اور مصلی حضرات کی محبت و ہمدردی میں اضافہ ہوگا۔

اگر حافظ صاحب کو یہ بات منظور نہ ہو تو ان کو علیحدہ کر دیا جائے اس لئے کہ شریعت کا معاملہ مقدم ہے نیز دیگر نیکی طاعات کے قبیل سے ہے اور امامتِ تراویح عبادات کے قبیل سے ہے جو طاعات پر مقدم ہے اور تمام مصلی حضرات کی عظیم عبادت اس سے وابستہ ہے۔ دلائل ''باب الامامت'' میں گذر گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہو کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے رمضان المبارک میں امام کی اقتداء کی یہ سوچا کہ یہ تراویح ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نفل کی جماعت تھی تو تراویح کی رکعات ہوئی یا نہیں؟ اور نہ ہوئی تو ''لزم النفل بالشروع'' کے تحت اس کی قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کی تراویح صحیح نہیں ہوئی، البتہ نفل نماز ہوگئی اور چونکہ نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، لہذا اقضاء واجب نہیں ہے، ہاں تراویح دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت باقی ہو تو شرکت کرلے ورنہ انفراداً پڑھ لے، ہاں رات گذرنے کے بعد گذشتہ رات کی قضاء نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي مكتوبة أونافلة غير التراويح اختلف المشايخ منهم من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف في النية، من قال من المشايخ إن التراويح لا تتأدى إلا بنيتها يجب أن يقول بعدم صحة الاقتداء هاهنا لما كانت لاتتأدى إلابنيتها لاتتأدى بنية الإمام وهي تخالف نيته ومن قال بأنها تتأدى من غير نيتها بل بنية مطلقة يجب أن يقول بصحة الاقتداء هاهنا ومنهم من قال لايصح قال القاضي الإمام أبوعلي النسفي وهو الأظهر و الأصح. (الفتاوى التاتارخانية: ١/٦٦٧)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي مكتوبة أووتراً أونافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء

به لأنه مکروه مخالف لعمل السلف. (الفتاوى الهندية:١/١١٧۔وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/٢٣٦۔وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٤/٢٩)

بدائع الصنائع میں ہے:

فقد قال أصحابنا إذا شرع فى التطوع يلزمه المعنى فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء.

(بدائع الصنائع:١/٢٩٠۔وكذا فى الشامى:٢/٢٩،سعيد)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے عشاء کے بعد تراویح اور وتر پڑھی پھر یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی تو اب تراویح اور وتر کا اعادہ ہے یا نہیں ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تراویح کا اعادہ ضروری ہے وتر کا اعادہ لازم نہیں وجہ یہ ہے کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور وتر تابع نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلاطهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لأنها تبع للعشاء هذا عند أبى حنيفةؒ فإن الوتر غير تابع للعشاء فى الوقت عنده والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلايعتد بما أدى قبل العشاء. (الفتاوى الهندية:١/١١٥،فصل فى التراويح،بلوچستان ۔وكذا فى تبيين الحقائق:١/١٧٨،باب الوتر والنوافل،امدادية ملتان). **واللہ ﷻ اعلم۔**

عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: اگر کوئی آدمی رمضان میں مسجد میں آیا اور تراویح کی نماز ہو رہی تھی اور اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو کیا وہ جماعتِ تراویح میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کے لئے جماعتِ تراویح میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے پہلے فرض نماز پڑھے پھر شرکت کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر وفى الشامية: (بعد صلاة العشاء) قدر لفظ صلاة

إشارة إلى أن المراد بالعشاء صلاة لا وقتها وإلى ما في النهرمن أن المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لايصح وهو الأصح، وكذا بنائها على سنتها كما في الخلاصة. (الدرالمختارمع رد المحتار:٢/٤٤،باب الوتر والنوافل،سعيد۔وكذا في الفتاوى الهندية:١/١١٥،فصل في التراويح ۔و تبيين الحقائق:١/١٧٨،باب الوتروالنوافل). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شخص جماعت میں شریک نہیں وہ قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دیتا ہے اگر امام لقمہ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر امام نے لقمہ لیا تو امام اور تمام مقتدی حضرات کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أخذ الإمام بفتح من ليس في صلاته كما فيه عن القنية. (شامي:١/٦٢٢،باب ما يفسد الصلاة،سعيد)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولوفتح على المصلي رجل ليس في الصلاة فأخذ المصلي بفتحه تفسد صلاته. (خلاصة الفتاوى:١/١٢١،رشيديه)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: لوكان الإمام يقرأ القرآن وخلفه مقتد يسمعه لاعن القلب بل بالنظرفي المصحف ويفتح إمامه من المصحف ويأخذ الإمام فتحه كما جرى في بعض البلاد في صلاة التراويح هل تفسد صلاتهما أم لا؟

الاستبشار: تفسد صلاتهما لأن التلقن من الغيرفي الصلاة مفسد......ولهذا إذاكان الفاتح خارجاً من الصلاة والإمام المستفتح في الصلاة تفسد صلاة المستفتح لأنه تلقن من الغيرصرح به الزيلعي. (فتاوى اللكنوى:ص٢٧٧،مايتعلق بمايفسدالصلاة ،دارابن حزم)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۳/۵۲۴۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: بخاری شریف میں روایت ہے کہ ذکوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مصحف میں دیکھ کر امامت فرمائی کیا اس طرح جائز ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق قراءت من المصحف مفسدِ صلاۃ ہے چاہے فرض ہو یا نفل یا تراویح سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کا جواب:

حضرت ذکوان مصحف سے امامت کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے مراجعت کرتے تھے اور اس کو نماز میں دہراتے تھے۔ ملاحظہ شرح منیۃ المصلی میں ہے:

روی أن ذکوان مولی عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **کان یؤم بها فی شهر رمضان من المصحف، قلنا إن صح فهو محمول علی أنه کان یراجعه قبیل الصلاة لیکون بذکره أقرب.** (شرح منیة المصلی:٤٤٧، فصل فیما یفسد الصلاة۔و کذا فی تبیین الحقائق:١/١٥٩، باب یفسد الصلاة و ما یکره فیها، امدادیة ملتان، و نفع المفتی و السائل، ص٢٧٨).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما حدیث ذکوان فیحمل أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **ومن کان من أهل الفتوی من الصحابة لم یعلموا بذلک وهذا هو الظاهر بدلیل أن هذا الصنیع مکروه بلا خلاف......و یحتمل أن یکون قول الراوی کان یؤم الناس فی رمضان و کان یقرأ من المصحف إخباراً عن حالتین مختلفتین أی کان یؤم الناس فی رمضان ،و کان یقرأ من المصحف فی غیر حالة الصلاة إشعاراً منه أنه لم یکن یقرأ القرآن ظاهره فکان یؤم ببعض سورمن القرآن دون أن یختم و کان یستظهر کل یوم ورد کل لیلة لیعلم أن قراء ة جمیع القرآن فی قیام رمضان لیست بفرض.** (بدائع الصنائع:١/٢٣٦، فصل بیان ما یفسد الصلاة، سعید)

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصحف میں دیکھ کر امامت کرنے سے منع فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو کنز العمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قال: نهانا أمیر المؤمنین عمر** رضی اللہ عنہ **أن نؤم الناس فی المصحف ونهانا أن**

یؤمنا إلا المحتلم. ابن أبی داؤد. (کنز العمال :۸/۲۶۳/۲۲۸۳۷،فصل فی آداب الامام ـ وکذا ذکرہ الامام السیوطیؒ فی جامع الأحادیث: ۲۸/۴۹۲/۳۱۵۶۰، مسند عمر بن الخطاب ـ وکذا فی البحرالرائق ۲/۱۰،باب ما یفسد الصلاۃ،الماجدیة)

المصاحف میں ہے:

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن عامربن إبراهيم عن أبيه عامربن إبراهيم قال: سمعت نهشل بن سعيد يحدث عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: "نهانا عمر رضی اللہ عنہ أن نؤم الناس في المصحف ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. (المصاحف لابن أبی داؤد:۲/۳۹۴/۶۵۵)**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تراویح میں تھک جائے تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں نمازِ تراویح بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعداً لايستحب بغيرعذرواختلفوا في الجوازقال بعضهم: يجوزوهو الصحيح. (الفتاوی الهندية:۱/۱۱۸، فصل فی التراويح)

امدادالفتاح میں ہے:

وقال قاضي خان في أداء التراويح قاعداً: اتفقوا على أنه لايستحب بغيرعذر واختلفوا في الجوازقال بعضهم: لايجوزبغيرعذر......وقال بعضهم: يجوزله أداء التراويح قاعداً بغير عذر......وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم......وفي الخلاصة: وأما صلاة التراويح قاعداً من غيرعذراختلف المشايخ فيه والأصح أنه يجوز. (امداد الفتاح:۴۴۶، فصل فی صلاۃ النفل جالساً،بیروت کذا فی الشامی:۲/۱۵،باب النوافل،سعید)**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم:

سوال: ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنا جو تجوید کو جاننے کے باوجود بہت تیزی سے قرآن پڑھتا ہے اور تجوید کی رعایت بھی نہیں کرتا، چہ حکم دارد؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر حافظ بہت تیزی سے پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور لحنِ جلی کرتا ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، اور لحن خفی کرتا ہے تو نماز فاسد تو نہیں ہوگی مگر مکروہ ضرور ہوگی، نیز قرآن مجید کو بے پرواہی اور بغیر تجوید کی رعایت کے پڑھنا سخت گناہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

ولاینبغی للقوم أن یقدموا فی التراویح الخوشخوان (اچھی آواز والا) ولکن یقدموا الدرستخوان (صحیح پڑھنے والا) فإن الإمام إذاکان یقرأ بصوت حسن یشغل عن الخشوع والتدبر والتفکر وکذا لوکان الإمام لحاناً لابأس بأن یترک مسجده. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۲۳۸/۱، فصل فی مقدار القراءة فی التراویح۔ وکذا فی شرح منیة المصلی: ۴۰۷، سهیل۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة۔ وعلی هامشه قال: قوله: الخوشخوان معناه حسن الصوت والدرستخوان صحیح القراءة ۱۱۶/۱)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جمال القرآن میں ہے: تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ لحن دو قسم کا ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جیسے الحمد کی جگہ الھمد پڑھ دیا، ش کی جگہ س پڑھ دیا بڑی ح کی جگہ چھوٹی ھ پڑھ دی یا ذال کی جگہ زاء پڑھ دیا ص کی جگہ س پڑھ دیا ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ (جمال القرآن)

لہذا اس طرح پڑھنے والا امامت کے لائق نہیں ہے اسے لازم ہے کہ پہلے قرآن صحیح پڑھنا سیکھے تب امامت کرائے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳۵۱/۴، باب الامامۃ)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جب امام کی قراءت صاف اور صحیح نہیں ہے اور مقتدیوں کو سمجھ میں نہیں آتا تو ان کے لئے امامت کرنا درست نہیں، مقتدیوں کو چاہئے کہ کسی ایسے امام کا انتظام کریں جو قرآن شریف صاف اور صحیح پڑھے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱۸۸/۱)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۶۹/۳۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۵۹/۴، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہوجائے

گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى التراويح،قال بعضهم:يحتاج لأن كل شفع منها صلاة على حدة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/٢٣٧،فصل فى نية التراويح)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلى التراويح كلها بتسليمة واحدة إن قعد فى كل ركعتين يجوزعند الكل وإن لم يقعد فى كل ركعتين وقعد فى آخرها ففى الاستحسان على القول الصحيح يجزيه عن تسليمة واحدة كذا فى السراج الوهاج وهكذا فى فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية:١/١١٩ فصل فى التراويح ـو كذا فى شرح منية المصلى:٤٠٥، سهيل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۳۵۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب: نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے رمضان اور غیر رمضان کی تخصیص نہیں ہاں ایک دو آدمی کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی تو بلا کراہت جائز ہے اور تین میں اختلاف ہے، علامہ طحاویؒ نے فرمایا اصح قول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے اور چار یا زیادہ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فى النفل فى غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها......وعن شمس الأئمة أن هذا أى كراهة الجماعة فى النفل إذاكان على سبيل التداعى أى طريق يدعو الناس

لـلاجتـماع عليهم أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره لأن النبي ﷺ أمّ ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في صلاة الليل......وصح أنه ﷺ أمّ أنساً رضي الله عنه واليتيم والعجوز فصلى بهم ركعتين،وكانت نافلة وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه والأصح عدم الكراهة،وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي:۳۸٦، باب الوتر،قديمي كتب خانه۔وكذا في المبسوط للإمام السرخسيؒ:۲/۷٦، باب صلاة الكسوف،إدارة القرآن۔وخلاصة الفتاوى:۱/۱۵٤،رشيدية)

شامی میں ہے:

والـظاهـر أن الـجـماعة فيه غير مستحبة ثم إن كان ذلك أحياناً كما فعل عمر رضي الله عنه كان مباحاً غير مكروه،وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث،قلت:ويؤيده أيضا ما في البدائع من قوله:إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان.فإن نفي السنية لايستلزم الكراهة،نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره وفي حاشية البحر للخير الرملي...... والنفل بالجماعة غير مستحب لأنه لم تفعله الصحابة رضي الله عنهم في غير رمضان وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيه تأمل. (شامي:۲/٤۸ باب النوافل،سعيد)

لیکن مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے بغیر دعوت کے چار سے زیادہ آدمیوں کے اجتماع کی گنجائش تحریر فرمائی ہے، ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى،لأن الأول أقرب إلى اللغة وأشبه بها دون الثاني. (إعلاء السنن:۷/۹۳باب كراهة الجماعة في النوافل،إدارة القرآن كراچی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ تراویح میں دو رکعت فاسد ہوگئی پھر پوری جماعت نے دوسری رات میں ۲۲ رکعت پڑھی تو اس طرح قضا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز قضا کی نیت سے دو رکعت زائد پڑھی اس میں جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نمازِ تراویح جب فاسد ہوجائے تو دوسرے دن جماعت کے ساتھ قضاء کرنا مکروہ ہے نیز جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی ختمِ قرآن میں شامل نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو قاضی خان میں ہے:

وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٢٣٦، فصل في وقت التراويح)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضاء کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۲۸۶، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم:

سوال: تراویح میں تیسری رکعت کے لئے بغیر قعدہ کے کھڑا ہوگیا اور واپس نہیں آیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام تیسری رکعت سے واپس نہیں آیا اور تین پر سلام پھیر دیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی دوبارہ پڑھ لے، اور اگر چوتھی رکعت ملالی تو صرف دو رکعت تراویح شمار ہوگی یعنی پہلا شفعہ صحیح نہیں ہوگا اس میں جو قراءت کی گئی اس کا اعادہ کرلیا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

عن أبي بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أي يعود ويقعد ويسلّم وإن تذكر بعد ماسجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربع عن تسليمة واحدة. (الفتاوى الهندية: ١/١١٨، فصل في التراويح)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهو على وجهين إما إن قعد في الثانية أو لم يقعد فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة كان عليه قضاء

رکعتین،وإن لم یقعد فی الثانیة ساهیاً أوعامداً لاشک أن فی القیاس وهوقول محمد وزفرؒ،وإحدی الروایتین عن أبی حنیفةؒ تفسد صلاته ویلزمه قضاء رکعتین لاغیر،وأما فی الاستحسان هل تفسد صلاته فی قول أبی حنیفةؒ وأبی یوسفؒ اختلفوا فیه قال بعضهم تفسد ولایجزئ عن شیء وقال بعضهم تجزئ عن تسلیمة واحدة......وجه من قول أنه لا یجوزعن شیء وهوالصحیح أنه ترک القعدة المشروعة وهی القعدة علی رأس الثانیة والقعدة علی رأس الثالثة غیرمشروعة فی التطوع فصارکأنه لم یقعد أصلاً فلایجوز. (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة:۱/۲٤۰،فصل فی السهو)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فیه لایعتد بما قرأ فیه ویعید القراء ة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائزة وقال بعضهم یعتد بهاکذا فی الجوهرة النیرة. (فتاوی هندیة:۱/۱۱۸فصل فی التراویح)۔واللہ ﷻ اعلم۔

چاررکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم:

سوال: اگر چاررکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت پرنہیں بیٹھا تو تراویح ہوئی یانہیں؟اورکون سے شفعہ کی قراءت صحیح ہےاورکون سے شفعہ کی تلاوت کی قضاء کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اصح قول کے مطابق قعدۂ اولیٰ نہ کرنے کی وجہ سے پہلا شفعہ فاسد ہوگیا،لہذا تلاوت بھی صحیح نہیں ہوئی،البتہ دوسرا شفعہ اورتلاوت دونوں صحیح ہیں صرف پہلے کی قضاء لازم ہے۔

ملاحظہ ہوفتاوی قاضیخان میں ہے:

وقال الفقیه أبوجعفرؒ والشیخ الإمام أبوبکرمحمد بن الفضلؒ فی التراویح تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة و هو الصحیح لأن القعدة علی رأس الثانیة فرض فی التطوع فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلا ته أصلاً کما هووجه القیاس وإنما جازاستحساناً فأخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمة وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی وقد أتمّها بالقعدة فجازعن تسلیمة واحدة.(فتاوی قاضیخان علی

هامش الهندية: ۱ / ۲٤۰، فصل في السهو، رشيدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الجائزة وقال بعضهم يعتد بها كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱ / ۱۱۸، فصل في التراويح)

نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۳ / ٦۷، باب الوتر والنوافل، الماجديه۔ وحاشية تبيين الحقائق: ۱ / ۱۷۹ باب الوتر والنوافل، امداديه ملتان۔

البتہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بحوالہ امداد الفتاویٰ دوسرا قول بھی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

...فرمایا کہ میرا معمول تو عرصہ سے دوسرے ہی قول پر فتویٰ دینے کا ہے، کہ یہ چار قائم مقام دو کے ہوں گی، جیسا کہ کلامِ مشائخ سے اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، لیکن امداد الفتاویٰ کا جواب غالباً اس بنا پر ہے کہ آج کل طبائع میں کسل غالب ہے، اگر چار کو قائم مقام تسلیمۃ واحدۃ کے مان کر دو رکعت کا اعادہ کیا جائے گا تو وہ اعادہ مع اس مقدار قرآن کے ہوگا، جو ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے، اور بعض دفعہ ان دو رکعتوں میں بہت زیادہ مقدار تلاوت کی جا چکتی ہے، ان کا اعادہ مع مقدارِ تلاوت نمازیوں پر بہت گراں ہوتا ہے حتی کہ فرماتے تھے کہ میں نے بعض جگہ اس پر لڑائی ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے تسہیل عوام کے لحاظ سے امداد الفتاویٰ میں فقیہ ابو اللیث کے قول پر میں نے اکتفا کیا کہ جب مسئلہ میں دو قول موجود ہیں، اور ایک قول میں عوام کو سہولت ہے تو اس کو اس جہت سے ترجیح ہے، وقال النبي صلى الله عليه وسلم يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا، گو قواعد کے لحاظ سے دوسرا ہی قول صحیح ہے، ہذا واللہ اعلم، پس جس جگہ دوسرے قول پر فتویٰ دینے میں توحش اور تنگی کا اندیشہ ہو وہاں میرے نزدیک پہلے ہی قول پر فتویٰ دینا چاہئے۔ (امداد الاحکام: ۱/۶۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شافعی مقتدی قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیتا ہے اور حنفی امام اس لقمہ سے اپنی غلطی کی اصلاح کرتا ہے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف میں یہ عمل مفسدِ نماز ہے جبکہ حنفی مقتدی لقمہ دے اور شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہوروضۃ الطالبین میں ہے:

ولو صلى على وجه لايصححه والشافعي يصححه فعند القفال لايصح الاقتداء الشافعي به،وعند أبى حامد يصح اعتباراً باعتقاد المأموم.(روضة الطالبين:۱/۳۴۷، باب صفة الأئمة،المكتب الإسلامى)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

اشترط الحنفية والشافعية أن تكون صلاة الإمام صحيحة فى مذهب المأموم. فلوصلى حنفى خلف شافعي سال منه دم ولم يتوضأ بعده أوصلى شافعي خلف حنفى لمس امرأة مثلاً فصلاة المأموم باطلة لأنه يرى بطلان صلاة إمامه......وأما ماكان شرطاً فى صحة الاقتداء فالعبرة فيه بمذهب المأموم.(الفقه الإسلامى وأدلته:۲/ ۱۸۰،دارالفكر)

شامی میں ہے:

قلت:وهذا بناء على أن العبرة لرأى المقتدى وهوالأصح وقيل لرأى الإمام وعليه جماعة......قوله:إن تيقن المراعاة لم يكره:أى المراعاة فى الفرائض من شروط وأركان فى تلك الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن......وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوزما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع،إنما اختلف فى الكراهة......وفى رسالة الاهتداء فى الاقتداء لملاعلى القارى: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذاكان يحتاط فى موضع الخلاف وإلا لا.(شامى: ۱/۵۶۳،باب الإمامة،سعيد)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں:

سوال: تراویح کے بعد تہجد ہے یانہیں یا تراویح تہجد کے قائم مقام ہے؟

جواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں تراویح تہجد کے قائم مقام نہیں ہوسکتی،تہجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے علیحدہ پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **کیف کانت صلاۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت: ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی إحدی عشرۃ رکعة......یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً......** (رواہ البخاری:۱/۱۵۴،باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ)

محدثین میں سے امام مسلم، امام مالک، امام عبد الرزاق، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابو عوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحبِ بلوغ المرام، صاحبِ مشکاۃ ان تمام نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے لیکن تراویح کے باب میں نہیں۔

لامع الدراری میں ہے:

ومما ینبغی التنبیه له أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **لم تذکرھنا إلاما کانت عادته فی صلاته باللیل وکان دوامه علیھا فأما ماوقع أحیاناً ونادراً کصلاته بالقوم فی رمضان لیالی فغیرمعترض به نفیاً ولاإثباتاً وذلک کثیرفی الکلام......قوله فی رمضان ولافی غیرہ: أی فی صلاته المعتادۃ المعروفة بالتهجد وصلاۃ اللیل لأنه لم یزد علی ذلک أبداً.**

حاشیہ میں حضرت شیخؒ فرماتے ہیں:

وھذا أیضاً ظاھرأن التراویح صلاۃ مختصة برمضان والسوال کان عن صلاۃ تعم رمضان وغیرہ. (لامع الدراری:۲/۱۸۶، باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وفی غیرہ)

فتح الباری میں ہے:

وفی الحدیث دلالة علی أن صلاته کانت متساویة فی جمیع السنة. (فتح الباری:۳/۳۳، باب قیام النبی ﷺ،دارنشرالکتب الإسلامیة)

عمدۃ القاری میں ہے:

ذکرمایستفاد منه فیه أن عمله ﷺ کان دیمة فی شهررمضان وغیرہ وأنه کان إذا عمل عملاً أثبته ودوام علیه. (عمدۃ القاری:۵/۴۹۵، باب قیام النبی ﷺ،دارالحدیث ملتان)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

تہجد الگ نماز ہے جو کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی

عبادت ہے تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جا سکتا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰/۳، لدھیانوی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ:

حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ:

تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ نمازیں ہیں؟ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں صرف دونوں کی صفت اور وقت میں فرق ہے نماز ایک ہے۔ ہاں تراویح کی ۲۰ رکعت کے حضرت شاہ صاحب قائل ہیں۔ العرف الشذی علی الترمذی میں مذکور ہے:

ولم يثبت في رواية من الروايات أنه عليه السلام صلى التراويح والتهجّد على حدة في رمضان، بل طوّل التراويح، وبين التراويح والتهجد في عهده لم يكن فرق في الرّكعات بل في الوقت والصّفة أي التراويح تكون بالجماعة في المسجد بخلاف التهجد، وإن الشروع في التراويح يكون في أوّل الليل وفي التهجد في آخر الليل، نعم ثبت عن بعض التابعين الجمع بين التراويح والتهجد......

فإنه لم يثبت عنه عليه السلام ولا عن الصحابة جمعهم بين التراويح والتهجد. وأمّا ما في مؤطا مالك أن عمر رضي الله عنه كان يصلي التراويح آخر الليل فمراده أنه إذا لم يصل مع الجماعة أوّل الليل. (العرف الشذی علی الترمذی: ١/١٦٦، ديوبند)

فیض الباری میں ہے:

وهما متحدان عند الشافعية: فإن صلاها قبل النوم سميت صلاة الليل وإن صلاها بعد ما استيقظ من نومه سميت تهجداً، فالفرق بينهما وصفيّ، وكذا الوتر عندهم، فالوتر والتهجد وصلاة الليل كلها عندهم متحدة مصداقاً، ومتباينة مفهوماً......وقلنا أما الفرق بين صلاة الليل والتهجد فكما ذكرتم، لكنّ الوتر صلاة مستقلّة. (فيض الباری: ٢/٤٠٧)

دیگر اکابرؒ کی تحقیق:

جمہور کے نزدیک تراویح کی نماز تہجد سے الگ اور مستقل نماز ہے اس پر کافی دلائل موجود ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی

طرف کی گئی، مثلاً سنن نسائی میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی مرفوع حدیث ہے:

قال رسول الله "إن الله تبارک وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه.

(سنن نسائی:۱/۳۰۸)

اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

كان رسول الله ﷺ يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم بعزيمة. (مسلم شریف:۱/۲۵۹)

اور صلاۃ اللیل میں نماز کی نسبت رات کی طرف کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ہر رات کے ساتھ خاص ہے اسی طرح قیامِ رمضان کا مطلب ایسی نماز جو رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے اور صلاۃ اللیل یا تہجد رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس لئے یہ قیامِ رمضان سے الگ نماز ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد میں فرق کا ایک قرینہ اختلافِ وقت ہے، دونوں نمازوں کے وقتوں میں اختلاف ہے، تہجد کا وقت نیند سے اٹھنے کے بعد ہے اور تہجد کا اصل معنی یہی ہے: نیند سے بیدار ہونا، لہذا تہجد اسی نماز کو کہیں گے جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جائے۔

علامہ طبریؒ ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: **ومن الليل فاسهر بعد نومة يا محمد بالقرآن نافلة لك خالصة لك دون أمتك، والتهجد التيقظ والسهر بعد نومة من الليل.** (تفسیر طبری:۱/۹۵، دار المعرفة، بیروت لبنان)

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے:

فإن التهجّد ما كان بعد نوم، قاله علقمة والأسود وإبراهيم النخعي وغير واحد، وهو معروف في لغة العرب، وكذلك ثبتت الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه كان يتهجد بعد نومه. (تفسیر ابن کثیر:۳/۶۱۔ ومثله فی روح المعانی:۱۵/۱۳۸)

لسان العرب میں ہے:

وأما التهجد فهو القائم إلى الصلاة من النوم. (لسان العرب:۳/۴۳۱، بیروت)

وفي الصحيح للإمام مسلم عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنا نعد له سواكه وطهوره فيبعثه الله ماشاء أن يبعثه من الليل فيتسوك...... (مسلم شریف:۱/۲۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے برعکس تراویح شروع کرنے کا وقتِ

مستحب اول اللیل ہے اور یہی امت کا تعامل ہے،اس کے متعلق المغنی لابن قدامۃ میں مذکور ہے:

وقیل لأحمد نؤخر القیام یعنی فی التراویح إلی آخر اللیل،قال:لا،سنة المسلمین أحب إلیّ. (المغنی:۱/۸۰۱،دارالکتب العلمیة،بیروت)

جب دونوں نمازوں کا وقتِ مستحب الگ الگ ہے تو دونوں کو الگ الگ نمازیں شمار کریں گے۔

(۳) آپ علیہ السلام کے زمانے میں صلاۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کے لئے کبھی اجتماع نہ ہوا اور نہ آپ نے کبھی باجماعت صلاۃ اللیل ادا کرنے کی ترغیب دی،خلفاءِ راشدین اور بعد کے زمانے میں بھی صلوۃ اللیل باجماعت پڑھنے کا رواج نہ تھا اس کے برخلاف آپ علیہ السلام نے تراویح کی جماعت بھی کرائی،اور دوسروں کو تراویح باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی تحسین بھی فرمائی،اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں تراویح کی نماز باجماعت شروع کرائی اور یہ معمول اب تک تمام مساجد میں جاری ہے۔

أخرج البخاری بروایة عائشة أم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ ﷺ صلی ذات لیلة فی المسجد،فصلی بصلاته ناس،ثم صلی من القابلة فكثر الناس،ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة أو الرابعة،فلم یخرج إلیهم رسول اللہ ﷺ فلما أصبح قال:لقد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج إلیكم إلا أنی خشیت أن یفرض علیكم،وذلك فی رمضان. (بخاری شریف:۱/۱۵۲)

وأخرج عبد الرزاق بسنده عن السائب بن یزید قال:كنا ننصرف من القیام علی عهد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنا فروع الفجر،وكان القیام علی عهد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثه وعشرین ركعة. (مصنف عبد الرزاق:٤/٢٦١،٢٥٢)

(۴) تہجد کی مشروعیت قرآن کریم سے ہوئی:

قال اللہ تعالی:﴿ومن اللیل فتهجّد به نافلة لك﴾

وقال تعالیٰ:﴿یایها المزمل قم اللیل إلا قلیلاً نصفه أو انقص منه قلیلاً﴾

اور تراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

قال علیه الصلاة والسلام:وسننت لكم قیامه. (نسائی شریف:۱/۳۰۸)

اگر کوئی کہے کہ سنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کا عملی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا،تو مشروعیت تراویح کی

حدیث سے نہ ہوئی ؟

جواب: آپ علیہ السلام نے بصورتِ تقابل یہ ارشاد فرمایا:

إن الله تبارک وتعالی فرض صیام رمضان علیکم،وسننت لکم قیامه،

حلانکہ صوم کا عملی طریقہ بھی آپ علیہ السلام نے بھی بتلایا۔

(۵) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا اور تراویح کا مدینہ منورہ میں۔

(٦) آپ علیہ السلام نے کبھی پوری رات تہجد نہیں پڑھی۔

مسلم میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا في حدیث طویل،قالت:ولا أعلم نبی الله ﷺ قرأ القرآن کله في لیلة ولاصلی لیلة إلی الصبح. (مسلم شریف:۱/۲۵٦)

اس کے برخلاف تراویح سے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تین متفرق راتوں میں صحابہ کے ساتھ تراویح باجماعت پڑھی ہے اوران میں سے تیسری رات میں آپ علیہ السلام نے تراویح کے لئے اپنے گھر والوں کو بھی جمع کیا اور اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے۔

ابوداود میں ہے:

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ قال:صمنا مع رسول الله ﷺ رمضان فلم یقم بنا شیئاً من الشهرحتی بقي سبع،فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل،فلما کانت السادسة لم یقم بنا،فلما کانت الخامسة قام بناحتی ذهب شطراللیل......فلما کانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتی خشینا أن یفوتنا الفلاح قال:قلت:ما الفلاح قال السحور. (أبوداؤد:۱/۱۹۵، قیام شهر رمضان۔ونسائی ۱/۲۳۸،قیام شهررمضان۔وابن ماجة:۱/۹٤، قیام شهررمضان)

(۷) تمام فقہی مکاتبِ فکر کے محدثین وفقہاء کا یہی طرزِ عمل چلا آرہا ہے کہ وہ صلاۃ اللیل اور تہجد وغیرہ پر الگ ابواب وفصول قائم کرتے ہیں اور قیامِ رمضان اور تراویح کے الگ، حتی کہ بہت سے محدثین سے قیامِ رمضان کا ذکر کتاب الصوم میں کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں، اور علامہ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں امام ترمذی نے سنن الترمذی میں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۸) مسلم شریف کی روایت کے مطابق تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہوگئی جب کہ تراویح میں نسخ واقع نہیں ہوا۔

مسلم میں ہے:

عن سعد بن هشام فيما سأل عائشة رضی الله تعالىٰ عنها يقول: فقلت أنبئيني عن قيام رسول الله ﷺ فقالت: ألست تقرء يا أيها المزمل، قلت: بلى قالت: فإن الله عزوجل افترض قيام الليل في أول هذه السورة فقام نبي الله ﷺ و أصحابه حولاً وأمسك الله خاتمتها اثنى عشر شهرا في السماء حتى أنزل الله في آخر هذه السورة التخفيف فصار قيام الليل تطوعا بعد فريضة.

(مسلم شريف: ۱/۲۵٦)

(۹) مفتی رشید احمد صاحبؒ نے مذکورہ بالا فرق کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ نمازِ تہجد پہلے فرض تھی اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت والا خطرہ نہ رہا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پر دوام نہ فرمانیکی حکمت خشیتِ فرضیت بیان فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تراویح تہجد سے الگ کوئی نماز ہے، کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے ہی منسوخ کر کے آپ علیہ السلام کو مطمئن کردیا گیا تھا۔ (احسن الفتاوی: ۵۳۲/۳)

(۱۱) ایک فرق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کو ہر روز آخرِ شب میں پڑھا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے: **ثم قلت فأی حین کان یقوم من اللیل، قالت: کان إذا سمع الصارخ.**

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۵۴)

قوله: إذا سمع الصارخ. (بخاری: ۱/۱۵۲ - ومسلم شریف: ۱/۲۵۵ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها)

قوله: تراویح اول لیل میں پڑھا ہے۔ **هذا الحديث قد مرّ ذكره.** (نسائی: ۱/۲۳۸)

پھر احادیث کی روشنی میں بھی ان دونوں نمازوں کا الگ ہونا ثابت ہے، کہ آپ علیہ السلام نے تراویح پڑھ کر پھر اور کوئی نماز پڑھی یعنی تہجد، نیز صحابہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔

(۱) أخرج أبو داود بسنده عن قيس بن طلق قال: زارنا طلق بن علي في يوم من رمضان و أمسى عندنا وأفطر، ثم قام بنا تلك الليلة وأوتربنا ثم انحدر إلى مسجده فصلى بأصحابه

حتی إذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال: أوتر بأصحابک فإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول: لا وتران فی لیلة. (أبو داؤد: ۱/۲۰۳)

حضرت گنگوہیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے اول لوگوں کے ساتھ موافقِ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی، اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھی۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۶۱)

صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ نمازیں ہیں۔

وفی المؤطا عن عمر رضی اللہ عنہ قال: والتی تنامون أفضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل. (مؤطا: ۹۸)

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اس سے اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جائے تو بعید نہیں کیونکہ اس قول کے معنی یہ ہے کہ جو نماز کہ تم اس سے سو رہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو تم پڑھتے ہو یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۶۰)

(۴) امام بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتداءِ شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ با جماعت تراویح پڑھتے تھے، اور بوقتِ سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۵۳۲)

قلت: وقد ذکره الحافظ فی مقدمة الفتح فی ترجمة أبی عبد اللهؒ:

وقال الحاکم أبو عبد الله الحافظ أخبرنی محمد بن خالد ثنا مقسم بن سعید قال: کان محمد بن إسماعیل البخاریؒ إذا کان أول لیلة من شهر رمضان، یجتمع إلیه أصحابه فیصلی بهم ویقرأ فی کل رکعة عشرین آیة، وکذلک إلی أن یختم القرآن، وکان یقرأ فی السحر ما بین النصف إلی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کل ثلاث لیال. (هدی الساری: ۴۸۱)

(۵) احسن الفتاوی میں ہے:

فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدها في جماعة،فإن كان له تهجد جعل الوتر بعده. (المقنع:١٨٤)۔(احسن الفتاوی۳:۵۳۲)

یہ عبارت"المبدع شرح المقنع:٢/٢٤٥" پر مذکور ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔واللہ ﷻ اعلم۔

تراویح میں جهراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فتاوی رشیدیہ میں ہے: تراویح میں بالسر و بالجہر دونوں طرح پڑھنا درست ہے،کوئی بالجہر پڑھے تو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے (ص۳۳۷) اس کے بعد حمید اللہ مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ لکھتے ہیں: ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جهراً پڑھنا متروک ہو رہا ہے تو یہ سنتِ مردہ کے حکم میں ہے پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے،پس اولیٰ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا جن میں قراءت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہو جیسے فجر،عشاء،مغرب،خواہ تراویح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ تراویح میں بالجہر بسملہ پڑھی جائے بنیتِ احیائے سنت تو کیا مستحقِ ثواب ۱۰۰ شہیدوں کا ہوگا؟اور کیا فرض نمازوں کا بھی یہی حکم ہوگا؟بینوا توجروا!

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق بسم اللہ جهراً پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے چاہے تراویح ہو یا فرض نمازیں ہوں،پورے قرآن میں صرف ایک مرتبہ تراویح میں کسی سورت کے شروع میں جهراً بسم اللہ پڑھنا چاہیے اس کے علاوہ سراً پڑھ لے۔

فقہاء کی عبارات اور فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور احیاءِ سنت میں سو شہیدوں کا ثواب ملنا اس حدیث کی تحقیق ابواب الحدیث گذر گئی۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مروجہ بدعتِ قبیحہ کو مٹایا اور اس کی جگہ اصل سنت کا رواج دیا تو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا،گویا یہاں سنت کے مقابل میں بدعت ہے اور مسئلہ مذکورہ میں یعنی تسمیہ جهراً یا سراً پڑھنا اس میں دونوں جانب احادیث ہیں البتہ سراً پڑھنے کی احادیث کثیر اور اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نوّر اللہ مرقدہ) کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جهراً خلافِ اولیٰ ہے اس کی وجہ سے مسجد میں اختلاف اور جھگڑا نہیں کرنا چاہئے پہلے سمجھانا چاہئے نہ مانے تو اعتراض نہ کرے اس لئے کہ یہ بھی

حدیث سے ثابت ہے اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وتسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة لأنه ﷺ كا ن يفتتح صلا ته ببسم الله الرحمن الرحيم......وهي آية واحدة من القرآن......وأنزلت للفصل بين السور......ويسن الإسرار بها للآثار الواردة بذلك. (حاشية الطحطاوى مع مراقى الفلاح:ص ٢٦٠، ٢٦٢،قديمى)

الدرالمختار میں ہے:

وسمى غير المؤتم بلفظ البسملة سرا فى أول كل ركعة ولوجهرية......وفى الشامية: (قوله سراً في أول كل ركعة) كذا فى بعض النسخ وسقط سراً من بعضها ولابد منه، قال فى الكفاية عن المجتبى: والثالث أنه لايجهربها فى الصلاة عندنا. (الدرالمختارمع الشامى: ١/ ٤٩٠، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سرًا پڑھنا چاہئے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاقِ نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ امام من القراء خارجِ صلاۃ میں ہے نہ صلاۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماءِ احناف کو پایا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/ ۲۶۴، ۲۶۵ مدلل ومکمل)

نیز ملاحظہ ہو: وفتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۸۰ باب التراویح۔ مجموعہ رسائل اللکھنوی (أحکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ): ۱/ ۱۷، ادارۃ القرآن۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۹۹، ۳۰۱، جامعہ فاروقیہ۔ وامداد الفتاوی: ۱/ ۲۲۸، ۲۳۰، فصل فی التجوید۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۶۳۰ فصل فی التراویح۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

قد صرحوا أن ختم القرآن بجميع أجزاءه فى التراويح مرة سنة مؤكدة حتى لوترك آية منه لم يخرج عن العهدة،وقد ثبت أن البسملة أيضاً آية منه على الأصح ، فيستخرج منه أنه لوقرأ تمام القرآن فى التراويح ولم يقرأ البسملة فى ابتداء سورة من السورسوى ما فى سورة النمل لم يخرج عن عهدة السنية ولوقرأها الإمام سراً خرج عن العهدة لكن لم يخرج

المقتدون عن العهدة.(مجموعة رسائل اللكهنوى:"أحكام القنطرة فى أحكام البسملة":۱/۱۰۳، امدادية)

نیز ملاحظہ ہو: امداد المفتیین: جلد دوم ص۳۶۱ فصل فی التراویح، دار الاشاعت۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۰۰، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے سے تراویح صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تراویح سنتِ مؤکدہ اور اعلیٰ ہے اور نفل ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی اقتداء ادنیٰ کے پیچھے درست نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ منحۃ الخالق میں ہے:

أقول حيث صرح قاضيخان بأن الصحيح أنه إذا صلى التراويح مقتدياً بمتنفل بغيرها لايجوزبناء على أن السنة لاتتأدى بنية التطوع يكون ذلك تصحيحاً لعدم جواز اقتداء مصلي التراويح بالمفترض لأن معنى أن السنة لاتتأدى بنية التطوع أنها لابد لها من التعيين والإمام غيرمعين للتراويح سواء كان مصلياً نفلاً أوفرضاً فلا تصح نية التراويح من المقتدى وقد صرح بذلك العلامة قاسم فى فتاواه ضمن رسالة فقال: (فصل)إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلى المكتوبة أووتراً أونافلة غيرالتراويح اختلفوا فيه من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف فى النية ومن قال من المشايخ أن التراويح لاتتأدى إلابنيتها فلا تتأدى بنية الإمام وهى بخلاف نيته ومن قال منهم أنها تتأدى بمطلق النية ينبغى أن يقول هنا أنه يصح والأصح أنه لايصح الاقتداء.(منحة الخالق حاشية البحرالرائق:۱/۳٦٥،باب الامامة،الماجدية)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولوصلى التراويح مقتدياً بمن يصلى مكتوبة أووتراً أونافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء به لأنه مكروه مخالف لعمل السلف.(الفتاوى الهندية:۱/۱۷۷۔ وكذا فى رد المحتار: ۱/۵۹۰، سعيد۔والطحطاوى على الدرالمختار:۱/۲۹٦۔وبدائع الصنائع:۱/۲۸۸۔والفتاوى الهندية:٤/۲۹، الثالث فى التراويح)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

۸ رکعت تراویح کا حکم:

سوال: هل يجوز أن نصلی صلاة التراويح ٨ ركعة فقط أم لا؟ ولماذا؟

الجواب: مسئلة عدد ركعات التراويح قد صنّف فيها العلماء قديماً وحديثاً من صغير وكبير وتعرّضوا لها تعرّضاً وافياً بإطناب وإيجاز، وذكرت المسئلة فی جميع الكتب الفقهية والفتاوی، ولايسع المقام التفصيل فأقتصرهنا على ذكر بعضه المهم:

التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة واظب عليها الخلفاء الراشدون ﷺ ومن بعدهم إلى يومنا هذا، فلايجوز الاقتصار على ثمانی ركعات.

حجة من زعم أن التراويح ٨ ركعة:

(١) أخرج البخاری عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها كيف كان صلاة رسول الله ﷺ فی رمضان، فقالت: ما كان رسول الله ﷺ يزيد فی رمضان ولافی غيره على إحدى عشرة ركعة يصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثاً. (الصحيح البخاری: ١/١٥٤)

دل هذا الحديث على أنه كان يصلی ٨ ركعة صلاة التراويح و ٣ وتراً.

والجواب عن هذا:

(١) ليس المراد بالحديث المذكور بيان عدد ركعات التراويح ولايعلم بيان عدده منه، لأن فيه أنه عليه السلام كان يصلی أربعاً أربعاً والتراويح لاتصلی أربعاً أربعاً بل مثنى مثنى.

(٢) الحديث المذكور فيه بيان قيام الليل وهو التهجد لا التراويح لأن لفظ الحديث: "ما كان رسول الله ﷺ يزيد فی رمضان ولافی غيره يدل على أن السؤال المعروض إنما كان عن صلاة تصلی دائماً وهی التهجد لا التراويح، وإنما خص رمضان بالذكر لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يجتهد فی رمضان ما لايجتهد فی غيره فظن السائل أنه كان يزيد فی رمضان فی التهجد أيضاً كغيره من الصلوات فقالت: لا ما كان يزيد على ٨ فی التهجد لافی رمضان ولافی غيره.

ویدل علی ماقلنا أیضا صنیع أکثر المحدثین أنهم لم یذکروا الحدیث المذکور فی أبواب التراویح مثل الإمام محمد بن نصر المروزی له کتاب مسمی بـ"قیام اللیل"فبوّب فی کتابه هذا "باب عدد الرکعات التی یقوم بها الإمام للناس فی رمضان"وذکر فیه عدّة أحادیث،لکن لم یذکر حدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا المذکور لاصریحاً ولا إشارةً بل ذکروا الحدیث المذکور فی أبواب قیام اللیل.

وأراد من زعم أن التراویح ۸ رکعة الاستدلال ببعض الآثار مثل ماجاء فی المؤطا بسند مالک عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ أنه قال أمر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أبیّ بن کعب و تمیما الداری رضی الله عنهما أن یقوم للناس بإحدی عشرة رکعة.(مؤطا الامام مالك:۹۵)

وقد أجاب العلماء والمحدثون عن هذا الاستدلال بوجوه کثیرة بکل بسط و تفصیل لایسعه المقام.

فلیراجع :اعلاء السنن: ۸٤/۷ ـوفتح الباری:٤/۲۱۹ـواحسن الفتاوی:۳/٥۳٤.

وأما کون صلاة التراویح عشرون رکعة فقد ثبت بحجج کثیرة لایصح الإنکار عنها،مثل:

(۱)عن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر. أخرجه ابن أبی شیبة فی مصنفه ـ والبغوی فی معجمه ـ والطبرانی فی الکبیر ـ والبیهقی فی سننه ـ(التعلیق الحسن:۲/٥٦)ـ(وفی إسناده إبراهیم بن عثمان وفیه کلام)

(۲)قال علیه الصلاة والسلام:علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیّین رضی اللہ عنہم تمسّکوا بها وعضّوا علیها بالنواجذ.(رواه احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجة)

وما ثبت من عمل الخلفاء الراشدین المهدیّین رضی اللہ عنہم مثل التراویح ۲۰ رکعة نتبعه بقول النبی ﷺ وأمره بقوله علیکم بسنتی الخ.

(۳)عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال:کنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعة والوتر.رواه البیهقی فی المعرفة وصحّحه السبکی فی شرح المنهاج.(التعلیق الحسن:۲/۲٥٤)

(۴)عن عبد العزیز بن رفیع قال:کان أبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة یوتر بثلاث. أخرجه أبوبکر بن أبی شیبة فی مصنفه وإسناده قوی مرسل ـ(آثار

السنن: ۲/۵۵)

(۵)عن أبی الحسناء أن علی ابن أبی طالب ﷺأمر رجلاً یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة.رواه البیهقی فی سننه وضعّفه۔(کنز العمال: ۲۸٤/٤)

(٦)عن یزید بن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة.رواه مالك وإسناده قوی مرسل۔(بیهقی: ۲۹٦/۲)

(۷)عن نافع عن عبد الله بن عمر ﷺ قال: کان ابن أبی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة.(مصنف ابن أبی شیبة:واسناده حسن:۲۲۳/۵)

(۸)قال عطاء:أدرکت الناس وهم یصلون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراء ة ویوترون بثلاث.(مصنف ابن أبی شیبة:واسناده حسن :۲۲٤/۵)

(۹)قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراء ة ویوترون بثلاث.(قیام اللیل للمروزی:ص۹۱)

(۱۰)قال الأعمش: کان عبد الله بن مسعود ﷺیصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث. (قیام اللیل:ص۹۰)

(تلك عشرة کاملة)

فهذا المأثورعن الصحابة ﷺ والخلفاء الراشدین ﷺ ومن بعدهم أحق أن یتبع وهذا بالقبول ألیق والقلب إلیه أمیل وعن الخطأ أبعد.(ملخّص من احسن الفتاوی: ۵۲۸/۳۔۵٤۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب:

سوال: غیرمقلدین حضرات آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں اوران کے دلائل میں سے ایک دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جومختلف کتبِ احادیث میں مذکور ہے اورخاص طور پر مؤطا کی روایت لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھنی چاہئے۔ مؤطاامام مالک کی روایت ملاحظہ ہو:

مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنه قال:''أمرعمربن الخطاب ﷺ أبیّ بن

كعبرضی اللہ عنہ**وتميما الداری**رضی اللہ عنہ **أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة.**(رواه امام مالك فى المؤطا: ٩٨)
اس روایت میں ۸رکعت تراویح اور تین وتر گیارہ ہوگئیں،اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: (۱) حارث بن عبدالرحمٰن (۲) یزید بن خصیفہ ان دونوں طرق میں بلا اختلاف ۲۰ کا ذکر ہے (۳) محمد بن یوسف ان کے شاگردوں کا باہمی اختلاف ہے۔

نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) الحارث بن عبد الرحمن: عبد الرزق عن الأسلمی عن الحارث بن عبد الرحمن ابن أبی ذباب عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمررضی اللہ عنہ **وقد دنا فروع الفجر، وكا ن القيام على عهد عمر**رضی اللہ عنہ **ثلاثة وعشرين ركعة.** (مصنف عبد الرزاق: ٢/٢٦١، باب قيام رمضان، ادارة القرآن)

(۲) محمد بن نصر: وما حمله عليه فى الحديثين صحيح بدليل ماروى محمد بن نصر من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيدرضی اللہ عنہ **أنهم كانوا يقومون فى رمضان بعشرين ركعة فى زمن عمربن الخطاب**رضی اللہ عنہ. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى: ٨/٢٤٥)

سائب بن یزید
محمد بن یوسف
یزید بن خصیفة
رث بن عبدالرحمن بن ذباب
۲۱ رکعات
(۱)
محمد بن نصر
۲۰ رکعات
(۲)
ابن ابی ذئب
(۳)
محمد بن جعفر
۲۱ رکعات
(۴)
داؤد بن قیس
۲۱ رکعات
(۵)
امام مالک
(۶)
عبدالعزیز بن محمد
(۷)
یحیی بن سعید القطان
(۸)
اسماعیل بن جعفر
(۹)
۱۱ رکعات
محمد بن اسحاق
۱۳ رکعات
(۱۰)
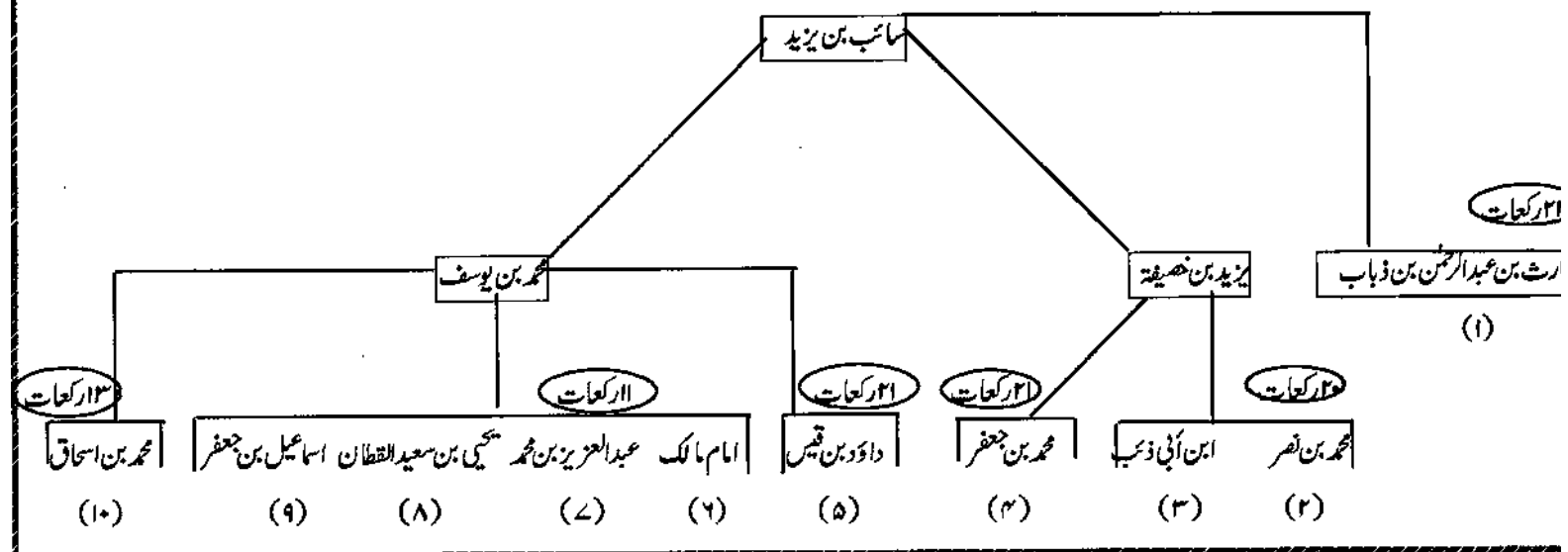
(۳)ابن أبی ذئب: ابن أبی ذئب عن یزید بن خصیفة: کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (السنن الکبری للبیهقی:۲/۴۹۶،باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

(۴)محمد بن جعفر: محمد بن جعفر حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال: "کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعشرین رکعة والوتر. (السنن الصغیر للبیهقی:۱/۲۳۵، باب قیام شهر رمضان،دار الفکر)

(۵)داؤد بن قیس: عبد الرزاق عن داؤد بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ: أن عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی أبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ وعلی تمیم الداری رضی اللہ عنہ علی إحدی وعشرین رکعة، یقرؤون بالمئین و ینصرفون عند فروع الفجر. (مصنف عبد الرزاق:۴/۳۶۰، إدارة القرآن)

(۶)الإمام مالکؒ: مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنه قال: "أمر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ وتمیما الداری رضی اللہ عنہ أن یقوما للناس بإحدی عشرة رکعة. (رواه الامام مالك فی المؤطا:۹۸)

(۷)عبد العزیز بن محمد: أن مالکاً قد تابعه عبد العزیز بن محمد عند سعید بن منصور فی سننه ویحیی بن سعید القطان عند أبی بکر بن أبی شیبة فی مصنفه کلاهما عن محمد بن یوسف وقالا إحدی عشرة. (تحفة الأحوذی:۲/۳۴۹، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان)

(۸)یحیی بن سعید القطان: حدثنا یحیی بن سعید القطان عن محمد بن یوسف أن السائب أخبره أن عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علی أبیّ رضی اللہ عنہ وتمیم رضی اللہ عنہ فکانا یصلیان إحدی عشرة رکعة، یقرآن بالمئین یعنی فی رمضان. (المصنف لابن أبی شیبة:۵/۲۲۰، فی صلاة رمضان)

(۹)إسماعیل بن جعفر: حدثنا علی حدثنا إسماعیل حدثنا محمد بن یوسف بن عبد الله بن یزید الکندی عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ أنهم کانوا یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بإحدی عشرة رکعة یقرؤون فی الرکعة بالمأتین...... (حدیث اسماعیل بن جعفر:۱/۴۵۳/۴۳۷)

(۱۰)محمد بن إسحاق: وأخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق

محمد بن إسحاق: حدثنی محمد بن یوسف عن جده السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال: کنا نصلی فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان ثلاث عشرة رکعة. (تحفة الأحوذی: ۲ /۳۴۹، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان)

اس روایت کے بارے میں محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

یہ روایت مضطرب ہے اور جب تک کسی ایک طریق کو اصول وقواعد کے مطابق ترجیح یا تطبیق حاصل نہ ہوگی تب تک اس کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔

قدمائے محققین نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں: چنانچہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ۲۱ کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ کو راوی کا وہم بتایا ہے اور تطبیق بھی دی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم رہا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لئے گیارہ کے بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۴) اور زرقانی مالکیؒ نے اس تطبیق کو ترجیح دی ہے نیز امام بیہقیؒ نے بھی اس طرح جمع فرمایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار: ص ۱۹۱۔ وزرقانی شرح مؤطا: ۱/ ۲۱۵)

نیز حضرت سائب بن یزید کے شاگردوں میں سے (۱) عبدالرحمٰن ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں اور (۲) یزید بن خصیفہ کے دو شاگرد بھی ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں صرف اختلاف (۳) محمد بن یوسف کے شاگردوں میں ہے لہٰذا اب عبدالرحمٰن اور یزید بن خصیفہ کی روایت کو زیادہ قابلِ وثوق مان کر محمد بن یوسف کی روایت پر ترجیح دی جائے۔ یا محمد بن یوسف کی روایت کے اس طریق کو قابل اعتماد سمجھا جائے جو یزید اور عبدالرحمٰن کے ساتھ متفق ہیں یعنی داؤد بن قیس والا طریق اور دوسروں پر ترجیح دی جائے یا محمد بن یوسف کے تمام طرق میں علامہ ابن عبدالبرؒ اور امام بیہقیؒ کی تطبیق دی جائے تاکہ یزید اور عبدالرحمٰن کی روایات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

بہرحال یہ روایات ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(ملخص از رسالہ ۱۱ رکعات تراویح مناظرہ ۱، ز مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی: ۷، ۹ آرام باغ کراچی)

ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

الاستذکار میں ہے:

(وفی حدیث مالک عن محمد بن یوسف عن السائب إحدی عشرة رکعة) وغیر مالکؒ یخالفه فیقول فی موضع إحدی عشرة رکعة "إحدی وعشرین" ولا أعلم أحداً قال فی هذا الحدیث إحدی عشرة رکعة غیر مالک، والله أعلم،

إلا أنه یحتمل أن یکون القیام فی أول ما عمل به عمر رضی اللہ عنہ بإحدی عشرة رکعة ثم خفف

علیهم طول القیام ونقلهم إلی إحدی وعشرين ركعة يخففون فيها القراء ة يزيدون في الركوع والسجود إلا أن الأغلب عندی فی إحدی عشرة ركعة الوهم. (الاستذكار:۲/۶۸، باب ما جاء فی قیام رمضان،دارالکتب العلمیة)

مؤطا کے حاشیہ میں ہے:

قال الزرقانیؒ:ولا وهم مع أن الجمع بالاحتمال الذی ذكره قريب،وبه جمع البيهقیؒ، وقوله"انفرد به مالکؒ"ليس كما قال بل رواه سعيد بن منصورمن وجه آخرعن محمد بن يوسف فقال:إحدی عشرة ركعة.

قلت:لكن قال العينیؒ:روی فی المصنَّف عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب ؓجمع الناس فی رمضان علی أبی بن كعب ؓ و تميم الداری ؓ علی إحدی وعشرين ركعة الحديث،وروی الحارث بن عبد الرحمن عن السائب بن يزيد قال:كان القيام علی عهد عمر ؓ بثلث وعشرين ركعة،و روی محمد بن نصرفی قيام الليل من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال:إنهم كانوا يقومون فی عهدعمر ؓ بعشرين ركعة انتهی،والاختلاف هذا محمول علی اختلاف الوتر. (حاشیة مؤطا الإمام مالك:برقم ۲ ص۹۸،میرمحمد کتب خانہ کراچی)

امام بیہقیؒ کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

ويمكن الجمع بين الروايتين،فانهم كانوا يقومون بإحدی عشرة ركعة ،ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث.والله أعلم. (السنن الكبری للبيهقی:۲/۲۹۶،باب ماروی فی عدد ركعات القيام فی شهررمضان،دارالمعرفة بيروت)

اوجزالمسالک میں حضرت شیخؒ نے فرمایا:

قلت:والظاهرعندی ما رجحه ابن عبد البرؒ،لأن جل الروايات نص فی أنهاكانت عشرين ركعة،لكن الوهم عندی فيه عن محمد بن يوسف،لأن نسبة الوهم إلی الإمام أبعد من النسبة إليهم،ويؤيده رواية سعيد بن منصور،وقد روی يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد:أنهم كانوا يقومون فی عهد عمربن الخطاب ؓ بعشرين ركعة ذكره فی البذل. (أوجز

المسالك :۲/ ۵۲۸،باب ماجاء فی قیام رمضان)

اعلاء السنن میں ہے:

والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقومون على عهد عمربن الخطاب ﷛ فى شهررمضان بعشرين ركعة" أخرجه البيهقى وسنده صحيح وعزاه الحافظ فى الفتح الى مالك أيضاً (٤: ٢١٩)فإن له شواهد كثيرة صحيحة۔(اعلاء السنن :٧/ ٨٤، باب التراويح)

یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق:

التعلیق الحسن میں ہے:

قلت: رجال إسناده كلهم ثقات......(ثم ذكر الرواة واحداً بعد واحدٍ)وقال فى آخره: قلت: هذا الأثرقد صحح إسناده غيرواحد من الحفاظ كالنوويؒ فى الخلاصة وابن العراقیؒ فى شرح التقرين والسيوطیؒ فى المصابيح. (الحاوى للفتاوى:١/ ٤١٧)۔(آثار السنن: ٢٥١،رقم الحاشية:٢٨٣، باب فى التراويح بعشرين ركعات۔وشرح المهذب:٤/ ٣٢،دار الفكر)

یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے؟

الجواب: سب سے پہلے امام احمدؒ ہی کی زبانی یزید بن خصیفہ کے متعلق سنئے:

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں ہے:

يزيد بن خصيفه ما أعلم إلا خيراً. (كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل:٢/ ٤٩٠/ ٣٢٣٢)

وقال الذهبى فى سيرأعلام النبلاء:

وثقه يحيى بن معين،وقال ابن سعد: كان ثبتاً،عابداً،ناسكاً كثيرالحديث.

قلت :توفى بعدا لثلا ثين ومئة. (سيرأعلام النبلاء: ٦/ ١٥٨)

وقال المزّى:قال أبوبكرالأثرم عن أحمد بن حنبل وأبوحاتم والنسائى:ثقة.

وقال أبوعبيد الآجرى عن أبى داؤد:قال أحمد:منكرالحديث وقال أحمد بن سعد بن أبى مريم:عن يحيى بن معين:ثقة حجة. (تهذيب الكمال فى أسماء الرجل:٣٢/ ١٧٣)

خود امام احمد بن حنبلؒ سے ان کی توثیق مذکور ہے تو پھر دوسرے حضرات کا ان سے منکر الحدیث نقل کرنا درست

نہیں جبکہ نسائیؒ، ابن معینؒ وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔
محقق الدکتور بشار عواد معروف ''منکر الحدیث'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

هذا شيء لم يثبت عن أحمدؒ فيما أرى، والله أعلم فقد تقدم قول الأثرم عنه، وفي العلل لابنه عبد الله، أنه قال: ما أعلم إلا خيراً (۲/۳۵) وهو توثيق واضح. (تهذيب الكمال: ۳۲/۱۷۳، حاشية: ۱۷۳)۔ یا منکر الحدیث قلیل الروایۃ کے معنی میں ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: امامتِ تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا درست نہیں، اگر پہلے لینے کی نیت نہیں کی اور اتفاقاً لوگوں نے کچھ دے دیا تو اس کا لینا جائز ہے، علمائے دیوبند کا یہی فتویٰ ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

وأن القراءة لشيء من الدنيا لاتجوز وأن الآخذ والمعطي آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة وعلّلوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة كما أوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الإجارة الفاسدة إن شاء الله تعالیٰ. (شامی: ۲/۷۳، سعید)

بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ امامت پر اجرت ہے کیونکہ صرف قرآن کریم سنانا مقصود نہیں بلکہ امامت کے ضمن میں قرآن سنانا مقصود ہے تو یہ امامت مسنونہ پر اجرت ہے جیسے کوئی کسی کو جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھانے اور اس میں سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کے لئے کہہ دے تو یہ امامت اور اجرت جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے، نیز تراویح کے امام کی شکل وصورت کا لحاظ رکھنا کہ داڑھی پوری ہو، شلوار و پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامت مقصود ہے صرف قرآن سنانے کے لئے ہوتا تو یہ شرائط نہ ہوتے۔ نیز بظاہر اجرت بھی نہیں کیونکہ کوئی کچھ دیتے ہیں اور کوئی کچھ، کوئی کم ہدیہ پیش کرتے ہیں اور کوئی زیادہ، اجرت تو وہ ہے جو معروف یا مشروط ہو یہاں دینے کا عرف تو ہے لیکن مقدار میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

اس کی نظیر حدیث شریف میں ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالک ﷺأن رجلاً من کلاب سأل رسول الله ﷺعن عسب الفحل فنهاه فقال: یارسول الله إنا نطرق الفحل فنکرم فرخص له فی الکرامة. وقال الترمذیؒ: وقد رخص قوم فی قبول الکرامة علی ذلک. (رواه الترمذی وقال: هذاحدیث حسن: ۱/ ۲۴۰، باب ما جاء فی کراهیة عسب الفحل)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اجرت ممنوع ہے لیکن اکراماً جو ہدیہ دیا جائے اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی فریدیہ میں ہے:

حافظ کا ختمِ تراویح میں رقم اور اجرت لینا اجرت علی الامامت ہے علی التلاوت نہیں۔

سوال: حفاظ تراویح میں ختم کرنے کے بعد جو رقم وغیرہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: فقہاءِ کرام نے تلاوت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن ہمارے بلاد میں حفاظ تلاوت بھی کرتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، تو ان کی رقوم کو صرف تلاوت کا معاوضہ ٹھہرانا اور امامت سے خاموش رہنا بلا وجہ ہے اور اگر صرف تلاوت کو ملحوظ کیا جائے تو تلاوت سے کوئی تراویح خالی نہیں تو مطلق تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہوگا۔ بہر حال حافظ کی اس رقم پر انکار کرنا ہندی مسئلہ ہے حنفی نہیں ہے، یہ اجرت علی الامامت ہے نہ علی محض التلاوۃ۔ (فتاوی فریدیہ: ۱/ ۶۰۷، مسائل شتی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”من نسی صلاۃ أو نام عنہا فکفارتہا
أن یصلیہا إذا ذکرہا“
(رواہ مسلم)

قضا نمازوں کا بیان

تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم:

سوال: تہجد کے وقت تہجد پڑھنا بہتر ہے یا قضائے عمری بہتر ہے؟ جبکہ وقت تہجد کا ہے اور قضا کی اہمیت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قضائے عمری پڑھنا بہتر ہے، ہاں تہجد بھی ساتھ میں پڑھ لے تو نور علی نور ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاسنن المفروضة وصلاة الضحی و صلاة التسبیح والصلاة التی رویت فیها الأخبار أی کتحیة المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب. (شامی:۲/ ۷٤، باب قضاء الفوائت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وفی الحجة: والاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاالسنن المفروضه......

(الفتاوی الهندیة:۱/ ۱۲۵ ـ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۲٤۳، قدیمی)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے، اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو بہتر ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند:۴/ ۳۴۴، دار الاشاعت۔ واحسن الفتاوی ۴/ ۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز فجر با جماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم:

سوال: نماز فجر فاسد ہوگئی قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے تو جماعت کے ساتھ قضا کرتے وقت جہر کریں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر جماعت کے ساتھ جہری نماز کی قضا کریں تو جہراً قراءت کرنا ضروری ہے اور اگر انفرادی طور پر ہو تو جہر اور اخفاء میں اختیار ہے لیکن جہر بہتر ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان كيفية قضاء هذه الصلوات فالأصل أن كل صلاة ثبت وجوبها في الوقت وفاتت عن وقتها أنه يعتبرفي كيفية قضائها وقت الوجوب وتقضى على الصفة التي فاتت عن وقتها. (بدائع الصنائع:۱/۲۴۷،فصل في بيان حكم الصلاة إذا فسدت اوفاتت عن وقتها،سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وجهرالإمام بقراءة الفجروأوليي العشائين ولوقضاء لفعله ذلك في القضاء. (امدادالفتاح: ص۲۷۸،فصل في واجبات الصلاة۔وكذافي الدرالمختار:۱/۵۳۲،فصل في القراءة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمنفرد بفرض مخيرفيمايجهرفإن شاء جهرلأنه إمام نفسه......وجهره أفضل ليكون الأداء على هيئة الجماعة،وظاهرة،ولوقضاء نهاراً وهومافي الكافي وغيره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص۲۵۴،في واجبات الصلاة۔وكذافي الفتاوى الهندية:۱/۱۲۱،الباب الحادي عشرفي قضاء الفوائت)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم:

سوال: اگر امام کی عصر کی نماز فاسد ہوئی مغرب کے وقت لوگ آئے اور امام کو بتلایا تو اب جماعت کے ساتھ مسجد میں عصر کی نماز کی قضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ امرِ عام کی وجہ سے قضا کرنا ہے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو کہ قضا کے بعد وقتیہ بھی پڑھ سکیں۔ ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

(ولافيما يقضى من الفوائت في مسجد) لأن فيه تشويشاً وتغليطاً،وفي الشامي:(قوله

لأن فيه تشويشاً) إنما يظهر أن لو كان الأذان لجماعة......وفي الإمداد أنه إذا كان التفويت لأمر عام فالأذان في المسجد لايكره لإنتفاء العلة كفعله ليلة التعريس...... (الدر المختار مع الشامی: ۱/۳۹۱، مطلب فی اذان الجوق، سعید کمپنی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الترتيب بين الفائتة والوقتية وبين الفوائت مستحق كذا في الكافي حتى لايجوز أداء الوقتية قبل قضاء الفائتة كذا في محيط للسرخسي. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۲۱)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: ایک شخص حنفی ہے اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی حرم پہنچا تو عصر کی نماز ہو رہی تھی وہ صاحبِ ترتیب بھی نہیں ہے تو کیا وہ عصر کی نماز میں شرکت کریگا یا عصر چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھے گا؟

الجواب: سفر اور عذر کی وجہ سے عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھ سکتے ہیں لیکن صورتِ مسئولہ میں عصر کی تقدیم ظہر پر درست نہیں جبکہ ظہر کی ادا کا وقت ہے لہذا عصر پڑھ کر بلا وجہ ظہر قضا نہ کرے۔

ملاحظہ ہو تنویر الابصار میں ہے:

الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم. وفي الشامي: (قوله أداء وقضاء) الواو بمعنى أو مانعة الخلو، فيشمل ثلاث صور: ما إذا كان الكل قضاء أو البعض قضاء والبعض أداء أو الكل أداء كالعشاء مع الوتر ودخل فيه الجمعة، فإن الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم. (تنوير الأبصار مع الشامي: ۲/۶۵، باب قضاء الفوائت)

شامی میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله......إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية، واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون.

(شامی: ۱/۳۵۹، سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولایجوز اقتداء المفترض بالمفترض الآخر عند اختلاف الفرضین بأن کان أحدهما یصلی الظهر والآخر یصلی العصر. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۸۹)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ظہر کی نماز اول وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ وقت کے اندر اس کو حیض آ گیا تو اب اس نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں عورت پر نمازِ ظہر کی قضا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوبِ قضا کا تعلق آخری وقت سے ہے اور آخری وقت میں حائضہ تھی۔ ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

والمعتبر فیه آخر الوقت أی المعتبر فی وجوب الأربع أو الرکعتین آخر الوقت فإن کان آخر الوقت مسافراً وجب علیه رکعتان وإن کان مقیماً وجب علیه الأربع، لأنه المعتبر فی السببیة عند عدم الأداء فی أول الوقت، ولهذا لو بلغ الصبي أو أسلم الکافر أو أفاق المجنون أو طهرت الحائض أو النفساء فی آخر الوقت تجب علیهم الصلاة وبعکسه لو حاضت أو جن أو نفست فیه لم تجب علیهم لفقد الأهلیة عند وجود السبب. (تبیین الحقائق: ۱/۲۱۵، باب صلاة المسافر)

درمختار میں ہے:

قوله والمعتبر فی تغییر الفرض أی من قصر إلی إتمام وبالعکس قوله وهو أی آخر الوقت قدر مایسع التحریمة کذافی الشرنبلالیة والبحر والنهر......والحاصل أن السبب هو الجزء الذی یتصل به الأداء أو الجزء الأخیر إن لم یؤد قبله وإن لم یؤد حتی خرج الوقت فالسبب هو کل الوقت. قال فی البحر: وفائدة إضافته إلی الجزء الأخیر اعتبار حال المکلف فیه، فلو بلغ الصبي أو أسلم کافر أو أفاق مجنون، أو طهرت الحائض أو النفساء فی آخره لزمتهم الصلاة ولو کان الصبي قد صلاها فی أوله و بعکسه لو جن أو حاضت أو نفست فیه لفقد الأهلیة عند وجود السبب. (الدر المختار: ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۲/۱۳۷، باب المسافر، کوئٹہ۔ وحاشیة تبیین الحقائق: ۱/۲۱۵)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم:

سوال: قضاء شدہ نمازیں دس تھیں لیکن پڑھتے پڑھتے چار رہ گئیں تو اب وہ صاحبِ ترتیب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور اصح یہ ہے کہ جب تک تمام نمازیں ادا نہ کرلیں ترتیب لوٹ کر نہیں آئے گی جب سب ادا کرلے تو پھر سے صاحبِ ترتیب ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

(عاد الترتيب عند البعض وهو الأظهر) خلاف ما اختاره شمس الأئمة وفخر الإسلام و صاحب المحيط وقاضيخان وصاحب المغني والكافي وغيرهم وما استدل به عن محمد فيه نظر......فالأصح أن الترتيب إذا سقط لايعود كماء نجس دخل عليه ماء جارحتى سال ثم عاد قليلاً لم يعد نجساً، فلذا صحح في الكافي أنه لايعود. (فتح القدير: ۱/۴۹۳، باب قضاء الفوائت، دار الفكر)

شرح نقایہ میں ہے:

ومتى سقطت الترتيب لايعود في أصح الروايات حتى لو ترك صلاة شهر وقضاها إلا صلاة ثم صلى الوقتية ذاكراً لها جاز. (شرح النقاية: ۱/۲۵۶)

امداد الفتاح میں ہے:

ولم يعد الترتيب بين الفوائت التي كانت كثيرة بعودها إلى القلة بقضاء بعضها كذا في الكنز لأن الساقط قد تلاشى فلايحتمل العود في أصح الروايتين، قال أبو حفص الكبير: وعليه الفتوى وهو اختيار شمس الأئمة وفخر الإسلام وقاضيخان وصاحب المحيط والمغني وغيرهم وفي المجتبى وهو الأصح، وقال بعضهم يعود الترتيب...... ولكن علمت أن الأكثر على أنه لايعود الترتيب فأتبعناه خصوصاً وقد قال الزيلعي: ولا دلالة فيما استدل به صاحب الهداية على عود الترتيب. (امداد الفتاح: ۸۴۹، الساقط لايعود ـ وكذا في النهر الفائق: ۱/۳۸۱ ـ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۲ ـ وكذا في البحر الرائق: ۲/۸۶، باب قضاء الفوائت ـ وكذا في الجوهرة النيرة: ۱/۸۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب بہت سی نمازیں یعنی چھ یا اس سے زیادہ نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی تو اصح یہ ہے کہ ترتیب عود نہیں کرتی یہی معتمد ہے اور اسی پر فتوی ہے۔(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۳۵۴، قضا نمازوں کو پڑھنے کا بیان)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ذمہ بہت زیادہ قضا نمازیں ہیں جنکا پڑھنا بے حد دشوار ہے اگر وہ بجائے سنتوں کے قضا نماز پڑھ لیا کرے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاءِ فوائت کی اہمیت اگر چہ زیادہ ہے تب بھی فقہاء نے سننِ رواتب کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھے اور نفل کی جگہ فوائت پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المفروضة.

(شامی:۲/۷۴،سعید۔ وکذا فی الهندیة:۱/۱۲۵۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۴۳،قدیمی)

احسن الفتاوی میں ہے:

قضاء نمازیں پڑھنے کے لئے سنتِ مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں بلکہ حضرات فقہاء نوافلِ ماثورہ مثل چاشت، اوابین اور صلاۃ التسبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کے پیشِ نظر موت سے قبل نمازوں سے سبکدوشی کی توقع ہو اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آرہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح دینا لازم ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۱۹)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ قضاءِ فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سننِ مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسقط میں خارجی اباضی کے پیچھے ۲۳ سال نمازیں پڑھیں، بعد میں معلوم ہوا

کہ وہ لوگ سری نماز میں سورت نہیں ملاتے، اب ۲۳ سال کی سری نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ۲۳ سالہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن كان تركه الواجب عمداً أثم ووجب عليه إعادة الصلاة تغليظاً عليه لجبر نقصها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل تكون الثانية فهي المسقطة فإن لم يعدها حتى خرج الوقت سقطت عنه مع كراهة التحريم هذا هو المعتمد. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي:٤٦٢، باب سجود السهو،قديمي)

عالمگیری میں ہے:

وتجب قراء ة الفاتحة وضم السورة أوما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة كذا في النهر الفائق. (الفتاوى الهندية:١/٧١)

شامی میں ہے:

إن تيقن المراعاة لم يكره أي المراعاة في الفرائض من شروط و أركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما هوظاهرسياق كلام البحر. (فتاوى الشامي: ١/٥٦٣، سعيد).

امدادالفتاوی میں ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: "بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شك كره" اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: "بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ" البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنى التأويل ما نقله في رد المحتارعن حاشية الرملي على الأشباه: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما في رد المحتار أي المراعات في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما

هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال :وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة .قلت:في التمثيل بالشافعي الذى الأصل فيه عدم التعصب...(امداد الفتاوی:۱/۳۰۶)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم:

سوال: کسی نے عمداً نماز ترک کر دی اس پر قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمہور کے نزدیک قضا واجب ہے بعض ظاہر یہ کا اس میں اختلاف ہے۔ قال ابن حزم فى المحلى:

”فإذا نسى أحدكم صلاة أونام عنها فليصلها إذا ذكرها“ وأما من تعمد ترك الصلاة حتى خرج وقتها فهذا لايقدر على قضائها أبداً فليكثر من فعل الخير وصلاة التطوع ليثقل ميزانه يوم القيامة وليتب وليستغفر الله عزوجل وقال أبوحنيفةؒ ومالكؒ والشافعيؒ يقضيها بعد خروج الوقت...... .(المحلى:۲/ ۲۳۵)

بداية المجتهد میں ہے:

وأما تاركها عمداً حتى خرج الوقت فإن الجمهور على أنه آثم وأن القضاء عليه واجب وذهب بعض أهل الظاهر إلى أنه لايقضى فإنه آثم وأحد من ذهب إلى ذلك أبومحمد بن حزم وسبب اختلافهم اختلافهم فى شيئين :أحدهما فى جواز القياس فى الشرع،والثانى فى قياس العامد على الناسي،إذا سلم جواز القياس فمن رأى أنه وجب القضاء على الناسي الذى قد عذره الشرع فى أشياء كثيرة فالمعتمد أحرى أن يجب عليه لأنه غير معذور أوجب القضاء عليه ومن رأى أن الناسي والعامد ضدان والأضداد لايقاس بعضها على بعض إذ أحكامها مختلفة وإنما تقاس الأشباه،لم يجز قياس العامد على الناسي،والحق فى هذا أنه إذا جعل الوجوب من باب التغليظ كان القياس سائغاً، وأما ان جعل من باب الرفق بالناسي والعذرله وأن لايفوته ذلك الخير فالعامد فى هذا ضد الناسي والقياس غير سائغ لأن الناسي معذور والعامد غير معذور.

والأصل أن القضاء لايجب بأمر الأداء وإنما يجب بأمرمجدد على ماقال المتكلمون لأن القاضي قد فاته وهو الوقت إذاكان شرطاً من شروط صحة والتأخيرعن الوقت في قياس التقديم عليه لكن قد ورد الأثربالناسي والنائم وتردد العامد بين أن يكون شبيهاً أوغيرشبيه والله الموفق للحق. (بداية المجتهد:۱/۱۳۲)

وتعقب ابن عبد البركلام ابن حزم فأجاب عنه وأنكرعليه أشد الإنكارفهذا بعض ما احتج به عبد البرفي كتابه الاستذكار:

(۱) وهوأن رسول الله ﷺ لم يصل هوولا أصحابه يوم الخندق صلاة الظهروالعصر حتى غربت الشمس لشغله بما نصبه المشركون له من الحرب ولم يكن يومئذٍ ناسياً ولانائماً ولاكانت بين المسلمين والمشركين يومئذٍ حرب قائمة ملتحمة،وصلى رسول الله ﷺ الظهوروالعصرفي الليل.

(۲)ودليل آخروهوأن رسول الله ﷺ قال بالمدينة لأصحابه يوم انصرافه من الخندق "لايصلين أحدكم العصرإلا في بني قريظة فخرجوا متبادرين وصلى بعضهم العصرفي طريق بني قريظة خوفاً من خروج وقتها المعهود ولم يصلها بعضهم إلا في بني قريظة بعد غروب الشمس فلم يعنف رسول الله ﷺ إحدى الطائفتين وكلهم غيرناس ولانائم وقد أخّربعضهم الصلاة حتى خرج وقتها ثم صلاها وقد علم رسول الله ﷺ ذلک فلم يقل لهم أن الصلاة لاتصلى إلافي وقتها ولاتقضى بعد خروج وقتها.

(۳) ودليل آخروهوقوله ﷺ سيكون بعدى أمراء يؤخّرون الصلاة عن ميقاتها قالوا أفنصليها معهم قال نعم.(وأتى بسنده الصحيح)

وقال:وفي هذا الحديث أن رسول الله ﷺ أباح الصلاة بعد خروج ميقاتهاولم يقل إن الصلاة لاتصلى إلافي وقتها.والأحاديث في تأخيرالأمراء الصلاة حتى يخرج وقتهاكثيرة جداً وقد كان الأمراء من بني امية أوأكثرهم يصلون الجمعة عند الغروب. (الإستذكار: ۱/۳۰۳،۳۰۴،بيروت)

وتمسک الجمهورأيضاً بهذه الوجوه:

(۱)ما يستفاد من قوله ﷺ المذكور أعني "من نسى صلاة أونام عنها فليصليها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك".

(الف)فيكون من باب التنبيه بالأدنىٰ على الأعلى لأنه إذ أوجب القضاء على الناسى مع سقوط الإثم والحرج عنه فالعامد أولىٰ.

(باء)لأنه لغفلته عنها بجهله وعدمه كالناسى ومتى ذكرتركه لها لزمه قضائها.

(جيم) والكفاره إنما تكون من الذنب والنائم والناسى لاذنب له وإنما الذنب للعامد. (إكمال المعلم:٢/٦٧١)

واستضعف إبن حجرؒ فى الفتح هذه الوجوه ورجّح الوجه الثانى:

وهوما يستفاد من قوله ﷺ: "فدين الله أحق أن يقضى" فالمعتمد قد خوطب بالصلاة ووجب عليه تأديتها فصارت ديناً عليه والدين لايسقط إلا بأدائه.(فتح البارى:٢/٧١)

(٢)تمسكوا أيضا بقياس تارك الصلاة عامدا على تارك الصوم عامدا:

فقال ابن عبد البرؒ:

وسوى الله تعالى فى حكمه على لسان نبيه ﷺ بين حكم الصلاة الموقوتة والصيام الموقوت فى شهررمضان بأن كل واحد منهما يقضى بعد خروج وقته.

فنص على النائم والناسى فى الصلاة لما وصفنا ونص على المريض والمسافرفى الصوم، وأجمعت الأمّة ونقلت الكافة فيمن لم يصم رمضان عامداً وهومؤمن بفرضه وإنما تركه أشراًوبطراً تعمد ذلك ثم تاب عنه أن على قضائه فكذلك من ترك الصلاة عامداً......

وإذاكان النائم والناسى للصلاة وهما معذوران بقضائها بعد خروج وقتها كان المعتمد لتركها المأثوم فى فعله ذلك أولىٰ بأن لايسقط عنه فرض الصلاة وأن يحكم عليه بالإتيان بها.(الاستذكار:١/٣٠١)

ومن شرائط التوبة أداء حقوق الله وحقوق العباد الواجبة على المكلف فمن ترك الصلاة ثم يتوب فعليه أن يقضى الصلاة المتروكة لإتمام توبته وتكميل استغفاره.

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: سنتوں کی قضا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنتوں کی قضا نہیں ہے مگر فجر کی سنت جب فرض کے ساتھ قضاء کرے زوال سے پہلے اور ظہر کی سنتِ قبلیہ فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں ان دونوں کے علاوہ اور سنتوں کی قضاء ثابت نہیں۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ قال: عرسنا مع النبی ﷺ فلم نستيقظ حتى طلعت الشمس......ثم دعا بماء فتوضأ ثم سجد سجدتين ثم أقيمت الصلاة فصلى الغداة. (رواه مسلم: ۱/۲۳۸،باب قضاء الصلاة الفائتة)

ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (راه ابن ماجه: ۸۰، باب من فاتته الأربع قبل الظهر)

تبیین الحقائق میں ہے:

لم تقض سنة الفجر إلا تبعاً للفرض إذا فاتت مع الفرض وقضاها مع الجماعة أو وحده لأن القياس فی السنة أن لاتقضى لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض وهو ماروى أنه عليه الصلاة والسلام قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس فيبقى ماوراه على الأصل وفيما بعد الزوال اختلف المشايخ......وأما غيرها من السنن فلا تقضى وحدها بعد الوقت واختلفوا فی قضائها تبعاً للفرض، وقضى اللتی قبل الظهر فی وقته أی وقت الظهر قبل شفعه أی قبل الركعتين اللتين بعد الفرض وهذا عند محمدؒ وعندهما يبدأ بالركعتين ثم يقضی الأربع...... (تبيين الحقائق: ۱/۱۸۳، باب ادراک الفريضة، امدادية. وكذا فی مجمع الأنهر باب ادراک الفريضة. وكذا فی الهداية: ۱/۱۵۲، باب ادراک الفريضة. وكذا فی امداد الفتاوی: ۱/۳۳۷، باب قضاء الفوائت).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قضائے عمری با جماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں قضائے عمری جماعت کے ساتھ اجتماعی طور پر ادا کرنے کا رواج ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد فجر سے عشاء تک کی نمازیں امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ لوگ پڑھتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ خیر القرون میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ مدلل بیان کیجئے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: قضائے عمری کا یہ طریقہ کہ رمضان کے آخری جمعہ میں قضا کرنا اور تمام نمازوں کی طرف کافی سمجھنا بدعت ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس سے متعلق جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

من قضى صلاة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابراً لكل صلاة فاتته في عمره إلى سبعين سنة. قال: باطل قطعاً لأنه مناقض للإجماع على أن شيئاً من العبادات لايقوم مقام فائتة سنوات ثم لاعبرة بنقل "صاحب النهاية" ولا ببقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين. (الموضوعات الكبرى، ص ٢٤٢، رقم: ٥١٩).

ومثله في كشف الخفاء: (٢/٢٧٢/٢٥٧٥).

نیز محدثین نے کسی روایت کے موضوع ہونے کی علامات بیان فرمائی ہے وہ بھی اس میں موجود ہیں:

(۱) عقل کے خلاف ہونا۔

(۲) مشاہدہ کے خلاف ہونا۔

(۳) نصوص کے خلاف ہونا۔

(۴) سنتِ متوارثہ اور اجماعِ قطعی کے خلاف ہونا۔

(۵) وعدو وعید میں افراط وتفریط سے کام لینا۔ (مستفاد از تدریب الراوی: ۲/۲۷۶، ۲۷۷).

مزید براں فقہی اصول کے بھی خلاف ہے۔ مثلاً امام متنفل اور مقتدی مفترض، **وهذا لايصح عندنا**۔ دونوں مفترض ہوں لیکن نمازوں کا الگ الگ ہونا۔ مثلاً امام کی پیر کے دن کی ظہر کی نماز ہے اور مقتدی کی منگل کے دن کی ہے۔

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ امام صاحب نے قضائے عمری ادا فرمائی تھی؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والجواب أولاً أنه لم يصح نقل ذلک عن الإمام . (ردالمحتار:۲/۳۸،سعید).

اور اگر بالفرض والتقدیر ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ: **أنه فعل احتياطاً وانفراداً لا جماعة على الإعلان** .

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح قضائے عمری ثابت نہیں اور شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل بھی نہیں ہے، یہ خراسان کے بعض علاقوں میں شروع ہوئی تھی۔ نیز قضا شدہ نمازوں کے لیے اذان واقامت کا اہتمام بھی فقہاء کے کلام کی روشنی میں درست نہیں۔

مروجہ قضائے عمری میں درجِ ذیل خرابیاں ومفاسد پائے جاتے ہیں:

❁ یہ نماز نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ فقہائے کرام سے مروی ہے۔ اس کا فاعل از روئے شریعتِ مقدسہ مبتدع اور مخترع ہے۔

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

إنها اختراع بدعي وضلالة ما أجاز لهم الشارع لذلک لا دلالة ، ولا إشارة ، ولا قياساً ، ولا إجماعاً ، وما رووه من حديث في ذلک كذب لاينبغي للمومن المحقق أن يصغي إليه . (مجموعة رسائل اللكنوى:۲/۲۲).

خیر الفتاویٰ میں ہے:

احادیثِ صحیحہ اور کتبِ معتبرہ میں قضائے عمری کا مسئلہ نہیں ملتا، اور مسئلہ حکمِ خداوندی کو کہتے ہیں، تو جب باسنادِ معتمدہ اس مسئلہ کی نسبت پیغمبر علیہ السلام اور مجتہدین کی طرف ثابت نہ ہو تو یہ شریعت اور خداوندِ قدوس پر افترا ہوگا کہ یہ بھی حق سبحانہ کا حکم ہے، اور واقعہ میں حکم ہونا ثابت نہیں۔ (خیر الفتاویٰ:۱/۶۰۹)۔

❁ قضائے عمری کے بارے میں جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ موضوع ہے۔ حدیث پر کلام اور تحقیق ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

باطل قطعاً لأنه مناقض للإجماع على أن شيئاً من العبادات لايقوم مقام فائتة سنوات

ثم لا عبرة بنقل " صاحب النهاية " ولا ببقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين. (الموضوعات الكبرى، ص۲٤۲، رقم: ٥١٩).

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

حديث من صلى في آخر جمعة من رمضان ... هذا موضوع لا إشكال فيه ولم أجده في شيء من الكتب التي جمع مصنفوها فيها الأحاديث الموضوعة ولكنه اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدينة صنعاء في عصرنا هذا وصار كثير منهم يفعلون ذلك ولا أدري من وضعه لهم فقبح الله الكذابين . (الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة، ص:٥٤، رقم ١١٥، المكتب الاسلامي بيروت، وكذا في الآثار المرفوعة في الاخبار الموضوعة للعلامة اللكنويؒ، ص:٨٥).

حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلویؒ عجالہ نافعہ میں رقمطراز ہیں:

الأمارة الخامسة: أن ما رواه الراوی يخالف ما اقتضاه العقل والشرع وتكذبه أصول الشرع كالقضاء العمرى ومثله . (العجالة النافعة، المندرجة في ابتداء " تنظيم الاشتات لحل عويصات المشكاة " ، ص:٧٢، ط: آرام باغ كراتشي).

وفي "شرح المواهب اللدنية " نقلاً عن "شرح منهاج النووى " لابن حجر المكى الهيتمى الشافعي المسمى بـ "التحفة" بعد ذكر قباحة حفيظة رمضان : و أقبح من ذلك ما اعتيد في بعض البلاد من صلاة الخمس في آخر جمعة من رمضان عقب صلاتها زاعمين أنها تكفر صلوات العام أو العمر المتروكة وذلك حرام بوجوه لاتخفى. (ملتقط من رسائل اللكنويؒ: ۲/٣٦٦).

ملاحظہ ہو شیخ ابراہیم حلبی (م۹۵۶ھ) اس قسم کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

موضوع باطل لا أصل له ولا يجوز العمل به ولا نقله إلا لبيان بطلانه كما هو شأن الأحاديث الموضوعة ويدلك على وضعه ركاكته والمبالغة الغير الموافقة للشرع والعقل فإن الأجر على قدر المشقة شرعاً وعقلاً وأفضل الأعمال أحمزها وإنما قصد بعض الملحدين بمثل هذا الحديث إفساد الدين وإضلال الخلق وإغراء هم بالفسق وتثبيطهم عن الجد في العبادة فيغتر به بعض من ليس له خبرة بعلوم الحديث وطرقه ولا ملكة يميزها بين

صحیحه وسقيمه ، قال الربيع بن خيثم: إن للحديث ضوء مثل ضوء النهار يعرفه وظلمة كظلمة الليل تنكره. وقال ابن الجوزی:إن الحديث المنكر يقشعر منه جلد الطالب للعلم وينفر منه قلبه فی الغالب انتهى. (شرح منية المصلی، ص۶۱۷، فصل فی مسائل شتی، ط:سهيل).

اور موضوع حدیث پر عمل جائز نہیں ہے۔

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

اعلم أنه قد صرح الفقهاء والمحدثين بأجمعهم فی كتبهم بأنه تحرم رواية الموضوع وذكره ونقله والعمل بمفاده مع اعتقاد ثبوته إلا مع التنبيه على أنه موضوع ويحرم التساهل فيه سواء كان فی الأحكام أو القصص أو الترغيب والترهيب أو غير ذلک و يحرم التقليد فی ذكره ونقله إلا مقروناً ببيان وضعه بخلاف الحديث الضعيف ... (الاثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة،ص۲۱،حرمة رواية الحديث الموضوع،دارالكتب العلمية).

❁ عوام اور کم علم خواص کا عقیدہ ہے کہ اس سے عمر بھر یا ستر سال یا کم از کم ایک سال کی فوت شدہ نمازوں سے آدمی فارغ البال ہو جاتا ہے۔

علامہ لکھنویؒ نقل فرماتے ہیں:

إنهم يعتقدون أن هذه الصلاة تكفيهم عن جميع الفوائت ، وهذا الاعتقاد يقلع أصل أحكام الإسلام. (مجموعة رسائل اللكنوی:۲/۲۲).

❁ لوگ اس کے لیے اس قدر اہتمام کرتے ہیں جتنا فرائض وواجبات کے لیے اہتمام نہیں کیا جاتا۔

❁ قضائے عمری کے لیے مسجد میں اذان دی جاتی ہے، جب کہ فقہاء کی تصریحات کہ بموجب یہ صحیح اور درست نہیں ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

وفی المجتبى معزياً إلى الحلوانی أنه سنة القضاء فی البيوت دون المساجد فإن فيه تشويشاً وتغليطاً ، وإذا كانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضى فی المسجد لما فيه من إظهار التكاسل فی إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة فی المسجد أولى بالمنع . (البحر الرائق:۱/باب الاذان، کوئٹه).

وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح،ص:،باب الأذان، وردالمحتار:

(۱/ ۳۹۰، ۳۹۱، سعید).

❁ قضا نمازوں کو تداعی اور تشہیر و جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ گناہِ کبیرہ کی تشہیر ''ضِغْثٌ على إبَّالَة'' ستم بالائے ستم'' کے قبیل سے ہے۔

وفی الدرالمختار: وینبغي أن لايطلع غيره على قضاء ه لأن التأخير معصية فلا يظهرها. وفی الشامية: قوله وينبغي ...أنه يكره قضاء الفائتة فی المسجد، وعلله الشارح بما هنا من أن التأخير معصية فلا يظهرها، وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الإطلاع عليه سواء كان فی المسجد أو غيره كما أفاده في المنح. قلت: والظاهر أن ينبغی هنا للوجوب وأن الكراهة تحريمية، لأن إظهار المعصية معصية، لحديث الصحيحين:'' كل أمتي معافى إلا المجاهرين، وإن من الجهار أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يصبح وقد ستره الله فيقول: عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه''. والله تعالىٰ أعلم. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/ ۷۷،سعيد).

الفتاوی الهندية میں ہے:

ولا يقضى الفوائت فی المسجد وإنما يقضيها فی بيته كذا فی الوجيزللكردی.

(الفتاوی الهندية:۱/ ۱۲۵).

وكذا فی حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: (۱/ ۱۸۷،كوئته)، **والدرالمختار مع رد المحتار** (۱/ ۳۹۱، سعيد).

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

إنها إعلان وتشهير لكبائر نفوسهم، وهوفسق. (مجموعة رسائل اللكنوی:۲/ ۲۲).

❁ یہ اعتقاد رکھنا کہ ایک نماز ادا کرنے سے سب قضا نمازیں ادا ہوگئیں اور ذمہ ساقط ہوگیا، بتصریح فقہاء موجبِ کفر ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

رجل يصلي فی رمضان لا غير ويقول: ''ایں خود بسیار است'' أويقول: ''زیادہ می آید'' لأن كل صلاة فی رمضان تساوی سبعين صلاة يكفر. (الفتاوی الهندية:۲/ ۲۶۸، موجبات الكفر).

(وكذا فی الفتاوی البزازية، وفی فصول العمادية، وفی جامع الفصولين، وفی كشف الوقاية).

علامہ لکھنوئیؒ نقل فرماتے ہیں:

إنهم يعتقدون أن هذه الصلاة تكفيهم عن جميع الفوائت ، وهذا الاعتقاد يقلع أصل أحكام الإسلام. (مجموعة رسائل اللكنوى:۲/ ۲۲).

امام کی نماز اور مقتدی کی نماز کا الگ ہونا، مثلاً امام کی پیر کے دن کی ظہر کی نماز ہے اور مقتدی کی منگل کے دن کی ہے۔اوراس کے باوجود اقتدا کرنا۔

مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہوتو اقتداء درست نہیں۔ملاحظہ ہومختصر القدوری میں ہے:

ولا من يصلي فرضاً خلف من يصلي فرضاً آخر. (مختصر القدوری:ص۴۲،باب الجماعة،سعيد).

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغاير الفرضان أى وصفة كمن صلى ظهر امس خلف من يصلي ظهر اليوم فإنه لايجوز. (الجوهرة النيرة:۷۳)

نورالایضاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام مصلياً فرضاً غيرفرضه. وقال المحشيؒ: قوله غيرفرضه: مثل أن يصلي المأموم صلاة الظهرمن يوم السبت والإمام من صلاة الظهرمن يوم الأحد. (نور الايضاح مع الحاشية:۷٦ باب الامامة،مجيديه)

نیز ملاحظہ ہو: مراقى الفلاح :۱۰۸ باب الامامة،مكة المكرمة۔امداد الفتاح:۳۳٤، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بيروت).

اصولِ شرعیہ کلیہ سے متصادم ہے۔شریعتِ مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ ہرنماز کی قضاضروری ہے، ایک نماز بھی اگر ذمہ میں باقی ہے تو فردابروزِ قیامت جواب دہی ہوگی۔نیز اگرصحیح تعداد معلوم نہ ہوتو اندازہ اور تخمینہ سے تعداد متعین کرے پھر یکے بعد دیگرے تمام نمازوں کی قضا کرے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالكؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" من نسي صلاة فليصل إذا ذكر لاكفارة لها إلا ذلك ﴿أقم الصلاة لذكرى﴾. (رواه البخارى:۱/ ۸٤،باب من نسى صلاة، فيصل).

ایک حدیث شریف میں صرف نمازِ عصر کے فوت ہونے کے بارے میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں۔
ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرؓ أن رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الذی تفوته صلاۃ العصر کأنما وتر أھله وماله. (رواہ البخاری، رقم:۵۵۲).

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن نوفل بن معاویةؓ أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: " من فاتته الصلاۃ فکأنما وتر أھله وماله ". قال شعیب الأرنؤوط: إسناده صحیح. (صحیح ابن حبان مع التعلیقات).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

من لا یدری کمیة الفوائت یعمل بأکبر رأیه فإن لم یکن له رأي یقض حتی یتیقن أنه لم یبق علیه شيء. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۴۴۷، ط:قدیمی).

❁ عظیم خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بدعت کسی قوم میں گھر کر جاتی ہے تو اس کے مثل سنت کے نور سے وہ قوم محروم ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خیر من إحداث بدعة. (رواہ احمد فی مسندہ، رقم: ۱۷۰۱۱، قال الشیخ شعیب: إسنادہ ضعیف لضعف ابی بکربن عبداللہ وھو ابن ابی مریم الغسانی الشامی، بقیة بن الولید، وإن کان مدلساً، وقد عنعن، توبع وباقی رجاله ثقات رجال الصحیح غیرغضیب بن الحارث (مختلف فی صحبته کما فی "التقریب").

دوسری روایت میں ہے کہ جب وہ سنت اٹھالی جاتی ہے تو پھر قیامت تک اس قوم کو نہیں دی جاتی۔
ملاحظہ ہو سنن دارمی میں ہے:

عن حسان بن عطیة (من ثقات التابعین) قال: ما ابتدع قوم بدعة فی دینھم إلا نزع اللّٰہ من سنتھم مثلھا ثم لایعیدھا إلیھم إلی یوم القیامة. (رواہ الدارمی فی سننه، رقم:۹۹).

قلت: إسنادہ صحیح إلا أنه من قول حسانؒ وھو تابعی، ثقة، فقیه، عابد.

﴿ تلک عشرۃ کاملة ﴾

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مفاسد کی وجہ سے مروجہ قضائے عمری بدعت ہے۔
بطورِ قولِ فیصل علامہ لکھنویؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وبالجملة فهذه الصلاة التي اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة ، وأداء ها مع ما زعموا أنه قضاء لما فات خلاف المعقول والمنقول ، ومضاد للفروع والأصول ، والذى يدل على أن الصلاة المذكورة لا أصل لها خلو أكثر الكتب المعتمدة عن ذكرها ... و كذلك كتب الشافعية والمالكية والحنبلية خالية عن ذلك ، ومن المعلوم أنه لو كان لها أصل لبادروا إلى ذكرها، وذكر فضلها ، كيف لا وهذه الصلاة على ما زعموا من أفضل الصلوات ، حيث يكون أداء ركعات عديدة كفارة بجميع فوات العمر، بل عن فوائت الأجداد والأحفاد ، فالغفلة عن مثل هذه الصلاة غفلة عظيمة ، وهذا صاحب ''جامع الرموز'' جامع كل رطب ويابس لم يتنبه له، وصاحب ''إحياء العلوم'' مع اهتمامه بذكر العبادات الفاضلة وإن كانت رواياتها ضعيفة لم يتعرض له ، وصاحب '' خزانة الروايات '' الجامع بين كل غث وسمين لم يذكره ، وهذا كله يدل على عدم العبرة به. (ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان،ص۱۳، مندرجة تحت مجموعة رسائل اللكنوى:۲/۳۵۸،المكتبة الامدادية).

و للاستزادة انظر : (مجموعة رسائل اللكنوى'' ردع الاخوان من محدثات آخر جمعة رمضان '' : ۱/ ۲۱ ، وفتاویٰ حقانیہ:۳/۳۰۱،وفتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۷، ۳۲۱،وکفایت المفتی:۳/۳۸۲،وفتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۳۵).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
”إذا لم یدر أزاد أم نقص
فلیسجد سجدتین وھو جالس“
(مصنف ابن أبی شیبة)

باب......﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

باب ...... ﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی بعض آیات مکرر پڑھ لیں تو سجدۂ سہو واجب ہے یا اعادۂ صلاۃ ہے؟

الجواب: اگر تکرارِ فاتحہ سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر عمداً ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے لیکن کتنی تکرار موجبِ سہو یا سببِ اعادہ ہے تو شامی میں اکثر فاتحہ اور طحطاوی میں بعض کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ بعض سے اکثر یعنی نصف سے زائد مراد لیا جائے اس میں آسانی ہے لہذا اگر نصف سے زائد کو سہواً مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور قصداً کیا تو اعادہ واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

ولو كرر الفاتحة أوبعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو،قديمی)

شامی میں ہے:

قوله وكذا ترك تكريرها: فلوقرأها في ركعتين من الأوليين مرتين وجب سجود السهولتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها،وكذا لوقرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (شامی: ١/ ٤٦٠، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے الحمد دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ

پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ :۲/۳۶۴،مجددیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی کسی ایک آیت کا تکرار نماز میں کرلیا تو کیا سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سورۃ فاتحہ کے کسی ایک آیت کے تکرار سے نماز صحیح ہے سجدہ سہو واجب نہیں، ہاں اکثر فاتحہ کی تکرار موجب سجدۂ سہو ہے، اس قول میں آسانی ہے لہذا ایک آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونا چاہئے۔ ملاحظہ ہو رد المحتار میں ہے:

(قوله وكذا ترك تكريرها)فلوقرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهولتاخير الواجب وهوالسورة كما في الذخيرة وغيرها،وكذا لوقرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية.(رد المحتار:١/٤٦٠، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ولوقرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة كذا في الذخيرة وغيرها...... وقراءة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراءتها مرتين كما في الظهيرية.(البحرالرائق: ٢/٩٤، کوئٹہ)

عمدۃ الفقہ میں مذکور ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ :۲/۳۶۴،مجددیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز میں واجب چھوٹ گیا پھر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدۂ سہو کرے گا یا نماز کا اعادہ کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر نماز کے بعد اسی جگہ پر بیٹھا ہے اور بات چیت بھی نہیں کی یعنی مفسدِ صلاۃ کوئی امر پیش نہیں آیا تو سجدۂ سہو کرلے نماز درست ہوجائے گی، لیکن اگر مفسدِ صلاۃ کوئی کام کرلیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناوياً للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسى السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامي: (قوله لبطلان التحريمة) أى بالتحول أو التكلم، وقيل لايقطع بالتحول مالم يتكلم أو يخرج من المسجد كما في الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسى السهو)......وهى مالو كان عليه سهوية فقط......ففى هذه كلها إذا سلم ناسياً لما عليه كله أولما سوى السهوية لايعد سلامه قاطعاً، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذى تذكره......(قوله مادام في المسجد) أى وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجد كله في حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة، وأما إذا كان في الصحراء فإن تذكر قبل أن يجاوز الصفوف من خلفه أو يمينه أو يساره عاد إلى قضاء ما عليه، لأن ذلك الموضع ملحق بالمسجد، وإن مشى أمامه فالأصح اعتبار موضع سجوده أو سترته إن كان له سترة بين يديه كما في البدائع والفتح......في البدائع من أن السجود لايسقط بالسلام ولو عمداً إلا إذا فعل فعلاً يمنعه من البناء بأن تكلم أو قهقه أو أحدث عمداً أو خرج من المسجد أو صرف وجهه عن القبلة وهو ذاكر له لأنه فات محله وهو تحريمة الصلاة فسقط ضرورة فوات **محله**. (الدر المختار مع الشامي: ٢/ ٩١، باب سجود السهو، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٤٧٦، باب سجود السهو، قديمى - بهشتى زيور ٢/ ١٦٠ - احسن الفتاوى: ٤/ ٤٦) - **واللہ ﷻ اعلم۔**

حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، پہلی، تیسری اور چوتھی میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إن قرأ (التشهد) في قيام الأولى قبل الفاتحة أو في الثانية بعد السورة أو في الأخريين

مطلقاً لاسهو عليه وإن قرأ في الأوليين بعد الفاتحة والسورة أوفي الثانية قبل الفاتحة وجب عليه السجود لأنه أخّرواجباً. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو۔ وكذا في تبيين الحقائق:١/١٩٣ ـوشرح منية المصلي:٤٦٠ ـوالفتاوى الهندية:١/١٢٧)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: کسی نے التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تشہد کی جگہ فاتحہ یا قراءت کرلی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روى عن أبي حنيفةؒ في الواقعات الناطفية وذكرهناك إذا بدأ في موضع التشهد بالقراءة ثم تشهد فعليه السهو. (الفتاوى الهندية:١٢٧١،الباب الثاني عشرفي سجود السهوـو كذا في امداد الفتاح:٥١٠، باب سجود السهو،بيروت۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو،قديمي۔ وفتاوى رحيميه:١/٢٤٢)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟

سوال: اگر کسی حافظ نے نمازِ تراویح میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تکرارِ فاتحہ ضمِ سورت کے بعد ہے لہذا سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوقرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهووقيل يلزمه. (شرح منية المصلى:٤٦٠، سهيل)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولوقرأ فيهما الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة ساهياً لم يجب عليه سهووصاركأنه قرأ سورة طويلة. (الجوهرة النيرة:٩٢، باب سجود السهو،امدادية ملتان۔وكذا في الفتاوى الهندية:١/١٢٦۔ وفتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/١٢١ ـوالدر المختار:١/٤٢٩،سعيد)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سننِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں بھول سے درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ سننِ مؤکدہ میں جمعہ کی بعد والی چار رکعت کا حکم مختلف ہے چونکہ ان چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا لازم نہیں اس لئے اگر درود شریف قعدۂ اولیٰ میں پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولایصلي علی النبی ﷺ فی القعدة الأولیٰ فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لوصلی ناسیاً فعلیه السهو، وقیل لا (وفی الشامیة) أقول: قال فی البحر فی باب صفة الصلاة إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر لما صرحوا به من أنه لاتبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلی الشفع الثانی منها، ولو أفسدها قضی أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها، وأما الأربع بعد الجمعة فغیر مسلم فإنها کغیرها من السنن، فإنهم لم یثبتوا لها تلک الأحکام المذکورة ومثله فی الحلیة وهذا مؤید لما بحثه الشرنبلالی من جوازها بتسلیمتین لعذر...... (قوله وقیل لا) قال فی البحر: ولایخفی ما فیه، والظاهر الأول. (الدر المختار مع الشامی: ۲/۱۶، باب الوتر والنوافل، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۱، واجبات الصلاة، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۷، سجود السهو۔ وأحسن الفتاوی: ۴/۲۹، باب سجود السهو)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: منفرد اگر سری نماز میں جہر سے دو آیتیں یا تین آیتیں پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں اور اگر امام ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں منفرد پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔ ہاں امام نے تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جہر سے پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات واختلفت الروایة فی المقدار والأصح قدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین لأن الیسیر من الجهر والإخفاء لایمکن الاحتراز عنه وعن الکثیر

یمکن إلی قوله......وهذا فی حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر و المخافتة من خصائص الجماعة. (الهداية:۱/۱۵۸۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۱۲۔وکذا فی شرح العناية علی الهداية:۱/۵۰۵۔والشامی:۲/۱۸،باب سجود السهو،سعید).

درمختار میں ہے:

ولوقرأ آية طويلة فی الرکعتين فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه يزيد علی ثلاث آيات قصار قاله الحلبی......وفی الشامی:(قوله لأنه يزيد علی ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد علی ثلاث آيات قصار يصح علی قولهما فعلی قول أبی حنيفةؒ المكتفی بالآية أولیٰ.قال فی البحر :وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فی كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراء ته قارئاً عرفاً......وفی التاتارخانية والمعراج وغيرهما:لوقرأ آية طويلة كآية الكرسی أو المداينة البعض فی ركعة و البعض فی ركعة اختلفوا فيه علی قول أبی حنيفةؒ......وعامتهم علی أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد علی ثلاث قصار أو يعدلها فلاتكون قراء ته أقل من ثلاث آيات...... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون...... (الدر المختار مع الشامی:۱/۵۳۷، فصل فی القراءة)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سہواً یعنی بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولوسلم ساهياً إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا......وفی الشامی:(قوله وإلا لا)أی وإن سلم معه أوقبله لايلزمه لأنه مقتد فی هاتين الحالتين،وفی شرح المنية عن المحيط إن سلم فی الأولیٰ مقارناً لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به،وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلی هذا يراد بالمعية حقيقتها وهونادر الوقوع، قلت:يشير إلی أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب

عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له. (الدر المختار مع الشامی:۱/۵۵۹، سعید۔و کذا فی الطحطاوی:۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولايسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكراً لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكراً له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أوسلما معاً لايلزمه لأن سهوه سهو المقتدى وسهو المقتدى متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضى مافاته ثم يسجد للسهو فى آخر صلاته. (بدائع الصنائع:۱/۱۷۶،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی تین رکعت فوت ہوگئی امام کے سلام کے بعد کھڑا ہوا تو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہیں ملائی اس کے بعد دونوں رکعتوں میں سورت ملائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق جو پہلی رکعت ادا کرتا ہے اس میں ضم سورت ضروری ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سہواً ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے اور نماز درست ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو رد المحتار میں ہے:

(قوله ويقضى أول صلاته فى حق قراءة الخ) هذا قول محمدؒ كما فى مبسوط السرخسى،وعليه اقتصر فى الخلاصة وشرح الطحاوى والاسبيجابى والفتح والدرر والبحر وغيرهم وذكر الخلاف كذلك فى السراج لكن فى صلاة الجلابى أن هذا قولهما وتمامه فى شرح إسماعيل.وفى الفيض عن المستصفى:لوأدركه فى ركعة الرباعى يقضى ركعتين بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة، و ظاهر كلامهم اعتماد قول محمدؒ. (رد المحتار:۱/۵۹٦، احکام المسبوق،سعید)

ردالمحتار میں ہے:

(قوله فی الأوليين)تنازع فيه قراءة وضم فی قول المصنف قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة لأن الواجب فی الأوليين كل منهما فافهم . (رد المحتار: ۴۵۹/۱، باب الواجبات۔وكذا فی الفتاوی الهندية: ۷۱/۱، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايجب السجود إلابترك واجب أوتأخيره أو تأخير ركن أوتقديمه أوتكراره أوتغييرواجب بأن يجهرفيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهوترك الواجب، كذا في الكافي. (الفتاوی الهندية: ۱۲۶/۱)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگرکسی شخص نے فرض کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعدسورت شروع کردی پھر یاد آنے پر چھوڑ دی تو نماز کا کیا حکم ہے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض کی تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے سورت ملانا خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے، البتہ اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن كانت تلك الصلاة فريضة ثلاثية أورباعية فهومخيرفيما بعدالأوليين والقراءة أفضل وإن قرأ يقرأ الفاتحة فحسب ولايزيدعليها شيئاً لمافی البخاری من حديث أبی قتادة رضي الله عنه "أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يقرأ فی الظهر فی الأوليين بأم القرآن وسورتين وفی الركعتين الأخريين بأم الكتاب" الحديث .فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهياً......فی أظهر الروايات لايجب عليه سجودالسهولأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقديروالتقييد بالفاتحة مسنون لا أن الاقتصارعليها واجب .(شرح منية المصلی:ص ۳۳۱،سهيل اكيدمی)

شامی میں ہے:

وهل يكره فی الأخريين ؟ المختارلا أی لايكره تحريماً بل تنزيهاً لأنه خلاف السنة ... وفی البحرعن فخرالإسلام أن السورة مشروعة فی الأخريين نفلاً، وفی الذخيرة: أنه

المختار، وفی المحیط: وهو الأصح. والظاهر أن المراد بقوله نفلاً الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولىٰ كما أفاده في الحلية. (شامی: ۱/۴۵۹، واجبات الصلاۃ، سعید) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہوتو تکرارِ سہو کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو کرنے کے بعد التحیات کی جگہ سورتِ فاتحہ پڑھنے لگا تو کیا دوبارہ سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہے بلکہ پہلا کافی ہے تکرارِ سہو مشروع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وإن تكرر ترك الواجب حتى لايجب عليه أكثر من سجدتين. (تبیین الحقائق: ۱/۱۹۱، باب سجود السهو، امدادیہ ملتان)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو سهى في صلاته مراراً يكفيه سجدتان. (خلاصة الفتاوی: ۱/۱۷۳، رشیدیة)

شامی میں ہے:

(قوله وإن تكرر) حتى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهواً لايلزمه إلاسجدتان بحر، لأن تكراره غير مشروع، سيأتي أن المسبوق يتابع إمامه فيه ثم إذا قام لقضاء مافاته فسها فيه يسجد أيضاً فقد تكرر، وأجاب في البدائع بأن المسبوق فيما يقضي كالمنفرد فهما صلاتان حكماً وإن كانت التحريمة واحدة. (شامی: ۲/۸۰، باب سجود السهو، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

الخامس أنه لايتكرر الوجوب بترك أكثر من واجب حتى لو ترك جميع الواجبات ساهياً فإنه لايلزمه أكثر من سجدتين لأنه تاخير عن زمان العلة وهو وقت وقوع السهو مع أن الأحكام الشرعية لا تؤخر عن عللها فعلم أنه لايتكرر إذ الشرع لم يرد به وسيأتي أن المسبوق يتابع إمامه في سجود السهو ثم قام إلى القضاء وسها فإنه يسجد ثانياً فقد تكرر

سجود السهو أجاب عنه في البدائع بأن التكرار في صلاة واحدة غير مشروع وهما صلاتان حكماً وإن كانت التحريمة واحدة لأن المسبوق فيما يقضي كالمنفرد......وعلله في المحيط بأن السجدة المتقدمة لاترفع النقصان المتأخر ،فأما السجدة المتأخرة فإنها ترفع النقصان المتقدم. (البحر الرائق:۲/۹۹، باب سجود السهو،الماجديه)

بحر کی عبارتِ مذکورہ سے شبہ ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد کچھ نقصان ہوا تو جابر نہ ہوگا کیونکہ علت حکم سے مؤخر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ علت حکم پر مقدم ہو،اس کا جواب یہ ہے کہ نماز گویا ایک ہی فعل ہے تو ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہونا چاہئے اور اگر چہ علت مؤخر ہے لیکن علتِ متقارنہ ہونے کی وجہ سے اگلے حکم کو بھی متضمن ہے۔

پھر دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ محیط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو اگلے نقصان کا جابر ہے لیکن پچھلے کا نہیں تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسبوق کے لئے ہے یعنی مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں اتباع کرے گا پھر اپنی نماز میں کوئی غلطی کرے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا اور یہ اس وجہ سے کہ مسبوق کی نماز حکما ایک نہیں ہے علیحدہ ہے یعنی امام کے ساتھ مقتدی ہونے کی بناپر سجدۂ سہو کرے گا اور بعد میں منفرد ہونے کی بناپر۔

بہشتی زیور میں ہے:

سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔(بہشتی زیور:۲ز ۴۰۸۔وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۴٦۴،باب سجود السہو،قدیمی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قعدہ میں تشہد پڑھ لیا پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قعدہ اولی میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن قرأ بعد التشهد فإن كان في الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وإن كان في الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له في الدعاء والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو،قديمي۔وكذا في الفتاوى الهندية:١/١٢٧)

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو کر واپس آنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص چوتھی رکعت میں بیٹھا تشہد بھی پڑھ لیا پھر کھڑا ہو گیا یاد آیا تو واپس بیٹھ گیا اب دوبارہ تشہد پڑھے یا سجدۂ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ تشہد نہ پڑھے پہلا کافی ہے، ہاں سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم وسجد للسهو، وفي الشامي: قوله عاد وسلم أي عاد للجلوس لما مر أن ما دون الركعة محل للفرض وفيه إشارة إلى أنه لايعيد التشهد وبه صرح في البحر. (الدر المختار مع الشامي:۲/۸۷، باب سجود السهو، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن قعد الجلوس الأخيرة قدر التشهد ثم قا م ولو عمداً وقرأ وركع عاد للجلوس لأن مادون الركعة بمحل الفرض وسلم......وسجد للسهو لتأخير السلام. (مراقي الفلاح:۱۸۰، باب سجود السهو، مكة المكرمة۔ وكذا في البحر الرائق:۲/۹۳، باب سجود السهو۔ وكذا في عمدة الفقه:۲/۳۶۹۔ وكذا في شرح منية المصلي:۴۶۳، سهيل ۔ وكذا في فتاوى محمودية: ۷/۴۲۹، باب سجود السهو، جامعه فاروقيه)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص سجدۂ سہو بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر لیا اور سینہ بھی قبلہ سے پھیر لیا اب سجدۂ سہو کر سکتا ہے یا اعادہ کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے نماز درست ہو جائے گی اعادہ ضروری نہیں لیکن مسجد سے نکل جانے کے بعد اعادہ ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناوياً للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسي السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما

دام فی المسجد. وفی الشامیة: (قوله لبطلان التحريمة) أی بالتحول أو التكلم، وقيل لايقطع بالتحول ما لم يتكلم أو يخرج من المسجد كما فی الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسی السهو)......وهی ما لو كان عليه سهوية فقط......ففی هذه كلها إذا سلم ناسياً لما عليه كله أو لما سوی السهوية لايعد سلامه قاطعاً، فإذا تذكر يلزمه ذلک الذی تذكره......(قوله مادام فی المسجد) أی وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجد كله فی حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة. (الدر المختار مع الشامی: ۹۱/۲، باب سجود السهو، سعيد۔ وكذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٤٧٦، باب سجود السهو، قديمی۔ وكذا فی شرح العناية علی هامش فتح القدير: ٥١٦/١، باب سجود السهو، دار الفكر۔ وكذا فی احسن الفتاوی: ٤٦/٤۔ وبهشتی زيور: ١٦٠/٢)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم:

سوال: مقتدی کا تشہد پورے ہونے سے پہلے امام سجدۂ سہو کرنے لگا تو مقتدی کیا کرے؟ پورا کرے یا اتباع کرے فی الفور؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدی تشہد جلدی سے پورا کر لے پھر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہوجائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ فی الفور اتباع کرلے لیکن اس میں ترکِ واجب لازم آتا ہے اور تشہد پورا کرنے میں صرف تاخیر ہے جو اخف البلیتین ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کر لے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

تنبيه: من الواجب متابعة المقتدی إمامه فی الأركان الفعلية......أما لو قام الإمام إلی الثالثة قبل أن يتمّ المقتدی التشهد فإنه يتمّ ثم يقوم لأن التشهد واجب وإن لم يتمّ وقام للمتابعة جاز وكذا لو سلم فی القعدة الأخيرة قبل أن يتمّه بخلاف ما إذا رفع رأسه قبل التسبيح أو سلّم قبل الصلاة عليه ﷺ فإنه يتابعه، والحاصل أن متابعة الإمام فی الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب آخر لاينبغی أن يفوت ذلک الواجب بل يأتی به ثم يتابع لأن الإتيان به لايفوت المتابعة بالكلية وأنما يؤخرها، والمتابعة مع قطعه

تفوت الواجب بالكلية فكان الإتيان بالواجبين مع تأخير أحدهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية بخلاف ما إذا عارضها سنه لأن ترك السنة أخف من تأخير الواجب. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:۲۵٦، فصل فى واجبات الصلاة،قديمى ـو كذا فى الدر المختار مع رد المحتار:۱/ ۴۷۰، فى تحقيق متابعة الإمام ـو كذا فى شرح منية المصلى:۲۹٦ سهيل)ـ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی کسی ظہر میں تین رکعت فوت ہوئیں جب ادا کرتا ہے تو پہلی پر قعدہ نہیں کیا دو رکعت پر قعدہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فوت شدہ رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت پر بیٹھ جائے پھر دو رکعات پڑھ کر اخیری رکعت پر قعدہ کرے اس طرح نماز پوری کرے، لیکن اگر کسی نے پہلی پر قعدہ نہیں کیا اور امام کے بعد دوسری پر قعدہ کیا تو بھی استحساناً جائز اور درست ہے نہ سجدۂ سہو لازم اور نہ اعادہ۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أن جندباً ومسروقاً أدركا ركعة يعنى من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق فى الثانية والثالثة وقام جندب فى الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلك فأتيا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقال كل قد أصاب أوقال كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبرانى فى الكبير بأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفى هذه الطريق جابر الجعفى والأكثر على تضعيفه۔ (مجمع الزوائد:۲/ ۸٦، باب فيما يدرك مع الإمام وما فاته،دار الفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ فى الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد فى أوليهما لأنها ثنائية ولولم يقعد جاز استحساناً لاقياساً وولم يلزمه سجود السهو لو سهواً لكونها أولىٰ من وجه. (شرح منية المصلى:٤٦٨، فصل فى سجود السهو،سهيل ـو كذا فى الدر المختار مع الشامى:۱/ ۵۲۳، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أوبعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهومنفرد فيما يقضيه. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعل المقتدى۔وكذا فى الشامى: ۱/۵۹۷، باب الامامة، سعيد)۔**والله ﷻ اعلم۔**

سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کوئی نمازی سورت ملانا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو واپس آنا ضروری ہے یا رکوع پورے کر کے آخر میں سجدہ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں واپس آنا چاہئے اور سورت ملانے کے بعد رکوع دوبارہ کر لے، لیکن اگر واپس نہیں آیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز درست ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولوترك السورة فتذكرما في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود فأنه يعود ويقرأ السورة و يعيد الركوع ، و عليه السهو لأنه بقراءة السورة وقعت فرضاً فيرتفض الركوع حتى لولم يعده فسدت صلاته. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۴۶۰، باب سجود السهو۔وكذا فى الشامى: ۲/۸۵، باب سجود السهو۔وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد مااستتم قائماً اختلف التصحيح في فساد صلاته وأرجحهما عدم الفساد لأن غاية ما في الركوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة وهووإن كان لايحل لكنه بالصحة لايخل......وقال صاحب البحرو الحق عدم الفساد. (مراقى الفلاح: ۱۷۹، باب سجود السهو، مكة المكرمة)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ چھوڑ کر قیام کی طرف چلا گیا پھر دوبارہ آ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی حالانکہ فقہاء نے فرض سے واجب کی طرف لوٹنے کو منع فرمایا لیکن لوٹ آیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی، تو صورتِ مسئولہ میں بھی فقہاء نے رکوع سے لوٹنے کو فرمایا تا کہ جو واجب چھوٹ گیا تھا اس کی تلافی کر لے اور جب نہیں لوٹا تو بدرجۂ اولیٰ نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ رکوع سے نہ لوٹنا تو اخف ہے بنسبت اس کے جس میں قیام سے

قعدہ کی طرف لوٹنا پایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں رکوع سے واپس نہ آنے کی صورت میں بھی سجدہ سہو کافی ہوگا اور نماز درست ہے، اگرچہ بعض مفتی حضرات نے فرمایا کہ نہ لوٹنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۴/۲۳۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صاحبِ درمختار نے مفسدِ صلاۃ کہا ہے لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو ظن الإمام السهو وسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد. وفي الشامي: وفي الفيض: وقيل لاتفسد وبه يفتي وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليثؒ: في زماننا لاتفسد لأن الجهل في القراء غالب. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۹۹، سعید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ظہر کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کا کچھ حصہ جہراً پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ یاد رہے اس نے پہلی دو رکعتوں میں سری قراءت کی ہے۔

الجواب: امام کے لئے جہری نماز میں جہر واجب ہے اسی طرح سری نماز میں سراً قراءت کرنا واجب ہے، لہذا سری کی جگہ تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اور اگر منفرد ہے تو اس کو جہر کی جگہ سر کا اختیار ہے لیکن سر کی جگہ جہر کرنے کا اختیار نہیں لہذا اس کے لئے بھی یہی حکم ہے یعنی تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ ظاہر الروایہ کے مطابق منفرد پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

والحاصل أن الجهر في الجهرية لايجب على المنفرد اتفاقاً وإنما الخلاف في وجوب الإخفاء عليه في السرية، وظاهر الرواية عدم الوجوب كما صرح بذلك في التتارخانية عن

المحيط، وكذا في الذخيرة وشروح الهداية كالنهاية والكفاية والعناية ومعراج الدراية. وصرحوا بأن وجوب السهو عليه إذاجهرفيما يخافت رواية النوادر،فعلى ظاهرالرواية لاسهوعلى المنفرد إذاجهرفيما يخافت فيه وإنما هوعلى الإمام فقط. (شامی:۲/ ۸۱،باب سجودالسهو،سعید)

ملاحظہ ہوشرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوجهرالإمام فيما يخافت أوخافت فيما يجهرقدرما تجوزبه الصلاة يجب سجود السهوعليه وهوأي التقديربمقدارما تجوزبه الصلاة هوالأصح وإلا فلايجب. (شرح منية المصلى:۱/ ٤٥٧،سهيل۔وكذا في الفتاوى الهندية:۱/ ۱۲۸۔والدرالمختار:۱/ ۵۳۳۔والهداية: ۱/ ۱۵۷۔ومجمع الأنهر:۱/ ۱۰۲)

ہدایہ میں ہے:

ولوجهرالإمام فيما يخافت أوخافت فيما يجهرتلزمه سجدتا السهولأن الجهرفي موضعه والمخافتة في موضعها من الواجبات واختلفت الرواية في المقداروالأصح قدرما تجوزبه الصلاة في الفصلين لأن اليسيرمن الجهروالإخفاء لايمكن الاحترازعنه وعن الكثير يمكن إلى قوله......وهذا في حق الإمام دون المنفرد لأن الجهروالمخافتة من خصائص الجماعة. (الهداية:۱/ ۱۵۸۔وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۱/ ۱۲۔وكذا في شرح العناية على الهداية:۱/ ۵۰۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار:

سوال: تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: ایک آیت کی مقدار جس سے نماز کی فرضیت ادا ہوجاتی ہے، تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اور تین چھوٹی آیات کی مقدار ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولوقرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه يزيدعلى ثلاث آيات قصارقاله الحلبي......وفي الشامي:(قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن

نصف الآية الطويلة إذاكان يزيد على ثلاث آيات قصاريصح على قولهما فعلى قول أبى حنيفةؒ المكتفى بالآية أولىٰ.قال فى البحر:وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فى كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراء ته قارئاً عرفاً......وفى التاتارخانية والمعراج وغيرهما:لوقرأ آية طويلة كآية الكرسى أوالمداينة البعض فى ركعة والبعض فى ركعة اختلفوا فيه على قول أبى حنيفةؒ ......وعامتهم على أنه يجوزلأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصارأويعدلها فلاتكون قراء ته أقل من ثلاث آيات...... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون...... (الدرالمختارمع الشامى:۱/۵۳۷، فصل فى القراءة۔ و فى فتح القدير:۱/۳۳۲،دارالفكر۔ومجمع الأنهر:۱/۱۰۴۔وشرح منية المصلى:۱/۲۷۸،سهيل۔وبدائع الصنائع:۱/۱۱۲،سعيد)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

بسم الله الرحمن الرحيم

”قرأ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
النجم بمکة فسجد فیھا وسجد معہ“

(بخاری ومسلم)

سجدۂ تلاوت کا بیان

باب ...... ﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ لی لیکن سجدہ نہیں کیا تین آیات پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا اب وہ کیا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب یاد آیا اس وقت فوراً سجدۂ تلاوت کر لے نماز درست ہوجائے گی۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزئ عنها أيضاً سجودها أى سجود الصلاة إذا لم ينقطع فور التلاوة وانقطاعه أن يقرأ أكثر من آيتين بعد آية سجدة التلاوة وبالإجماع وقال شمس الأئمة الحلوانيؒ: لاينقطع الفور ما لم يقرأ أكثر من ثلاث آيات وقال الكمال: إن قول شمس الأئمةؒ هو الرواية......إذا انقطع فور التلاوة صارت ديناً فلا بد من فعلها بنية فيأتى لها بسجود أو ركوع خاص. (مراقی الفلاح :۱۸۵، باب سجود التلاوة ،مكة المكرمة)

اگر دوسرے کسی رکن میں یاد آیا تب بھی فوراً ادا کر لے اور اس رکن کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولو تذكر المصلى فى ركوعه أو سجوده أنه ترك سجدة صلبية أو تلاوية فانحط من ركوعه بلا رفع أو رفع من سجوده فسجدها عقب التذكر أعادهما أى الركوع والسجود

ندباً لسقوطه بالنسيان وسجد للسهو. وفي الشامي: قيد بالركوع أو السجود لأنه لوتذكر السجدة في القعدة الأخيرة فسجدها أعاد القعدة نهر، قوله لسقوطه أي سقوط وجوب الإعادة المبني على وجوب الترتيب، فإن الترتيب فيما شرع مكررمن أفعال الصلاة واجب، يأثم بتركه عمداً ويسقط بالنسيان وينجبربسجود السهو. (الدرالمختارمع الشامي: ۱/۶۱۲، باب الاستخلاف، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سورۂ صٓ کے سجدہ کی تحقیق:

سوال: سورۂ صٓ کا سجدہ لفظ ﴿أناب﴾ پر ہے یا ﴿حسن مآب﴾ پر اگر کسی نے ﴿حسن مآب﴾ کی جگہ ﴿أناب﴾ پر سجدہ کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سورۂ صٓ کا سجدہ ﴿حسن مآب﴾ پر ہے اگر کسی نے ﴿أناب﴾ پر کر لیا تو بھی ایک قول کے مطابق ادا ہوجائے گا، اور سورۂ صٓ کے علاوہ دیگر جگہوں پر لفظ سجدہ سے قبل سجدہ کیا تو دوسرا سجدہ لازم ہوگا اور سجدۂ سہو بھی لازم ہوگا۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

نقول نحن نسجد ذلك شكراً لما أنعم الله على داؤد عليه السلام بالغفران والوعد بالزلفى وحسن المآب ولهذا لايسجد عندنا عقيب قوله وأناب بل عقيب قوله مآب. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۷، سعید کمپنی)

مراقی الفلاح میں ہے:

وصٓ ﴿وظن داؤد إنما فتناه فاستغفرربه وخرراكعاً وأناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنالزلفىٰ وحسن مآب﴾ وهذا هوالأولىٰ مما قال الزيلعي تجب عند قوله تعالىٰ: ﴿وخرراكعاً وأناب﴾ وعند بعضهم عند قوله تعالىٰ: ﴿وحسن مآب﴾. (مراقی الفلاح: ۱۸۴، باب سجود التلاوة، مكة المكرمة)

شامی میں ہے:

(قوله من كل واحد حرفاً) لما تقدم أن الموجب للسجدة تلاوة أكثرالآية مع حرف السجدة و الظاهر أن المراد بالحرف الكلمة و يكون الحرف الحقيقي مفهوماً بالأولى.

(شامی: ۲/۱۱۸، باب سجود التلاوۃ،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایجب السجود إلابترک واجب أوتأخیره أوتأخیرركن أوتقديمه أوتكراره أوتغير واجب بأن يجهرفيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهوترک الواجب كذا في الكافي. (الفتاوی الهندیة:۱/۱۲٦)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ سورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت حسن مآب پر کیا جائے اناب پر سجدہ کرنا خلافِ احتیاط ہے۔شامی میں ہے:**وفي صٓ عند حسن مآب فهوأولیٰ من قول الزيلعي عند وأناب.** (شامی:۱/ ۷۱٦) صورتِ مسئولہ میں اناب پر سجدہ کیا گیا ہے خلافِ احتیاط ہوا لیکن اعادہ کی ضرورت نہیں۔(فتاوی رحیمیہ:۴/۴۱۹۔وفتاوی محمودیہ:۷/۱۷۴باب سجودالتلاوۃ،جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم:

سوال: سواری پر سوار آدمی اگر سجدہ کی آیت پڑھتا رہے تو متعدد سجدے ہیں یا صرف ایک؟

الجواب: سواری پر آیتِ سجدہ کی تکرار سے اگر نماز میں ہے تو صرف ایک سجدہ واجب ہے اور نماز میں نہیں ہے تو متعدد سجدے واجب ہیں اسی طرح سمندری جہاز میں بھی تکرارِ آیتِ سجدہ سے متعدد سجدے لازم ہوں گے اگر چہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک واجب ہے لیکن اُس زمانہ میں سمندری جہاز ہوا سے چلتے تھے اور موجودہ دور میں مشین وغیرہ کے ذریعہ ملاح چلاتے ہیں لہذا جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے متعدد واجب ہوں گے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وانتقاله من غصن إلى آخروسبحه في نهرأوحوض تبديل فتجب أخرى بخلاف زوايا مسجد وبيت وسفينة سائرة وفعل قليل كأكل لقمتين وقيام ورد سلام وكذا دابة يصلي عليها لأن الصلاة تجمع الأماكن ولولم يصل تتكرر.وفي الشامي:(قوله لولم يصل تتكرر) لأن سيرها مضاف إليه حتى يجب عليه ضمان ما أتلفت بخلاف سير السفينة. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۱۵، باب سجود التلاوۃ،سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولایتبدل مجلس التلاوۃ والسماع بسیر سفینۃ کما لو کانت واقفۃ لأن سیر السفینۃ لایضاف إلیہ. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۴۹۶، باب سجود التلاوۃ۔وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۳۲۸)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

إذاکررھا مصلیاً أما إذاکررھا خارج الصلاۃ تکرر الوجوب لأن سیر الدابۃ یضاف إلی راکبھا. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۹۶، باب سجود التلاوۃ،قدیمی)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم:

سوال: ریڈیو سے آیتِ سجدہ سنی تو سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر تلاوت کو کسی آلہ مثلاً کسیٹ ،سیڈی یا ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں محفوظ کرلیا تھا وہ تلاوت ریڈیو پر نشر کی جارہی ہے تو سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے،اور اگر قاری تلاوت کررہا ہے اور اس نے آیتِ سجدہ پڑھی تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے،خلاصہ یہ ہے اصل تلاوت سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے نقل یا عکس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولاتجب بسماعھا من الصدی وھو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوھا،الأولی قول بعضھم الصوت الذی یسمعہ المصوت عقب صیاحہ راجعاً إلیہ من جبل أوبناء مرتفع فإنہ لاإجابۃ فی الصدی إنما ھو محاکاۃ. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۸۶، باب سجود التلاوۃ،قدیمی)

نظام الفتاوی میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ،گراموفون وغیرہ جن میں متکلم کی آواز بعینہ نہیں آتی بلکہ متکلم کی آواز کی نقل آتی ہے صدائے باز گشت وغیرہ میں آتی ہے،تو اس کی تلاوت کی بنا پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ریڈیو میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر و آواز ٹیپ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے پس اگر ایسا ہونے کا ظنِ غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔

ہاں جب بولنے والا بغیران وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس کی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہو جاتا ہے اس کے اعتبار سے عمل کرے۔ (منتخب نظام الفتاوی:۱/۲۷، اسلامک فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۷/۲۷۴، باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی:۴/۶۵۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر سجدۂ تلاوت وثواب کا حکم:

سوال: ٹیپ ریکارڈ یا سی ڈی پلیئر پر قرآنِ کریم سننے کے دوران آیتِ سجدہ گزرے تو سامع پر سجدہ کا کیا حکم ہے؟ اگر سجدہ واجب نہیں تو پھر اس قراءت کے سننے سے اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: سامع پر سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے تلاوتِ صحیحہ کا سماع ضروری ہے، اور تلاوتِ صحیحہ عقل وتمیز سے وجود میں آتی ہے، جب کہ ٹیپ ریکارڈ اور سی ڈی پلیئر ناقل محض کا درجہ رکھتے ہیں، بنا بریں سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، فقہاء کے کلام میں اس کی ایک نظیر دستیاب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ پرندوں اور آوازِ بازگشت سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں تک اجر وثواب کا تعلق ہے وہ کلامِ الٰہی کے کان میں پڑنے سے متحقق ہو جائے گا، اور یہ خاموش رہنے اور آداب کی رعایت کے ساتھ سننے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ولا تجب بسماعها من الطيور والصدى ...لأن السبب سماع تلاوة صحيحة و صحت التلاوة بالتمييز و لم يوجد. وفي الخلاصة : إذا سمعها من طير لا تجب هو المختار. (امدادالفتاح،ص:۵۳۱،ط:بیروت۔و كذافي التجنيس والمزيد:۲/۱۳۷، باب في سجود التلاوة).

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر اجر وثواب کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ (سورة الأعراف:۲۰۴).

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سننا چاہئے، پڑھنے والا چاہے کوئی بھی ہو۔ "وإذا قرأتم" نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ ٹیپ ریکارڈ سے سننے میں بھی ثواب ملتا ہے۔

علامہ شیخ محمد بخیت المطیعی الحنفی مفتی الدیار المصریۃ اپنے رسالہ "**أحكام قراءة الفونوغراف**" (ص:۹)

میں تحریر فرماتے ہیں: ” ومتی علمت أن ما یسمع من الصندوق من ألفاظ القرآن قرآن حقیقة وهو کلام اللّٰه بلا شک وأن صدوره منه وسماعه کصدوره من الإنسان وسماعه فإذا صدرت الکلمات القرآنیة من ذلک الصندوق مستوفیة للشروط بدون أن یکون بها خلل وقصد من رسم مخارج تلک الکلمات فی الاسطوانات سماعها للعظة والتدبیر فلا شک فی الجواز وفی أن السماع عبادة .

سجدۂ تلاوت کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولا یجب ولایسن علی سماع آیة السجدة من الصندوق سجود التلاوة لعدم القصد والشعور لا لأن المسموع لیس آیة من القرآن ألاتری أنه لوسمع الآیة من شجرة لایجب سجود التلاوة وإن کان المسموع قرآناً وکذلک لوسمعها من المأموم عند الحنفیة لایجب السجود لأن المأموم محجور علیه فی القراءة فعدم الوجوب للحجر علی القاري لا لکون المسموع لیس قرآناً وبالجملة : فوجوب سجود التلاوة عند سماع آیة السجود أو شبهه ذلک یتوقف علی شروط بعد کون المسموع قرآناً، هذا مارأیناه في ذلک واللّٰه الموفق. (احکام قراءة الفونوغراف،ص:۱۰).

فتاویٰ بینات میں ہے:

چونکہ کیسٹ سے وہ کلام اللہ کی آواز سن رہا ہے اوراس کے دل میں کلام اللہ کی عظمت میں اضافہ ہورہا ہے اوردیگر گناہ کی چیزوں سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، اس لیے اس کو ریکارڈ شدہ تلاوت سننے پر اجرو ثواب ضرور ملے گا۔(فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص۴۲۲)۔

نیز ٹیپ ریکارڈ سے گانا سننے میں گناہ ہے تو تلاوت سننے میں ثواب بھی ہونا چاہئے ،حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے میں ثواب نہیں یہ ان کی رائے ہے ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۲۸۔۲۳۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت ہو تو یہاں دو مسئلے ہیں: ایک یہ کہ کیا اس کے بھی وہی آداب ہوں گے جو براہِ راست قاری سے سننے کے ہیں؟ دوسرے اگر اسی طرح آیت سجدہ کی تلاوت ہو تو کیا اس کی وجہ سے سجدہ واجب

ہو جائے گا؟

قرآن سننے کے آداب کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے جن میں کسی مسلمان کے کان میں کلام الٰہی کے الفاظ پہنچ جائیں، خواہ وہ خود تلاوت کرنے والے کی زبان سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔اس لیے سماعت کے آداب یعنی خاموشی اختیار کرنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ رہنا ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سنتے وقت بھی ضروری ہے اور سننے والے کو چوں کہ اسی بنیاد پر اجر ملتا ہے۔اس لیے انشاء اللہ اجر بھی ملے گا۔

جہاں تک سجدۂ تلاوت کی بات ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خود تلاوت کرنے والے (تالی) سے سنے اور اس کی زبان اس کے لیے متحرک ہو،ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت خود تالی کی تلاوت نہیں ہے بلکہ اس کی زبان سے ہونے والے تموج کو محفوظ رکھنے کے بعد بعض دوسرے ذرائع سے اس کے اندر آواز پیدا کر دی جاتی ہے اس لیے اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا،اور اس کی نظیر فقہاء کی یہ تصریح ہے کہ سکھائے ہوئے پرندوں اور گونج سے پیدا ہونے والی صدائے بازگشت سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔(جدید فقہی مسائل:۱/۱۷۰)۔

البتہ ریڈیو اور ٹی وی پر براہِ راست قاری کی تلاوت نشر کی جارہی ہو تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی بینات:۴/۴۲۱۔۴۲۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی چھوٹے نابالغ بچے نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو سامع پر سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر سمجھدار بچہ ہے تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے ورنہ صبی غیر ممیّز کی تلاوت سے سامع پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وذكر شيخ الإسلام إذ لايجب السجود بالسماع من مجنون أونائم أوطير،لأن السبب سماع تلاوة صحيحة وصحت التلاوة بالتمييزولم يوجد. (امداد الفتاح:۵۳۱، باب سجود التلاوة ،بيروت)

فتح القدیر میں ہے:

وهذا التعليل يفيد التفصيل في الصبي فليكن هوالمعتبرإن كان له تمييزوجب بالسماع منه وإلا فلا. (فتح القدير:۲/۱۵، باب سجود التلاوة،دارالفكر۔واحسن الفتاوى:۴/۶۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے وہ الفاظ پڑھے جن میں سجدہ کا ذکر ہے لیکن پوری آیت نہیں پڑھی مثلاً ﴿خر راکعاً و أناب﴾ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں آیتِ سجدہ کا اکثر حصہ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں لہذا ﴿خر راکعاً و أناب﴾ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوقرأ آية السجدة إلاالحرف الذى فى آخرها لايسجد ولوقرأ الحرف الذى يسجد فيه وحده لايسجد إلاأن يقرأ أكثرآية السجدة بحرف السجدة. (الفتاوى الهندية:١/١٣٢، الباب الثالث عشرفى سجود التلاوة۔وكذا فى امداد الفتاح:٥٢٨، باب سجود التلاوة ،بيروت۔ وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح:٤٨١، قديمى)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ اُسی آیت کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھی پھر سجدہ کرلیا اس کے بعد دوبارہ وہی آیت پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلا کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوتلاها فى ركعة فسجدها ثم أعادها فى تلك الركعة لاتجب ثانياً كذا فى محيط السرخسى،المصلى إذا قرأ آية السجدة فى الأولى ثم أعادها فى الركعة الثانية وسجد للأولى ليس عليه أن يسجدها وهوالأصح كذا فى الخلاصة. (الفتاوى الهندية:١/١٣٥، سجود التلاوة۔وكذا فى خلاصة الفتاوى:١/١٨٧، مسائل السجدات،الرشيديه)

بہشتی زیور میں ہے:

اگر نماز میں سجدہ کی ایک ہی آیت کو کئی دفعہ پڑھے تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کرلیا پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔ (بہشتی زیور:۴۴، دوسرا حصہ سجدۂ تلاوت کا بیان، دارالاشاعت)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک ہی جگہ میں بیٹھا ہے اور مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سن رہا ہے تو کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ مختلف آیاتِ سجدہ مختلف لوگوں سے سن رہا ہے اسوجہ سے ہر آیت پر الگ سجدہ واجب ہوگا تو جتنی آیتیں سنے گا ان کے مطابق سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الأصل أنه لايتكرر الوجوب إلا بأحد أمور ثلاثة: اختلاف التلاوة أو السماع أو المجلس أما الأولان: فالمراد بهما اختلاف المتلو والمسموع حتى لو تلا سجدات القرآن كلها أو سمعها في مجلس أو مجالس وجبت كلها......قوله بشرط اتحاد الآية والمجلس أي بأن يكون المكرر آية واحدة في مجلس واحد، فلو تلا آيتين في مجلس واحد أو آية واحدة في مجلسين فلا تداخل ولم يشترط اتحاد السماع لأنه إنما يكون باتحاد المسموع فينبغي عند اشتراط اتحاد الآية. (شامي:۲/ ۱۱٤، باب سجود التلاوة ، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله بشرط اتحاد الآية) أما لو قرأ القرآن كله في مجلس واحد لزمه أربع عشرة سجدة لأن المجلس لايجعل الكلمات المختلفة الجنس بمنزلة كلام واحد. (حاشية الطحطاوي على الدر:۱/ ۳۲۷، باب سجود التلاوة۔وكذا في الجوهرة النيرة:۹۷)

تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے آیتِ سجدہ مسجد کے اندر سنی پھر وہی آیت صحنِ مسجد میں سنی اور صحن خارجِ مسجد ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صحنِ مسجد مسجد سے خارج ہے لہذا تبدیلِ مجلس کی وجہ سے دو سجدے واجب ہوں گے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو تبدل مجلس السامع دون التالي يتكرر الوجوب عليه. (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۳٤، الباب

الثالث عشرفی سجود التلاوة)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أجمعوا على أنه إذا اختلف مجلس السامع في غير الصلاة واتحد مجلس التالي يتكرر الوجوب على السامع بتكرر التلاوة. (فتاوى قاضيخان: ١/٧٧ـ وكذا في فتاوى السراجية على هامش قاضيخان: ١/٧٨ـ وكذا في الهداية: ١/١٥٧ـ والبحر الرائق: ٢/١٢٦)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر مسجد کا صحن خارج نہ ہو بلکہ دونوں مسجد ہی ہو تو اب کتنے سجدے لازم ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اتحادِ مکان کی وجہ سے ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

امدادالفتاح میں ہے:

ولايتبدل مجلس السماع والتلاوة بزوايا البيت الصغير كذا في البرهان......وفي التتارخانية ولوقرأها في زوايا المسجد الجامع يكفيه سجدة واحدة......وقد جزم قاضيخان حيث قال: ولايتكرر الوجوب لوانتقل من زاوية البيت أوالمسجد إلى زاوية إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لايتكرر الوجوب، وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يصير كمكان واحد ولايتكرر الوجوب، انتهى. (امداد الفتاح: ٥٤٠، بيروت ـ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/١٣٤)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم:

سوال: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام کی نیت مقتدی کی طرف سے کافی ہونا چاہئے جیسے مسافر امام سفر والی نماز یا مقیم اقامت والی نماز کی نیت کر لے تو مقتدیوں کے لئے کافی ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں جب امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی تو مقتدیوں کی طرف سے کافی

ہوگی اور تمام کا سجدہ ادا ہوجائے گا،لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ جہری نماز میں مستقل سجدہ کرکے ادا کرنا چاہئے تاکہ جاہل عوام پر کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو منحۃ الخالق میں ہے:

(قوله وفي القنية ولونواها في الركوع الخ)قال في النهروينبغي حمله على الجهرية ، قلت:لعل وجهه والله أعلم ما يأتي عن القنية أيضاً أن الركوع أولى في صلاة المخافتة وعلله في التتارخانية بقوله لئلا يلتبس الأمرعلى القوم فإنه يفيد أنه لايلزم القوم نيتها في الركوع لأنه لاعلم لهم بتلاوته وإلا لم يحصل عليهم التباس بخلاف الجهرية. (منحة الخالق على هامش البحرالرائق:۲ /۱۲۳، باب سجود التلاوة)

مراقی الفلاح میں ہے میں ہے:

ويجزيء عنهاأي عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نوهاأي نوى أداء ها فيه نص عليه محمدؒ لأن معنى التعظيم فيهماواحد وينبغي ذلک للإمام مع كثرة القوم أوحال المخافتة حتى لايؤدي إلى التخليط وفي الطحطاوي:قوله وينبغي ذلک للإمام ان يجعلهافي ركوع الصلاة إن كانت سرية. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي:ص۴۸۶،باب سجود التلاوة، قديمي۔ والشامي:۲/۱۱۲، باب سجود التلاوة۔والفتاوى الهندية:۱/۱۳۴)

احسن الفتاوی میں ہے:

راجح یہ ہے کہ رکوع میں امام کی نیت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۵۹۔وکفایت المفتی:۳/۴۱۵،دارالاشاعت)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی سے سجدۂ تلاوت رہ جائے تو اس کا فدیہ دے گا یا نہیں؟

الجواب: احتیاطاً سجدۂ تلاوت کا فدیہ دیدیا جائے تو درست ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولارواية في سجدة التلاوة أنه يجب أولايجب كما في الحجة والصحيح أنه لايجب كما في الصوفية إسمعيل.(شامي:۲/۷۳، باب قضاء الفوائت، سعيد۔وكذا في البحرالرائق:۲/۹۱، كوئتة)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے:

سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدے کے بدلے میں پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔ (جواہر الفقہ: ۳۹۳/۱، مسائل فدیہ نماز وروزہ وغیرہ، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم:

سوال: سجدۂ تلاوت خارج الصلاۃ رکوع میں کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر چہ بعض حضرات نے رکوع میں ادا کرنے کو درست قرار دیا ہے لیکن محققین کے نزدیک رکوع میں ادا کرنا درست نہیں، اس لئے کہ رکوع مستقل کوئی عبادت نہیں۔ البتہ فتاوی ہندیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے لئے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وتؤدى بركوع وسجود غير ركوع الصلاة وسجودها في الصلاة وكذا في خارجها ينوب عنها الركوع في ظاهر المروى بزازية لها أى للتلاوة. وفي الشامي: قوله وكذا في خارجها الخ: هذا ضعيف لما قدمناه عن البدائع من أنه لايجزئ لاقياساً ولااستحساناً وما عزاه إلى البزازية تبع فيه صاحب النهر وهو خلل في النقل لأن الذى رأيته في نسختين من البزازية هكذا...... (الدر المختار مع الشامي: ۱۱۱/۲، باب سجود التلاوة۔ وكذا في البدائع الصنائع: ۱۸۹/۱، سعيد۔ و الفتاوى الهندية: ۱۳۵/۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
”صل علی الأرض إن استطعت وإلا فأوم إیماءً
واجعل سجودک أخفض من رکوعک“
(السنن الکبریٰ)

باب (۱٤)

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

باب ...... (۱۴)

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب تک قیام پر قدرت ہو بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جو حضرات قیام وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں ان کو اول حکم بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ہے، کرسی پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر قیام پر قدرت ہو اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے بلکہ قیام اس وجہ سے ساقط ہوتا ہے کہ اصل مقصود نماز میں سجدہ ہے اور قیام ورکوع اس کے لئے وسیلہ ہے اور اسی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے سجدہ کے سقوط کے وقت کیونکہ قعود مشابہ بالسجود ہے اور اقرب الی الارض ہے حتی الامکان حصول مقصد کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اور کرسی پر نماز پڑھنے سے یہ افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مریض کے لئے زمین پر بیٹھنا انتہائی تکلیف دہ ہو اور سجدے سے بھی عاجز ہو تو پھر بحالتِ مجبوری اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن آج کل اس مسئلہ میں بظاہر بہت بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ نیز اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) نماز غایت تذلل اور عاجزی کا نام ہے جیسا کہ الاشباہ میں مذکور ہے: ''**وهي التذلل و الخضوع على أبلغ الوجوه**''. (الاشباہ و النظائر: ۱/ ۱۵٤) اور کرسی پر اپنی شان کا اظہار ہے اگر چہ ارادہ نہ ہو۔

(۲) اللہ جل جلالہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا چاہئے جس طرح بادشاہ کے سامنے۔ یعنی اپنی عاجزی کا اعتراف

اور فقیر حقیر کی طرح۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے: ”فقم بين يديه قيامك بين يدى بعض ملوك الزمان“۔(احیاء علوم الدین:۱/۱۷۲) اور کرسی میں یہ بات نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسان کے ضعف کو تسلیم کیا ہے، اور اس کے مختلف حالات بیان کئے ہیں کہ معذور ہو بیٹھ کر پڑھے اور صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے بیٹھے اور زمین پر بیٹھے جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا حکم ہے: ”صل على الأرض“. (السنن الکبری للبیھقی:۲/۴۳۵)

(۳) زمانۂ نبوی اور خیر القرون میں سے کسی بھی زمانہ میں کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملتا کہ اس قسم کا ثبوت ہو، معذور ومریض اس وقت بھی تھے اور کرسی بھی اسوقت موجود تھی جیسا کہ مسلم اول وابوداؤد اول کی روایت میں کرسی کا تذکرہ آتا ہے اس کے باوجود نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مساجد میں کرسیوں کو رکھا جائے؟ اس لئے کہ یہ دستور ہو چکا ہے اور کرسی کو دیکھ کر ذرا سی بات پر جرأت ہوتی ہے اور کرسی پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور محض سستی کی وجہ سے کرسیوں پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں سستی کرنے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے اور مذمت فرمائی ہے۔ قال الله تعالى: ﴿وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالىٰ يرآءون الناس ولايذكرون الله إلا قليلا﴾ (سورة النساء:الآية:۱۴۲)

موجودہ دور میں جبکہ نفاذِ شریعت کا ہتھیار مسلمانوں کے پاس چند گنی چنی عبادات کے علاوہ کچھ نہیں اور ان میں بھی صوم وحج تو سال میں ایک مرتبہ اسی طرح زکاۃ بھی اور یہ دونوں بھی مخصوص افراد کے ساتھ کلی طور پر نہیں۔ کلی طور پر جو حاوی ہے وہ فقط نماز ہے اگر اس کو بھی اس طرح ضائع کر دیا تو مسلمانوں کے لئے بڑی دردناک وافسوس کی بات ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: إن رسول الله ﷺ عاد مريضاً فرأه يصلى على وسادة فأخذها فرمى بها فأخذ عوداً ليصلى عليه فأخذه فرمى به وقال: صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك أخفض من ركوعك“. (السنن الکبری للبیھقی: ۲/۴۳۵)

طحطاوی میں ہے:

إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر كل القيام بوجود ألم شديد كدوران رأس ووجع ضرس أو شقيقة أو رمد كما في القهستاني وسواء حدث ذلك في الصلاة أو قبلها كما في ”النقاية“ وقيده بالشديد لأنه إن لحقه نوع من المشقة لم يجز ترك القيام كما

فی ''مسكين'' أو خاف بأن غلب في ظنه بتجربة سابقة أو إخبار طبيب مسلم حاذق... صلى قاعداً بركوع وسجود ويقعد كيف شاء أي كيف تيسر له بغير ضرر من تربع أو غيره في الأصح من غير كراهة كذا روى عن الإمام للعذر، وإن تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستنداً صلى قاعداً بالإيماء وجعل إيماءه برأسه للسجود أخفض من إيمائه للركوع وكذا لو عجز عن السجود وقدر على الركوع يومي بهما لأن النبي ﷺ عاد مريضاً فرأه يصلي على وسادة فأخذها فرمى بها...الخ (صلى قاعداً بإيماء) أو قائماً به والأول أفضل لأنه أشبه بالسجود ولكونه أقرب إلى الأرض وهو المقصود كذا في'' التبيين ''.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:١/٢٣٤، قديمي)

شامی میں ہے:

(وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود كافٍ) نقله في ''البحر'' عن ''البدائع'' وغيرها وفي'' الذخيرة '': رجل بحلقه خراج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة يصلي قاعداً يومي ولو صلى قائماً بركوع وقعد وأومأ بالسجود أجزأه، والأول أفضل لأن القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما بل ليكونا وسيلتين إلى السجود. (شامی:٢/٩٧، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

إذا عجز المريض عن القيام صلى قاعداً يركع ويسجد كذا في الهداية وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعداً بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع كذا في فتاوى قاضيخان، ثم إذا صلى المريض قاعداً كيف يقعد الأصح أن يقعد كيف يتيسر عليه هكذا في ''السراج الوهاج '' وهو الصحيح، هكذا في'' العيني '' وإذا لم يقدر على القعود مستوياً وقدر متكئاً أو مستنداً إلى حائط أو إنسان يجب أن يصلي متكئاً أو مستنداً كذا في'' الذخيرة ''. (الفتاوى الهندية:١/١٣٦)

کفایت المفتی میں مذکور ہے''کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم'':

سوال کا ماحصل حسب ذیل درج ہے:

پیٹ میں بے چینی سی معلوم ہوتی ہے اور زمین پر نماز پڑھنا بہت دشوار معلوم ہو رہا ہے تو کیا کرسی پر بیٹھ کر سامنے ٹیبل پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سر جھکانا جائز نہیں الا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے، زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کرلیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے۔(کفایت المفتی:۳/۴۲۲، دارالاشاعت)

احسن الفتاوی میں مذکور ہے ''کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا'':

الجواب: بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی قدرت ہو تو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔(احسن الفتاوی:۴/۵۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ضروری تنبیہ: آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کر دی حالانکہ وہی لوگ اسی حالت میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرلیا کرتے ہیں (آج کل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے والے حضرات جو اپنی دکانوں میں کئی گئی گھنٹے کھڑے رہتے ہیں) ان کو اس بات کی نہایت احتیاط کرنی چاہئے اور جو فرض و واجب نمازیں قیام وغیرہ پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی ہوں انھیں لوٹانا فرض و واجب ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۴۰۲، مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم:

سوال: ایک آدمی قیام کرسکتا ہے مگر سجدہ میں جانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن نیچے بیٹھ کر پاؤں پھیلا کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لئے کونسی ہیئت پر نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب: اگر یہ شخص سجدے پر قادر نہیں تو قیام اس سے ساقط ہے تاوقتیکہ صحتمند ہو جائے لہذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ سے کر کے نماز ادا کرے اس لئے کہ قیام وسیلہ ہے سجدہ کے لئے اور جب سجدہ نہ رہا تو قیام ساقط ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

وأما إذا كان قادراً على القيام وعاجزاً عن الركوع والسجود فإنه يصلي قاعداً بإيماء

وسقط عنه القيام لأن هذا القيام ليس بركن لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لايعقبه سجود لايكون ركناً ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۱/۲۱۳، باب صلاة المریض،ادارة القرآن).

تبیین الحقائق میں ہے:

(وإن تعذر الركوع والسجود لاالقيام أومأ قاعداً) وقال زفرؒ والشافعيؒ: يصلي قائماً بالإيماء لأن القيام ركن فلايسقط بالعجزعن أداء ركن آخر،ولنا أن المقصود الخضوع والخشوع لله تعالىٰ وإنما حصل ذلك بالركوع والسجود والقيام وسيلة إلى السجود فلايجب بدونه،وهذا لأن التواضع يوجد في الركوع ونهايته توجد في السجود ولهذا لو سجد لغير الله تعالىٰ يكفروالقيام وسيلة إلى السجود فصارتبعاً له فسقط بسقوطه...... (تبيين الحقائق:۱/۲۰۲، باب صلاة المريض۔وكذا في العناية شرح الهداية:۲/۶، باب صلاة المريض على هامش فتح القدير۔والجوهرة النيرة:۱/۹۶، باب صلاة المريض۔والفتاوى الهندية:۱/۱۳۶،باب صلاة المريض)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: جو شخص معذور ہو کرسی پر نماز پڑھتا ہے اگر وہ سامنے میز رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو شخص ایسا مریض یا معذور ہو کہ بیٹھنا بھی مشکل ہے اور کرسی پر نماز پڑھتا ہے تو میز وغیرہ پر سجدہ کرے تو درست ہے لیکن سامنے تختہ رکھنا ضروری نہیں ہے سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے،اور میز پر سجدہ کرے وہ بھی اشارہ میں شمار ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايرفع إلى وجهه شيئاً يسجد عليه فإنه يكره تحريماً.وفي الشامي:(قوله فإنه يكره تحريماً) قال في البحر:واستدل لكراهة في المحيط بنهيه عليه الصلاة والسلام عنه وهو يدل على كراهة التحريم وتبعه في النهر،أقول:هذا محمول على ما إذاكان يحمل إلى وجهه شيئاً يسجد عليه بخلاف ما إذاكان موضوعاً على الأرض يدل عليه ما في الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة في الأول ثم قال:فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض

وکان یسجد علیها جازت صلاته،فقد صح أن أم سلمةرضی الله تعالیٰ عنها کانت تسجد علی مرفقة موضوعة بین یدیها لعلة کانت بها ولم یمنعها رسول الله ﷺ من ذلک،فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الکراهة فی الموضوع علی الأرض المرتفع ثم رأیت القهستانی صرح ذلک. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۹۸، باب صلاة المریض۔و کذا فی الهدایة:۱/۱۳۶، باب صلاة المریض)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرسی پرنماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے:

سوال: معذور آدمی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے میز رکھ کر سجدہ کرسکتا ہو تو میز پر سجدہ ضروری ہے یا نہیں؟ بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ میز رکھنا ضروری ہے۔مثلاً ملاحظ ہو: فتاوی بینات:۲/۳۹۰۔ واحسن الفتاوی:۴/۵۴۔

الجواب: معذور آدمی جب کرسی پر نماز پڑھتا ہو تو سامنے میز رکھنا ضروری نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے تحقق کے لئے پیشانی ، دونوں ہاتھوں میں سے ایک ،دونوں گھٹنوں میں سے ایک اور پاؤں کی انگلیوں میں ایک انگلی کا زمین پرررکھنا ضروری ہے،اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اس کے بغیر سجدہ متحقق نہ ہوگا اور کرسی میز پر سجدہ کرنے میں یہ چیزیں نہیں ہوسکتی لہذا معذور آدمی رکوع،سجدہ اشارہ سے کرے میز رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة والأنف مع وضع إحدی الیدین وإحدی الرکبتین وشیء من أطراف أصابع إحدی القدمین علی ظاهرمن الأرض،فإن لم یوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجدة......وإلی ذلک أشارفی الفتاوی الصغری حیث قال:وضع القدمین علی الأرض حالة السجود فرض فإن وضع أحدهما دون الأخری یجوز....... (امداد الفتاح:ص ۲۵۶، بیروت)

درمختار میں ہے:

ومنها السجود بجبهته وقدمیه ووضع أصبع واحدة منهما شرط،وفی الشامی:وأفاد أنه لو لم یضع شیئاً من القدمین لم یصح السجود وهومقتضی ماقدمناه آنفاً عن البحر. (الدر

المختار مع الشامی:۱/ ٤٤٧،بحث الرکوع والسجود،سعید۔وکذا فی حاشیة الطحاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۲۲۱)

نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سجدہ کے لئے اشارہ فرمایا جبکہ پالان پر پیشانی رکھنا ممکن تھا اس کے باوجود آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ سے سجدہ فرمایا تو میز کا سامنے ہونا اور پالان کا ہونا دونوں برابر ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

كان عبد الله بن دينار يصلي في السفر على راحلته أينما توجّهت به يؤمي، وذكر عبدالله أن النبي ﷺ كان يفعله.

عن عامر بن ربيعة ﷺ قال: رأيت رسول الله ﷺ وهو على الراحلة يسبح يؤمي برأسه قبل أي وجه توجه، ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلك في الصلاة المكتوبة. (بخاری شریف:۱/ ۱٤۸)

مذکورہ بالا حدیث پر اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو نفل کا واقعہ ہے نہ کہ فرض نماز کا، تو جواب یہ ہے کہ نفل نماز میں قدرت علی القیام کے باوجود قعود جائز ہے لیکن پھر بھی سجدہ پر قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو درالمختار میں ہے:

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً لامضطجعاً إلابعذر. وفي الشامية: قوله لامضطجعاً...... وكذا لوشرع منحنياً قريباً من الركوع لايصح، بحر، وماذكر من عدم صحة التنفل مضطجعاً عندنا بدون عذر، نقله في البحرعن الأكمل في شرحه على المشارق. وصرّح به في النتف، وقال الكمال في الفتح: لا أعلم الجواز في مذهبنا وإنما يسوغ في الفرض حالة العجزعن القعود. (الدرمع الشامی:۲/ ۳٦، سعید)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص معذور ہو اور لیٹ کر نماز پڑھتا ہو تو پیر قبلہ کی طرف کرے گا یا کروٹ پر لیٹ کر پیر قبلہ سے ہٹائے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معذور شخص لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرلے اور پیروں کو ہلکے سے موڑ دے تاکہ قبلہ کی طرف نہ رہے، اور یہ طریقہ کروٹ لیٹ پر کر نماز پڑھنے سے افضل اور بہتر

ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن تعذر القعود ولوحكماً أومأ مستلقياً على ظهره ورجلاه نحو القبلة غير أنه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل إلى القبلة ويرفع رأسه يسيراً ليصير وجهه إليها أوعلى جنبه الأيمن أوالأيسر ووجهه إليها والأول أفضل على المعتمد.

وفي الشامي:(قوله ويرفع رأسه يسيراً)أي يجعل وسادة تحت رأسه لأن حقيقة الاستلقاء تمنع الأصحاء عن الإيماء.فكيف بالمرضى بحر،(قوله والأول أفضل)لأن المستلقي يقع إيمائه إلى القبلة والمضطجع يقع منحرفاً عنها بحرقوله على المعتمد...... بأن الاستلقاء هومافي مشاهير الكتب والمشهورمن الروايات. (الدرالمختارمع الشامي:۲/۹۹، باب صلاة المريض، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية:۱/۱۳۷، باب صلاة المريض۔وبهشتي زيورحصه دوم ٤٦)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معذور کا شرعی حکم:

سوال: ایک شخص کو خروجِ ریح کا عارضہ ہے وضوء کے بعد ۵ منٹ سے زیادہ اس کا وضوء نہیں رہتا اور وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم معلوم کرے اور قرآن کی تلاوت سنن ونوافل وغیرہ ادا کرے چند سالوں سے علاج معالجہ بھی کیا لیکن مفید ثابت نہیں ہوا لہذا اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گذر جائے کہ خروجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کر کے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے،اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اس وضو سے فرض،سنن ونوافل،تلاوتِ قرآن،اداء،قضاء جو دل چاہے پڑھتا رہے خروجِ ریح ناقض وضو نہیں ہوگا،وقت کا نکلنا اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے،ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے۔

اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گذر جائے یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے،البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گذر جائے گا تو یہ شخص

معذور نہ رہے گا اور کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گذرے کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کرسکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے، خروجِ ریاح اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۵۴۶، باب صلاۃ المریض، جامعہ فاروقیہ۔ وبہشتی زیور ۲/۷ کتاب الطہارۃ)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن فاطمة بنت أبی حبیش رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أتت النبی ﷺ فقالت إنی أحیض الشهر والشهرین فقال رسول اللہ ﷺ إن ذلک لیس بحیض وإنما ذلک عرق من ذلک فإذا أقبل الحیض فدعی الصلاة وإذا أدبر فاغتسلی لطهر ثم توضئی عند کل صلاة. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۸۰، باب المستحاضة کیف تطهر للصلاة)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور شخص ہر نماز کے وقت وضو کرے گا۔

درمختار میں ہے:

وصاحب عذر من به سلسل بول لایمکنه إمساکه أو استطلاق بطن أو انفلات ریح...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لایجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث ولو حکماً لأن الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت حقیقة لأنه الانقطاع الکامل ونحوه لکل فرض، اللام للوقت کما فی لدلوک الشمس ثم یصلی به فیه فرضاً ونفلاً......فإذا خرج الوقت بطل......وفی الشامی: (قوله أو نفلات ریح) هو من لایملک جمع مقعدته لاسترخاء فیها نهر. (قوله ولو حکماً) أی ولو کان الاستیعاب حکماً بأن انقطع العذر فی زمن یسیر لایمکنه فیه الوضوء والصلاة فلا یشترط الاستیعاب الحقیقی فی حق الابتداء کما حققه فی الفتح و الدرر ...... (قوله اللام للوقت) أی فالمعنی لوقت کل صلاة بقرینة قوله بعده فإذا خرج الوقت بطل فلا یجب لکل صلاة......قال فی الإمداد: وفی شرح مختصر الطحاوی: روی أبو حنیفةؒ عن هشام بن عروة عن أبیه عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن النبی ﷺ قال لفاطمة بنت أبی حبیش رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها" توضئی لوقت کل صلاة". (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۰۶، أحکام المعذور، سعید)۔

(وکذا فی امداد الفتاح: ۱۵۲.۱۵۴ ،بیروت. وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۴۹ ، قدیمی. وکذا فی المبسوط: باب المسح علی الخفین، ادارة المعارف. و فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: فصل المستحاضة ومن به سلسل بول. وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۴۴۲، مدلل ومکمل ،دارالاشاعت)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہوتو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

معذور شخص کی نماز کا حکم:

سوال: (۱) میرا ہاتھ کٹ گیا میں نے زخم کو صاف کیا یہاں تک کہ مجھے اطمینان ہوگیا کہ زخم خشک ہوگیا اور خون بالکل نہیں پھر میں نے وضو کیا اور زخم خشک ہونے کے بعد اس پر پلستر لگایا پھر میں جمعہ کے لئے گیا پھر دو گھنٹے کے بعد پلستر نکالا تو اس پر کچھ خون کے اثرات نظر آئے کیا میرا جمعہ صحیح ہوا؟

(۲) کیا یہ صحیح ہوتا کہ زخم صاف کر کے اس پر پلستر لگا کر مسح کر لیتا؟ کیا زخم سے خون کا بند ہونا ضروری ہے ایسے موقع پر آدمی کیا کرے؟

(۳) میں نے قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن زخم پر خون کے اثرات کی وجہ سے میرا وضو نہ تھا جب بھی ٹیشو سے زخم کو پونچھتا تو ٹیشو پر خون کے اثرات نظر آتے لہذا میں نے کاغذ کی مدد سے قرآن غلاف سے نکالا اور بغیر ہاتھ لگائے پڑھنا شروع کیا اور اوراق کو قلم کے ذریعہ پلٹا کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

(۴) مجھے کچھ ہدایات کرے تاکہ آئندہ ایسا مسئلہ پیش آئے تو کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زخم کی پٹی پر خون لگے لیکن باہر ظاہر نہ ہو یعنی بہنے والا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لہذا صورتِ مسئولہ (۱) میں زخم صاف کر کے اس کو دھو کر وضوء کرنے کے بعد پٹی لگائی پھر دو گھنٹے کے بعد خون کے اثرات پلستر پٹی پر لگے چونکہ یہ دمِ سائل کے حکم میں نہیں ہے اور نہ باہر ظاہر ہوئے لہذا وضو باقی تھا اور جمعہ کی نماز درست ہوگئی۔

(۲) خون کو دھویا گیا لہذا پٹی لگانے کے بعد مسح درست ہے اور ایسے موقع پر جب خون نکل آیا پھر اس کو دھولیا اور صاف کرلیا پھر پلستر پٹی لگادی تو نماز وغیرہ سب درست ہے جب تک خون باہر نظر نہ آئے وضو باقی رہتا ہے اور عام طور پر جب پلستر پٹی دبا کر زخم پر لگادے تو خون بند ہوجاتا ہے اثرات پٹی پر لگے وہ مضر نہیں ہاں

دوسری نماز کا وقت آجائے اور خون اندر زیادہ نظر آنے لگے تو پٹی نکال کر پھر صاف کرے اور وضو کر لے پھر پٹی لگا لے۔

(۳) زخم پر پٹی نہیں ہے اور خون کے اثرات نظر آتے ہیں اس کو بار بار ٹیشو سے پونچھا تو دیکھا جائے گا اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرے اور اتنا ہو جائے کہ اگر نہ پونچھتے تو یقیناً زخم کے منہ سے بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ گیا اور آپ کا قرآن پڑھنا بغیر چھوئے اور صفحات کو قلم سے پلٹنا درست ہے، بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرنے سے بہنے کے بقدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹا لہذا قرآن کو ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

(۴) پھر اگر آئندہ اس قسم کا عذر پیش آجائے مثلاً زخم سے خون رستا رہتا ہے تو بہتر تو یہ ہے کہ پلستر پٹی لگا لے تو انشاء اللہ بند ہو جائے گا اور پٹی پر اثرات لگے جب تک زیادہ نظر نہ آئے مضر نہیں وضو باقی ہے اور اگر زیادہ رستا رہتا ہے اور ایک نماز کا پورا وقت اسی طرح نکل جائے کہ نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو آپ معذور کے حکم میں ہے لہذا آئندہ وقت میں ایک مرتبہ وضو کرے تو کافی ہے جب تک وقت باقی ہے آپ کا وضو بھی باقی سمجھا جائے گا اور وقت نکل جائے تو دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرے اسی طرح کرے جب تک یہ عذر باقی ہے۔

شامی میں ہے:

(قوله لومسح الدم كلما خرج الخ) وكذا إذا وضع عليه قطناً أوشيئاً آخرحتى ينشف ثم وضعه ثانياً وثالثاً فإنه يجمع جميع مانشف فإن كان بحيث لوتركه سال نقض وإنما يعرف هذا بالاجتهاد وغالب الظن وكذا لوألقى عليه رماداً أوتراباً ثم ظهرثانياً فتربه ثم وثم فإنه يجمع قالوا وإنما يجمع إذاكان في مجلس واحد مرة بعد أخرى فلوفي مجالس فلا، تاترخانية، ومثله في البحر.

أقول: وعليه فما يخرج من الجرح الذي ينزّ دائماً وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوى باجتماعه ويسيل عن محله فإذا نشفه أوربطه بخرقة وصاركلما خرج منه شيء تشرّبته الخرقة ينظرإن كان ما تشرّبته الخرقة في ذلك المجلس شيئاً فشيئاً بحيث لو ترك واجتمع أسال بنفسه نقض وإلا لا ولايجمع ما في مجلس آخروفي ذلك توسعة عظيمة لأصحاب القروح ولصاحب كيّ الحمصة فاغتنم هذه الفائدة. (شامی: ۱/ ۱۳۵، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن كان رأس الجرح مبتلا بالدم لايعيد شيئاً منها هكذا في المحيط ولو كانت جراحة فربطها فابتل ذلك الرباط إن نفذ البلل إلى الخارج نقض الوضوء وإلا فلا، ولو كان الرباط ذا طاقين فنفذ البعض دون البعض ينتقض الوضوء كذا في التتارخانية في نواقض الوضوء. (الفتاوى الهندية: ۱/۳٦)

وإنما يمسح إذا لم يقدر على غسل ما تحتها ومسحه بأن تضرر بإصابة الماء أو حلها هكذا في شرح الوقاية وإن كان يضره الغسل بالماء البارد ولا يضره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار هكذا في شرح الجامع الصغير لقاضيخان. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۵)

شامی میں ہے:

(قوله ولو شد الخ) قال في البدائع ولو ألقى على الجرح الرماد أو التراب فتشرّب أو ربط عليه رباطاً فابتل الرباط ونفذ قالوا يكون حدثاً لأنه سائل وكذا لو كان الرباط ذا طاقين فنفذ إلى أحدهما لما قلنا، قال في الفتح: ويجب أن يكون معناه إذا كان بحيث لولا الرباط سال، لأن القميص لو تردد على الجرح فابتل لا ينجس ما لم يكن كذلك لأنه ليس بحدث أي وإن فحش كما في المنية. (شامی: ۱/۱۳۹، سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله فابتل الرباط ونفذ) ولو لم ينفذ من الرباط لا ينتقض، من السندي انتهى. (تقریراتِ الرافعي على هامش الشامي: ۱/۱۹، سعيد)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہٰذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم

ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔ ہاں تھیلے میں خروجِ نجاست ناقض وضو ہے لیکن چونکہ یہ آدمی معذور ہے اس کے معدے سے نجاست برابر نکلتی رہتی ہے اس لیے اس کا وضو وقت کے نکلنے سے ٹوٹے گا الا یہ کہ دوسرا ناقض پایا جائے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگرچہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول اللّٰه ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي. (رواه البخاري: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذي والودي ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. (عمدة القاري: ۳/۱۳۰، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث ملتان)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”إن الصلاۃ أول ما فرضت رکعتین
فأقرت صلاۃ السفر وأتمت صلاۃ الحضر“
(مسلم)

باب ...... ﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

ابتداء سفر شرعی کی حد:

سوال: مسافتِ شرعی کا شمار گھر سے ہوتا ہے یا حدودِ شہر سے؟

الجواب: شہر کے آخری مکان سے سفر کی مسافتِ شرعی شروع ہوگی، اس سے پہلے سفرِ شرعی شروع نہیں ہوتا اگر چہ گھر سے نکل جائے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن أبی حرب بن أبی الأسود الدیلی أن علیاً رضی اللہ عنہ لما خرج إلی البصرة رأی خصاً فقال: لولا هذا الخص لصلینار کعتین فقلت: ماخصاً؟ قال: بیت من قصب. (مصنفِ عبدالرزاق: ۲/ ۵۲۹، باب المسافرمتی یقصراذاخرج مسافراً)

ہدایہ میں ہے:

وإذا فارق المسافربیوت المصرصلی رکعتین لأن الإقامة تتعلق بدخولهافیتعلق السفر بالخروج عنها وفيه الأثرعن علی رضی اللہ عنہ لوجاوزنا هذاالخص لقصرنا. (الهداية: ۱/ ۱٦٦، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: من خرج من عمارة موضع إقامته، أراد بالعمارة مايشمل بيوت الأخبية لأن بها عمارة موضعها، قال فی الإمداد: فيشترط مفارقتها ولومتفرقة وإن نزلواعلی ماء أو محتطب

یعتبر مفارقته کذافی مجمع الروایات. (الشامی:۲/۱۲۱،باب صلاۃ المسافر۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱۳۹،الباب الخامس عشرفی صلاۃالمسافر۔وفتاوی محمودیه:۷/۴۷۶،باب صلاۃ المسافر۔

واللہ ﷻ اعلم۔

شہر بہت کشادہ ہوتو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر پر چلا جائے اور جس شہر سے سفر کر کے گیا وہ شہر بہت بڑا ہے جیسے بمبئ کراچی وغیرہ تو واپسی پر اس کا سفر کب ختم ہوگا جب شہر میں داخل ہو جائے یا گھر آ جائے اور سفر کب شروع ہوگا گھر سے نکلنے پر یا شہر سے نکلنے پر؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شہر میں داخل ہونے سے شخصِ مذکور کا سفرِ شرعی ختم ہو جائے گا،اور شہر کا آخری مکان تجاوز کرنے سے سفرِ شرعی شروع ہوگا۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يقصر الصلاه حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذارجع حتى يدخل بيوتها .وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرجنامع علي رضی اللہ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين،ثم رجع فصلى ركعتين، وهوينظرإلى القرية فقلناله :ألا تصلي أربعاً؟ قال: حتى ندخلها.(مصنفِ عبدالرزاق:۲/۵۳۰،باب المسافرمتى يقصراذاخرج مسافراً)

نیز مذکور ہے:

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي أن علياً رضی اللہ عنہ لماخرج إلى البصرة رأى خصاً فقال: لولاهذا الخص لصلينار كعتين فقلت: ماخصاً؟ قال: بيت من قصب. (مصنفِ عبدالرزاق:۲/۵۲۹،باب المسافرمتى يقصراذاخرج مسافراً)

کتاب الحجۃ میں ہے:

قال أبوحنيفةؒ: لايقصر الذي يريدالسفر الصلاة حتى يخرج من بيوت القرية فيجعلهاخلف ظهره ولايبقى شيء أمامه ولايتمهاحتى يدخل البيوت فيجعل بعضها خلف ظهره فإذا دخلها أودخل شيئاً منها أتم الصلاة.(كتاب الحجة:۱/۱۷۱،۱۷۲)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم:

سوال: آج کل بعض جگہوں پر آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جاتی ہیں تو اس حالت میں سفر کا اعتبار کہاں سے ہوگا؟ کیا اپنی بستی سے یا دوسری متصل بستی سے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوسری بستی اگر چہ متصل ہے لیکن دونوں کے نام علیحدہ ہیں اور دونوں کی حدود بھی الگ الگ مقرر ہیں تو دونوں مستقل آبادیاں شمار ہوں گی اور سفرِ شرعی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی سے تجاوز کرے، اور اگر اس طور پر اتصال ہو چکا ہے کہ حکومت کی جانب سے ایک کر دیا ہو اور دوسری بستی پہلی کے لئے بطور محلّہ استعمال ہوتی ہو تو یہ شہر کا جز ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز کرنے پر سفرِ شرعی کے احکام جاری ہوں گے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه وإن لم يجاوزمن الجانب الآخر. وفي الشامي:ويشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصروهوماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصروكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين ولومتصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولوسكنها أهل البلدة في جميع السنة. (الدرالمختارمع الشامي:۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد)۔

وكذافي الهداية: ۱/۱٦٦. والبحرالرائق:۲/۱۲۸.وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ۴۲۳،باب صلاة المسافر،قديمي.والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹.وشرح منية المصلي:ص ٥۳٦.والفقه الاسلامي وادلته:۳۲۴،دارالفكر)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں حکومت اور کارپوریشن یعنی (میونسپلٹی ۔نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی، اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی یعنی شہر کے حدود تجاوز کرے، اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ (فتاوی رحیمیہ:٦/٣٦٤۔واحسن الفتاوی:۴/۴۷۔وفتاوی دارالعلوم

دیوبند:۴/۴۷۲، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم:

سوال: (الف) کسی شخص نے ہندوستان میں شادی کی اوراس کی بیوی وہیں پر رہتی ہے اس نے افریقہ میں بھی شادی کی اور یہ افریقہ میں رہتی ہے تو کیا دونوں اس کے لئے وطن اصلی ہوں گے؟ کیا وطن اصلی متعدد ہوسکتے ہیں؟ (ب) اگرکسی کے پاس دوملکوں کے پاسپورٹ ہیں تو اس کی وجہ سے دونوں وطن شمار ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت کی نگاہ میں وطن اصلی ایک سے زائد بھی ہوسکتے ہیں، اگرکسی نے چار عورتوں سے شادی کی اور چاروں علیحدہ شہر یا وطن میں ہیں اور وہ شخص چاروں کے پاس وقتاً فوقتاً جاتا رہتا ہے تو اس کے حق میں چار وطن اصلی ہیں۔لہذا صورتِ مسئولہ (الف) میں شخصِ مذکور کے لئے ہندوستان اور افریقہ دونوں وطن اصلی ہیں۔

(ب) شریعت کی نگاہ میں کسی شخص کا ملک کا فقط پاسپورٹ حاصل کرلینا وطنِ اصلی ہونے کی دلیل نہیں ہے، جب تک اس میں مستقل رہائش اختیار نہ کرلے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحداً أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نية أهله الخروج منها وإن كان هو ينتقل من أهل إلى أهل في السنة حتى أنه لو خرج مسافراً من بلدة فيها أهله ودخله في أي بلدة من البلاد التي فيها أهله فيصير مقيماً من غير نية الإقامة. (بدائع الصنائع:۱/۱۰۳،سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضاً ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول وكل منهما وطن أصلي له. وقال الطحطاوي: وكذا لو استحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی:ص۴۲۹،باب صلاۃ المسافر،قدیمی۔ البحرالرائق:۲/۱۳۶، کوئٹۃ۔والفتاوی السراجیۃ:ص۱۲،باب صلاۃ المسافر۔والشامی:۲/۱۳۱،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

واپسی میں ایر پورٹ پر قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر سے واپس آیا اور وہ ایر پورٹ میں ہے اور وہ (newtown) نیوٹاؤن میں رہتا ہے تو کیا وہ ایر پورٹ میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: مسافر قصر کرے گا جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائے یا ۱۵، دن اقامت کی نیت نہ کر لے، لہذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور ایر پورٹ میں قصر کرے گا کیوں کہ ایر پورٹ (newtown) نیوٹاؤن سے خارج ہے اور الگ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرجنا مع علي رضي الله عنه ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلنا له: ألا تصلي أربعاً؟ قال: حتى ندخلها. (مصنفِ عبدالرزاق: ۲/ ۵۳۰، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافراً)

عالمگیری میں ہے:

وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو الإقامة فيه سواء دخله بنية الاختيار أو دخله لقضاء الحاجة كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافتِ قصر کی مقدار:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق کتنی مسافت طے کرنے پر احکامِ سفر وابستہ ہوں گے؟

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایہ کے مطابق مسافت کی مقدار تین دن درمیانی رفتار سے چلنا ہے، علاوہ ازیں فرسخ ومیل وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: مراقي الفلاح: ص ۱۶۲، بیروت۔ والهداية: ۱/ ۱۶۵۔ والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، وغیرہ۔

البتہ موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی سہولت اور آسانی کی غرض سے علمائے متأخرین نے فرسخ ومیل کا اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ تعیینِ فرسخ میں بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً: ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱ وغیرہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہیں۔

پھر مفتی بہ قول میں بھی مختلف اقوال ہیں: مثلاً بعض علماء نے ۱۸ فرسخ پر فتویٰ نقل کیا ہے ملاحظہ ہو: الشامي:

۲/ ۱۲۳،سعید۔الفتاوی التاتارخانیة:۲/۲۔شرح منیة المصلی:ص ۵۳۵،سهیل۔عمدةالقاری:۵/ ۳۸۵۔حاشیة الدرعلی الغرر:۱/ ۸۱۔ وغیرہ ۔

اس کے مقابل بعض دوسرے حضرات نے ۱۵ فرسخ والے قول پر فتوی نقل کیا ہے، جو ائمہ خوارزم کا مفتی بہ قول ہے۔ ملاحظہ ہو:الشامی:۲/ ۱۲۳،سعید۔بدائع الصنائع:۱/ ۹۳،سعید۔البحرالرائق:۲/ ۱۲۹،کوئٹة۔حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۴۲۱۔وغیرہ۔

ہمارے اکابر سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں: مثلاً حضرت مولانا نانوتویؒ سے ۲۴ میل۔ حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ سے ۳۶ میل انگریزی۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ سے ۴۸ میل۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور علامہ یوسف بنوریؒ وغیرہ سے ۴۵ میل (یعنی ۱۵ فرسخ جو ائمہ خورزم کا مفتی بہ قول ہے) منقول ہیں۔

نیز اکثر اکابر حضرات سے ۴۸ میل منقول ہیں وہ بھی ۴۵ میل شرعی کو انگریزی میں منتقل کرنے کی وجہ سے ہے پھر ۴۸ میل انگریزی سے حساب لگا کر ۷۸ کلومیٹر بنائے، اسی وجہ سے ۷۸ والا قول مشہور ہے۔

لیکن اگر ۴۵ میل شرعی کو انگریزی میں منتقل نہ کریں تو جدید حساب کے اعتبار سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ خوارزم کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جس کو ہمارے اکابرؒ نے اختیار فرمایا ہیں، مسافتِ قصر کی مقدار ۱۵ فرسخ، یعنی ۴۵ میل شرعی بحساب ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہے۔

یہ قول اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ اکابرؒ کی موافقت کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کے قول کے قریب بھی ہے، اور اس میں آسانی بھی ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں: اعلاء السنن میں ہے:

عن عبدالرحمن بن أبی بکرعن أبیه"أن رسول الله ﷺ وقت فی المسح علی الخفین ثلاثة أیام ولیالیهن للمسافر،وللمقیم یوم ولیلة" رواه ابن حبان فی صحیحه زیلعی:۱/ ۸۷، **وقال الطحاوی فی معانی الآثار** (۱/ ۱۵۰): **قد تواترت الآثارعن رسول الله ﷺ فی المسح علی الخفین للمسافرثلاثة أیام ولیالیها،وللمقیم یوم ولیلة.** (اعلاء السنن:۷/ ۲۶۹/ ۱۹۷۰، باب مسافت القصر،ادارة القرآن)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی البحر عن المجتبی:فتوی أکثر أئمه خوارزم علی خمسة عشرفرسخاً قلت: وهذا

أقرب إلى ماعلقه البخاری ونصه كان ابن عمر رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ يقصران ويفطران فی أربعة برد وهوستة عشرفرسخاً. (اعلاء السنن:۷/۲۸۳،ادارۃ القرآن کراچی)

بدائع الصنائع میں ہے:

واختلفوا فی التقديرقال أصحابنا:مسيرثلاثة أيام سيرالإبل ومشی الأقدام وهو المذكورفی ظاهرالروايات وروى عن أبی يوسفؒ يومان وأكثرالثالث،وكذاروى الحسن عن أبی حنيفةؒ وابن سماعة عن محمدؒ ومن مشايخنامن قدره بخمسة عشرفرسخاً وجعل لكل يوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل وقال مالكؒ:أربعة برد كل بريد اثناعشرميلاً واختلفت أقوال الشافعی فيه قيل ستة وأربعون ميلاً وهوقريب من قول بعض مسايخنالأن العادة أن القافلة لاتقطع فی يوم أكثرمن خمسة فراسخ. (بدائع الصنائع:۱/۹۳، بیان مایصیربه المقیم مسافراً،سعید)

البحر الرائق میں ہے:

وأشارالمصنفؒ إلى أنه لااعتباربالفراسخ وهوالصحيح......وفی النهاية الفتوى على اعتبارثمانية عشرفرسخاً وفی المجتبى:فتوى أكثرأئمه خوارزم على خمسة عشرفرسخاً.

(البحرالرائق:۲/۱۲۹،باب المسافر،الماجدیة)

شامی میں ہے:

قوله:ولااعتباربالفراسخ......على المذهب،لأن المذكورفی ظاهرالرواية اعتبارثلاثة أيام كمافی الحلية وقال فی الهداية:هوالصحيح احترازاًعن قول عامة المشايخ من تقديرها بالفراسخ،ثم اختلفوا فقيل:أحد وعشرون،وقيل:ثمانية عشر،وقيل:خمسة عشر، والفتوى على الثانی لأنه الأوسط، وفی المجتبى:فتوى أئمة خوارزم على الثالث، وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق فی السهل والجبل والبروالبحر بخلاف المراحل،معراج. (الشامی:۲/۱۲۳،باب صلاۃ المسافر،سعید۔وکذافی حاشیة الدررللعلامة الشرنبلالی:۱/۱۳۲،باب المسافر۔وکذافی معارف السنن:٤/٤٧٣، تحقیق مسافت القصر،سعید)

جواہر الفقہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

راجح اور صحیح مذہب امام اعظمؒ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافتِ سفرِ شرعی ہے۔

اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔حضرت امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کی ایک روایت یہی ہے۔اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔اور بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں۔اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافتِ قصر قرار دی،عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ پرفتوی نقل کیا ہے،اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبی اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے......۔

ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوار گذار نہیں ہیں اس لئے علمائے ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کردی ہے۔

نیز محققین علمائے ہندوستان نے ۴۸ میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے۔اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر بآسانی طے کرسکتا ہے،اور فقہائے حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتوی ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے،کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے،جو دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

عن ابن عباسؓ:أن رسول اللہ ﷺ قال: یا أهل مكة لاتقصروا الصلاة فی أدنى من أربعة بردمن مكة إلى عسفان. (رواه الدارقطنی:۱/۳۸۷،باب قدر المسافة التی تقصرفی مثلها صلاة،القاهرة)

اس روایت کی سند میں اگر چہ ایک راوی ضعیف ہے۔

(جواہر الفقہ:''اوزانِ شرعیہ'':۱/۴۳۵،مسافتِ سفر کی تحقیق،دار العلوم کراچی)

ایضاح المسائل میں ہے:

۴۵ میل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو میٹروں کے حساب سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر مسافتِ سفر بنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ (ایضاح المسائل: ص ۶۸، سفرِ شرعی کی مسافت پر سیر حاصل تحقیقی بحث، از مفتی شبیر احمد قاسمی، نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالمفتین: ۱/۲۶۳، دارالاشاعت۔ و المقاییس و المقادیر عند العرب: ص ۹۰، تالیف: الشهیدة نسیبة محمدفتحی الحریری، دارالمعارف دیوبند)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بلانیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک آدمی روشنی سے جوہانسبرگ جانے کے لئے نکلا وہاں پہونچ کراس کا ارادہ لوڈیم جانے کا ہوا اب یہ مسافر ہوگا یا مقیم؟ کیوں کہ ہر ایک مسافت مقدارِ سفر سے کم ہے جب کہ دونوں کا مجموعہ مسافتِ شرعی کے برابر ہے۔

الجواب: ابتداء سفر میں بیک وقت مسافتِ شرعی کی نیت ہو تو قصر کرے گا ورنہ نہیں، لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص مقیم ہوگا نہ کہ مسافر۔ ہاں واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنیابلاقصد لم یقصر. وفی الشامی: بأن قصد بلدة بینه وبینها یومان للإقامة بهافلما بلغها بداله أن یذهب إلی بلدة بینه وبینها یومان وهلم جراً. قال فی البحر: وعلی هذا قالوا: أمیر خرج مع جیشه فی طلب العدوولم یعلم أین یدرکهم فإنه یتم وإن طالت المدة أو المکث؛ أمافی الرجوع فإن کانت مدة سفرقصر. (الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعید۔ و کذافی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۳۰)

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافرمن قصد مسافة مقدرة بثلاثة أیام حتی یترخص له برخصة المسافرین وإلا لایترخص أبداً ولوطاف الدنیاجمیعها بأن کان طالب آبق أوغریم أونحوذلک.

(الفتاوی الهندیة: ۱۳۹/۱، صلاة المسافر۔ و کذافی امدادالفتاوی: ۱/۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدمِ عزم مسافتِ قصر۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سفر کا ارادہ ترک کر دیا تو واپسی میں قصر کا حکم:

سوال: کوئی شخص جوہانسبرگ سے ڈربن کے لئے روانہ ہوا جب ۵۰ کلومیٹر سفر کر چکا تو آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اب واپسی میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافتِ شرعی طے نہ کرنے کی وجہ سے واپسی میں قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فيتم بمجرد نية العود لعدم استحكام السفر. وفي الشامي: أي ولوفي المفازة وقياسه أن لايحل فطره في رمضان ولوبينه وبين بلده يومان لأنه يقبل النقض قبل استحكامه إذ لم يتم علة فكانت الإقامة نقضاً للسفر العارض لاابتداء علة للا تمام أفاده في الفتح....... أقول: ويظهرلي في الجواب أن العلة في الحقيقة هي المشقة وأقيم السفرمقامها ولكن لاتثبت علتها إلا بشرط ابتداء وشرط بقاء فالأول مفارقة البيوت قاصداً مسيرة ثلاثة أيام، والثاني استكمال السفرثلاثة أيام، فإذا وجد الشرط الأول ثبت حكمها ابتداء فلذا يقصر بمجرد مفارقة العمران ناوياً ولايدوم إلابالشرط الثاني فهوشرط لاستحكامها علة فإذا عزم على ترك السفرقبل تمامه بطل بقاؤها علة لقبولها النقض قبل الاستحكام. (الدرالمختارمع الشامي: ۱۲٤/۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱، صلاة المسافر)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص گھر سے نکلا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک کم مسافت والا اور دوسرا غالباً شرعی مسافت والا، مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کیا تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر منزلِ مقصود جانے کا ارادہ ہے اور غالب گمان کے مطابق مسافتِ شرعی ہے تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کرے گا ورنہ اتمام کرے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان أحدهم مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخردونها فسلك الطريق الأبعدكان مسافراً عندنا هكذا في فتاوى قاضيخان وإن سلك الأقصريتم (الفتاوى الهندية: ۱۳۸/۱، صلاة المسافر۔ وكذافي خلاصة الفتاوى: ۱۹۸/۱۔ والبحرالرائق: ۱۲۹/۲)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر راستہ میں قصر نہیں کیا اس کے خیال میں کم مسافت ہونے کی وجہ سے بعد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر تھی تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ نیز واپسی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے اور وقت کے اندر اعادہ واجب ہے۔ اور واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلالا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلاً كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق:٢/ ١٣٠، كوئتة-وكذافي الهداية مع الفتح:٢/٣٢، دارالفكر-والفتاوى الهندية: ١/١٣٩)

وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم. (شامي: ٢/١٢٨)

وفي البحر الرائق: أمافي الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا. (البحرالرائق:٢/١٢٨-وكذافي الشامي:٢/١٢٢، سعيد-والطحطاوي على الدرالمختار:١/٣٣٠)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر قعدۂ درمیانی میں بیٹھا ہے تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی اعادہ فرض نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:٤/٤٥٢)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر دو رکعت پر قعدہ کر کے بھول کر کھڑے ہوگئے اور چار رکعت پوری کر لی تو فرض ادا ہو گیا لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گذر جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں۔ (فتاوی محمودیہ:٧/٥١١، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر کا سفر شرعی میں عمداً اتمام کرنا:

سوال: اگر حنفی مسافر عمداً اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حنفی مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخیر السلام و ترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل كما حرره القهستاني، وكذا صرح في البحر بتأثيمه فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(شامی:۲/۱۲۸،باب صلاۃ المسافر،سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزيمة عندنا فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض في محله وهو الجلوس على الركعتين وتصير الأخريان نافلة له مع الكراهة...... (مراقی الفلاح:ص۱۶۴،باب صلاۃ المسافر،بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار رہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگرچہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔ (فتاوی رحیمیہ:۳/۵۱۔واحسن الفتاوی:۴/۷۷)۔واللہ ﷻ اعلم۔

وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ڈربن کا رہنے والا ہے، اور لینس میں مقیم ہے، نیز سامان وغیرہ بھی لینس میں ہے، لیکن لینس وطنِ اصلی نہیں وطنِ اقامت ہے پھر سفر کر کے وائٹ ریور چلا گیا اور واپسی میں لینس میں صرف ۵ دن قیام کا ارادہ ہے تو ان ۵ دنوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابرؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مطلق سفر سے وطنِ اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ اور دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سامان وغیرہ ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا بلکہ جب واپس آئے گا تو اتمام ہی کرے گا۔ موجودہ زمانہ میں حضرت مفتی رشید صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب اور حضرت مفتی فرید صاحب اور بعض دوسرے حضرات نے آسانی کی خاطر اسی پر فتوی دیا ہیں۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفي المحيط ولو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة فمات أهل بالبصرة وبقى له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لا تبقى وطناً له لأنها إنما كانت وطناً بالأهل لا بالعقار ألا ترى

أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطناً له وقيل تبقى وطناً له لأنها كانت وطناً له بالأهل والدار جميعاً فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر. (البحر الرائق:٢/١٣٦،باب المسافر،الماجدية۔وكذا في مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ١/١٦٤، باب صلاة المسافر۔بحواله محيط السرخسي)

بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي... وينتقض بالسفر أيضاً لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضاً عن التوطن به فصار ناقضاً له دلالة. (بدائع الصنائع:١/١٠٤، مطلب في ان الاوطان ثلاثة،سعيد)

بحر اور بدائع کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامان وہاں پڑا ہے اور وطن اقامت سے اعراض کا ارادہ بھی نہیں ہے تو محض سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوگا۔

خیر الفتاوی میں ہے:

مستقل وطنِ اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا۔(خیر الفتاوی:٢/٦٨٧)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:(احسن الفتاوی ''رسالہ وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال'' ٤/٩٨۔١١٠،باب صلاۃ المسافر)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے ائیرپورٹ میں مغرب کی نماز پڑھ لی اور جہاز مغرب کی طرف اڑا اور دوبارہ سورج نظر آنے لگا پھر غائب ہوا تو کیا دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔**قال في شرح التنوير فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله الظاهر نعم)**

بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود ......قلت: على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعاً للشافعية بان صلوٰة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها اداءً وما في الحديث خصوصية على رضی اللہ عنہ كما يعطيه قوله عليه الصلوٰة والسلام انه كان في طاعتك وطاعة رسولك .قلت: ويلزم على الاول بطلان صوم من افطر قبل ردها و بطلان صلاة المغرب لوسلمنا عود الوقت بعودها للكل. رد المحتار: ١/٣٦٠۔(احسن الفتاوی ٤/٦٩)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احتراماً للوقت وموافقة للمسلمين، وہ نماز پڑھے اگر چہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔(فتاوی محمودیہ: ۱۰/۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاوقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حالتِ حیض میں سفر کا حکم:

سوال: ایک عورت جوھانسبرگ سے حائضہ تھی ڈربن پہنچی تو پاک ہوگئی ڈربن میں تین دن قیام ہے وہاں قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر احکام کے اعتبار سے کالعدم ہے یعنی اس کا شمار نہیں ہے لہذا حائضہ عورت ڈربن کے قیام میں پاک ہو کر اتمام کرے گی، البتہ واپسی میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح كصبي بلغ بخلاف كافر أسلم (قوله: تتم في الصحيح) كذا في الظهيرية قال ط: وكانه لسقوط الصلاة عنها فيمامضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامی: ۲/۱۳۵، باب صلاة المسافر۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/٣٣٧۔ وشرح منية المصلي: ص٥٤٢، سهيل ايكدمی).

وفي البحر الرائق: أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا. (البحر الرائق: ۲/۱۲۸۔ وكذا في الشامي: ٢/١٢٢، سعيد۔ والطحطاوي على الدر المختار: ١/٣٣٠).

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: چار منزل جانے کی نیت سے چلی لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گذریں تب بھی وہ مسافر نہیں ہے۔ اب نہا دھو کر پوری چار رکعتیں پڑھے۔ (بہشتی زیور دوسرا حصہ: ص ۴۹)۔

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۴/ ۸۷۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۱۴۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حائضہ کے سفر کے بارے میں دوسرا قول:

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ مقام طہارت سے ابتدائے سفر کا اعتبار ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ ابتدائے سفر کا اعتبار ہے، مقام طہارت کا اعتبار نہیں، چنانچہ مذکورہ عورت ڈربن میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ کیجئے علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

قال في مختصر الظهيرية: الحائض إذا طهرت وبينها وبين المقصد أقل من ثلاثة أيام تصلي أربعاً هو الصحيح، قلت: ولا يخفى أنها لا تنزل عن رتبة الذى أسلم فكان حقها القصر مثله. (حاشية الشرنبلالية على الدرر: ۱/ ۱۳۲).

وقال فى المحيط البرهاني: وفي متفرقات الفقيه أبي جعفر... وأما الحائض إذا طهرت في بعض الطريق قصرت الصلاة، لأنها مخاطبة. (المحيط البرهانى: ۲/ ۴۱).

الجوہرۃ النیرہ میں مذکور ہے:

(قوله والحيض يسقط عن الحائض والصلاة) فيه إشارة إلى أنها وجبت عليها الصلاة ثم سقطت و هذه المسألة اختلف فيها الأصوليون و هي أن الأحكام هل هي ثابتة على الصبي والمجنون والحائض أم لا ؟ فاختار أبو زيد الدبوسي أنها ثابتة والسقوط بعذر الحرج، قال: لأن الآدمي أهل لوجوب الحقوق عليه ألا ترى أن عليه عشر أرضه وخراجها بالإجماع وعليه الزكاة عند الشافعي وكلام الشيخ بناء على هذا. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۳۴، امداديه ملتان). (وكذا فى البناية شرح الهداية: ۱/ ۶۳۴، مكتبه رشيديه، كوئٹه).

قال فى الشامية: وأجاب في نهج النجاة بأن مانعها سماوي بخلافه، أى وإن كان كل منهما من أهل النية بخلاف الصبي، لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها

من الأول، بخلاف الكافر فإنه قادر على إزالة المانع من الابتداء فصحت نيته . (فتاوى الشامي: ۲/ ۱۳۵، سعید).

مذکورہ بالا کتبِ فقہ مثلاً: حاشیہ شرنبلالیہ، متفرقاتِ فقیہ ابی جعفر اور جوہرہ وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا سفر اپنی بستی سے شروع ہوجاتا ہے وقتِ طہارت سے نہیں۔ بظاہر یہ قول آسان اور بہتر ہے کیونکہ حائضہ اور کافر دونوں مکلّف ہونے اور بالغ ہونے کی وجہ سے سفر کی نیت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

اور علامہ شامیؒ نے نہج النجاۃ سے جو بات نقل کی ہے کہ حائضہ کا عذر مانع سماوی ہے کہ وہ من جانب اللہ نماز کی اہل نہیں تو اس کی نیتِ صلوٰۃ لغو ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں صلوٰۃ کی نیت مراد نہیں کہ وہ لغو ہوجائے بلکہ قطع مسافت کی نیت مراد ہے اور اس میں کافر اور حائضہ دونوں برابر ہیں، نیز حائضہ کو ابتدائے سفر سے مسافرہ سمجھنا آسان اور معقول ہے، ہاں صبی کی نیت عدمِ بلوغ کی وجہ سے ناقص ہے اس لیے اس کے سفر کے احکام وقتِ بلوغ سے شروع ہوں گے۔

بالفاظِ دیگر صبی غیر مکلّف ہے اب مکلّف بن گیا اور کافر اور حائضہ دونوں بالغ ہیں ہاں نماز کے بارے میں دونوں غیر مکلّف ہیں لیکن سفر کی نیت کی اہلیت رکھتے ہیں، نیز حائضہ کے عذر کے سماوی ہونے اور اس کے بے قصور ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حائضہ اور نفساء کو ابتدائے سفر سے مسافرہ تسلیم کیا جائے تاکہ ان کو قصر اور سنتِ مؤکدہ کے نہ پڑھنے کی رعایت مل جائے اور اس پر اتمام کا بوجھ نہ پڑے گویا یہ ایک قسم کا استحسان ہوجائیگا۔

واللہ ﷻ اعلم۔

جائے اقامت پر پاک ہوکر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک عورت حالتِ حیض میں جوبرگ سے ڈربن جارہی ہے، پیٹر میریز برگ پہنچ کر پاک ہوئی اب ڈربن تک وہ نماز کا اتمام کرے گی، کیونکہ وہاں سے ڈربن ۶۰ کیومیٹر ہے، یہ مسئلہ تو معلوم ہے اور فتاویٰ دار العلوم زکریا میں مرقوم ہے۔ اب ایک اور مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ اگر ڈربن پہنچنے تک اس عورت کا حیض جاری رہا اور ڈربن میں ۱۶ دن کا قیام ہے، اور وہ عورت ڈربن پہنچنے کے ۶ دن بعد پاک ہوگئی تو اب بقیہ دس دن میں وہ مقیم کی طرح ہے یا مسافر کی طرح؟ یعنی قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر کا اعتبار نہیں، لہذا بصورتِ مسئولہ مذکورہ عورت جب ڈربن پہنچنے کے ۶ دن بعد پاک ہوئی تو وہ مقیم کی طرح ہوگی، یعنی بقیہ دس ایام میں پوری نماز ادا کرے گی، البتہ جوبرگ کی طرف

واپسی میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والحائض إذا طهرت وقد بقي بينها وبين مقصدها أقل من ثلاثة أيام تتم الصلاة هو الصحيح ذكره في الظهيرية. (شرح منية المصلى،ص:٥٤٢،سهيل).

حاشية الطحطاوى میں ہے:

طهرت الحائض وبقى لمقصدها يومان تتم فى الصحيح ، كأنه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبرحكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (الدرالمختارمع حاشية الطحطاوى:١/٣٣٧،كوئته).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في الشرنبلالية : ولايخفى أن الحائض لاتنزل عن رتبة الذى أسلم فكان حقها القصرمثله. وأجاب في نهج النجاة: بأن مانعها سماوي بخلافه أى وإن كان كل منهما من أهل النية بخلاف الصبى لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها من الأول بخلاف الكافرفإنه قادر على إزالة المانع من الابتداء فصحت نيته. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/١٣٥،سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حیض کی حالت میں شرعی حد کی مسافرت میں نکلی جہاں جا کر حیض منقطع ہوگیا اگر وہاں ٹھہر جائے یا اس سے آگے تین منزل سے کم اور جانا ہو تو دونوں صورت میں مسافر نہیں پوری نماز پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۵۰۲، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

خواہ ادا پڑھے یا قضا بہر صورت اس پر پوری نماز فرض ہے۔ **قال فى العلائية: طهرت الحائض وبقى لمقصدها يومان تتم فى الصحيح...** یہ حکم جب ہے کہ ابتداء سفر سے حائضہ ہو اگر حالتِ طہارت میں سفر کی ابتداء ہوئی ہو تو حیض ختم ہونے کے بعد بھی قصر ہی پڑھے گی، **كما يفهم من قول ابن عابدين: لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها من الأول .** (احسن الفتاویٰ:۴/۸۷)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ الفقہ:۲/۴۱۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلانیت سفر کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں: زید نے سفر کیا ایک جگہ (الف) کا جو کہ اپنے گھر سے ۶۰ کلومیٹر ہے اور ارادہ اسی جگہ کا تھا یہاں سے پھر کسی وجہ سے ایک اور جگہ (ب) کا سفر کیا جو کہ (الف) سے ۴۰ کلومیٹر ہے مگر جب (ب) پر پہنچا تو ارادہ یہی کا تھا کہ (ب) پر دو گھنٹے ٹھیر کر پھر (الف) جگہ آ کر گھر چلا جاؤں گا۔ تو کیا (ب) پر قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز جب واپسی میں جگہ اول (الف) پر آئے تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید جگہ (ب) پر اتمام کرے گا اس وجہ سے کہ جگہ (الف) سے جگہ (ب) ۴۰ کلومیٹر ہے جو شرعی مسافت سے کم ہے، اور واپسی میں گھر آتے وقت مجموعہ ۱۰۰ کلومیٹر بنتا ہے لہذا جگہ (الف) پر قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بهافلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جراً. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. (الدر المختار مع الشامي: ۲/ ۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۳۳۰۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۲۹۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۴۲).

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبداً ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، صلاة المسافر۔ وكذا في امداد الفتاوى: ۱/ ۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدمِ عزمِ مسافتِ قصر)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم:

سوال: اگر شوہر سسرال چلا جائے اور بیوی اپنے میکے والدین کے ہاں جائے تو قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب: شوہر نے شادی کے بعد اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو اب یہ ان کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوگا، اور یہاں اتمام کریں گے، اگر خود شوہر تو اس شہر میں نہیں رہتا مگر بیوی وغیرہ کی مستقل سکونت وہیں ہو تو بھی یہ شخص اتمام کرے گا، اور اگر شادی کے بعد رخصتی ہوگئی اور شوہر بیوی کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو اب اگر شوہر سسرال جائے اور بیوی میکا جائے تو اگر پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو قصر کریں گے۔اور صحیح قول یہی ہے کہ محض شادی کرنے سے اتمام کا حکم عائد نہیں ہوگا جب تک اس کو وطن نہ بنالے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذاجاوزعمران مصره......إن كان ذلك وطناً أصلياً بأن كان مولده وسكن فيه أولم يكن مولده ولكنه تأهل به وجعله داراً. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/١٦٥،باب صلاة المسافر-وكذافي خلاصة الفتاوى:١/١٩٨،رشيديه).

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محض شادی کرنے سے ہی سسرال وطنِ اصلی بن جائے گا اور آدمی وہاں مقیم ہوگا۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حدیث ملاحظہ ہو مسند احمد میں ہے:

حدثناأبوسعيد يعني مولى بني هاشم حدثناعكرمة بن إبراهيم الباهلي حدثنا عبد الله بن عبدالرحمٰن بن أبي ذباب عن أبيه أن عثمان بن عفان رضي الله عنه صلى بمنى أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال: ياايها الناس إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم...... (مسنداحمد:١/٣٥١).

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ دیگر بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض اہل مکہ میں رہتے تھے اس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے اتمام فرمایا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولوكان له أهل ببلدة فاستحدث في بلدة أخرى أهلاً آخركان كل واحد منهما وطناً أصلياً له روى أنه كان لعثمان رضي الله عنه أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعاً.

(كفاية شرح هداية:٢/١٧).

محض شادی کرنا اتمام کے لئے کافی ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ میں شادی فرمائی تھی اس کے باوجود

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر قصر فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قال حدثني يحيى بن أبي إسحاق سمعت أنساً رضي الله عنه يقول: خرجنا مع النبي ﷺ من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة قلت: أقمتم بمكة شيء قال: أقمنا بها عشراً. (رواه البخاري: ١/١٤٧).

کفایہ میں ہے:

ألا ترى أن مكة كانت وطناً أصلياً لرسول الله ﷺ ثم لما هاجرمنها إلى المدينة بأهله وتوطن ثمة انتقض وطنه بمكة حتى قال عليه الصلاة والسلام عام حجة الوداع أتموا صلاتكم ياأهل مكة فإنا قوم سفر. (الكفاية: ٢/١٧).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہوجاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے......اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں بھی ان کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا، بلکہ اہل کا وہاں تزوج کے بعد مکہ میں رکھنا سبب تھا۔ (امداد الاحکام: ۱/۶۹۶)۔

نیز اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

فهذا الحديث لايصح لانه منقطع وفي رواته من لايحتج به. (فتح الباري: ٢/٥٧٠، باب يقصر اذاخرج من موضعه)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شادی کے بعد لڑکی کے لیے میکے میں قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی لڑکی کا نکاح کسی ایسے شہر میں ہوجائے جو لڑکی کے والدین سے ۸۱ کلومیٹر سے زائد کی مسافت پر ہو اور وہ لڑکی والدین کے ہاں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: شادی کے بعد لڑکی نے اپنے سسرال کو وطنِ اصلی بنالیا اور وہیں پر سکونت اختیار کرلی پھر اپنے میکے میں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أوبلدة أخرى اتخذها داراً وتوطن بها مع

أهلـه وولـده وليـس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهوأن يتوطن في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً حتى لـو دخله مسافراً لايتم. (البحـر الرائـق:٢/١٣٦،باب المسافر،الماجدية۔وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص٤٢٩، باب صلاة المسافر،قديمي۔وكذافي شرح منية المصلي:ص٥٤١،سهيل ايكدمي)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہراور بیوی دونوں بحالتِ سفر وہاں قصر کریں گے۔بدليل قصره ﷺ وأهله بمكة۔(امدادالاحکام:۱/۷۱۹،فصل فی صلاۃ المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۳۔واسلامی فقہ ازمولانا مجیب اللہ ندوی:۱/۲۹۵۔وآپ کے مسائل اوران کاحل:۲/۳۸۳۔وبہشتی زیور:۲/۵۰۔واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی اور جگہ رہتا ہے اور بیوی کو کسی دوسری جگہ رکھا ہے اس شخص کی آمدورفت اکثر بیوی کے ہاں رہتی ہے تو اس آمدورفت میں اگر ۱۵دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شوہر اس آمدورفت میں بیوی کے ہاں اتمام کرے گا،اس لئے کہ یہ اس کاوطنِ اصلی ہے،اوروطنِ اصلی ایک سے زائد ہوسکتے ہیں۔ ملاحظہ ہوفتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسافر بلدة له فيهاأهل صارمقيماً نوى الإقامة أولا. (الفتاوى السراجية: ص١٢،آرام باغ كراچى ،باب صلاة المسافر)

البحرالرائق میں ہے:

قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله لأنه لولم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرى فإن الأول لم يبطل ويتم فيها. (البحرالرائق:٢/١٣٦،باب المسافر،الماجدية)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لـم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضاً ببلدة أخرى فلايبطل وطنه الأول وكل منها وطـن أصل له.وفي الطحطاوي:وكذا لواسحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما

یظهر.(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:ص۴۲۹،قدیمی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:امدادالاحکام:۱/۷۱۹،فصل فی صلاۃ المریض والمسافر،دارالعلوم کراچی)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کریگا:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے،البتہ بعض دیگر کتب میں عدم قراءت والاقول مرقوم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدى فى بقية صلاته إذا كان مدركاً،أى لايجب عليه لأنه شفع أخير فى حقه ومن مشائخنا من قال: ذكرفى الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو.(بدائع الصنائع:۱/۲۷۷،صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافرأتم المقيم منفرداً لأنه التزم الموافقة فى الركعتين فصاركالمسبوق فى التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفرداً فيقرأ وقيل: لايقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة.(شرح النقاية:۱/۲۸٤،صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فى الأصح) وقال الحلوانى: يقرأ، قهستانى.(طحطاوى على الدر:۱/۳۳۵)

دوسرے قول کے دلائل ملاحظہ ہو: فتاوى قاضى خان على هامش الهندية:۱/۱۶۹۔والهندية: ۱/۱٤۳۔ والشامى:۲/۱۲۹،سعيد۔والبحرالرائق:۲/۱۳۵۔وهدايه مع الفتح :۲/٤۰۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی مسافر نے شافعی مسافر کی ظہر کی نماز میں اقتداء کرلی،شافعی نے اتمام کیا تو حنفی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے حنفی کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ شافعی کے نزدیک ۲ پڑھنا رخصت ہے اور ۴ کی بھی اجازت ہے۔

لیکن عام فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے تو اس قول کی روشنی میں مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مقتدی کے مذہب کے اعتبار کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی کے نزدیک امام فرائض کو پورا کردے اور مفسدات کا ارتکاب نہ کرے اگر مقتدی کے مذہب میں ترک واجبات کرے تو یہ اقتداء اور صحتِ نماز کے لئے کافی ہے، صورتِ مسئولہ میں بھی فرائض کی ادائیگی ہوئی ہاں نفل کا خلط فرض کے ساتھ لازم آیا جو ترک فرائض کے ذیل میں نہیں آتا لہذا نماز صحیح ہوگئی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زيد يقول: صلى بنا عثمان رضي الله عنه بمنى أربع ركعات فقيل في ذلك لعبدالله بن مسعود رضي الله عنه فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنىٰ ركعتين وصليت مع أبي بكر الصديق رضي الله عنه بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه بمنى ركعتين فليت حظي من أربع ركعات ركعتان مقبلتان. (رواه البخاري: ۱/۱۴۷/۱۰۷۳، باب الصلاة بمنى، فيصل)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنورشاه الكشميريؒ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم في الفروع. فالصحابة رضي الله عنهم والتابعونؒ وكذا أئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء في الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين في آرائهم واقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكير أو خلاف في ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أويتبعون أهل المذاهب إن كانوا مقلدين لهم. (معارف السنن: ۱/۱۶۰، سعيد)

حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في الدر المختار عند تعديد الواجبات فصرح في ضمنه أن المتابعة تصح عندنا في

الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعي ونقله الحافظ ابن تيمية عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندنا وسيع......وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطاً ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبويوسف وماذلك إلاليكون الاقتداء جائزاً ولولاذلك لما كان أبويوسف ليقتدى به فإنه أورع من ذلك .... (فيض الباری علی صحيح البخاری:۲/۳۹۶،باب الصلاة،بمنی المكتبة العزيزية)

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: ''بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وان شك كره'' اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''بقوله هذا هوالمعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ'' البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مأول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنى التأويل ما نقله فى رد المحتارعن حاشية الرملي على الأشباه الذى يميل إليه خاطرى القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں کما فی رد المحتار أى المراعات فى الفرائض من شروط وأركان فى تلك الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن كما هوظاهرسياق كلام البحروظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعي فيجوزمالم يعلم منه ما يفسدالصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة.

قلت: فى التمثيل بالشافعي الذى الأصل فيه عدم التعصب... (امدادالفتاوی ۱/۳۰۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم:

سوال: اگر مسافر نے مقیم کے پیچھے چار رکعت پڑھ لی، اور امام کی نماز فاسد ہوگئی پھر مسافر اپنی نماز پڑھے گا تو چار پڑھے گا یا دو پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی نماز فاسد ہوجانے کی وجہ سے مسافر اگر تنہا پڑھے تو دو رکعت

پڑھے گا۔ ملاحظہ ہو شامی ہے: **ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر**.(شامی:۲/ ۱۳۰،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدی مسافر بمقیم أتم أربعاً وإن أفسده یصلی رکعتین. (الفتاوی الھندیة:۱/ ۱۴۲، باب صلاة المسافر۔وکذافی بدائع الصنائع:۱/ ۹۳،سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے بوجہ متابعتِ امام، اور اگر اس کو فاسد کر دیا یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اب اگر اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتداء کرلے تو دو رکعتیں پڑھے کیوں کہ جس وجہ سے چار لازم ہوئی تھیں وہ وجہ زائل ہوگئی اور اگر پھر مقیم کی اقتداء کی تو چار پڑھے۔(عمدۃ الفقہ :۲/ ۴۲۲،مسافر کی نماز کا بیان،کراچی۔وکذافی فتاوی رحیمیہ:۵/ ۱۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

واپسی میں مسافت شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اسپرنگ سے لینس ایسے راستہ سے پہنچا جس میں مسافتِ شرعی طے نہیں ہوئی تو لینس میں اس نے قصر نہیں کیا لیکن واپسی دوسرے راستہ سے ہوئی جو مسافتِ شرعی کے بقدر ہے تو واپسی میں قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال فی البحر:وعلی ھذا قالوا:أمیر خرج مع جیشه فی طلب العدو ولم یعلم أین یدرکھم فإنه یتم وإن طالت المدة أو المکث،أما فی الرجوع فإن کانت مدة سفر قصر.

(فتاوی الشامی:۲/ ۱۲۲،باب صلاة المسافر،سعید۔وکذافی الطحطاوی علی الدر:۱/ ۳۳۰۔ والبحرالرائق: ۲/ ۱۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے:

سوال: ایک شخص کئی سال سے مدرسہ میں مقیم ہے، اور شروع میں دو تین ہفتے کے بعد گھر جاتا تھا اور اب ہر ہفتہ جاتا ہے اس کا گھر روشنی میں ہے ظاہر ہے کہ روشنی کا رہنے والا یہاں مسافر نہیں ہے وہ کسی کام سے

ایک دن کے لئے ڈربن گیا اور واپس آیا اب گھر جانے سے پہلے وہ مسافر ہوگا یا مقیم؟

الجواب: سفر شرعی طے کرنے والا شخص مسافر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں داخل ہوجائے یا کسی جگہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کرلے تو پھر اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایزال علی حکم السفرحتی ینوی الإقامة فی بلدة أوقرية خمسة عشريوماً أو أكثر كذا فی الهداية. (الفتاوی الهندية:۱/۱۳۹،باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله:حتی يدخل موضع مقامه إن سارمدة السفرأی إنما يدوم علی القصرإلی الدخول إن سارثلاثة أيام. (شامی:۲/۱۲٤،باب صلاة المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتح القدیر:۲/۳٤،دارالفکر۔والبحرالرائق:۲/۱۳۱،الماجدية)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقیم امام نماز توڑدے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی مقیم امام نے رکعتِ ثانیہ کے قعدہ میں قصداً نماز توڑدی اب مسافر دو رکعت پڑھے یا سابقہ تحریمہ کی وجہ سے چار پڑھے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے فرض نماز کی اقتداء کی تھی تو دو رکعت پڑھے گا، اور اگر نفل کی نیت سے اقتداء کی تھی تو چار پڑھے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدی مسافربمقيم أتم أربعاً وإن أفسده يصلی ركعتين بخلاف مالواقتدی به بنية النفل ثم أفسد حيث يلزم الأربع كذا فی التبيين. (الفتاوی الهندية:۱/۱٤۲،باب صلاة المسافر)

البحرالرائق میں ہے:

فلوأفسده صلی ركعتين لزواله بخلاف مالواقتدی بالمقيم فی فرضه ينوی النفل حيث يصلی أربعاً إذا أفسده لأنه التزم أداء صلاة الإمام وهنا لم يقصد سوی إسقاط فرضه.

(البحرالرائق:۲/۱۳٤،باب المسافر،الماجدية ۔وكذافی الشامی:۲/۱۳۰)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہو تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی آدمی نے کسی ملک کا سفر کیا وہاں چھ ماہ مقیم رہا پھر دوسری جگہ کا سفر کیا جو تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دور ہے اس کے بعد جب وہ پہلی جگہ پر لوٹا صرف پانچ دن رہنے کی نیت سے تو قصر کرے گا یا اتمام؟ اور امام بنے تو کیا کرے گا؟

الجواب: وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے، جب کہ سامان وغیرہ کچھ نہ ہو اور واپسی کا ارادہ بھی نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ جب دوبارہ لوٹے اور ۱۵ دن سے کم کی نیت ہے تو قصر کرے گا اگر امام بنے تب بھی قصر لازم ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي......وينتقض بالسفر أيضاً لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضاً عن التوطن به فصار ناقضاً له دلالة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۰۴، مطلب فی ان الاوطان ثلاثة، سعید)

شامی میں ہے:

قوله وبانشاء السفر أي منه وكذا من غيره إذا لم يمر فيه عليه قبل سير مدة السفر قال في الفتح: أن السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مرور على وطن الإقامة أوما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر، أقول: ويوضح ذلك ما في الكافي والتتارخانية: خراساني قدم بغداد ليقيم بها نصف شهر......وأفاد أن انشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال في البدائع: لو أقام خراساني بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلى مكة فقبل أن يسير ثلاثة أيام عاد إلى الكوفة لحاجة فإنه يقصر لأن وطنه قد بطل بالسفر.

(شامی: ۲/ ۱۳۲، باب صلاة المسافر، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک مسافر شخص مسجد میں آیا اور غالب گمان کے موافق امام کی اقتداء میں ظہر کی چار رکعت کی نیت کرلی بعد میں معلوم ہوا کہ امام بھی مسافر ہے، اب نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: تعدادِ رکعت میں غلطی نماز کے منافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسافر مقتدی کی

نماز مسافر امام کے پیچھے صحیح ہوگئی۔ہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ امام کا حال معلوم نہیں پھر کیسے نماز صحیح ہوئی ؟اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ضروری نہیں بلکہ درمیان میں یا نماز کے بعد متصل معلوم ہونا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولایشترط نیة عدد الرکعات هکذافی شرح الوقایة،حتی لونواهاخمس رکعات وقعد علی رأس الرابعة أجزأه وتلغونیة الخمس کذافی شرح منیة المصلی لابن أمیرالحاج .

(الفتاوی الهندیة:۱/۶۶۔وشرح منیة المصلی:ص۵۴۳،سهیل ۔وشرح النقایة:۱/۱۴۷)

الدرالمختار میں ہے:

وندب للإمام أن یقول أتموا صلاتکم فإني مسافر، هذا یخالف الخانیة وغیرهاأن العلم بحال الإمام شرط لکن فی حاشیة الهدایة للهندی الشرط العلم بحاله فی الجملة لافی حال الابتداء...... .وفی الشامی:قوله ان العلم......ثم وجه المخالفة أنه إذاکان یشترط لصحة الاقتداء العلم بحال الإمام من کونه مسافراً أومقیماً لایکون لقول الإمام أتمواصلاتکم فائدة لأن المتبادر أن الشرط لا بد من وجوده فی الابتداء و اتفاقهم علی استحباب قول الإمام ذلک لرفع التوهم ینافی اشتراط العلم بحاله فی الابتداء قوله لکن ......أورد ذلک سوالاً فی النهایة والسراج والتتارخانیة ثم أجابوا بما یرجع إلی ذلک الجواب وحاصله:تسلیم اشتراط العلم بحال الإمام ولکن لایلزم کونه فی الابتداء فحیث لم یعلموا ابتداء بحاله کان الاخبارمندوباً وحینئذٍ فلامخالفة فافهم...... .والحاصل أنه یشترط العلم بحال الإمام إذاصلی بهم رکعتین فی موضع الإقامة وإلا فلا. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۲۹،سعید)

طحطاوی میں ہے: **قوله فی الجملة أی فی الابتداء أوالانتهاء وعلیه یحمل مافی الخانیة.** (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۳۵)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا کہ میں

مسافر ہوں تو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا پھر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز پوری کرلے، اور اگر سجدہ کے بعد یاد آیا تو چار رکعت پوری کرے اخیری دو رکعت ظہر کی سنت ہوگی، اور بہر صورت سجدۂ سہو واجب ہوگا تاخیر سلام کی وجہ سے۔ اور اگر قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو نماز فاسد ہوگئی ازسرِ نو قصر کرنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

مسافرصلى الظهرركعتين وقام إلى الثالثة ناسياً بعد ماقعد قدرالتشهد ثم تذكر ذلك في قيام الثالثة أوفي ركوعها فإنه يعود ويقعد، وإن تذكربعد ماقيدالثالثة بالسجدة يتم صلاته أربعاً وكانت الثالثة والرابعة له سنة الظهر، وإن لم يكن قعدعلى رأس الركعتين إن تذكرفي قيام الثالثة عاد، وإن لم يعد حتى قيدها بالسجدة فسدت صلاته. (الفتاوى التتارخانية: ۲/۳، ادارة القرآن۔ وكذافي فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۱۶۸) ۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہوجاتا ہے:

سوال: کسی شخص کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) تھا وہاں سے بیلفور (Balfour) منتقل ہوگیا اور اس کو وطن بنالیا، شادی کے بعد دوبارہ بینونی (Benoni) مع اہل وعیال واپس آگئے اور صرف بینونی (Benoni) کو وطنِ اصلی بنالیا تو اب بیلفور (Balfour) جانے پر یہ شخص مسافر رہے گا یا مقیم؟

الجواب: وطنِ اصلی کو چھوڑ کر دوسرا وطنِ اصلی بنالیا جائے تو پہلا وطنِ اصلی باطل ہوجاتا ہے لہذا اب سائل کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) شمار ہوگا۔ بیلفور (Balfour) وطنِ اصلی نہیں رہا وہاں جانے پر مسافر شمار ہوگا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

الوطن الأصلي هوموطن ولادته أوتأهله أوتوطنه ويبطل بمثله إذالم يبق له بالأول أهل. وفي الشامي: قوله أوتوطنه أي عزم على القرارفيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل، فلوكان له أبوان ببلد غيرمولده وهوبالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطناً له إلا إذا عزم على القرارفيه وترك الوطن الذي كان له قبله شرح منية. قوله ويبطل بمثله، سواء كان بينهما مسيرة سفر أولا، ولا خلاف في ذلك كما في المحيط قهستاني. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۱۳۱، باب

صلاة المسافر،سعید۔وکذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۴۲۹، باب صلاة المسافر، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۱۴۲)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا پھر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا جہاں ملازمت وغیرہ کرتا ہے۔اب اس شخص کے لئے درست ہے کہ ملازمت کی جگہ کو وطنِ اصلی قرار دیکر پہلے وطنِ اصلی میں اپنے آپ کو مسافر شمار کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سائل جب مع اپنے اہل وعیال اور سامان کے ملازمت کی جگہ منتقل ہوگیا اور وہیں رہنے کا ارادہ بھی کرلیا تو جائے ملازمت اس کے لئے وطنِ اصلی بن گیا اب پہلی جگہ آئے تو مسافر شمار ہوگا۔اس لئے کہ صرف والدین کا ہونا وطنِ اصلی کے لیے کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن کان له وطن فانتقل منه واستوطن غیره ثم سافرفدخل وطنه الأول قصرلأنه لم یبق وطناً له ألا تری أنه علیه الصلاة والسلام بعدالهجرة عد نفسه بمکة من المسافرین .

(هداية:۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلی ینتقض بمثله لاغیروهوأن یتوطن الإنسان فی بلدة أخری وینقل الأهل إلیها من بلدته فیخرج الأول من أن یکون وطناً أصلیاً له حتی لودخل فیه مسافراً لاتصیرصلاته أربعاً وأصله أن رسول اللّٰه ﷺ والمهاجرین من أصحابه رضی اللہ عنہم کانوا من أهل مکة وکان لهم بها أوطان أصلیة ثم لماهاجروا وتوطنوابالمدینة وجعلوهاداراً لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلی بمکة حتی کانوا إذا أتوا مکة یصلون صلاة المسافرین حتی قال النبی ﷺ حین صلی بهم أتموا یا أهل مکة صلاتکم فإناقوم سفر. (بدائع الصنائع:۱/۱۰۳،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱۴۲۔والبحرالرائق۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدیة:) ۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے:

سوال: ایک شخص مع اپنے اہل وعیال کے جائے ملازمت منتقل ہوگیا ہے لیکن والدین دوسری جگہ

مقیم ہیں یہ شخص والدین کے وطن کو بھی اپنا وطنِ اصلی قرار دیتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور نے جائے ملازمت کو اپنا وطنِ اصلی نہیں بنایا بلکہ صرف اقامت کی نیت ہے اور والدین کی جائے اقامت کو وطنِ اصلی قرار دیتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیوں کہ وطنِ اصلی وطنِ اقامت سے باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں کو وطنِ اصلی شمار کرتا ہے تو کچھ شرائط ہیں: مثلاً دوسری جگہ شادی کی ہو اور بیوی وہیں مقیم ہو یا دونوں جگہ گھر ہو اور سامان وغیرہ بھی موجود ہو نیز رہنے کا بھی عزم ہو منتقل نہ ہو گیا ہو وغیرہ۔

تاہم مسئلہ کی ظاہری شکل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شخصِ مذکور کے لئے جائے ملازمت وطنِ اصلی کے درجہ میں ہے، اور والدین کی جگہ وطنِ اصلی نہیں کیوں کہ صرف والدین کا ہونا وطن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحداً أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نيته الخروج منها. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۰۳، سعید)

ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الأول قصر لأنه لم يبق وطناً له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين.

(هداية: ۱/ ۱٦٧)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لا غير وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً له حتى لو دخل فيه مسافراً لا تصير صلاته أربعاً وأصله أن رسول الله ﷺ والمهاجرين من أصحابه رضی اللہ عنہم كانوا من أهل مكة وكان لهم بها أوطان أصلية ثم لما هاجروا وتوطنوا بالمدينة وجعلوها داراً لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلي بمكة حتى كانوا إذا أتوا مكة يصلون صلاة المسافرين حتى قال النبي ﷺ حين صلى بهم أتموا يا أهل مكة صلاتكم فإنا قوم سفر. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۰۳، سعید۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۱٤۲۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۳٦، باب المسافر، الماجدية)

امداد الاحکام میں ہے:

نصوصِ فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) وطنِ اصلی وہ ہے جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو۔

(۲) جب کسی دوسرے مقام میں توطن کا ارادہ ہو تو بدونِ نقلِ اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔

(۳) وطنِ اصلی متعدد ہو سکتے ہیں حتی کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں اور ہر بیوی کو اسی کے شہر رکھے تو اس شخص کے چار وطنِ اصلی ہو جائیں گے۔

(۴) جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا۔

(۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/۶۹۵ فصل فی صلاۃ المسافر، کراچی)

خلاصہ: ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر اہل وعیال کے کسی جگہ کو وطنِ اصلی کہے تو بظاہر وہ وطنِ اصلی نہیں ہوگا۔ اور والدین کا شمار اہل میں نہیں ہے، بلکہ اہل سے مراد بیوی بچے ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ۹۰ کلومیٹر اپنے شہر کے اردگرد سفر کرے مثلاً لینیشیا، ایلڈورادو پارک، ڈکسینا تو کیا وہ قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں چونکہ لینیشیا اور ڈکسینا کو ایک ہی بستی شمار کرتے ہیں اس وجہ سے قصر نہیں کرے گا اس کا سفر حدودِ شہر میں ہوا اور مسافرِ شرعی اس وقت شمار ہوگا جب کہ سفرِ شرعی کی نیت سے حدودِ شہر تجاوز کر جائے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح. (فتاوی شامی: ۲/۱۲۱، سعید۔ وکذا فی شرح منية المصلی: ص۵۳۷، سهيل۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲۸، الماجدية۔ وفتح القدير: ۲/۳۴، دار الفكر۔ واحسن الفتاوی: ۴/۷۳)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو نماز کا حکم:

سوال: مسافر امام نے غلطی سے چار رکعتیں پڑھادی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق مسافر کے لئے قصر واجب ہے اتمام کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر قعدۂ اولیٰ کیا ہے تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر عمداً کیا ہے تو سخت گنہگار ہے اور وقت میں اعادہ واجب ہے۔ بہرصورت مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلا لا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفل كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق: ۲/ ۱۳۰، وكذا في الهداية مع الفتح: ۲/ ۳۲، دار الفكر ـ والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹)

درمختار میں ہے: **فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبير افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل كما حرره القهستاني. وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.** (الدر المختار مع الشامي: ۲/ ۱۲۸، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے: مسافر شرعی کے لئے اتمام جائز نہیں ہے بلکہ صلاۃ رباعی کو دو پڑھنا ضروری ہے، اگر مسافر نے اتمام کیا ہے تو اس کا فرض ادا ہوگیا لیکن یہ مکروہ ہے اور سجدۂ سہو واجب ہے اگر عمداً ایسا کیا ہے تو گنہگار ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا، اگر امام نے حالتِ امامت میں اتمام کیا ہے اور مقیم مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں بھی امام کا اقتداء کیا ہے تو مقتدیوں کی نماز فرض نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۵۰۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بالکل سیدھے راستے پر گاڑی چلاتا ہے اور زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی

مثلاً کیپ ٹاؤن کے راستے پر ہے اور گاڑی اپنے طور پر چلتی ہے تو کیا یہ شخص نفل نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاء نے سواری چلاتے ہوئے شہر سے باہر نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اگر چہ کوڑا ہاتھ میں پکڑ کر جانور کو ڈراتا اور چبھوتا ہو اور ان تمام امور کو عملِ قلیل میں شمار کیا ہیں، لہذا اس صورت پر قیاس کرتے ہوئے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹرنگ پکڑ کر نوافل پڑھ سکتا ہے، ہاں دونوں ہاتھ استعمال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی عملِ کثیر پائے جانے کی وجہ سے۔

نیز اس بات کا خیال رہے کہ راستہ کھلا ہوا ہو اور گاڑیوں کی آمد ورفت کثرت سے نہ ہوں ورنہ تسبیحات پر اکتفاء کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جان کی حفاظت نوافل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويتنفل المقيم نص على المتوهم فالمسافر من باب أولىٰ راكباً خارج المصر محل القصر فائدته شمول خارج القرية وخارج الأخبية، انتهى، حلبى. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۲۹۳)

(ويتنفل أى جاز له التنفل) لأن الصلاة خير موضوع فلو اشترط مايشق من نحو النزول يلزم الانقطاع عن الخير قال فى المبسوط لو لم يكن فى التنفل على الدابة من المنفعة إلا حفظ اللسان من فضول الكلام لكان كافياً فى جوازه (بل ندب له) لفعله ﷺ كثيراً...... وإذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يصنع شيئاً كثيراً (وإذا حرك) أشار به إلى أن تسييره لايضر إذا كان بعمل قليل وهو المعتمد. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۴۰۵، فى الصلاة على الدابة، قديمى)

فتاویٰ شامی میں ہے: **إذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يكن كثيراً. قلت: ويدل له أيضاً ما فى الذخيرة: إن كانت تنساق بنفسها ليس له سوقها وإلا فلو ساقها هل تفسد؟ قال: إن كان معه سوط فهيبها به ونخسها لاتفسد صلاته.** (شامى: ۲/۳۹، سعيد۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۳) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

سوال: ہم اکثر سفر میں ہوتے ہیں اور سامان وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے اور راستہ میں گاڑی

روکنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا تو کیا جمع بین الصلا تین کر سکتے ہیں؟ چونکہ دوسرے مذہب میں جائز ہے۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق جمع بین الصلا تین حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ہاں جمع صوری جائز ہے وہ اس طرح کہ مثلِ اول کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثانی کے اول میں عصر پڑھ لے تو ایک قول کے موافق درست ہے یا مثلِ ثانی کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثالث کے اول میں عصر پڑھ لے تو دوسرے قول کے مطابق جمع صوری ہو جائے گی۔اسی طرح مغرب وعشاء بھی یعنی غروبِ شفق سے قبل مغرب پڑھ لے اور غروبِ شفق کے بعد عشا پڑھ لے تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزیغ الشمس أخر الظھر إلی وقت العصر ثم یجمع بینھما فإذا زاغت صلی الظھر ثم رکب. (رواہ البخاری: ۱/۱۵۰/۱۱۰۰، باب یؤخر الظھر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنا مع ابن عمر رضی اللہ عنہ حتی إذا کنا ببعض الطریق استصرخ علی زوجته بنت أبی عبید فراح مسرعاً حتی غابت الشمس فنودی بالصلاۃ فلم ینزل حتی إذا أمسی فظننا أنه قد نسی فقلت الصلاۃ فسکت حتی إذا کادت الشفق أن یغیب نزل فصلی المغرب وغاب الشفق فصلی العشاء وقال: ھکذا کنا نفعل مع رسول اللہ ﷺ إذا جد بنا السیر. (شرح معانی الآثار: ۱/۱۱۳، باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو)

فیض الباری میں ہے:

واعلم أن المصنف رحمہ اللہ إما جنح إلی الجمع صورة أو الجمع فعلاً علی اصطلاحنا......وقد مر أن عنوان تاخیر صلاۃ إلی صلاۃ أقرب بنظر الحنفیة......ومذھب الحنفیة أن الجمع عندھم فعل فقط کما عرفت وقد مر منی أن الجمع عندی محمول علی اشتراک الوقت فإن المثل الأول للظھر خاصة والثالث للعصر کذلک والثانی مشترک یصلح لھما إلا أن المطلوب ھو الفصل ویرتفع ذلک فی السفر والمرض. (فیض الباری: ۲/۴۰۰، باب الجمع بین الصلاتین)

درمختار میں ہے:

ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذر سفر ومطر خلافاً للشافعی وما رواہ محمول علی

الجمع فعلاً لا وقتاً فإن جمع فسد لو قدم الفرض على وقته وحرم لو عكس أى أخرى عنه وإن صح بطريق القضاء. وفى الشامى: وقال أبو داود: ليس فى تقديم الوقت حديث قائم وقد أنكرت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها على من يقول بالجمع فى وقت واحد وفى الصحيحين عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ والذى لا إله غيره ما صلى رسول الله ﷺ صلاة قط إلا لوقتها إلا صلاتين جمع بين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع ويكفى فى ذلك النصوص الواردة بتعيين الأوقات من الآيات والأخبار وتمام ذلك فى المطولات كالزيلعى وشرح المنية.

(الدر المختار مع الشامی:۱/ ۳۸۱، ۳۸۲، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟

سوال: مسافر کے لئے عند الشوافع جمع بین الصلاتین جائز ہے ایک شخص کا یہ اشکال ہے کہ پھر کیوں حنفی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؟ سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانتا اور یہ شخص سلفی قسم کا آدمی ہے۔

الجواب: تمام ائمہ کرام نے انتہائی دیانت اور امانت سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استنباط کیا اور جس مسئلہ کو دلائل ونصوص کی روشنی میں ثابت پایا اسے راجح قرار دیا اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو اسی امام کی پیروی کرے خواہشات پر نہ چلے ورنہ دین دین نہیں رہے گا، اتباع ہویٰ بن جائے گا، لہذا اس مسئلہ میں بھی حنفیہ نے دلائل اور نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں اس جانب کو ترجیح دی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے اور جہاں بھی جمع بین الصلاتین کی روایات پائی جاتی ہیں ان سے جمع حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ جمع صوری مراد ہے یعنی ایک نماز کو آخرِ وقت میں پڑھا اور دوسری نماز کو اولِ وقت میں پڑھا۔

چنانچہ ایسی روایات کو جمع حقیقی پر محمول کرنے سے بہت سے دلائل مانع ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

(۱) ﴿حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى﴾

(۲) ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾

ان آیات کے ذیل میں مفسرین وعلمائے محققین نے یہی فرمایا ہے کہ ہر نماز کے لئے مستقل وقت ہے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا درست نہیں ہے۔ احادیث ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۳) قال سمعت أبا عمرو الشيبانى يقول حدثنا صاحب هذه الدار وأشار إلى

دارعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فقال: سألت النبی ﷺ أی العمل أحب إلی اللہ قال: الصلاۃ علی وقتھا. (رواہ البخاری: ۱/۷۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا اللہ عزوجل کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: مارأیت النبی ﷺ صلی صلاۃ لغیر میقاتھا إلا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء (بالمزدلفۃ) وصلی الفجر (یومئذٍ) قبل میقاتھا. (بخاری شریف: ۱/۲۲۸)

جمع صوری کے دلائل: علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

ومما یدل علی تعیین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری ماأخرجہ النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بلفظ "صلیت مع النبی ﷺ الظھر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً أخر الظھر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء" فھذا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی حدیث الباب قد صرح بأن مارواہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری. (نیل الاوطار: ۳/۲۳۰، باب جمع المقیم لمطر أوغیرہ)

اس کی تائید میں ایک اور روایت نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ومما یؤید ذلک مارواہ الشیخان عن عمرو بن دینار أنہ قال: "یا أبا الشعثاء أظنہ أخر الظھر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء؟ قال: وأنا أظنہ، وأبو الشعثاء ھو راوی الحدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کماتقدم. (نیل الاوطار: ۳/۲۳۰، باب جمع المقیم لمطر أوغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جمع صوری کے قائل تھے ورنہ ان کی روایتوں میں تعارض ہو جائے گا اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں فرمایا۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

نفی ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطلق الجمع وحصرہ فی جمع المزدلفۃ مع أنہ ممن روی حدیث الجمع بالمدینۃ کماتقدم، وھو یدل علی أن الجمع الواقع بالمدینہ صوری، ولو کان جمعاً حقیقیاً لتعارض روایتاہ. (نیل الاوطار: ۳/۲۳۰، باب جمع المقیم لمطر أوغیرہ)

حافظ ابن حجرؒ جوشافعی المسلک ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ جمع صوری کا رجحان زیادہ قوی ہے۔

قال الحافظ أيضاً: ويقوى ماذكرمن الجمع الصورى أن طرق الحديث كلها ليس فيها تعرض لوقت الجمع، فاماأن يحمل على مطلقها فيستلزم إخراج الصلاة عن وقتها المحدود بغيرعذر واماأن يحمل على صفة مخصوصة لايستلزم الإخراج ويجمع بين متفرق الأحاديث، فالجمع الصورى أولىٰ والله أعلم. (نيل الاوطار:۳/ ۲۳۰،باب جمع المقيم لمطرأوغيره)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع صوری کو جمع سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

وعن أنس رضی اللہ عنہ أنه كان إذا أراد أن يجمع بين الصلاتين فى السفرأخرالظهرإلى آخر وقتها وصلاها وصلى العصرفى أول وقتها ويصلى المغرب فى آخروقتها ويصلى العشاء فى أول وقتها،ويقول هكذاكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يجمع بين الصلا تين فى السفر. (مجمع الزوائد: ۲/ ۱۶۳،دارالفکر)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جمع صوری فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنا مع ابن عمر رضی اللہ عنہ حتى إذاكنا ببعض الطريق استصرخ على زوجته بنت أبى عبيد فراح مسرعاً حتى غابت الشمس فنودى بالصلاة فلم ينزل حتى إذا أمسى فظننا أنه قد نسى فقلت الصلاة فسكت حتى إذاكادت الشفق أن يغيب نزل فصلى المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذاكنا نفعل مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا جد بنا السير. (شرح معانی الآثار:۱/ ۱۲۱،باب الجمع بين الصلاتين كيف هو)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

واستدل الحنفية على عدم جوازالجمع حقيقة فى غيرعرفات والمزدلفة بقوله تعالىٰ: ﴿حافظواعلى الصلوات﴾أى أوردوها فى أوقاتهاوبقوله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على مؤمنين كتاباً موقوتاً﴾أى لها وقت معين له ابتداء لايجوزالتقدم عليه وانتهاء لايجوز التأخرعنه،وحملواالرويات التى فيهاالجمع فى السفرعلى الجمع الصورى لأنه صلى الله

علیہ وسلم صلی أول الصلاۃ فی آخر وقتها وثانیها فی أول وقتها لئلا یعارض خبر الواحد الآیة القطعیة".(بذل المجھود فی حل ابی داؤد:۶/۲۸۳،المکتبة الامدادیة)

نیز محدثین میں سے بھی کئی حضرات نے جمع حقیقی کا صراحۃً انکار کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

حدثنا یزید بن هارون عن هشام عن الحسن ومحمد قالا: مانعلم من السنة الجمع بین الصلاتین فی حضر ولا فی سفر إلا بین الظهر والعصر بعرفة وبین المغرب والعشاء بجمع. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۲/۴۵۹)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جمع بین الصلاتین کے جواز کا قول:

سوال: ہمارے بعض فقہائے کرام اور ہمارے بعض اکابر کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے لیے سفر کی ضرورت کی وجہ سے جمع بین الصلاتین ظہر وعصر یا مغرب وعشاء جائز ہے۔کیا ہمارے مفتی حضرات اس پر فتویٰ دیتے ہیں یا نہیں؟ عبارات ملاحظہ ہوں۔البحر الرائق میں ہے:

وذهب الشافعی وغیره من الائمة إلی جواز الجمع للمسافر بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء وقد شاهدت کثیراً من الناس فی الأسفار خصوصاً فی سفر الحج ماشین علی هذا تقلیداً للإمام الشافعی فی ذلک إلا أنهم یخلون بما ذکرت الشافعیة فی کتبهم من الشروط لهم فأحببت إیرادها إبانة لفعله علی وجهه لمریده، اعلم أنهم بعد أن اتفقوا علی أن فعل کل صلاۃ فی وقتها أفضل إلا للحاج فی الظهر والعصر في عرفة وفي حق المغرب والعشاء بمزدلفة...(البحرالرائق:۱/۲۵۴،کوئٹہ).

معارف السنن میں ہے:

قال الراقم: وأذکر أثرین لابن عمرؓ فی الجمع فی هذا الصدد فربما یضطر الإنسان إلی الجمع مخافة فوت إحدی الصلاتین فی بعض الأسفار لأسباب کثیرة. (معارف السنن:۴/۴۹۰).

وفی الدر: ولابأس بالتقلید عند الضرورة. وفی الشامیة: ظاهره أنه عند عدمها لایجوز وهو أحد قولین والمختار جوازه مطلقاً ولو بعد الوقوع کما قدمناه فی الخطبة.

(الدر المختار: ۱/ ۳۸۲،سعید).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

شامی، طحطاوی وغیرہ نے جمع بین الصلاتین کو ضرورت کے وقت مذہب شافعی پر جائز فرمایا ہے۔(جدید فقہی مباحث:۸۱/۱۵)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: اگر حالتِ مرض وسفر وغیرہ میں جمع بین الصلاتین کرلیوے تو جائز ہے یا نہیں...؟

الجواب: یہ مسئلہ مقلد کے دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا ہے تو وقتِ ضرورت کے جائز ہے عامی کو کہ اس کو سب کو حق جاننا چاہئے اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری تو دوسرے امام کے قول پر عمل کرلیوے اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجبِ ضرر اور حرج دین کا ہوتا ہے فقط یہی مذہب اپنے استاز اساتذہ کا ہے جیسے استاذ اساتذتنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔(فتاویٰ رشدیہ،ص ۲۸۶)۔

حضرتؒ آگے مفوظات میں فرماتے ہیں: ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو نماز کا جمع کرنا کسی حالت میں درست نہیں مگر ہاں جمع صوری اس طرح کہ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھے پھر ذرا صبر کرے جب عصر کا وقت داخل ہو جاوے تو عصر کو اول وقت میں ادا کرے تو اس طرح درست ہے....الخ۔(فتاویٰ رشیدیہ:۲۸۸)۔

وللمزید انظر: (فتاوى الشامي:۱/ ۳۸۲،سعيد-حاشية الطحطاوي على الدر المختار:۱/ ۱۸٤، كوئته، ومعارف السنن:٤/ ٤٩٠).

الجواب: ہمارے بعض فقہاء نے جمع حقیقی کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے۔فتویٰ اس پر ہے کہ حقیقی جمع بین الصلاتین درست نہیں۔کمافی عامۃ کتب الفقہ۔واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالٰی:
﴿یاایہاالذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ
من یوم الجمعۃ فسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع﴾
وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر
فعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ“
(مصنفِ ابن أبی شیبۃ)

باب……﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

باب ...... ﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم:

سوال: جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے تقریر کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ پھر بعض جگہوں میں سنتوں کے لئے خطبہ سے پہلے وقت دیا جاتا ہے اور بعض جگہوں میں تقریر کے دوران لوگ سنتیں پڑھتے ہیں ان میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب: نمازی حضرات کی رضامندی سے اذانِ اول کے بعد خطبہ اور نماز سے پہلے تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خطیب کے خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

كان أبوهريرة رضي الله عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبرفيطرح اعقاب نعليه فى ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبريقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم قال محمد صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم ثم يقول فى بعض ذلک ويل للعرب من شرقد اقترب فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. (المستدرك للحاكم: ۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اسی طرح علامہ زبیدیؒ نے جمعہ کے دن دینی مجالس کے قیام کا مشورہ دیتے ہوئے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے درجِ ذیل حضرات سے ان مجالس کا جواز نقل فرمایا ہے:

"قد روى ابن أبى شيبة جوازذلک عن السائب رضي الله عنه وعبدالله بن بسر رضي الله عنه وابن عمر رضي الله عنه

وأبی هريرةرضی اللہ عنہ". (اتحاف سادة المتقين شرح احياء علوم الدين:۳/۲۷۷)

نیز ہمارے زمانہ میں دین سے دوری ہے اور مسائل علمیہ جاننے اور مجالس علمیہ میں آنے کا شوق نہیں رہا ہے اس لئے لوگوں تک دین کی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جمعہ سے پہلے تقریر بے حد مفید ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے جب استفسار کیا گیا کہ لوگ عربی زبان سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں ان کے نفع کے لئے اردو زبان میں خطبہ کا ترجمہ کیسا ہے؟

حضرت نے جواب رقم فرمایا:

اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریاتِ دینیہ بیان کردے۔ (کفایت المفتی:۳/۲۱۴)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالاحکام:۱/۲۷۷، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۲۵۶ مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی رحیمیہ:۱/۲۶۴)

سنتوں کے لئے خطبہ سے قبل الگ وقت مناسب ہے، درمیانِ تقریر سنتیں پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ خود سنتیں پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ بات خلافِ ادب بھی ہے کہ اجتماعی دینی بات کو نہ سنا جائے اور کسی انفرادی عمل میں مشغول ہوجائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متولی صاحبان جمعہ سے پہلے وعظ اور بیان پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی خطبہ عربی میں ہوتا تھا، لہذا وعظ کہنے کی ضرورت بھی نہیں اور یہ دین میں نیا طریقہ ہے؟ جب کہ یہ مسجد شہر میں سب سے بڑی ہے اور نمازی بھی زیادہ ہیں۔

الجواب: عربی خطبہ سے پہلے جو وعظ اور بیان ملکی زبان میں کیا جاتا ہے اس کا ثبوت صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے لہذا اس کو نیا طریقہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور ہم اس کو سنت نہیں بلکہ مصلحت سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں ہے:

أخبرنا أحمد بن سليمان الفقيه حدثنا إسماعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا

عاصم بن محمد بن زيدعن أبيه قال: كان أبوهريرة رضی اللہ عنہ يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبرفيطرح اعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبريقول: قال أبوالقاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ ثم يقول في بعض ذلك ويل للعرب من شرقد اقترب فاذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. هذاحديث صحيح ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم: ۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن ممبر کے پاس کھڑے ہوکر احادیث سے وعظ سنایا کرتے تھے پھر جب امام کے نکلنے کی آہٹ محسوس کرتے تو بیٹھ جاتے، حاکم نے اس روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے خطبہ سے قبل وعظ کی اجازت چاہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً انکار کے بعد ایک دن کی اجازت دیدی اور فرمایا جمعہ کے لئے میرے نکلنے سے قبل وعظ کہہ دیا کریں۔ ملاحظہ ہو موضوعاتِ کبیر میں ہے:

وأخرج ابن عساكرؒ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الدارى رضی اللہ عنہ استأذن عمر رضی اللہ عنہ في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثرعليه، قال له ماتقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضی اللہ عنہ ذلك الذبح ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة. (موضوعاتِ كبير: ص ۲۰، میرمحمد کتب خانہ کراچی)

(شاید پہلے انکار اس لئے کیا ہو کہ وعظ کی نوعیت معلوم نہیں تھی پھر جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے قرآن کا حوالہ دیا تو اجازت دیدی)

مولانا عبدالحیؒ صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا وعظ بجائے ایک دن کے دو دن نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شروع میں صرف جمعہ کے خطبہ سے قبل بیان تھا پھر جب اس کا فائدہ زیادہ محسوس ہوا تو ایک اور دن کا اضافہ کر دیا۔ (مجموعة رسائل اللكنوى "اقامة الحجة على ان الاكثارفى التعبد ليس ببدعة: ص ۱۳)

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ نے بھی تمیم داری رضی اللہ عنہ والی روایت موضوعاتِ کبیر سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دی تھی۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۲۵۴، ۲۵۵، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الاحکام: ۱/۷۲۷، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی رحیمیہ: ۱/۲۶۴۔ وکفایت المفتی: ۳/۲۱۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: وینڈا سے تقریباً ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم ہے بلکہ گنے چنے لوگ وہاں مقیم ہیں اور ویسے غیر مسلموں کی کل آبادی ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور یہاں ایک گھر میں پانچ سات آدمی مل کر نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور نمازیں اپنے اوقات پر برابر ہوتی ہے، نیز وینڈا سے روزانہ لوگ بغرض تجارت قرب جوار میں آتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور ماہ کی آخری تاریخوں میں کچھ زیادہ مشغولیت کی بنا پر یہ حضرات اسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے خواہاں ہیں، البتہ اس گاؤں میں نہ مسجد ہے اور نہ جماعت خانہ تو کیا اس گھر میں نماز جمعہ صحیح ہے اور کیا چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قصبہ کی آبادی چونکہ ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور آسانی سے ضروریاتِ زندگی فراہم ہوسکتی ہے، لہٰذا نماز جمعہ ادا کرنا صحیح اور درست ہے مذہبِ احناف کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے ۴۰ افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين. (رواه البخاري: ۱/۱۲۲/۸۸۲، باب الجمعة في القرى والمدن)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جواثی میں لوگ کثرت سے تجارت کرتے تھے گویا کہ تجارت کی منڈی تھی اور جہاں تجارت کثرت سے چلتی ہو اور تجار بہت زیادہ ہوں یہ شہر ہونے کی علامت ہے اس وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قوله جواثي وهي قرية من قرى البحرين وفي رواية عثمان شيخ أبي داؤد: قرية من قرى عبدالقيس......وقال أبوعبيد البكري: وهي مدينة بالبحرين لعبدالقيس قال امرؤ القيس:

ورحنا كأنا من جواثي عشية ☆ نعالي النعاج بين عدل ومحقب

يريد كأنا من تجار جواثي، لكثرة مامعهم من الصيد، وأراد كثرة أمتعة تجار جواثي. قلت:

کثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار،وكثرة التجارتدل على أن جواثى مدينة قطعاً، لأن القريه لايكون فيها تجار كثيرون غالباً عادة.......ومذهب أبى حنيفةؒ :لاتصح الجمعة إلافى مصر جامع أوفى مصلى المصر، ولاتجوزفى القرى......ثم اختلف أصحابنا فى المصر الذى تجوزفيه الجمعة فعن أبى يوسفؒ هو كل موضع يكون فيه محترف،ويوجد فيه جميع مايحتاج إليه الناس من معاشيهم عادة وبه قاض يقيم الحدود، وقيل:إذا بلغ سكانه عشرة آلاف. (عمدة القارى:۵/۳۹/۸۹۲، باب الجمعة فى القرى و المدن)

شامی میں ہے:

عن أبى حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها والٍ يقدرعلى إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذاهو الصحيح. (شامی:۲/۱۳۷،باب الجمعة،سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو،ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر، یا زائد۔(فتاوی محمودیہ ۸/۹۸،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ:۵/۵۴،وامداد المفتین: جلد اول ص ۲۷۸، وامداد الاحکام:۱/۷۵۶۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قصبہ اوراس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم:

سوال: زکریا پارک اوراس کیساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: زکریا پارک اوراس کے ساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں، بلکہ قائم کرنا ضروری ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اکثر ضروریات پوری ہوجاتی ہیں،اوراس کی آبادی تین چار ہزار کے درمیان ہے، فقہائے کرام نے شہراور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں: علامہ عینیؒ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں:

وهذا تفسير المصر الجامع وقداختلفوا فيه فعن أبى حنيفةؒ مايجمع فيه مرافق أهله. وعن أبى يوسفؒ كل موضع فيه أميروقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وهكذاروى الحسنؒ

عن أبی حنیفةؒ فی کتاب صلاته وفیه عن سفیان الثوریؒ المصر الجامع ما یعد الناس مصراً عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخیؒ: هو ما أقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام وهو اختیار الزمخشریؒ وعن أبی عبدالله البلخیؒ أنه قال: أحسن ما سمعت أنه إذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعوا فیه فهو مصر جامع وعن أبی حنیفةؒ هو بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق و یرجع الناس إلیه فی ما وقعت لهم من الحوادث...... (البنایه للعلامة العینیؒ: ۲/۹۸۲)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

(۱) جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں۔

(۲) جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

(۳) جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں۔

(۴) جس میں احکام شریعت اور حدود نافذ ہوتی ہوں۔

(۵) جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگوں کو جمع کیا جائے تو مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہو۔

(۶) جس میں گلیاں کوچے اور بازار ہوں جس کی طرف لوگ بوقتِ ضرورت رجوع کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں۔ تاہم محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب شہر کی علامتیں ہیں جنھیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صواب دید کے موافق بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

والحاصل ان تفسیر المصر محول علی العرف واللغة.

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں:

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ: اگر دونوں گاؤں عرف میں ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ کما فی الشامی: وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق. (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/۵۶، مدلل ومکمل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایئر پورٹ پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم:

سوال: حضرت مفتی صاحب کیا ہمارا جوہانسبرگ کا ائیر پورٹ فناء شہر کے حکم میں ہے یا نہیں؟ کیا اس

میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس میں کام کرنے والوں پر جمعہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ائیر پورٹ چونکہ کیمٹن پارک شہر کے ساتھ متصل ہے لہٰذا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یعنی فناء شہر میں ہے۔ پھر جب ائیر پورٹ پر جمعہ صحیح اور درست ہے تو وہاں کام کرنے والوں پر جمعہ کا ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

إقامة الجمعة خارج المصر إذا كان في فناء المصر ، يجوز ، فإنه ذكر أبو يوسفؒ أن إماماً لو خرج مع أهل المصر مقدار ميل أو ميلين لحاجة لهم، فحضرتهم الصلاة ، جاز له أن يصلي بهم الجمعة ، قال: لأن فناء المصر بمنزلة المصر ، وهذا لأن فناء المصر ألحق بالمصر فيما كان من حوائج أهل المصر، وأداء الجمعة من حوائج أهل المصر، فألحق بالمصر في حق أداء الجمعة ، بخلاف المسافر إذا خرج عن عمران المصر، حيث يقصر الصلاة ؛ لأن قصر الصلاة ليس من حوائج أهل المصر، فلايلحق فناء المصر بالمصر في حق هذا الحكم . (كتاب التجنيس والمزيد:۲/۱۹۳،باب الجمعة).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب ، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاورته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا ... بخلاف الجمعة فتصح إقامتها فى الفناء ولو منفصلاً بمزارع لأن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر. (فتاوى الشامي:۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد).

وقال فى باب الجمعة : وفى التتارخانية : ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريباً وهذا أصح ما قيل فيه ، وبه جزم فى التجنيس . وقال فى الإمداد: تنبيه : قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح... أقول: وينبغي تقييد ما فى الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن فى فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها فى الفناء ولو منفصلاً بمزارع ، فإذا صحت فى الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها لأنه

من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان والله الموفق. (فتاوى الشامي:۲/۱۵۳،مطلب في شروط وجوب الجمعة،سعيد).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية:۱/۱۳۹، والهداية:۱/۱۶۸، وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص۴۲۳، قديمي، وشرح منية المصلي،ص۵۴۹، سهيل).

جب فنائے شہر میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے تو اہل فنا پر جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو تو جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق بڑے شہر یا قصبہ میں غیر مسلم زیادہ آباد ہیں اور مسلمان بہت کم ہے تو جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بڑے شہر یا قصبہ میں جہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا فرض اور ضروری ہے اگرچہ مسلمانوں کی آبادی کم ہوں اس لئے کہ احناف کے نزدیک ۴۰، افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله: والجماعة وهم ثلاثة أي شرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لاجماع العلماء على أنه لابد فيها من الجماعة كما في البدائع وإنما اختلفوا في مقدارها فماذكره المصنفؒ قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وقال أبو يوسفؒ: اثنان سوى الإمام لأنهما مع الإمام ثلاثة وهي جمع مطلق ولهذا يتقدمهما الإمام ويصطفان خلفه ولهما أن الجمع المطلق شرط انعقاد الجمعة في حق كل واحد منهم وشرط جواز صلاة كل واحد منهم ينبغي أن يكون سواه فيحصل هذا الشرط ثم يصلي ولا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة.

(البحر الرائق:۲/۱۵۰،باب صلاة الجمعة،الماجدية۔ وكذا في الشامي:۲/۱۵۱،باب الجمعة،سعيد ۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص۵۱۱،قديمي)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ

ادا کریں۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۴۶، باب صلاۃ الجمعۃ، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دار العلوم دیو بند: ۵/۶۵، ۱۰۹، مدلل مکمل، دار الاشاعت۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: جناب عالی ایک مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں: کیا جیل میں نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو بلکہ اجازت ہو تو جیل میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ باقی جیل میں عام لوگوں کے جانے پر پابندی انتظامی پابندی ہے جمعہ سے روکنے کے لئے نہیں ہے جیسے کسی قلعہ کے دروازہ کو دشمنی یا پرانی عادت کی وجہ سے بند کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والسابع الإذن العام......فلايضرغلق باب القلعة لعدو أولعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا لمصلي...... وفي الشامية: والذي يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو. (الدرالمختارمع الشامي: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعيد كمپني۔ وكذافي مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ۵۱۰، باب الجمعة، قديمي۔)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۸/۱۸۳، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۱۲۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مختلف فیکٹریوں میں جن میں باہر سے لوگ نہیں جاسکتے ہیں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اسکولوں اور کالجوں میں بھی یہی صورتِ حال ہے لہذا ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فیکٹری، اسکول، کالج وغیرہ ایسے شہر میں ہیں جس میں شرائطِ جمعہ پائے جاتے ہیں یا فناء شہر میں ہیں تو ان سب میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے۔ اور باہر سے لوگوں کا نہ آنا مانع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والسابع الإذن العام......فلا يضرغلق باب القلعة لعدو أولعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا لمصلي...... وفي الشامية: والذي يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو. (الدرالمختارمع الشامي: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعيد كمپني۔ وكذافي مراقي الفلاح مع حاشية

الطحطاوی:ص ۵۱۰،باب الجمعة،قدیمی۔)

نیز مذکور ہے:

فلو دخل أمير حصناً أو قصره و أغلق بابه وصلى بأصحابه لم تنعقد...... .وفي الشامية: قلت :وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد،أما لو تعدد فلا لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد)يحمل ما إذا منع الناس فلايضر إغلاقه لمنع عدو أو عادة كمامر ط .قلت :ويؤيده قول الكافي واجلس البوابين الخ فتأمل .(الدر المختار مع الشامی:۲/۱۵۲،باب الجمعة،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کارخانہ میں جمعہ پڑھنا: یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے،نمازیوں کو روکنا مقصود نہیں،نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں ،لہذا اذن عام نہ ہونا صحتِ جمعہ میں مخل نہیں ،اس میں نماز جمعہ صحیح ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۱۲۰،باب الجمعہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۸/۱۸۴،فیکٹری میں جمعہ، جامعہ فاروقیہ۔وامداد الفتاوی:۱/۶۱۱۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۹۷۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ہم نے جمعہ کی نماز ایک پارک میں پڑھی جو گراہمسٹون (Grahamstown) کی آبادی سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور ہے،اس پارک میں کوئی مسجد نہیں ہے البتہ ایک جماعت خانہ ہے جس میں تقریباً ۸۰ آدمیوں کی گنجائش ہے اس پارک میں دس پندرہ مزدور رہتے ہیں۔کیا اس پارک میں ہماری نماز جمعہ درست ہوئی یا نہیں؟ جب کہ عام طور پر اس جگہ نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی۔

الجواب: مذہب احناف کے مطابق صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں ہے اور صورتِ مسئولہ میں پارک نہ شہر ہے اور نہ قصبہ بلکہ اطراف میں بھی کوئی بڑا شہر نہیں ہے لہذا اس پارک میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي عبد الرحمن قال:قال علي رضي الله عنه :لاجمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع .وعن الحارث عن علي رضي الله عنه قال :لاجمعة ولاتشريق،ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو

مدينة عظيمة.(مصنفِ ابن ابی شیبة:٤٦/٤،کتاب الصلاة ،من قال لاجمعة ......)

وفی الهداية :لاتجوزفی القری.(الهداية:١٦٨/١)

شامی میں ہے:

عن أبی حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها والٍ يقدرعلى إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الصحيح.(شامی:١٣٧/٢،باب الجمعة،سعيد)

فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

جہاں بالکل آبادی ہی نہ ہواور وہ جگہ کسی بڑی آبادی کے قریب نہ ہو وہاں بالاتفاق جمعہ صحیح نہیں ہے۔(فتاوی دار العلوم دیو بند:۵/ ۵۸،مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو:فتاوی محمودیہ:۸/۱۴۴،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: امریکہ کی بعض مساجد میں نماز جمعہ زوال سے قبل پڑھی جاتی ہے کیا یہ کسی مذہب کے مطابق ہے؟اور کیا دوسرے مذہب والے اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق نیز دیگر مذاہب سوائے حنابلہ سب کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔اور حنابلہ کے ہاں بھی افضل اور بہتر بعد الزوال ہے۔اگر حنابلہ قبل الزوال ادا کریں تو دوسرے مذہب والے اقتداء نہیں کر سکتے۔ ملاحظہ ہوالفقہ الاسلامی میں ہے:

شروط صحة الجمعة:(١) وقت الظهر......ولاتصح عندالجمهورغيرالحنابلة قبله أی قبل وقت الزوال بدليل مواظبة النبی ﷺ على صلاة الجمعة إذازالت الشمس قال أنس رضی اللہ عنہ:"كان رسول اللهﷺ يصلی الجمعة حين تميل الشمس وعلى ذلك جرى الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم فمن بعدهم ولأن الجمعة والظهرفرضا وقت واحد فلم يختلف وقتهما كصلاة الحضروصلاة السفروقال الحنابلة:يجوزأداء الجمعة قبل الزوال...... و فعلها بعد الزوال أفضل. (الفقه الاسلامی وادلته:٢٧٢/٢،دارالفكر-وكذا فی الفقه على مذاهب الاربعة:٣٧٥/١،وقت

الجمعة۔ومنتهى الارادات مع شرحه:۲/۱۲۔والمغنی لابن قدامة:۳/۱۵۹)

درمختار میں ہے:

وإنما تفسد لمخالفته في الفروض وفي الشامي:وفي البحر المخالفة فيما هو من الأركان أو الشروط مفسدة لافي غيرها. (الدر المختار مع الشامی:۱/۴۷۲، المراد بالمجتهد فيه ، سعيد كمپنی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی مسجد میں بدعات ہورہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی ایسی مسجد میں جمعہ کے لئے بیٹھا جہاں بدعات ہورہی ہیں تو کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا ہوجائے گی ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہے، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرے جہاں بدعات وخرافات نہ ہوں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا تعذر منعه ينتقل عنه إلى غيره للجمعة وغيرها وإن لم يقم الجمعة إلا هو تصلى معه. (مراقی الفلاح:ص۱۱۳،فصل فی الاحق بالامامة ،مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الفاسق إذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم:يقتدى به في الجمعة ولاتترك الجمعة بإمامته. (الفتاوی الهندية:۱/۸۶،من يصلح اماما لغيره)

وأيضاً:قال المرغيناني:تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة وحاصله إن كان هو لايكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة وإلا فلا هكذا في التبيين و الخلاصة. (الفتاوی الهنية:۱/۸۴،من يصلح اماماً لغيره) نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۱/۱۶۵)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: آدمی کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے یا چھوٹی مسجد میں یا جماعت خانہ میں؟

الجواب: جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے تاہم اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی نمازِ جمعہ ہوتی ہے تو وہاں پڑھنا بھی صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی القاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل في بيته بصلاة أي تحسب بصلاة واحد وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة أي بالإضافة إلى صلاة في بيته لا مطلقاً وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة أي بالنسبة إلى مسجد الحي......". (مرقات شرح مشکاۃ: ۲/ ۲۲۸)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے یعنی ایک نماز کا حساب ہوگا اور محلّہ کی مسجد میں ۲۵ نمازیں یعنی گھر کی نماز کے مقابلہ میں مطلقاً نہیں۔ اور اس کی نماز جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازیں یعنی بنسبت ماقبل کے۔ علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں باتفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک تو اختلاف ائمہ سے بچ جائے گا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پائے گا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد بڑھے گا اور شوکت اسلام زیادہ ہوگی اس کے ساعی کو بھی ثواب ملے گا۔ (تفصلی فتوی ملاحظہ ہو: مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۳۳۱، ۳۳۴، آرام باغ کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۶۶۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/ ۱۶۲، دار الاشاعت۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۸، مجددیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم:

سوال: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانا پینا یا دکان کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں امام طحاویؒ کا کیا مسلک ہے؟ اور اس پر کسی نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟

جواب: اکثر فقہاء اذانِ اول کے بعد ہر قسم کے معاملات ترک کرنے کے قائل ہیں، لیکن امام طحاویؒ اور صاحبِ فتاوی عتابی وغیرہ نے اذانِ ثانی جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے اس کو ترک معاملات میں معتبر قرار دیا ہیں احتیاط پہلے قول میں ہے، اور عند الضرورۃ دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

وقال صاحب الهداية: قيل: المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع هو الأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي ﷺ بين يدي المنبر، قلت: هو مذهب الطحاوي فإنه قال: هو المعتبر في وجوب السعي إلى الجمعة على المكلف، وفي حرمة البيع والشراء، وفي فتاوى العتابي: هو المختار، وبه قال الشافعيؒ وأحمدؒ وأكثر الفقهاء الأمصار، ونص المرغينانيؒ: أنه الصحيح. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۶۲/۵،۶۳، باب المشی الی الجمعة، دار الحدیث ملتان۔ وکذافی الدر المختار:۱۶۱/۲، باب الجمعة، سعید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اذانِ ثانی کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اذان کا جواب دینا سنت ہے۔ اور جمعہ کی اذانِ ثانی بھی اذان ہونے میں برابر ہے لہذا اس کا جواب دینا بھی سنت ہوگا۔

کیوں کہ اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ممانعت ثابت کی جاوے، اور خطبہ کا سننا واجب ہے یہ مسلم ہے لیکن ابھی شروع ہی نہیں ہوا پھر استماع کیسے واجب ہوگا؟

عام طور پر فقہاء جو روایت نقل کرتے ہیں "إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام" یہ حضرت علی ؓ، حضرت ابن عباس ؓ اور حضرت ابن عمر ؓ پر موقوف ہے، اور علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صحابی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے جب تک سنت کی کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔ أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة. اور اس مسئلہ میں مرفوع روایات موجود ہیں۔ نیز جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ ؓ کی روایت سے بھی اذانِ ثانی کا جواب دینا ثابت ہے، اس کے برخلاف محض خاموش بیٹھے رہنے اور جواب نہ دینے پر کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف ؓ قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان ؓ وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال: الله أكبر الله أكبر، فقال معاوية ؓ: الله أكبر الله أكبر، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاوية ؓ: وأناْ، قال: أشهد أن محمداً رسول الله، قال

معاویة ﷺ: **وأنا، فلما أن قضى التأذين قال: ياأيها الناس إني سمعت رسول الله** ﷺ **على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني من مقالتي.** (رواه البخاري: ۱/۱۲۵/۹۰۴، باب يجيب الامام على المنبر اذاسمع النداء، فيصل)

دیگر عمومی احادیث میں جواب دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب عن عطاء بن يزيد الليثي عن أبي سعيد الخدري ﷺ **أن رسول الله** ﷺ **قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن.** (رواه البخاري: ۱/۸۶/۶۰۳، باب مايقول اذا سمع المنادي۔ ومسلم: ۱/۱۶۶، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه۔ والترمذي: ۱/۵۱، باب مايقول اذا اذن المؤذن۔ وابن ماجة: ص۵۳، باب مايقال اذا اذن المؤذن)

شامی میں ہے:

قوله إذاخرج الإمام هذاحديث ذكره في الهداية مرفوعاً لكن في الفتح أن رفعه غريب والمعروف كونه من كلام الزهري، وأخرج ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي ﷺ **وابن عباس** ﷺ **وابن عمر** ﷺ: **كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعدخروج الإمام. والحاصل أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء من السنة.** (شامی: ۲/۱۵۸، باب صلاةالجمعة، سعيد)

اگر حدیث کو مرفوع تسلیم کریں تب بھی اس میں ممانعت کلام دنیوی کی ہے نہ کہ کلام دینی کی اور اذان کا جواب دینا دینی کلام میں شامل ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وفي البحر عن العناية والنهاية اختلف المشايخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة فقيل: إنمايكره ماكان من جنس كلام الناس أماالتسبيح ونحوه فلا، وقيل: ذلك مكروه والأول أصح. ومن ثمة قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عندالإمام. فعلم بهذا أنه لاخلاف بينهم في جوازغيرالدنيوي على الأصح. ويحمل الكلام الوارد في الأثرعلى الدنيوي، ويشهد له ماأخرجه البخاري أن معاوية ﷺ **أجاب المؤذن بين يديه.......** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص۵۱۸، باب صلاة الجمعة، قديمي)

علامہ لکھنویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا درست ہے کیوں کہ کلام دنیوی مکروہ ہے نہ کہ کلام

دینی۔ ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنمايكره الكلام الذى هومن كلام الناس، وأماالتسبيح واتباعه فلا، وقال بعضهم: كل ذلک، والأول أصح، كذافى مبسوط فخرالإسلام، وقال فى العون: المراد بالكلام إجابة المؤذن وأماغيره من الكلام فيكره إجماعاً، انتهى. وقال البرجندى: ذكرفى المصفى عن العون: أن المراد بالكلام فى هذين الوقتين أى بعدالفراغ من الخطبة قبل شروع الصلاة، وقبلهاإجابة المؤذن أماغيره من الكلام فيكره إجماعاً، انتهى. (فتاوى اللكنوى :ص ۳۵۰، ما يتعلق بالجمعة، بيروت)

معارف السنن میں ہے:

إنما يكره ماكان من كلام الناس، أماالتسبيح ونحوه من إجابة المؤذن فلايكره . (معارف السنن: ۴/ ۳۴۱، بحث جواب الاذان الذى بين يدى الخطيب، سعيد كمپنى)

دوسری جگہ مذکور ہے:

قال الشيخ: الأولىٰ هوجوازالإجابة فإنه قدصرح فى حديث البخارى...... (معارف السنن: ۴/ ۳۸۳، سعيد)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حضرت مولانا قاضی محمد رحمت اللہ صاحب راندیری کا رسالہ: "العطر العنبرى فى حكم اجابة الاذان المنبرى"۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا:

سوال: جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان صرف اتنا وقت دیا جاتا ہے جس میں صرف دو رکعتیں پڑھی جاسکے پھر امام خطبہ شروع کردے تو مذہبِ احناف کے مطابق چار رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب اگر موقع نہ دے تو مختصر قراءت کے ساتھ چار رکعت مختصر پڑھ لے، اگر سنت کے درمیان خطبہ شروع ہو جائے تو پوری کرنے کی گنجائش ہے توڑنا نہیں چاہئے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وأفاد أنه لايكره الشروع قبل الخروج فيتم ماشرع فيه، ولوخطب الإمام من غير كراهة

مطلقاً،إلا إذاكان فى نفل فإنه يتم شفعاً،ثم يقطع،ولو كان خروجه بعد القيام للثالثة أتم أيضاً لأنه وجب عليه الشفع الثانى بالقيام إليه،واختلف فى سنة الجمعة فقيل: يقطع على رأس الركعتين كالنفل المطلق،والصحيح أنه يتمها لأنه كصلاة واحدة واجبة بحر،ولكن يخفف القراءة در يعنى بقدر الواجب لإدراك الواجب،وهل يترك تسبيح الركوع والسجود والصلاة على البشير النذير فى القعود الأخير لأنها سنة والاستماع فرض يحرر. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص۵۱۸،قديمى)

نیز ملاحظہ ہو: الدر المختار:۲/۱۵۹،سعيد كمپنى۔والبحر الرائق:۲/۱۵۵۔وفتاوى محموديه: ۸/۲۷۷، مبوب ومرتب،جامعه فاروقيه۔واحسن الفتاوى:۴/۱۲۱۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عمومی طور پر عباراتِ فقہیہ اس بات پر دال ہیں کہ خطیب خطبہ سے پہلے سلام نہ کرے۔ مگر احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے،لہذا نفسِ مشروعیت کا انکار زیبا نہیں۔ہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ترک اولیٰ ہے، ورنہ خطیب کا سلام کرنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ "أن النبى ﷺ كان إذا صعد المنبر سلم" رواه ابن ماجة:ص۷۹، ورجاله ثقات الاابن لهيعة مختلف فيه حسن الحديث، وقد صححه السيوطى فى الجامع الصغير:(۲:۹۳)

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰہ ﷺ إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس،فإذا صعد المنبر يوجه إلى الناس فسلم عليهم. رواه الطبرانى فى الاوسط:(مجمع الزوائد:۱/۲۱۵،دار الفكر)

قال المؤلف رحمہ اللہ:وفى مجمع الزوائد: أيضاً وفيه عيسى بن عبداللّٰہ الأنصارى وهو ضعيف ذكره ابن حبان فى الثقات ولكن فى التلخيص الحبير (۱/۱۳۶): أورده ابن عدى فى ترجمة عيسى بن عبداللّٰہ الأنصارى وضعفه......فالحديث ضعيف،ولكن مجموع أحاديث الباب يدل على أن الحديث له أصل،وهذه الطرق يقوى بعضها بعضاً،ودلالته على الباب

ظاهرة، وكذا دلالة المراسيل أيضاً عليه. وفى البحر الرائق(١٦٨/٢): فاستفيد منه(ای من قول البدائع) أنه لايسلم إذا صعد المنبر وروى أنه يسلم كما فى السراج الوهاج، قلت: والمختار عندى للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته، وبالله التوفيق. (اعلاء السنن:٢٠٦٧/٨٢/٨، باب سلام الخطيب على المنبر)

شامی میں ہے:

قوله ترك السلام ومن الغريب مافى السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنه استدبرهم في صعوده بحر. قلت: وعبارته في الجوهرة ويروى أنه لابأس به لأنه استدبرهم في صعوده. (شامی:١٥٠/٢، باب صلاة الجمعة، سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درایت روایت کے موافق ہوتو اس کو لینا چاہئے:

سوال: فقہائے احناف نے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے یا نہیں کہ جو مسئلہ حدیث کے موافق ہوتو اسی کو فتوی کے لئے اختیار کرنا چاہئے؟ مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ میں خطیب کا منبر پر سلام کرنا۔

الجواب: فقہاء کی تحریرات میں اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں کوئی فقہی مسئلہ حدیث کے موافق ہوتو اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے، یعنی فتوی کے لئے اسی روایت کو اختیار کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

قال في شرح المنية: ولاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان، ومثله ماذكرفى القنية من قوله: وقد شدد القاضى الصدرفى شرحه في تعديل الأركان جميعها تشديداً بليغاً فقال: وإكمال كل ركن واجب عند أبى حنيفةؒ ومحمدؒ. وعند أبى يوسفؒ والشافعيؒ فريضة، فيمكث في الركوع والسجود وفى القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه، هذا هو الواجب عند أبى حنيفةؒ ومحمدؒ حتى لوتركها أو شيئاً منها ساهياً يلزمه السهوولوعمداً يكره أشد الكراهة......والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان وأما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهورفى المذهب السنية وروى وجوبهما وهوالموافق للأدلة وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقد

علمت قول تلميذه أنه الصواب.(شامی:۱/۴۶۴،مطلب لاینبغی ان یعدل عن الدرایة اذا وافقتها روایة ،سعید)

چند مثالیں ملاحظہ ہو:

(۱) تشہد میں مسبحہ سے اشارہ کرنا:

اس مسئلہ میں فقہائے احناف کے دوقول ہیں لیکن راجح اشارہ کرنے کا ہے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے:

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

أخبرنا مالك أنا مسلم بن أبي مريم عن علي بن عبد الرحمن المعاوي أنه قال: رأني عبدالله بن عمرو أناأعبث بالحصى في الصلاة،فلماانصرفت نهاني وقال: اصنع كماكان رسول اللهﷺ يصنع،فقلت: كيف كان رسول الله ﷺ يصنع قال: كان رسول الله ﷺ إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشاربأصبعه التي تلي الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمدؒ: وبصنيع رسول اللهﷺ نأخذ وهوقول أبي حنيفةؒ .(مؤطاالامام محمد:ص۱۰۸)

وقال الشاميؒ: وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبي ﷺ بالأحاديث الصحيحة ،ولصحة نقله عن الأئمة الثلاثة.(شامی:۱/۵۰۹، سعید-وکذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص۲۶۹،قدیمی-وامدادالفتاح:ص۲۹۹، بیروت)

(۲) ماءِ مشمس سے وضوکرنے میں دوقول ہیں علامہ تمرتاشیؒ اورعلامہ حصکفیؒ نے فرمایابلا کراہت جائز ہے۔لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایامعتمدقول کراہت والا ہے اس لئے کہ حدیث وارد ہے۔

شامی میں ہے:

أقول: وقدمنا في مندوبات الوضوء عن الإمداد أن منهاأن لايكون بماء مشمس،وبه صرح في الحلية مستدلاً بماصح عن عمر ﷺ من النهي عنه،ولذاصرح في الفتح بكراهته ، و مثله في البحر. وقال في معراج الدراية وفي القنية: وتكره الطهارة بالمشمس لقولهﷺ لعائشة رضي الله تعالىٰ عنها حين سخنت الماء بالمشمس "لاتفعلي ياحميراء،فإنه يورث البرص"......فقد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر.(شامی:۱/۱۸۰،باب المیاہ،سعید)

واضح رہے کہ ماءِ مشمس والی حدیث ضعیف ہے اس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے علامہ نوویؒ نے فرمایا:

وهذاالحديث ضعيف باتفاق المحدثين وقدرواه البيهقي من طرق وبين ضعفها كلها.

(شرح المهذب:١/٨٧، كتاب الطهارة،دار الفكر)

علامہ لکھنویؒ نے بھی کلام فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: **قلت: الحديث المذكور لايحتج به،فقد رواه أبونعيم في الطب عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وقال:في إسناده خالد بن إسماعيل لايحتج به.وقال الدارقطني:متروك،ورواه الدارقطني من طريق آخرفيها الهيثم بن عدى كذاب. وأخرجه ابن حبان من طريق فيها وهب بن وهب وهو كذاب،وله طرق لايخلومن كذاب أو مجهول.** (فتاوى اللكنوى:ص ٦٠،باب مايجوزبه التوضؤومالايجوزبه،بيروت)

(۳) خطیب کا منبر پر سلام کرنا:

کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام نہ کرے،البتہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے فرمایا احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا مشروعیت والاقول میرے نزدیک مختار ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:والمختارعندي للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته،وبالله التوفيق. (اعلاء السنن:٢٠٦٧/٨٢/٨،باب سلام الخطيب على المنبر)

(۴) نفل کی جماعت مکروہ ہے مگر بغیر تداعی کے ہو تو مکروہ نہیں ہے، پھر تداعی کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں نیز فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ۴ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

لیکن حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصل چیز لوگوں کو اہتمام کے ساتھ بلانا ہے، اگر بلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ایسے ہی جمع ہو گئے تو کراہت نہیں ہے، کیوں کہ احادیث اس کے موافق ہیں ۔حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔چونکہ اتفاقاً جمع ہو گئے تھے،اس لئے مکروہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى. (اعلاء السنن: ٩٣/٧،حكم الجماعة بالتداعي في غير المكتوبة،ادارة القرآن)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم:

سوال: مؤذن خطیب کو عصا دینے سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھتا ہے اور حاضرین کو ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مؤذن کا اس طرح کرنا درست نہیں ہے یہ طریقہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھا اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ سلف سے اس طرح کرنا منقول ہے لہذا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

ابتدع بعض الناس أن يتكلموا بين يدى الخطيب بقوله تعالىٰ:﴿إن الله وملائكته يصلون على النبى﴾الآية، ويزيدون عليها انشودة طويلة،ثم إذا فرغ المؤذن الذى يؤذن بين يديه يقول:''إذا قلت لصاحبك والإمام يخطب يوم الجمعة:أنصت فقد لغوت'' الحديث،ثم يقول بعد ذلك أنصتوا توجروا،وكل هذا بدعة لاداعى لها إليها ولالزوم لهاخصوصاً مايفعله ذلك المؤذن من الجهل بمعنى الحديث لأنه يأمربالإنصات وعدم الكلام،ثم يتكلم هوبعده بقوله أنصتوا...... وعلى كل حال فالترقية بهذه الكيفية بدعة مكروهة فى نظرالحنفية وتركها أحوط على كل حال.

المالكية:قالوا:الترقية بدعة مكروهة لايجوزفعلها. (الفقه على مذاهب الاربعة:۱/۳۹۷،الترقية بين يدى الخطيب ،دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: الفقه الاسلامى وادلته:۲/۲۹۶،الترقية بين يدى الخطيب''وهى بدعة مكروهة '' دار الفكر. والدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۶۰،فى حكم الرقى بين يدى الخطيب ،سعيد. والبحر الرائق: ۲/۱۵۶، باب صلاة الجمعة،الماجدية.وفتاوى اللكنوى:ص۳۶۷،مايتعلق بالجمعة، بيروت. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم:

سوال: خطیب خطبہ دیتے وقت بالکل سامنے متوجہ رہے گا یا دائیں بائیں التفات کر سکتا ہے؟

الجواب: خطیب کا دورانِ خطبہ سامنے متوجہ رہنا سنت ہے دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویکرہ التفاتہ یمیناً وشمالاً.(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱۴،قدیمی)

شامی میں ہے:

تنبیہ:مایفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جہۃ الیمین وجہۃ الیسار عندالصلاۃ علی النبی ﷺ فی الخطبۃ الثانیۃ لم أرہ من ذکرہ والظاہر أنہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوہم أنہ سنۃ ثم رأیت فی منہاج النووی قال:ولایلتفت یمیناً وشمالاً فی شیء منہا قال ابن حجرؒ فی شرحہ:لأن ذلک بدعۃ،ویؤخذ ذلک عندنا من قول البدائع ومن السنۃ أن یستقبل الناس بوجہہ ویستدبر القبلۃ لأن النبی ﷺ کان یخطب ہکذا. (فتاوی الشامی:۲/۱۴۹، باب صلاۃ الجمعۃ، سعید۔وکذافی الفقہ السلامی وادلتہ:۲/۲۹۱، سنن الخطبۃ ومکروہاتہا،دارالفکر)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۱/۲۶۳،خطبہ پڑھنے کا طریقہ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ میں خطیب حضرات دعا کرتے ہیں تو کیا سامعین کے لئے ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بغیر ہاتھ اٹھائے دل ہی دل میں آمین کہنا جائز اور درست ہے البتہ ہاتھ اٹھا کر زور سے آمین کہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وقال البقالی فی مختصرہ:وإذا شرع فی الدعاء لایجوز للقوم رفع الیدین ولاتأمین باللسان جہراً فإن فعلوا ذلک أثموا وقیل:أساءوا ولاأثم علیہم،والصحیح ہوالأول، وعلیہ الفتوی. (شامی:۲/۱۷۲،باب صلاۃ الجمعۃ ،سعید۔وکذافی الفتاوی الہندیۃ:۱/۱۴۷۔والبحر الرائق: ۲/ ۱۵۵۔وفتح القدیر:۲/۶۷۔ومجمع الانہر:۱/۱۷۱۔وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۳۴۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے: جب خطیب مسلمانوں کے لئے خطبہ میں دعا کرے تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا زبان سے بول کر آمین کہنا جائز نہیں ہے،اور اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے ،بغیر ہاتھ اٹھائے دل میں مانگ سکتے ہیں یا آمین کہہ سکتے ہیں۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۴۵۱،ممنوعات ومکروہات خطبہ،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفا کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں قرآنِ کریم پڑھتے ہیں مثلاً سورۂ حجرات کا کچھ حصہ پہلے خطبہ میں اور کچھ حصہ دوسرے میں شرعاً اس کا کیا حکم؟ نیز دونوں خطبوں میں کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب: خطبہ میں قرآنِ کریم کا پڑھنا سنت ہے آپ ﷺ کا معمول تھا لیکن اس پر اکتفاء نہ کریں بلکہ شہادتین اور مسلمانوں کے لئے دعا ہو، آنحضرت ﷺ پر درود اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہو ان پر ترضی ہو وغیرہ یہ سب چیزیں مستحب ہیں، نیز عام طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگ بدظن ہیں لہٰذا ان کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن عن اخت لعمرة قالت: أخذت قٓ والقرآن المجيد من في رسول الله ﷺ يوم الجمعة وهو يقرأ بها على المنبرفي كل جمعة وفيه عن أم هشام بنت حارثة بن النعمان قالت:ماأخذت قٓ والقرآن المجيد إلاعن لسان رسول الله ﷺ يقرؤها كل يوم الجمعة على المنبرإذاخطب الناس. (مسلم شريف:١/٢٨٦)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن بداءته بحمد الله بعد التعوذ في نفسه سراً والثناء عليه بما هوأهله سبحانه وتعالىٰ والشهادتان والصلاة على النبي ﷺ والعظة بالزجرعن المعاصي والتخويف والتحذيرلما يوجب مقت الله تعالىٰ وعقابه سبحانه وتعالىٰ والتذكيربما به النجاة وقراءة آية من القرآن لماروى أنه ﷺ :قرأ في خطبته واتقوا يوماً ترجعون فيه إلى الله......ويسن إعادة الحمد و إعادة الثناء و إعادة الصلاة على النبي ﷺ كائنة تلك الإعادة في ابتداء الخطبة الثانية وذكرالخلفاء الراشدين رضي الله عنهم مستحسن بذلك جرى التوارث ويسن الدعاء فيها أي الخطبة الثانية للمؤمنين والمؤمنات مكان الوعظ بالاستغفارلهم. (مراقي الفلاح مع نورالايضاح:ص١٩٣،باب الجمعة، مكةالمكرمة).

نیز ملاحظہ ہو: شامی:٢/١٤٨،سعيد۔ وامداد الفتاح: ص٥٦٥، بيروت)۔

خطبۃ الجمعہ میں ہے:

قراءۃ القرآن فی الخطبۃ سنت ہے یہی راجح قول ہے پھر اس کی مقدار کیا ہے؟ اس میں ۳ اقوال ہیں، اور

احناف کے نزدیک کم از کم تین آیات قصار یا ایک آیت طویلہ پڑھے۔(خطبۃ الجمعۃ واحکامہا الفقہیۃ:ص ۱۴۱)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۴/۱۴۶۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم:

سوال: شریعت کا کیا حکم ہے عصا کے متعلق جمعہ کے دن خطبہ کے لئے کیا واجب ہے یا فرض یا سنت؟ کیا عصا نہ پکڑنے والا کافر ہو جائے گا؟

الجواب: فقہائے کرام نے لکھا ہے اگر کوئی شہر تلوار سے فتح ہوا ہو تو اس میں امام کو چاہئے کہ تلوار بائیں ہاتھ میں لے اور اس پر ٹیک لگا کر خطبہ دے علامہ شامیؒ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أی بالسيف ليريهم أنها فتحت بالسيف فإذا رجعتم عن الإسلام فذلک باقي في أيدی المسلمين يقاتلونكم حتى ترجعوا إلى الإسلام، درر. (شامی:۲/۱۶۲،سعید)

یعنی لوگوں کو یہ دکھائے کہ یہ شہر تلوار سے فتح ہوا ہے اگر تم نے اسلام کو چھوڑا تو مسلمانوں کے ہاتھ میں اب بھی تلوار باقی ہے تم سے لڑ کر تم کو اسلام کی طرف لوٹائیں گے۔

اور اگر کوئی شہر یا ملک بزورِ شمسیر فتح نہیں کیا گیا بلکہ دعوت وتبلیغ یا صلح سے فتح ہوا ہو تو وہاں عصا کے سہارے خطبہ دیا جائے۔ مگر یہ عمل نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ ایک مستحب عمل ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ لوگوں کی فرضیت اور لازم ہونے کا عقیدہ وابستہ نہ ہو۔ اگر لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو پھر اس کو چھوڑنا چاہئے۔

علامہ طیبی نے شرح مشکاۃ میں لکھا ہے کہ مستحب عمل پر اصرار کرنے سے بدعت بن جاتا ہے پھر جو شخص عصا چھوڑنے والے کو کافر کہتا ہے وہ سخت گنہگار اور عاصی ہے اس کو توبہ کرنی چاہئے کسی مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا سخت گناہ ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔ **في الدر: ويكره أن يتكىء على قوس أوعصا. وفي الشامي: نقل القهستاني: عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام.** (امداد الاحکام:۱/۷۵۹،کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۸/۲۷۰،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی:۴/۱۴۳۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چاہئے کہ اکثر و بیشتر عصا نہ پکڑے، ہاں عوام کے عقیدے کی اصلاح کے بعد مستحب پر عمل کرتے ہوئے گاہے گاہے عصا ہاتھ میں لیا کریں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا:

سوال: اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ مذہبِ احناف کے مطابق سنت ہے، لہذا خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وسن خطبتان للتوارث إلى وقتنا وسن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدارثلاث آيات. وفي الطحطاوي: وهو المذهب در، وتاركها مسيء في الأصح لأنها سنة قهستاني لماروى أن النبي ﷺ كان يخطب قائماً خطبة واحدة فلما أسن جعلها خطبتين بينهما جلسة خفيفة، وفيه دليل على أنها لاستراحة لاشرط. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ٥١٦، قديمی۔ وكذا في الدر المختار: ٢/ ١٤٨، سعيد۔ والفتاوی الهندية: ١/ ١٤٧)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلاف سنت ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/ ۲۰۱، مبوب و مرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم.

خطیب کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ میں آیتِ کریمہ غلط پڑھتا ہے تو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آیتِ کریمہ میں فحش غلطی کرے تو پرچی کے ذریعہ سے اصلاح فرمادیں تاکہ فحش غلطی دور ہو۔ اگر چہ خطبہ کے وقت ہر قسم کا کلام ممنوع ہے (جیسا کہ نماز میں بھی ہر قسم کا کلام ممنوع ہے لیکن لقمہ کی گنجائش ہے) نیز ایک قول کے مطابق صرف کلام دنیوی منع ہے دینی کلام کی ممانعت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(وفتحه على إمامه جائز) لماروى أنه ﷺ قرأ في الصلاة سورة المؤمنين فترك كلمة فلما فرغ قال: ألم يكن فيكم أبيّ؟ قال: بلى قال: هلافتحت عليّ؟ قال: ظننت أنها نسخت فقال رسول الله ﷺ: لو نسخت لأعلمتكم وقال: إذا استطعمك الإمام فأطعمه أي إذا

استفتحک الإمام فافتح علیه، والصحیح أنه ینوی الفتح دون التلاوة لأن الفتح مرخص فیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص٣٣٤،باب مایفسد الصلاة ،قدیمی)

شامی میں ہے:

قوله ولا کلام أی من جنس کلام الناس أما التسبیح ونحوه فلایکره وهو الأصح کما فی النهایة والعنایة وذکره الزیلعی أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالکلام مکروه تحریماً بأقسامه کما فی البدائع. (شامی:٢/١٥٨،سعید)

فتاوی لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم :إنمایکره الکلام الذی هومن کلام الناس، وأماالتسبیح واتباعه فلا، وقال بعضهم: کل ذلک، والأول أصح، کذا فی مبسوط فخر الإسلام. (فتاوی اللکنوی: ص ٣٥٠، ما یتعلق بالجمعة،بیروت)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم:

سوال: خطبہ عربی میں دینا واجب ہے یا سنت اگر کوئی شخص غیر عربی میں خطبہ دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: خطبہ عربی زبان میں دینا سنتِ مؤکدہ اور ضروری ہے ۔کسی اور زبان میں دینا مکروہِ تحریمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کا معمول پوری زندگی عربی زبان میں خطبہ دینے کا تھا۔حالانکہ وہ مشرق ومغرب میں پھیلے، عجمی مما لک کو فتح کیا اور وہیں پر خطبے دئے ،لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کا خطبہ غیر عربی میں دیا ہو۔بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ خطبہ تذکیر اور نصیحت ہے لہذا سامعین کی زبان میں ہونا چاہئے ۔مگر ان کو سوچنا چاہئے کہ خطبہ ذکر ہے،قرآنِ کریم میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلی ذکر اللّٰه﴾ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ واللہ ﷻ کے ذکر سے مراد محدثین اور مفسرین کے نزدیک خطبہ جمعہ ہی ہے۔ نیز ایک حدیث میں بھی خطبہ کو ذکر فرمایا گیا ہے:

فإذا خرج الإمام حضرت الملا ئکة یستمعون الذکر. (بخاری شریف:١/١٢١/٨٧١،باب فضل الجمعة)

یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ خطبہ نماز اور اذان کی طرح ذکر ہے تو جس طرح نماز اور اذان کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اسی طرح خطبہ کا بھی عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے:

وأما كونها عربية فلاستمرار أهل الإسلام فى المشارق والمغارب به مع أن فى كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين. (مصفى شرح مؤطا: ص ١٥٤ باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر)

یعنی خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام مشرق ومغرب میں یہی طریقہ جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سامعین اور مخاطب عجمی ہوا کرتے تھے لہذا عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین کی پابندی ضروری ہے۔ نیز علامہ لکھنویؒ نے بھی غیر عربی میں مکروہِ تحریمی فرمایا ہے:

فإنه لاشك فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى ﷺ والصحابة رضي الله عنهم فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ١/٢٠٠، رقم الحاشية ٢، المجيدى كانفور)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامى وادلته: ٢/٢٨٩، دار الفكر. اتحاف السادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ٣/٣٢٦. والانصاف فى معرفة الراجح من الخلاف: ٢/٣٨٧. وفتاوى دار العلوم ديوبند: ٥/٩٠، دار الاشاعت. وامداد الاحكام: ١/٧٣٢).

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوى محموديه: ٨/٢١٥، ٢٣٩، مبوب ومرتب، جامعه فاروقيه. وجواهر الفقه "الاعجوبة فى عربية خطبة العروبة" ١/٣٤٧، مكتبة دار العلوم كراچى. ومجموعة الفتاوى لكهنوى: ١/٣٥٩، آرام باغ كراچى). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام نہ لینا:

سوال: خطبہ میں جب خلفائے راشدین کا تذکرہ آتا ہے تو عام طور پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام کیوں نہیں ذکر کرتے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ذکر کریں اور یوں کہیں ابوبکر بن ابی قحافۃ تو تکرارِ کنیت کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اور اگر کنیت کو چھوڑ کر صرف نام پر اکتفاء کریں مثلاً عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ''تو چونکہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے تعریف مکمل نہیں ہوتی، اس وجہ سے فقط ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی واحدی میں ہے:

سوال: ما الوجه في ترك نسبة الصديق رضي الله عنه إلى أبيه في الخطبة كما ينسب سائر الخلفاء رضي الله عنهم إلى آبائهم؟

الجواب: والوجه فيه أمر لفظي وهو أن الصديق رضي الله عنه وإن كان اسمه عبدالله لكنه اشتهر بكنية أبي بكر وكذلك والده رضي الله عنه وإن كان اسمه عثمان رضي الله عنه لكنه كان مشهورً بكنية أبي قحافة رضي الله عنه فلو نسب الكنية إلى الكنية مع تكرار لفظ الأب لأدى ذلك إلى الثقل في اللفظ كما يشهد به الذوق السليم.

ولو نسب الاسم إلى الاسم لم يحصل التعريف المطلوب لعدم الشهرة بالاسم فأقيم الوصف المشهور بالصديق مقام النسبة لأن الغرض هو التعريف وهو كما يحصل بذكر النسبة فكذلك يتحقق بذكر الوصف المذكور، وأما سائر الخلفاء رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين فالفاروق وذو النورين كانا مشهورين باسمائهما كآبائهما فليس هناك كنية أصلاً فنسب الاسم إلى الاسم وأن المرتضى كرم الله وجهه فإن والده كان مشهوراً بالكنية لكنه رضي الله عنه كان مشتهراً باسمه فلو يتحقق انتساب الكنية إلى الكنية المؤدى إلى الثقل بل انتساب الاسم إلى الكنية ولا ثقل فيه. (فتاوی واحدی: ص ٢٣٥)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہیے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ لوگ ان کے بارے میں بدظنی کا شکار ہیں۔ ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پہلے لوگوں کو مانوس کرے، پھر آہستہ خطبہ میں تذکرہ شروع کرے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

ہر زمانہ میں مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے مبارکہ اور ان کے لئے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلکِ اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کافی تھا جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہلِ سنت ہونے کی مدعی ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت کا دعویٰ کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست ان کی زبان وقلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلکِ اہل سنت میں کسی صحابی کے بارے میں ذراسی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور الحاد میں روافض ہی کی راہ پر چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن سے بھی بغض ہے، اس لئے ان فتنوں کی تردید کے پیشِ نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن کے مناقب وفضائل کا ذکر اور ان کے لئے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہئے، اس سے حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۴/۱۴۶، باب الجمعۃ والعیدین)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

نہ اصرار مناسب ہے اور نہ انکار زیبا ہے خصوصاً جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت سے لوگ بدظنی کا شکار ہوئے ہیں۔ (فتاوی فریدیہ: ۳/۱۸۸، فصل فی الجمعۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم:

سوال: جب ریڈیو پر جمعہ کا خطبہ نشر کیا جا رہا ہو تو استماع واجب ہے نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر اگر خطیب کی آواز کو براہِ راست نشر کیا جا رہا ہے تو جن پر جمعہ واجب ہے ان کے لئے خطبہ کی جگہ آکر سننا بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر آواز کو ٹیپ کیا گیا تھا اس کو نشر کیا جا رہا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی النهرعن البدائع يكره الكلام حال الخطبة، وكذاكل عمل يشغله عن سماعها من قراء ة قرآن أوصلاة أوتسبيح أوكتابة ونحوهابل يجب عليه أن يستمع ويسكت، فی شرح الزاهدی يكره لمستمع الخطبة مايكره فی الصلاة من أكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک، وفی الخلاصة كل ماحرم فی الصلاة حرم حال الخطبة ولوأمراً بمعروف، وفی السيد استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب......والنائی كالقريب. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱۹،قديمی۔وكذافی امدادالفتاح:ص۵٦۹،واجبات الجمعة، بيروت)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریڈیو،اس میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریروآواز ٹیپ کر لی جاتی ہے اور پھر اسی کونشر کرایا جاتا ہے،پس اگر ایسا ہونے کا ظن غالب ہوتو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔ہاں جب بولنے والا بغیران وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اسی کے اعتبار سے عمل کرے۔(نظام الفتاوی: ۱/۲۷،کتاب الصلاۃ،فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۷/۴۲۷،مبوب ومرتب۔وجدید فقہی مسائل:۱/۱۷۱،نعیمیہ دیوبند۔وآلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص۱۷۴۔واللہ ﷻ اعلم۔

خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھانا:

سوال: ایک شخص مسلسل کئی ہفتوں سے خطبہ پڑھ کر نمازِ جمعہ دوسرے شخص کو سپرد کرتا ہے یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے ہر جمعہ کو اس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(لاينبغی أن يصلی غيرالخطيب لأنهما كشیء واحد) قوله لأنهماأی الخطبة والصلاة كشیء واحد لكونهما شرطاً ومشروطاً لاتتحقق المشروط بدون شرطه فالمناسب أن يكون فاعلهما واحد. (شامی:۲/۱٦۲،باب صلاة الجمعة،سعيد)

وفی الطحطاوی: (قوله: لاینبغی) الظاهر أن اختلافهما مکروه تنزیهاً. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۳٤۸)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۸/ ۲۱۵، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا مثلاً یہ کہنا صفیں سیدھی کرلیں یا پہلے مسجد کے اندر سے پُر کریں یا وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کے لئے نماز سے قبل یہ اعلان کرنا کہ صفیں درست کرلیں یا پہلے مسجد کو اندر سے پُر کرلیں یا مختصر مسئلہ بیان کردینا جائز ہے، طویل وعظ درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فاذا أتم أی الإمام الخطبة أقیمت بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلاة......ویکره الفصل بأمر الدنیا ذکره العینی......اما بنهی عن منکر أو أمر بمعروف فلا وکذا الوضوء......حتی لو طال الفصل استأنف الخطبة. (شامی: ۲/ ۱٦۲، باب صلاة الجمعة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے طویل وعظ جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۴/ ۱۲۲، باب الجمعۃ والعیدین)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ اتنا لمبا پڑھنا کہ نماز کی قراءت اس کے مقابلہ میں چوتھائی نہ ہو ائمہ اربعہ کے مذہب کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب: ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خطبہ کو مختصر کرنا اور نماز کو طویل کرنا سنت ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلافِ سنت ہے، اور یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے، جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن واصل بن حیان قال: قال أبو وائل خطبنا عمار رضی اللہ عنہ فأوجز وأبلغ فلما نزل قلنا یا

أبـا اليقظان لقد أبلغت وأوجزت فلو كنت تنفست فقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطيلوا الصلاة وأقصروا الخطبة وإن من البيان سحراً. (رواه مسلم: ١/ ٢٨٦، كتاب الجمعة)

وعـن جابر بن سمرة رضي الله عنه قـال كنت أصلي مع النبي ﷺ الـصلوات فكانت صلاته قصداً وخطبته قصداً. (رواه مسلم: ١/ ٢٨٤، كتاب الجمعة)

بدائع الصنائع میں ہے:

واما سـنـن الخطبة ...... ومنها أن لا يطول الخطبة لان النبي ﷺ أمـر بتـقصير الخطبة وعن عمر رضي الله عنه أنـه قـال: طـولـوا الصلاة وقصروا الخطبة وقال ابن مسعود رضي الله عنه طـول الصلاة وقصر الخطبة من فقه الرجل. (بـدائع الصنائع: ١/ ٢٦٣، سعيد۔ وكذا في شامي: ٢/ ١٤٨، باب صلاة الجمعة ۔ والفتاوى الهندية: ١/ ١٤٧)

شرح المہذب میں ہے:

ويستـحـب أن يقصر الخطبة لما روى عن عثمان رضي الله عنه أنـه خـطب وأوجز فقيل له لو كنت تنفست فقال: سمعت النبي ﷺ يقول: الخ...... (شرح المهذب: ٤/ ٥٢٦)

مغنی میں ہے:

ويستحب تقصير الخطبة لما روى عمار رضي الله عنه قال: .... (المغني لابن قدامة الحنبلي: ٢/ ١٥٥)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

مـكـروهـات الـخـطبة عـنـد الحنفية والمالكية: هي تـرك السنن المتقدمة ومن أهمها تـطـويـل الـخـطبة، وليـس تـرك الـسـنـن الـمـتـقـدمة عند الشافعية والحنابلة مكروهاً على اطـلاقـه، بـل مـنـه مـاهـو مـكـروه، ومـنـه مـاهـو خـلاف الأولىٰ. (الـفـقـه الاسـلامـي وادلتـه: ٢/ ٢٩٣، ٢٩٨، ٢٩٩ ۔ وكـذا فـي الفقه على مذاهب الاربعة: ١/ ٣٩٤ ۔ وكذا في حاشية الدسوقي: ١/ ٥٩٨، فصل في الجمعة، دار الفكر ۔ ومذهب الخليل: ٢/ ٥٣٨) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔**

احتیاط الظہر کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جائے گی یا نہیں؟ ادا نہ کرنے کے دلائل پیش کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق احتیاط الظہر نہیں پڑھنا چاہئے، صرف جمعہ پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

أقول وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك فى صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فى مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول أعنى اختيار صلاة الاربع بعدها مروياً عن أبى حنيفةؒ وصاحبيہؒ حتى وقع لى أنى أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق: ۱۳۹/۲، باب صلاة الجمعة ،الماجدية)

امداد الفتاح میں ہے:

تنبيه آخر فى بيان صلاة الاربع بعد الجمعة بنية آخر ظهر عليه: قال: الشيخ زين ما فى القنية من أمر مشايخ مرو بأداء أربع ركع بعد الجمعة حتماً احتياطاً مبنى على القول الضعيف المخالف للمذهب، وهو منع جواز تعدد الجمعة فليس الاحتياط فعلها لان الاحتياط العمل بأقوى الدليلين، وهو اطلاق الجواز وفى المنع حرج وهو مدفوع وفى فعل الأربع مفسدة عظيمة وهى اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست فرضاً لما يشاهدون من صلاة الظهر فيتكاسلون عن أداء الجمعة يعنى أو اعتقادهم افتراض الجمعة والظهر بعد الجمعة أيضاً، وقد شوهد الآن صلاتها بالجماعة والاقامة لها، ونيتهم فرض الظهر الحاضر إماماً ومؤتماً بغالب المساجد والخطيب إماماً بعد إمامته بالجمعة والجماعة وهو ظاهر الشناعة.

(امداد الفتاح: ص ۵۵۳، مطلب ،الاحتياط هو العمل باقوى الدليلين، بيروت)

امداد الاحکام میں ہے:

اگر شرائط صحت موجود ہیں تب تو ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ظہر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہے، اس لئے ظہر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے۔

(امدادالاحکام:١/٢٥٧،فصل فی الجمعۃ،کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی:٢/١٤٥.١٤٦.١٤٦، مطلب فی نیة آخر ظھر بعد صلاۃ الجمعة ، سعید. وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ١/٣٣٨،٣٤٢. وکفایت المفتی:٣/٢١٥.واحسن الفتاوی: ٤/١٣٩. وفتاوی محمودیه:٨/٣٤٦، مبوب ومرتب،جامعه فاروقیه.وآپ کے مسائل اوران کاحل : ٢/٤٠٣. وامدادالمتین:٢/٣٩٤، دارالاشاعت.وعمدة الفقه: کتاب الصلاۃ حصه دوم:ص ٢٤٢، المجددیة.

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات:

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد کتنی رکعت مسنون ہے؟اوران میں مؤکدہ اورغیر مؤکدہ کتنی ہیں؟

الجواب: عام طور پر کتبِ فقہ میں چاررکعت سنتِ مؤکدہ مذکور ہے اورامام ابویوسفؒ سے چھ رکعت مروی ہے۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ چارسنتِ مؤکدہ اوردو غیر مؤکدہ ہیں۔اورکبیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چارسنتِ مؤکدہ پہلے پڑھنی چاہئے اوردو بعد میں ۔البتہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے دورکعت پہلے پڑھنے کوترجیح دی ہے،اور چھ رکعت کا ثبوت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اورحضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتاہے،اس میں دوکا تذکرہ پہلے ہے۔لہذادو پہلے پڑھنے کی بھی اجازت ہے بلکہ کبھی کبھی اس پربھی عمل کرنا چاہئے۔نیز"لایصلی صلاۃ مثلھا" کاایک مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے،نیز جمعہ خطبہ کی وجہ سے چاررکعت کےحکم میں ہے۔ ملاحظہ ہومسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺ:إذا صلی أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً.وفی رواية له عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ:إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً،وفی رواية له عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان إذا صلی الجمعة انصرف فسجد سجدتين فی بيته ثم قال: كان رسول اللہ ﷺ يصنع ذلك. (مسلم شریف:١/٢٨٨،فصل فی استحباب اربع رکعات......)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی عبدالرحمن قال:قدم علينا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فكان يأمرناأن نصلی بعدالجمعة أربعاً فلما قدم علیناعلی رضی اللہ عنہ أمرناأن نصلی ستاً،فأخذنابقول علی رضی اللہ عنہ وتركنا قول عبد اللہ قال: كان يصلی ركعتين ثم أربعاً.وفی رواية له عن عطاء قال: كان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا صلی

الجمعة صلى بعدها ست ركعات ركعتين ثم أربعاً وفى رواية له عن أبى بكربن أبى موسىٰ عن أبيه: كان يصلى بعدالجمعة ست ركعات. (مصنفِ ابن ابی شیبة:٤/١١٨/٥٤١٠، ٥٤١٣، المجلس العلمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روى عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ كان يصلى قبل الجمعة أربعاً وبعدهاأربعاً. وروى عن على بن أبى طالب رضی اللہ عنہ أنه أمر أن يصلى بعدالجمعة ركعتين ثم أربعاً.

وقال العلامة الشاه الكشميرى رحمہ اللہ فى شرح هذه الأحاديث: وأمابعدالجمعة فركعتان عند الشافعى رحمہ اللہ وأربع عند أبى حنيفة رحمہ اللہ وست ركعات عند صاحبيه رحمہما اللہ وفى الست طريقان والمختارعندى أن يأتى بالركعتين قبل الأربع لعمل ابن عمر رضی اللہ عنہ فى سنن أبى داؤد. (ترمذی شریف مع العرف الشذی:١/١١٦-١١٨، باب فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها)

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منية المصلى: ص٣٨٨، فصل فى السنن، سهيل. وكذافى معارف السنن:۴/۴۱۱، بحث السنن قبل الجمعة وبعدها، سعيد. واعلاء السنن: ۷/۱۳. ۱۵، باب النوافل والسنن، ادارة القرآن. وفتاوى محموديه:۸/۳۴۴، مبوب ومرتب. وفتاوى دارالعلوم ديوبند:۵/۱۳۶، دارالاشاعت. تعليم الاسلام:۴/۱۴۸، مكمل، دارالاشاعت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن نمازِ عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں عید کی نماز کے بعد جمعہ پڑھنا لازم وضروری ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ فى العيدين وفى الجمعة بسبح اسم ربك الأعلىٰ وهل أتاك حديث الغاشية قال: وإذا اجتمع العيد والجمعة فى يوم واحد يقرأ بهما أيضاً فى الصلاتين. (رواه مسلم:١/٢٨٨-والنسائى:١/٢١٠-وكذافى

تفسیر القرطبی:۲۱/۱۰۷۔ وتفسیر ابن کثیر:۵۲۸/۴)

احکام القرآن میں ہے:

لایسقط الجمعة کونهما فی یوم واحد خلافاً لأحمدؒ حین قال: إذا اجتمع عید وجمعة سقط الجمعة لتقدم العید علیها واشتغال الناس به عنها وتعلق فی ذلک بماروی أن عثمان رضی اللہ عنہ أذن فی یوم العید لأهل العوالی أن یتخلفوا عن الجمعة وقول الواحد من الصحابة لیس بحجة إذا خولف فیه ولم یجتمع معه علیه والأمر بالسعی متوجه یوم العید کتوجهه فی سائر الأیام. (احکام القرآن لابن العربیؒ:۶۵/۵)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: اجتمع عیدان علی عهد رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بالناس ثم قال: من شاء أن یأتی الجمعة فلیأتها ومن شاء أن یتخلف فلیتخلف. وفی روایة له عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ......ثم قال: من شاء أن یصلی فلیصل......وفی روایة له عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: قد اجتمع عیدان فی یومکم هذا فمن شاء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون إن شاء اللّٰه تعالیٰ. (ابن ماجه شریف:ص۹۳،باب ماجاء اذا اجتمع العیدان فی یوم)

الجواب: (۱) اولاً تو یہ تمام احادیث ضعیف ہیں دکتور بشار عواد نے ابن ماجہ کی تعلیق میں ان کی تضعیف فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جبارہ بن مغلس راوی ضعیف ہے، اور اس کے شیخ مندل بن علی العنزی بھی ضعیف ہے۔

(۲) زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے۔

(۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بقیہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (تعلیق الدکتور بشار عواد علی ابن ماجة:۴۵۱/۲/۱۳۱۰،۱۳۱۱،۱۳۱۲، باب ماجاء فیما اذا اجتمع العیدان فی یوم واحد، بیروت)

الجواب (۲): یہ رخصت اور خطاب دیہات والوں کے لئے تھا جو مدینہ منورہ کے اردگرد سے نمازِ عید کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر دوبارہ جمعہ کے لئے جمع ہونے میں حرج تھا اس وجہ سے ان کو رخصت و اجازت مرحمت فرمائی۔ کیوں کہ دیہات والوں پر ایسے بھی جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ اپنی بستی میں ظہر پڑھ لیں۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''إنا مجمعون إن شاء اللّٰہ تعالیٰ''، ہم یعنی مدینہ منورہ میں رہنے والے تو جمعہ قائم کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

کان أهل القری یجتمعون لصلاة العیدین مالایجتمعون لغیرهما، کماهو العادة، وکان فی انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العیدحرج علیهم، فلما فرغ رسول اللّٰه ﷺ من صلاة العید نادی منادیه ''من شاء منکم أن یصلی الجمعة فلیصل، ومن شاء الرجوع فلیرجع'' وکان ذلک خطاباً لأهل القری المجتمعین هناک، والقرینة علی ذلک بانه قدصرح فیه بانامجمعون، والمراد من جمع المتکلم أهل المدینة بلاشک وفیه دلالة واضحة علی أن الخطاب بقوله: ''من شاء منکم أن یصلی'' لأهل القری دون اهل المدینة. عن ابن شهاب عن أبی عبید مولیٰ ابن أزهر أنه قال: شهدت العید مع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فجاء فصلی ثم انصرف فخطب وقال: إنه قد اجتمع لکم فی یومکم هذا عیدان، فمن أحب من أهل العالیة أن ینتظر الجمعة فلینتظرها، ومن أحب أن یرجع فقد أذنت له. رواه مالک فی موطائه: (ص ۶۳) **وهذاالإسنادقدأخرجه البخاری:** (ص ۲۶۷) **فی باب صوم یوم الفطر.** (اعلاء السنن: ۹۲/۸، ۹۳، باب اذااجتمع العیدو الجمعة لاتسقط الجمعة به)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ۵۶/۲. ومعارف السنن: ۴۳۱/۴. ۴۳۴، بحث عدم سقوط الجمعة عنداجتماع العیدو الجمعة. واعلاء السنن: ۹۲/۸. ۹۸، باب اذااجتمع العیدو الجمعة لاتسقط الجمعة به) . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ مبارک کہنے کا حکم:

سوال: بعض لوگوں میں یہ دستور ہے کہ وہ جمعہ کے دن جب ملتے ہیں تو جمعہ مبارک کہتے ہیں،

کیا جمعہ مبارک کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ مبارک کہنا احادیث سے ثابت نہیں ہے اس لیے نہیں کہنا چاہئے اور یہ رسم قابل ترک ہے۔اگر چہ جمعہ کو احادیث میں عید کہا گیا ہے لیکن جمعہ مبارک یا جمعہ کے بارے میں **تقبل الله منک** ہمارے علم میں صحابہ کرام سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو **اتحاف الخيرة المهرة** میں مذکور ہے:

ورواه أبو يعلى أيضا بسند صحيح ولفظه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتاني جبريل بمثل المرآة البيضاء فيها نكتة سوداء فقلت: ياجبريل ما هذا ؟ قال: هذه الجمعة جعلها الله تعالى عيداً لک ولأمتک.... الخ. (۸/۳).

وعن ابن السباق أن النبى صلى الله عليه وسلم قال في جمعة من الجمع: إن هذا يوم عيد جعله الله عزوجل للمسلمين فاغتسلوا، ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه وعليكم بالسواک . (۲۱۶۱/۲۶/۳).

وعن قيس بن السكن أن ناساً من أصحاب عبد الله أتوا أبا الدرداء رضى الله عنه في يوم جمعة وهم صيام فقال: إن هذا يوم عيد فأقسم عليهم أن يفطروا . (۳۰۲۵/۴۲۷/۳).

روایاتِ مذکورہ بالا میں اگر چہ جمعہ کو عید کہا گیا ہے لیکن اس کے لیے جمعہ مبارک یا دوسرے الفاظ فقہا کے کلام میں نظر سے نہیں گزرے۔اس لیے یہ الفاظ نہیں بولنا چاہیے اور اس رسم کی حوصلہ شکنی مناسب ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحیٰ إلی المصلیٰ“

(رواہ البخاری)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

”زینوا أعیادکم بالتکبیر“

(المعجم الکبیر)

عید مبارک باب......(۱۷) عید مبارک

نمازِ عیدین کا بیان

باب......﴿۱۷﴾

نمازِ عیدین کا بیان

عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: اگر نمازِ عید بجائے صحراء کے شہر کے میدان یا پارک میں ادا کی تو عیدگاہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عیدین کی نماز کو آبادی سے باہر نکل کر عیدگاہ یا میدان میں ادا کرنا سنت ہے، آنحضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مسجدِ نبوی کی فضیلت چھوڑ کر عیدگاہ میں پڑھنے کا اہتمام فرمایا، لہٰذا بلا کسی عذر کے مساجد میں عیدین کی نماز نہیں پڑھنا چاہئے خلافِ سنت ہے، ہاں شہر کے میدان یا پارک وغیرہ میں عیدین کی نماز پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر و الأضحی إلی المصلی فأول شیء یبدأ به الصلاة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس و الناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم......(رواه البخاری:۱/ ۱۳۱/ ۹۴۶باب الخروج الی المصلی بغیر منبر)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أن البروز إلی المصلی و الخروج إلیه، ولا یصلی فی المسجد إلا عن ضرورة، وروی ابن زیاد عن مالکؒ قال: السنة الخروج إلی الجبانة إلا لأهل مکة ففی المسجد، وقال الشافعیؒ "فی الأم": بلغنا أن رسول الله ﷺ کان یخرج فی العیدین إلی المصلی بالمدینة و کذا من

بعده إلا من عذر مطر ونحوه، وكذا عامة أهل البلدان إلا مكة، شرفها الله تعالىٰ. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۵/۱۷۱،باب الخروج الی المصلی،دارالحدیث ملتان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان میں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے۔یہی آنحضور ﷺ اورآپ کے خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔نیز ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کھلے میدان میں نمازِ عیدادافرمائی اورسترہ کے لئے نیزہ سامنے گاڑ دیا گیااس لئے کہ نہ دیوارتھی نہ چھت تھی۔

ملاحظہ ہوابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ كان يغدو إلى المصلى في يوم عيد والعنزة تحمل بين يديه فاذا بلغ المصلى نصبت بين يديه فيصلي إليها وذلک أن المصلى كان فضاء ليس فيه شيء يستتر به. (رواه ابن ماجه:۹۲ ،باب ما جاء فی الحربة یوم العید)

اعلاءالسنن میں ہے:

وأخرج الطبرانى فى الكبير بضعف عن على رضی اللہ عنہ قال: الخروج إلى الجبان فى العيدين من السنة كذا فى جمع الفوائد:(۱/۱۰۷) وانجبر ضعفه بماله من الشواهد......و فى الدر المختار والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة،وان وسعهم المسجد الجامع. (اعلاء السنن: ۸/۱۱۲/۲۱۱۰، باب الخروج یوم الفطروالأضحی الی المصلی الا لعذر،ادارۃالقرآن۔کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۵۳۱ باب أحکام العیدین،قدیمی ۔وعمدۃ الفقه: کتاب الصلاۃ حصه دوم:۴۶۰۔و فتاوی محمودیه: ۸/۴۰۴ باب العیدین ،جامعه فاروقیه)

کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات:

(۱)یہ جگہ اکثر شہر سے باہرنہیں ہوتی ؟

(۲)یہ جگہ وقف شدہ نہیں ہوتی ؟

(۳)عید کی نماز ختم ہونے کے بعد وہاں سیاح اورعورتیں اورکبھی کبھی جانور گھومتے ہیں، بلکہ اس میں جانوروں کی نمائش ہوتی ہےاورناجائزامور بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ میدان ناپاک بھی ہوجاتا ہے۔

اکابرؒ کی عبارات سے جوابات:

زمانہ گذشتہ میں اس قسم کے اشکالات بعض مقامی حضرات نے تحریراً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی عبدالحی بسم اللہ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی خدمت میں پیش کئے تھے، تو ان دونوں حضرات نے مفصل جواب مرحمت فرمایا۔ جس کی نقل ہمارے پاس موجود تھی لہذا مناسب سمجھا کہ برکت کے طور پر اسی کا خلاصہ پیش کر دیا جائے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی عبدالحی بسم اللہ رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے:

(۱) یہ صحیح ہے کہ عیدگاہ شہر سے باہر ہو مگر عیدگاہ وسط شہر میں ہو یا آ جائے یا وسط شہر میں کوئی میدان برائے نمازِ عید تجویز کیا جائے اور وہاں باقاعدہ نمازِ عیدین کے لئے جو سنت باہر جانا ہے وہ ایسی حالت میں بھی ادا ہو جائے گی اور نماز بطریق مسنون اداشدہ یقیناً کہی جائے گی اور دلیل دیکھنا ہو تو: (وفاء الوفاء: ۳/ ۷۸۰)۔

نیز فتح الباری ملاحظہ فرمائیں:

وحكى ابن بطال عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقا بمسجد النبي ﷺ من ناحية جهة المشرق. انتهى، فان ثبت ما قال والا فيحتمل أن يكون المراد بالمسجد هنا المصلى المتخذ للعيدين والاستسقاء. (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۳/ ۱۹۹، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد، دار نشر الكتب الاسلامية)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی عیدگاہ بالکل شہر سے باہر نہیں تھی ایسی حالت میں متعین جگہ میں نمازِ عیدین ادا کرنا بلا شک وشبہ جائز ہے بلکہ بطریقِ مسنون صحیح ہے۔ کیونکہ جب گورمنٹ غیر مسلم ہے عیدگاہ کے لئے جگہ دیتی نہیں یہ عمدہ میدان بلا اجرت برائے نمازِ عیدین مل رہا ہے تو کیوں موقع کو جانے دیا جائے ضرور وہاں متفقہ طور پر جا کر نمازِ عیدین ادا کی جائے۔ تاکہ شانِ اجتماعی مسلمانوں کی معلوم ہو اور غیر قوموں پر اثر بھی پڑے، ایسی حالت میں روکنے کی تجویز بلاوجہ اعتراض کر کے لگانا جائز اور درست نہیں۔

(۲) یوں کہنا کہ جگہ کا وقف ہونا صحتِ صلاۃ عید کے لئے شرط ہے غلط ہے کیونکہ نمازِ عید فرض نہیں، صاحبینؒ سنتِ مؤکدہ فرماتے ہیں اور امام صاحبؒ واجب فرماتے ہیں جو صحیح ہے اور مفتی بہ ہے، اور ظاہر ہے کہ جب نمازِ فرض عین کے لئے جگہ کا وقف ہونا ضروری نہیں: **لقول رسول الله ﷺ "جعلت لي الأرض كلها مسجدًا** (مشکوۃ: ۵٤) تو پھر دیگر نماز کے لئے کیسے شرط اور ضروری ہوگی علاوہ ازیں عام طور پر تمام فقہاء احناف بالاجماع وبالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ سوائے خطبہ کے نمازِ عیدین کے لئے بھی وہی تمام شرائط ہیں جو جمعہ کے

لئے ہے،ملاحظہ: شامي مع درمختار ۲/ ۱٦٦،بحرشرح كنز ۲/ ۱٤٠،هدايه اولين وغيرهم۔ اورشرائطِ جمعہ کے لئے علاوہ چند شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر یعنی شہر ہو یا فناء مصر ہو صاحب بحر شارح کنز جلد ثانی میں فرماتے ہیں: أومصلاه أي مصلى المصر لأنه من توابعه فكان في حكمه والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز في جميع أفنية المصر. (البحر الرائق: ۲/ ۱٤٠ باب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ فناء مصر کے ہر ایک حصہ میں جس طرح جمعہ صحیح ہے عید بھی صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فناء کا وقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ والفناء في اللغة سعة أمام البيوت وقيل ما امتد من جوانبه كذا في المغرب (البحر الرائق: ۲/ ۱٤٠) علاوہ ازیں فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ قلعہ وغیرہ میں اگر اذنِ عام ہو تو پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ: شامي مع درمختار ۲/ ومراقي الفلاح وغيره۔ ایسی حالت میں صحتِ نماز عید کے لئے جگہ کا وقف ضروری قرار دینا اور عوام کو ادائیگی سنتِ مؤکدہ سے روکنا جائز اور درست نہیں۔ شریعت نے جس چیز کو ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اپنے من گھڑت طریقہ سے ضروری قرار دینا شریعت پر جسارت اور انتہائی درجہ کی جسارت ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتی۔

(۳) احناف کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ناپاک شدہ زمیں سوکھ جائے تو وہ جگہ برائے نماز پاک ہوجاتی ہے اور وہاں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت جائز اور درست ہے: وتطهر الأرض بيبسها وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها، وفي الشامي: قوله بيبسها لما في سنن أبي داؤد باب طهور الأرض إذا يبست وقوله أي جفافها المراد به ذهاب الندوة. (الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۳۱۱ باب الأنجاس، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وجفت جازت الصلاة عليها، قوله وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح طهرت وجازت الصلاة عليها لقوله ﷺ: أيما أرض جفت فقد زكت. (مراقي الفلاح مع نور الإيضاح: ٦٥ باب الأنجاس والطهارة عنها، مكة المكرمة)

ایسی حالت میں یوں کہنا کہ وہاں جانوروں کی نمائش ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے صحیح نہیں، سوکھ جانے سے برائے نماز جگہ پاک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ: احقر الوریٰ اسمٰعیل بن محمد بسم اللہ۔ (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت ۱۴/ رمضان ۱۳۷۸ھ، ۲۴/ مارچ ۱۹۵۹ء۔ الجواب صحیح عبد الغفور غفر لہ وعبد الحی بسم اللہ عفی عنہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اقول وباللہ التوفیق مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کا جواب دربارہ عیدگاہ بالکل صحیح اور کافی وافی ہے پھر مفتی صاحب موصوف نے زیادہ وضاحت اور مکمل ثبوت پیش فرمادیا اس کے بعد کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں، صرف ایک مختصر عبارت علامہ ابن قیم کی زاد المعاد سے نقل کرتا ہوں: **كان ﷺ يصلي العيدين في المصلى وهو المصلى الذي على باب المدينة الشرقي وهو المصلى الذي يوضع فيه محمل الحاج، ولم يصل العيد بمسجده الا مرة واحدة أصابهم المطر فصلى بهم العيد في المسجد.** (رواه أبو داؤد وابن ماجه كذا في زاد المعاد ١/٤٤١ فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في العيدين ،مؤسسة الرسالة)

علامہ ابن قیمؒ نے جو روایت بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ نقل کی ہے اس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کہیں شہر سے دور نہیں تھی بلکہ مدینہ طیبہ کے دروازہ شرقی کے متصل واقع تھی جو اس وقت تو زمانہ دراز سے وسط شہر میں آگئی ہے لہذا عہدِ نبوی میں اگر وسط شہر میں نہیں تو بالکل شہر سے متصل ضرور تھی۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ ایک ایسا میدان تھا جس میں حجاج کے اونٹ بیٹھتے اور ان کے شغوف رکھے جاتے تھے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ زمین نمازِ عید کے لئے وقف نہیں تھی۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے تمام عمر نمازِ عید ایسی مسجد چھوڑ کر اس میدان میں ادا فرمائی صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے۔

امورِ مذکورہ بالا میں مخالفت کرنے والوں کے سب سوالوں کے جوابات ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عیدین کی نماز کو مسجد میں پڑھنا درست نہیں سمجھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دار العلوم کراچی، ۶/ رمضان ۱۳۷۹ھ/۴/ مارچ ۱۹۶۰ء۔

مذکورہ بالا ان اکابر حضرات کے فتاویٰ کے بعد مزید کسی قسم کی تفصیل کی چنداں حاجت وضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم اگر کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو تو ملاحظہ ہو:

"خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: ١/ ١٨١-١٨٨" پر علامہ سمہودیؒ نے آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کے جائے وقوع کے بارے میں مکمل تحقیق فرمائی ہے۔

نیز دیگر اکابر کے مختلف فتاویٰ بھی موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ ،حضرت مفتی عبد الرحیم

صاحبؒ، حضرت مفتی رشید صاحبؒ صاحبِ احسن الفتاوی، حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب مدظلہ جن کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں رسالہ ''عیدگاہ کی سنیت'' از حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ ۲۹۔۴۱۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: کیا نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں پڑھ سکتے ہیں جہاں جمعہ نہیں پڑھ سکتے شرائطِ جمعہ مفقود ہونے کی وجہ سے؟

الجواب: نمازِ جمعہ وعیدین شہر اور بڑی بستی میں پڑھی جاسکتی ہے۔ چھوٹے دیہات میں پڑھنا جائز اور درست نہیں۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة......وكذا المصر لما روينا عن علي رضي الله عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع......والمراد من لفظ الفطر والأضحى صلاة العيدين ولأنها ماثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلا في الأمصار. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۵، شرائط العيدين، سعيد)

مبسوط میں ہے:

والحاصل أنه يشترط لصلاة العيد مايشترط لصلاة الجمعة إلا الخطبة فانها من شرائط الجمعة وليست من شرائط العيد ولهذا كانت الخطبة في الجمعة قبل الصلاة وفي العيد بعدها لانها خطبة تذكير وتعليم لمايحتاج إليه في الوقت فلم تكن من شرائط الصلاة كالخطبة بعرفات والخطبة يوم الجمعة بمنزلة شطر الصلاة....... (المبسوط للامام السرخسيؒ: ۲/۳۷، باب صلاة العيدين، ادارة القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: **البحر الرائق: ۲/۱۵۷، الماجدية. وكذا في مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: شرائط صلاة العيدين. وتبيين الحقائق: ۱/۲۲۳، باب صلاة العيدين، امداديه ملتان. والموسوعة الفقهية: حكم وجوب الجمعة على اهل القرى.** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم:

سوال: جب صحیح احادیث کی روشنی میں عورتیں عیدگاہ جاتی تھیں تو ساؤتھ افریقہ میں مسلمانوں کی عورتیں کیوں عیدگاہ نہیں جاتی؟

الجواب: زمانہ نبوی میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں نیز دیگر نمازوں کے لئے بھی نکلنے کا ثبوت ملتا ہے۔لیکن موجودہ زمانہ میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے متأخرین علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کے لئے عیدگاہ یا مساجد جانا ممنوع ہے۔اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ''ابواب الامامۃ فصل دوم جماعت کے احکام'' کے تحت گذر چکی وہاں ملاحظہ فرمالیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں عیدگاہ کی حیثیت:

سوال: عیدگاہ (مصلی) کی کیا حیثیت ہے احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں نبی پاک ﷺ کا دائمی عمل عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا تھا نیز ائمہ اربعہ کے ہاں بھی عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

عیدگاہ احادیث کی روشنی میں:

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال:ثم کان رسول اللّٰہ ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلیٰ...... (رواہ البخاری:باب الخروج الی المصلی بغیر منبر۔وباب الزکاۃ علی الاقارب)

سنن ابی داؤد میں ہے:

عن بکر بن مبشر الأنصاری رضی اللہ عنہ قال:کنت أغدو مع أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ إلی المصلی یوم الفطر ویوم الأضحی...... (سنن ابی داؤد:باب اذالم یخرج الامام للعیدمن یومہ یخرج من الغد۔وسنن النسائی:باب استقبال الامام الناس بوجھہ فی الخطبۃ)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ ﷺ کان یغدو إلی المصلی فی یوم عید. (سنن ابن ماجہ:باب

ماجاء فی الحربة یوم العید)

نیز ملاحظہ ہو: **مؤطاامام مالکؒ: باب ترک الصلاة قبل العیدین وبعدهما. والمستدرک علی الصحیحین: کتاب صلاة العیدین. ومصنفِ ابن ابی شیبة: باب فی الطعام یوم الفطرقبل ان یخرج الی المصلی. ومصنفِ عبدالرزاق: کتاب صلاة العیدین. المعجم الاوسط: رقم ۷۵۲۲. المعجم الکبیر: رقم ۱۱۶۴۸. صحیح ابن خزیمة: باب الخروج الی المصلی لصلاة العیدین. صحیح ابن حبان: ذکر ما یستحب للامام سوال رعیته الصدقة علی الفقراء اذا علم الحاجة بهم)**

مذہبِ احناف:

درمختار میں ہے:

ماشیاً إلى الجبانة وهي المصلى العام والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجدالجامع هو الصحيح. (الدرالمختار:باب العیدین)

نیز ملاحظہ ہو: الهداية:باب صلاة العيدين۔بدائع الصنائع:فصل صلاة العيدين۔و دررالحكام شرح غررالاحكام:باب صلاة العيدين۔والبحرالرائق:باب صلاة العيدين۔والفتاوى الهندية:الباب السابع عشرفي صلاة العيدين۔ملتقى الابحر:باب صلاة العيدين)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو مدونہ میں ہے:

وقال مالکؒ: لايصلى في العيدين في موضعين ولايصلون في مسجدهم،ولكن يخرجون كماخرج النبي ﷺ قال ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب قال:"كان رسول اللهﷺ يخرج إلى المصلى ثم استن بذلك أهل الأمصار". (المدونة:كتاب الصلاة صلاة العيدن)

نیز ملاحظہ ہو: المدخل: فصل فی خروج الامام الی صلاة العيدين۔التاج والاكليل لمختصرالخليل: فصل فی حكم صلاة العيدين۔مواهب الجليل فی شرح مختصرالخليل:فصل صلاة العيدين۔وحاشية الدسوقی علی الشرح الكبير: فصل فی احكام صلاة العيد)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

والسنة أن يصلي صلاة العيد في المصلى إذا كان مسجد البلد ضيقاً لما روى أن النبي ﷺ "كان يخرج إلى المصلى" ولأن الناس يكثرون في صلاة العيد فاذا كان المسجد ضيقاً تأذوا......قال الشافعيؒ: فان كان المسجد واسعاً فصلى في الصحراء لابأس به وإن كان ضيقاً فصلى فيه ولم يخرج إلى الصحراء كرهت......وان لم يكن عذر وضاق المسجد فلاخلاف ان الخروج إلى الصحراء أفضل وإن اتسع المسجد ولم يكن عذر فوجهان (أصحهما) وهو المنصوص في الأم وبه قطع المصنف وجمهور العراقيين والبغوي وغيرهم أن صلا تها في المسجد أفضل (والثاني) وهو الأصح عند جماعة من الخراسانين وقطع به جماعة منهم أن صلا تها في الصحراء أفضل "لأن النبي ﷺ واظب عليها في الصحراء. (شرح المهذب: ٥/٤، ٥، باب صلاة العيدين، دار الفكر)

نیز ملاحظہ ہو: اسنى المطالب: فصل صلاة العيدين۔ونهاية المحتاج الى شرح المنهاج: باب صلاة العيدين۔مغني المحتاج: باب صلاة العيدين۔الغرر البهية: باب صلاة العيد۔حاشية قليوبي: باب صلاة العيدين)

مذہبِ حنابلہ: ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

السنة أن يصلي العيد في المصلى أمر بذلك عليؓ واستحسنه الأوزاعي وأصحاب الرأي وهو قول ابن المنذر......ولنا أن النبي ﷺ كان يخرج إلى المصلى ويدع مسجده وكذلك الخلفاء بعده ولا يترك النبي ﷺ الأفضل مع قربه ويتكلف فعل الناقص مع بعده ولا يشرع لأمته ترك الفضائل ولأننا قد أمرنا باتباع النبي ﷺ والاقتداء به ولا يجوز ان يكون المأمور به هو الناقص والمنهي عنه هو الكامل ولم ينقل عن النبي ﷺ أنه صلى العيد بمسجده وضيقه وكان النبي ﷺ يصلي في المصلى مع شرف مسجده....... (المغني لابن قدامة الحنبليؒ: باب صلاة العيدين، مسئلة ان يصلي العيد في المصلى)

نیز ملاحظہ ہو: كشاف القناع عن متن الاقناع: باب صلاة العيدين۔الفروع: باب صلاة العيدين۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ اگر عیدین کی تکبیرات چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر مقتدی مانوس اور سمجھدار ہوں تو سجدۂ سہو کر لینا چاہیئے، ورنہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اگر واپس قیام میں آجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے آخر میں سجدۂ سہو کرلے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

قوله ولایأتی الإمام بسجود السهو فی الجمعة والعیدین، أی والمأموم کذلک لانه تابع له، وظاهره کراهة الاتیان به فیها، والظاهر أنها تنزیهیة لاتحریمیة. قوله دفعاً للفتنة أی افتتان الناس وکثرة الهرج، قوله بکثرة الجماعة...... وأخذ العلامة الدانی من هذه السببیة أن عدم السجود مقید بما إذا حضر جمع کثیر أما إذا لم یحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعی إلی الترک وهو التشویش. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۴۶۵، باب سجود السهو، قدیمی)

بدائع الصنائع میں ہے:

لو رکع الإمام بعد فراغه من القراءة فی الرکعة الأولیٰ فتذکر انه لم یکبر فانه یعود و یکبر و قد انتقض رکوعه ولایعید القراءة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۸، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خطبہ کے بعد کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز کے بعد دعا کا ثبوت بکثرت احادیث میں موجود ہے جس کا تذکرہ پہلے گذر چکا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست اور صحیح ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا نماز کے بعد دعا کرنے پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔ ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

مناجات بعد صلاۃ العید کے بارے میں روایات دستیاب ہوگئیں، وهی هذه: عن أم عطیة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: کنا نؤمر أن نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرها حتی تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرهم ویدعون بدعائهم یرجون برکة ذلک الیوم وطهرته، أخرج البخاری فی صحیحه کذا فی فتح الباری: ص۳۸۶ ج۲۔ وأخرج الترمذی عن أم عطیة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها أن رسول اللّٰه ﷺ کان

یخرج الأبکار والعواتق وذوات الخدر والحیض فی العیدین فأما الحیض فیعتزلن المصلی ویشھدن دعوۃ المسلمین، الحدیث ص:۷۰،وقال الترمذیؒ:حدیث ام عطیۃ حدیث حسن صحیح۔**اس حدیث میں دعا سے دعاءِ** خطبہ مراد نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خطبہ میں صرف امام دعا کرتا ہے، سامعین دعا نہیں کرسکتے ،اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں ،اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اوران کی دعا کے ساتھ دعا کرتیں ،اوراس سے مردوں اورعورتوں سب کا دعا کرنا ثابت ہوتا ہے،اور یقیناً نماز سے پہلے تکبیرودعا کا وقت نہیں ،یقیناً نماز کے بعد ہی دعا کی جاتی تھی ،اورترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں ویشہدن دعوۃ المسلمین، کہ عورتیں مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں،اس لیے عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز ومستحب یقیناً ہے،استحباب وجواز کا انکار نہیں ہوسکتا۔(امدادالاحکام:۱/۷۴۲،فصل فی الجمعہ والعیدین،دارالعلوم کراچی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے۔(فتاوی محمودیہ:۸/۴۶۴،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مزید ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۴/۱۱۵۔وامدادالفتاوی:۱/۷۰۴۔واللہ ﷻ اعلم۔

مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی یا دونوں تو تکبیراتِ زوائد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر پہلی رکعت میں شریک ہوااور امام نے قراءت شروع کردی تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات کہے گا،اگر رکوع میں امام کو پایااور غالب گمان ہے کہ تکبیرات کہنے کے بعد امام کو پالے گا تو حالتِ قیام میں ادا کرے ورنہ رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے کہے گا،اوراگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام کے بعد جب اپنی نماز پڑھے گا تو قراءت کے بعد تکبیرات کہے اوراگر تشہد میں شامل ہوا تو امام کے طریقہ پر نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولوأدرک المؤتم الإمام فی القیام بعد ما کبر کبرفی الحال.وفی الشامی:قولہ فی القیام أی الذی قبل الرکوع أما لوأدرکہ راکعاً فان غلب علی ظنہ ادراکہ فی الرکوع کبرقائماً برأی نفسہ ثم رکع والارکع وکبرفی رکوعہ ولایرفع یدیہ لان الوضع علی الرکبتین سنۃ فی محلہ والرفع لافی محلہ وان رفع الإمام رأسہ سقط عنہ مابقی من التکبیرلئلا تفوتہ

المتابعة ولو أدركه فى قيام الركوع لايقضيهافيه لانه يقضى الركعة مع تكبيراتها،فتح وبدائع،قوله كبرفى الحال أى وإن كان الإمام قد شرع فى القراءة كمافى الحلية.ولوسبق بركعة يقرأ ثم يكبرلئلا يتوالى التكبير. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۷۳۔۱۷۴،باب العیدین،سعید۔وكذافی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۳۴،باب احكام العيدين،قديمی۔وشرح منية المصلی:ص ۵۷۲،سهيل)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا أدرك الإمام فى صلاة العيد بعد ما تشهد الإمام قبل أن يسلم أوبعد ماسلم قبل أن يسجد للسهوأوبعدماسجد للسهوولم يسلم الإمام فانه يقوم ويقضى صلاة العيد. (الفتاوی الهندية:۱/۱۵۱،فی صلاة العيدين)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شافعی امام کے پیچھے تکبیرات زوائد میں اتباع کا حکم:

سوال: حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد میں امام کی اتباع کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی اتباع واجب اورضروری ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت میں سات اوردوسری میں پانچ کہے گا یعنی امام کی اتباع کرے گا ہاں مسبوق اپنی بقیہ نماز میں اپنے مذہب کی اتباع کرے گا۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ولوزاد تابعه لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعته وترك رأيه برأى الإمام لقوله عليه الصلاة والسلام : " إنماجعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه"فمالم يظهرخطؤه بيقين كان اتباعه واجباً ولايظهرخطؤه فى المجتهدات. (شامی:۲/۱۷۲،باب العيدين،سعيد)

قال فى الدر:ولوأدرك المؤتم الإمام فى القيام بعد ماكبر كبرفى الحال برأى نفسه لانه مسبوق.وفى الشامى:قوله برأى نفسه أى ولوكان إمامه شافعياً كبرسبعاً فانه يكبرثلاثاً.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۷۴،باب العيدين)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قول محمد فی الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام فی صلاۃ العید وھذا الرجل یری تکبیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ فکبر الإمام غیر ذلک اتبع الإمام إلا إذا کبر الإمام لم یکبرہ أحد من الفقھاء فحینئذٍ لایتابعہ کذافی المحیط. (الفتاوی الھندیۃ:۱/۱۵۱،صلاۃ العیدین۔وکذافی بدائع الصنائع:۱/۲۷۷،سعید۔وشرح منیۃ المصلی:ص۵۷۲،سھیل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیراتِ زوائد بھول گیا اور لوگوں کے لقمہ دینے پر واپس قیام کی طرف لوٹا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سابقہ رکوع پر اکتفاء کرلے تو نماز درست ہوگی۔لیکن اگر دوسرا رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوگئی بلکہ دوسرا رکوع کرنا چاہئے تاکہ نماز کی ترتیب صحیح ہوجائے۔ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذکر فی کشف الأسرار أن الإمام إذا سھا عن التکبیرات حتی رکع فانہ یعود إلی القیام بخلاف المسبوق. (الفتاوی الھندیۃ:۱/۱۲۸،صلاۃ العیدین)

طحطاوی میں ہے:

واعادۃ الرکوع لاتفسد أیضاً فلوأدرکہ رجل فی الرکوع الثانی کان مدرکاً لتلک الرکعۃ. (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۸۲)

البحرالرائق میں ہے:

فان عاد إلی القیام وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلاتہ لان رکوعہ قائم لم یرتفض. (البحرالرائق:۲/۴۳،کوئتۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر قیام کی طرف لوٹا تب بھی جائز ہے اور نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے لیکن رکوع کا اعادہ کرے قراءت کا نہ کرے۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۴۶۵،عیدین کے متفرق مسائل،المجددیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا:

سوال: عید کے موقع پر مبارک بادی دینے کا ثبوت احادیث وخیر القرون سے ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کے موقع پر تقبل اللہ منا ومنک کہنا آنحضرت ﷺ اورصحابہ کرام سے ثابت ہے۔عام لوگ اس کی جگہ عید مبارک کہتے ہیں وہ بھی درست ہے،اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول فرماتے ہیں تو اس کو بڑھاتے ہیں اوراس میں برکت دیتے ہیں قرآنِ کریم میں ہے:﴿ فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتاً حسناً﴾ قبولیت کے ساتھ برکت لازم ہے۔ ملاحظہ ہوسنن کبری میں ہے:

عن خالد بن معدان قال:لقيت واثلة بن الأسقع رضی اللہ عنہ في يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنک فقال:نعم تقبل الله مناومنک،قال واثلة رضی اللہ عنہ لقيت رسول الله ﷺ يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنک قال: نعم تقبل الله مناومنک.عن أدهم مولیٰ عمر بن عبدالعزيزؒ قال كنا نقول لعمر بن عبد العزيزؒ في العيدين تقبل الله مناومنک ياأمير المؤمنين فيردعلينا ولاينكر ذلک علينا .(السنن الکبری للبیهقی:۳/۳۱۹۔وکذافی مجمع الزوائد:۲/۲۰۶)

الجوہرالنقی میں ہے:

قلت: في هذاالباب حديث جيد اغفله البيهقي وهوحديث محمدبن زياد قال: كنت مع أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ وغيره من اصحاب النبي ﷺ فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک قال أحمدبن حنبلؒ إسناده جيد.(الجوهرالنقی علی هامش السنن الکبری:۳/۳۱۹)

نیز کتبِ فقہ سے بھی اس کے استحباب کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وندب...إظهار البشاشة وإكثار الصدقة والتختم والتهنية بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر. وفي الشامي:وإنما قال كذلک لانه لم يحفظ فيهاشيء عن أبي حنيفةؒ وأصحابهؒ ......وقال المحقق ابن أمير حاج:بل الأشبه أنهاجائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثاراً بأسانيد صحيحة عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم **في فعل ذلک ثم قال:والتعامل في البلاد الشامية والمصرية "عيد مبارک عليک"ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلک في المشروعية والاستحباب لمابينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلک الزمان عليه مباركاًعلى انه قد ورد الدعاء بالبركة في امورشتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضاً**.(الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۶۹،صلاة العيدين،سعيد۔وكذافی شرح منية المصلی:۵۷۳،سهيل)۔

عید مبارک کے بارے میں اشاعۃ التوحید کے ایک عالم مولانا خان بادشاہ صاحب کی تحقیق:

عیدین کے موقع پر عید مبارک کہنے کو بہت سے علمائے کرام نے جائز تسلیم کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اشاعت التوحید کے ایک عالم کی تحقیق پیش کریں، اشاعت التوحید بدعات کے رد میں تشدد کی حد تک مشہور ہے۔ اس جماعت کے ایک محقق عالمِ دین مولانا خان بادشاہ صاحب اپنی کتاب "**الإرشاد المفيد لعلماء جماعة التوحيد**" میں تحریر فرماتے ہیں:

ترکمانی فرماتے ہیں کہ اس باب تهنئہ عید میں حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے بھلا دیا ہے، اور وہ محمد بن زیاد کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ تھا، جب وہ واپس نماز عید سے آجاتے تو ایک دوسرے کو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد جید اور کھری ہے۔

اور طبرانی کی روایات بھی مطالعہ کریں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: عید کے دن عید مبارک کہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے۔ یہ صحابہ کی جماعت سے مروی ہے اور ائمہ نے رخصت فرمائی ہے، جیسے امام احمد وغیرہ۔ امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن عقیلؒ نے عید مبارک کے لیے احادیث ذکر کی ہیں، پھر حدیث محمد بن زیاد ذکر کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی وغیرہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو یہ جب واپس آجاتے تو ایک دوسرے کو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور تم سے قبول فرمائے، اور احمد کہتے ہیں اس کی اسناد کھری ہے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ عمل مدینہ میں ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، اور رسید سابق فرماتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک مستحب ہے، پھر فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

میں نے بھائیوں کے لیے یہ ذکر کیا، کیونکہ یہ عید مبارک اور مصافحہ پر بدعت کے فتوے لگائے ہیں۔

(الارشاد المفيد لعلماء جماعة التوحيد، ص: ۱۰۵-۱۰۶، از مولانا خان بادشاہ صاحب)۔

درج کردہ مولانا خان بادشاہ صاحب کی عبارت میں جن علماء کے حوالے مذکور ہیں، اصل کتاب سے ان کی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ ترکمانی کی عبارت پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) فتوی العلامة ابن تيمية : وسئل رحمه الله تعالىٰ: هل التهنئة في العيد وما يجري على ألسنة الناس "عيدُك مباركٌ" وما أشبهه هل له أصل في الشريعة أم لا؟

فأجاب :أما التهنئة يوم العيد يقول بعضهم لبعض إذا لقيه بعد صلاة العيد: تقبل الله منا ومنكم... قد روی عن طائفة من الصحابة أنهم كانوا يفعلونه و رخص فيه الأئمة كأحمد وغيره . (مجموع الفتاوى :٢٤/ ٢٥٣،والفتاوى الكبرى:٢/ ٣٧١).

ابن قدامہؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

فصل : قال أحمد: ولا بأس أن يقول الرجل للرجل يوم العيد: تقبل الله منا ومنكم...لم يزل يعرف هذا بالمدينة. (المغني :٤/ ٢٧٤).

شیخ سید سابق کا کلام ملاحظہ ہو:

استحباب التهنئة بالعيد: عن جبير بن نفير قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم...الى قوله : قال الحافظ : إسناده حسن. (فقه السنة :١/ ٣٢٥).

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک کہنا بدعت ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خوشی کے موقع پر مبارک باد دینا احادیث سے ثابت ہے، اور کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس نام بھی بالتعیین وارد ہو بلکہ عموماتِ حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہوسکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہوسکے گا۔ لہذا عمومی احادیث جو خوشی ومسرت کے موقع پر وارد ہیں ان کے پیشِ نظر عیدین کے موقع پر بھی مبارک باد دینا یعنی عید مبارک کہنا جائز اور درست ہوگا جب کہ اس کو ضروری یا مسنون نہ سمجھے ہاں اگر رسم بن گئی ہو جیسے عام لوگ اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں تو پھر نہ کہنا مناسب ہے۔

خوشی کے وقت مبارک باد دینے کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شادی جو کہ خوشی کا وقت ہے" بارک الله لک وبارک علیک وجمع بینکما فی

خیر'' کہنا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ أن النبی ﷺ كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال: "بارك الله وبارك عليك وجمع بينكما فی خير". (رواه الترمذی: ۱/۲۰۷، باب ماجاء للمتزوج ـ والبخاری: ۲/۷۷٤/ ٤٩٦١، باب كيف يدعى للمتزوج)

(۲) حضرت جریر بن عبداللہ ﷺ نے جب ذی الخلصہ کے بتکدہ کو توڑا تو آنحضور ﷺ نے مبارک باد دی اور دعا فرمائی۔ **قال: "اللّٰهم بارك لأحمس فی خيلها ورجالها".** (مجمع الزوائد: ۲/۲۸۹، باب سجود الشكر، دار الفكر ـ والمعجم الكبير للطبرانی: ۲/٤٥۲/۲۲٤۷، حديث جرير)

(۳) بچے کی پیدائش کے وقت مبارک باد دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن السری بن يحيي أن رجلاً ممن كان يجالس الحسنؒ ولد له ابن فهنأه رجل فقال: ليهنك الفارس، فقال الحسنؒ: "وما يدريك أنه فارس لعله نجار لعله خياط" قال: فكيف أقول؟ قال: "قل جعله الله مباركاً عليك وعلى أمة محمد ﷺ". وعن عن حماد بن زيد قال: كان أيوب إذا هنأ رجلاً بمولود قال: "جعله الله مباركاً عليك وعلى امة محمد ﷺ". (رواهما الطبرانی فی الدعاء: ۲/۲٤،۲٥/ ۸۷۰،۸۷۱، باب كيف التهنئة بالمولود)

(۴) حضرت کعب بن مالک ﷺ کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت طلحہ ﷺ نے مبارک باد دی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبدالله بن كعب بن مالك ﷺ عن أبيه فی حديث طويل...... قال كعب ﷺ حتى دخلت المسجد فإذا برسول الله ﷺ جالس حوله الناس فقام الیّ طلحة بن عبيدالله ﷺ يهرول حتى صافحنی وهنّانی والله ماقام إلیّ من المهاجرين غيره....... (رواه البخاری: ۲/٦٣٦)

(۵) ملا علی قاریؒ نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا کہ مبارک مہینوں کے شروع میں مبارک باد دینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: أتاكم رمضان شهرمبارك...... رواه أحمد والنسائی. قال الملاعلی القاریؒ: (شهرمبارك) وظاهره الإخبارأی كثرخيره الحسی

والمعنوی کما هومشاهد فیه ویحتمل أن یکون دعاء أی جعله الله مبارکاً علینا وعلیکم وهوأصل فی التهنئة المتعارفة فی أول الشهوربالمبارکة.(المرقات المفاتیح: ٤/٢٣٥، کتاب الصوم،الفصل الثالث،مکتبة امدادیةملتان)

(٦)عیدین میں" تقبل الله منا و منک" کا ثبوت موجود ہےاورتقبل کے معنی قبول کرنا جب اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو ایک حسنہ کا ثواب بڑھادیتے ہیں اور برکت میں بھی نمو کا معنی پایا جاتا ہے،لہٰذا مبارک بادی تقبل اللہ میں ضمناً شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیدین کے موقعہ پرعید مبارک کہنا درست ہے جب کہ سنت اورضروری نہ سمجھا جائے ،اور کہنے والے کومبتدع کہنا بھی درست نہیں،اور نہ کہنے والے پرکوئی نکیر بھی نہ کرےلیکن چونکہ اس نے ایک رسم کی شکل اختیار کرلی ہےلہٰذا اس کا نہ کہنا مناسب ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عید کے دن دف بجانے کا حکم:

سوال: عید کے دن دف وغیرہ بجانا مباح ہے یا مکروہ یا ناجائز؟اوردف کے علاوہ باجاوغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت وارد ہےلہٰذا عید کے دن دف بجانے کی گنجائش ہےلیکن شرعی حدود کی پابندی لازم ہےیعنی جدید آلاتِ موسیقی کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قالت الربیع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی ﷺفدخل حین بنی علیّ فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدرإذ قال احداهن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین. (رواه البخاری: ٢/٧٧٣/٤٩٥٣، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة،فیصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبی الحسین خالد المدنی قال: کنا بالمدینة یوم عاشوراء والجواری یضربن بالدف ویتغنین فدخلنا علی الربیع بنت معوذ فذکرنا ذلک لها فقالت دخل علی رسول الله ﷺ

صبیحة عرسی وعندی جاریتان تغنیان وتندبان...... (رواہ ابن ماجة: ۱۳۶)

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

ولا یلزم من إباحة الضرب بالدف فی العرس ونحوه إباحة غیره من الآلات کالعود ونحوه، وسئل أبویوسفؒ عن الدف: أتکرهه فی غیر العرس مثل المرأة فی منزلها و الصبی؟ قال: فلا کراهة وأما الذی یجیء منه اللعب الفاحش و الغناء فانی أکرهه. (عمدة القاری:۵/۱۵۸، باب الحراب و الدرق یوم العید، دار الحدیث ملتان)

البحر الرائق میں ہے:

وفی الذخیرة وغیرها: لابأس بضرب الدف فی العرس و الولیمة و الأعیاد وکذا لا بأس بالغناء فی العرس و الولیمة و الأعیاد حیث لا فسق. (البحر الرائق:۱۸۸/۷، کتاب الکراهیة فصل فی الأکل و الشرب، کوئٹه)

امداد الاحکام میں ہے:

عید الفطر کے دن کسی قدر لہو ولعب کی اجازت ہے، غربال ودف سے گانا بھی جائز ہے بشرطیکہ گانے والا امرد یا عورت نہ ہو اور گانا بجانا قاعدۂ موسیقی پر نہ ہو اور دف یا غربال بھی قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے بلکہ ویسے ہی بلا قاعدہ بجایا جائے۔ (امداد الاحکام ۴/۳۷۵)

مزید ملاحظہ ہو: شامی:۶/۵۵، ۳۵۰، سعید۔ و الفتاوی الهندیة:۵/۳۵۲۔ و المحیط البرهانی:۵/۲۳۳ کراهیة، الفصل الثامن عشر۔ و کفایت المفتی:۹/۱۸۶، حظر و اباحت باب ۱۵۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

عید کے دن قبرستان جانے کا حکم:

سوال: عید کے دن قبرستان جانا کیسا ہے؟

الجواب: عیدین کے دن قبرستان جانا درست ہے بلکہ علماء نے افضل ایام میں شمار فرمایا ہے اس لئے مستحب ہوگا۔ لیکن اس کو لازم اور سنت نہیں سمجھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأفضل أیام الزیارة أربعة... وکذلک فی الأزمنة المتبرکة کعشر ذی الحجة و العیدین

... (الفتاوی الهندیة:۵/۳۵۰، فی زیارة القبور)

عمدة الفقہ میں ہے:

جمعہ یا ہفتہ یا پیر یا جمعرات کے دن زیارتِ قبور مستحب ہے سب سے افضل جمعہ کا دن اور صبح کا وقت ہے، شبِ برات میں اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں اور عیدین میں اور عشرۂ محرم میں بھی قبروں کی زیارت کرنا افضل ہے۔ (عمدة الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ۵۳۸، زیارتِ قبور کا بیان، المجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۹/۲۰۱، عید کے دن زیارتِ قبور، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم:

سوال: ایک مولانا صاحب نے عید کی نماز حرمین میں پڑھی اور دوسرے دن ساؤتھ افریقہ آگئے یہاں دوسرے دن عید ہے تو مولانا صاحب عید کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ یا دوسرے کی اقتداء میں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مولانا صاحب ساؤتھ افریقہ میں نمازِ عید کی امامت نہیں کر سکتے ہاں دوسرے امام کی اقتداء میں پڑھنا درست ہے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ موافقت کے لئے پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھادی پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھادی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ ۸/۴۳۶، باب العیدین۔ وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/۲۲۴، مسائل نماز عیدین، دار الاشاعت)

دوسری جگہ مذکور ہے:

سوال: ایک شخص مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزے سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے اب کیا کرے روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

جواب: احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

بدائع الصنائع میں ہے:

أن النبی ﷺ صلى بالناس صلاة الخوف وجعل الناس طائفتين وصلى لكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه و لو جاز اقتداء المفترض خلف المتنفل لأتم

الصلاة بالطائفة ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وافعال كثيرة.(بدائع الصنائع:۱/۱۴۳،سعيد).

امدادالفتاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كان يكون متنفلاً والمقتدى مفترضاً أومعذوراً والمقتدى خالياً منه.(امدادالفتاح:ص۳۳۳،شروط صحة الاقتداء،بيروت۔وكذافى الدرالمختار:۱/۵۴۲،باب الامامة، سعيد)

البتہ احسن الفتاوی میں امامت کا جواز مذکور ہے۔ملاحظہ ہو احسن الفتاوی:۱۲۴/۴۔اور دلیل میں جو نظیر پیش فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال رمضان دیکھنے والے کی شہادت رد کردی گئی ہو تو بالاتفاق اس شخص پر تکمیل ثلاثین کے بعد بھی دوسروں کے ساتھ روزہ وعید لازم ہے لہذا اساؤتھ افریقہ آنے والے پر بھی دوبارہ عید لازم ہے تو امامت کرنا درست ہے لیکن احوط یہ ہے کہ امامت نہ کرے بصورتِ اقتداء نماز ادا کرے۔

لیکن یہ تبعاً ہے یعنی کبھی کبھی تبعاً رمضان کے روزے تو اکتیس ہو سکتے ہیں جیسے کسی نے چاند کی گواہی دی اور قبول نہیں ہوئی تو یہ اپنا روزہ رکھے گا اور پھر دوسرے دن سے لوگوں کے ساتھ رکھے گا اور ممکن ہے کہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں لیکن یہ تبعاً ہے اور عید کی نماز جب پڑھی تو لوگوں کو نہ پڑھائیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت:

سوال: عیدین کے پہلے خطبہ میں ۹،مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷،مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث وآثار سے ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلے خطبہ میں ۹،مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷،مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث اور آثار سے ملتا ہے، نیز فقہاء نے بھی مستحب فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ ابن عبدالرزاق میں ہے:

عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أنه قال:يكبرالإمام يوم الفطرقبل أن يخطب تسعاً حين يريد القيام وسبعاً فى عالجته على أن يفسرلى أحسن من هذا فلم يستطع فظننت أن قوله حين يريد القيام فى الخطبة الآخرة.وفى طريق آخرعنه قال:السنة التكبيرعلى المنبريوم العيد يبدأ خطبته الأولىٰ بتسع تكبيرات قبل أن يخطب ويبدأ الآخرة

بسبع. (مصنفِ عبدالرزاق:۳/۲۹۰۔و کذافی مصنفِ ابن ابی شیبة:۱/۲۵۲۔و کذافی السنن الکبریٰ للبیهقی:۳/۲۹۹۔والسنن الصغریٰ للبیهقی:۱/۲۳۱۔ومعرفة السنن والآثار:۳/۴۹، ۵۰،باب السنة فی الخطبة)

اعلاء السنن میں ہے:

قال أصحابنا الحنفية: ويستحب أن يستفتح (الخطبة) الأولىٰ (فی العيدين) بتسع تكبيرات تترىٰ أی متتابعات، والثانية بسبع هو السنة، ولعلهم ذهبوا إلى عموم قوله ﷺ: "زينوا أعيادكم بالتكبير" وهو حديث حسن كما قد ذكرناه وإلى خصوص ما أخرجه الشافعیؒ فی الأم: أخبرنا إبراهيم بن محمد عن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالله عن إبراهيم بن عبدالله عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال: السنة فی التكبير يوم الأضحىٰ، و الفطر على المنبر قبل الخطبة أن يبتدئ الإمام قبل أن يخطب وهو قائم على المنبر بتسع تكبيرات تترىٰ لايفصل بينها بكلام، ثم يخطب ثم يجلس جلسة ثم يقوم فی الخطبة الثانية فيفتحها بسبع تكبيرات تترىٰ لايفصل بينها بكلام ثم يخطب، قلت:...... ولكن الحديث أخذ به الشافعیؒ، فلا أقل من أن يكون حسناً عنده وقد تقدم ان قول التابعی: "السنة كذا" مرفوع مرسل عند بعضهم، فلابأس بالأخذ به فی فضائل الأعمال ويجوز اثبات الاستحباب بمثله.

قال الشافعیؒ: أخبرنی من وثق به من أهل العلم من أهل المدينة قال: أخبرنی من سمع عمر بن عبدالعزيز وهو خليفة يوم فطر فظهر على المنبر فسلم ثم جلس ثم قال: إن شعائر هذا اليوم التكبير، والتحميد، ثم كبر مراراً الله أكبر الله أكبر ولله الحمد، ثم تشهد للخطبة ثم فصل بين التشهد بتكبيرة.

قلت: فهذه دلائل ماذهب إليه أصحابنا الحنفية فی الباب. (اعلاء السنن:۸/۱۶۱،تکبیرات التشریق،ادارۃ القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: الدر المختار:۲/۱۷۵،سعید۔والبحر الرائق:۲/۱۶۲۔واحسن الفتاوی:۴/۱۲۷۔وفتاوی محمودیہ:۸/۴۵۴، مبوب ومرتب۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

تکبیراتِ تشریق تین مرتبہ پڑھنے کا حکم:

سوال: تکبیراتِ تشریق جونو ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک پڑھی جاتی ہیں، یہ ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے یا تین مرتبہ آثار، احادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں تحریر کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق ایام النحر میں تکبیراتِ تشریق صرف ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے، اس لیے کہ ان الفاظ کا ثبوت حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار سے ہے اور ان کے آثار میں صرف ایک مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے، اگر چہ یہ ایک مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے لیکن اس حدیث پر بہت کلام ہے، ہاں اگر کوئی شخص تین مرتبہ پڑھنا چاہے تو فقط ذکر کی نیت سے صحیح ہے سنت کی نیت سے صحیح اور درست نہیں ہے۔

مرفوع ضعیف روایت ملاحظہ ہو:

أخرج الدارقطني في "سننه" (۲/۵۰/۲۹)، عن عمروبن شمر عن جابر عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وعبد الرحمن بن سابط عن جابر بن عبد اللّٰه، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى الصبح من غداة عرفة يقبل على أصحابه فيقول: على مكانكم ويقول: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، وللّٰه الحمد"، فيكبر من غداة عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق.

قلت: إسناده ضعيف جداً. قال في التعليق المغني على الدارقطني (۲/۴۹): قال ابن القطان: جابر الجعفي سيء الحال، وعمروبن شمر أسوأ حالاً منه بل هو من الهالكين، قال السعدي: عمرو بن شمر زائغ كذاب، وقال الفلاس: واهٍ. قال البخاري وأبوحاتم: منكر الحديث، زاد أبوحاتم: وكان رافضياً يسب الصحابة، روى في فضائل أهل البيت أحاديث موضوعة فلا ينبغي أن يعلل الحديث إلا بعمرو بن شمر مع أنه قد اختلف عليه فيه ...الخ.

وللمزيد من البحث راجع: (نصب الراية:۲/۲۲۴،فصل فی تكبيرات التشريق، والبدر المنير:۵/۹۱، الحديث الثالث بعدالثلاثين).

آثارِ صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

روى ابن أبي شيبة في "مصنفه" (۴/۱۹۹/۵۶۹۷، باب كيف يكبريوم عرفة)، عن أبي الأحوص عن عبد اللّٰه؛ أنه كان يكبر أيام التشريق: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه

أكبر، ولله الحمد“.

وروى أيضاً (٥٦٩٩) عن شريک قال: قلت لأبي إسحاق: كيف كان تكبير على وعبد الله؟ فقال: كانا يقولان: ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد“.

وروى أيضاً (٥٦٩٦) عن إبراهيم قال: كانوا يكبرون يوم عرفة وأحدهم مستقبل القبلة في دبر الصلاة: ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد“.

وفي شرح السنة: وكان عمر يكبر في قبته بمنى، فيسمعه أهل المسجد، فيكبرون ويكبر أهل الأسواق حتى ترتج منى تكبيراً. (شرح السنة للإمام البغوى:٤/٣٠١، وشرح البخارى لابن بطال:٢/٥٦٣، وفتح البارى لابن حجر:٢/٤٦٢، وقال ابن حجر: وصله سعيد بن منصور من رواية عبيد بن عمير قال: كان عمرؓ يكبر فى قبته...الخ.،وفتح البارى لابن رجب ٦/١٢٣).

عمدۃ القاری میں ہے:

الثالث: في صفة التكبير وهو أن يقول مرة واحدة: ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد“وهو قول عمربن الخطابؓ وابن مسعودؓ وبه قال الثوري وأحمد وإسحاق...الخ. (عمدة القارى:٥/١٨٨،ملتان).

فتح القدیر میں ہے:

والتكبير أن يقول مرة واحدة: ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد“. هذا هوالمأثور عن الخليل صلوات الله عليهم...لم يثبت عند أهل الحديث ذلک. (فتح القدير:٢/٨٢،دارالفكر).

درمختار میں ہے:

و يجب تكبير التشريق فى الأصح للأمر به مرة وإن زاد عليها يكون فضلاً قاله العيني قوله وإن زاد أفاد أن قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر أبوالسعود أن الحموى نقل عن القرا حصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة. قلت: وفى الأحكام عن البرجندى ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/١٧٧،سعيد).

وكذا حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، وزاد بقوله: وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة، ولعل محله ما إذا أتى به علماً أنه سنة وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا ويحرر. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۵۳۹، قدیمی).

امدادالفتاویٰ میں شامی کی عبارت نقل کرنے بعد فرماتے ہیں: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرۃ ہی کا ہے، اور قولِ مقابل ضعیف ہے، اور قطع نظر ضعف سے مرۃ والے زیادت کو خلافِ سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرۃ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرۃ ہی میں ہوئی۔ (امدادالفتاوی: ۱/۵۶۰)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: سوال: فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا جائز ہے یا خلافِ سنت؟

الجواب: بعض خلافِ سنت فرماتے ہیں اور بعض جائز، اختلاف سے بچنے کے لیے ایک بار سے زیادہ نہیں کہنا چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۱۴۲)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: سوال: تکبیر تشریق ایک بار کہنا مسنون ہے یا تین بار؟

الجواب: تکبیر ایک بار کہنا واجب ہے، تین بار کہنا مسنون نہیں ہے۔ تین بار کہنے کا قول صحیح اور مفتی بہ نہیں ہے۔ **حتى لو زاد لقد خالف السنة.** (مجمع الانهر: ۱/۱۷۶) ۔ فقط اللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۴۵۱)۔

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۱۶۵، کوئٹه، و تبیین الحقائق: ۱/۲۲۷، ملتان، و الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۲، و فتح الباری: ۲/۴۶۲، و مرقاة المفاتيح: ۵/۳۲۹، ملتان، و شرح النقاية: ۲/۳۱، بیروت). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تکبیر تشریق تین مرتبہ پڑھنے والی روایت کا حکم:

سوال: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مرتبہ پڑھنے کی روایت ہے، وہ کیسی ہے، کہاں ہے اور معمول بہا ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مرتبہ پڑھنے کی روایت بعض کتابوں میں موجود ہے، مثلاً درمنثور، وفتح القدیر للشوکانی، وعمدۃ القاری للعلامۃ العینیؒ، والاستذکار لابن عبدالبر بسندِ عبدالرزاق وغیرہ، لیکن اس روایت میں تکبیر کے آخر میں " **لا إله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهو على**

کل شيء قدير'' کی زیادتی مذکور ہے جو کسی کے نزدیک معمول بہا نہیں ہے، ہاں شافعیہ اور مالکیہ تثلیث کے قائل ہیں۔اور ہمارے فقہائے احناف نے ابن عمرؓ کے الفاظ کو نہیں لیا اور تثلیث ان الفاظ کے تابع ہے، تو تثلیث کو بھی مسنون نہیں فرمایا، اس لیے تین مرتبہ کو سنت سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ملاحظہ ہو:

أخرج ابن المنذر عن ابن عمرؓ أنه كان يكبر ثلاثاً وراء الصلوات بمنى: " لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريك له ، له الملك وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير". (الدرالمنثور: ۱/۵٦۲، وكذا في فتح القديرللامام الشوكاني: ۱/۲۰۷).

عمدۃ القاری میں ہے:

الرابع :" اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير" وهو مروي عن ابن عمرؓ. (عمدة القارى:۵/۱۸۸،باب التكبيرايام منى، ملتان).

الاستذکار لابن عبد البر میں ہے:

عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن أبي رواد عن نافع عن ابن عمرؓ أنه كان يكبرثلاثاً وراء الصلوات بمنى ويقول: لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير. (الاستذكارلابن عبدالبر،رقم: ۱۸٤۸٤).

ابن ابی رواد مختلف فیہ راوی ہے، لیکن مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت دستیاب نہیں ہوئی۔

المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

قال ابن القاسم وبلغني عنه أنه كان يقول:" اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر" ثلاثاً. (المدونة الكبرى: ۱/۱۵۷).

شرح المہذب میں ہے:

صفة التكبير المستحبة :" اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر" هذا هوالمشهورمن نصوص الشافعي في الأم والمختصر وغيرهما وبه قطع الأصحاب...قال الشافعي في المختصر: وما زاد من ذكر اللّٰه فحسن وقال في الأم : أحب أن تكون زيادته:" اللّٰه أكبر كبيراً والحمد

لله كثيراً وسبحان الله بكرة وأصيلاً لا إله إلا الله ولا نعبد إلا إياه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون لا إله إلا الله وحده صدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده لا إله إلا الله والله أكبر". (المجموع شرح المهذب:۵/۳۹).

عمدة القاری میں ہے:

الثالث: في صفة التكبير، وهو أن يقول مرة واحدة: الله أكبر...الخ. وهوقول عمربن الخطابؓ وابن مسعودؓ، وبه قال الثوريؒ وأحمدؒ وإسحاقؒ؛ وفيه أقوال أخر: الأول: قول الشافعيؒ: إنه يكبر ثلاثاً نسقاً وهوقول ابن جبير. الثاني: قول مالك، أنه يقف على الثانية ثم يقطع فيقول: الله أكبر، لا إله إلا الله، حكاه الثعلبى عنه...الخ. (عمدة القارى: ۵/۱۸۸). واللہ ﷻ اعلم۔

عیدین کا خطبہ سننے کا حکم:

سوال: ایک شخص خطبہ عید کے وقت بیٹھا تھا پھر جب شروع ہوا تو چلا گیا اب اس شخص پر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کا خطبہ سنت ہے اور اس کے لئے بیٹھنا واجب نہیں ہے، لیکن پہلے سے بیٹھا ہو پھر شروع ہو جائے تو اب سننا واجب ہے۔ لہذا اٹھ کر چلے جانے پر گنہگار ہوگا اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال الشيخ: ولم أطلع على رواية فقهية فى هذاالباب أنه هل يجب الجلوس لاستماع هذه الخطبة أم لا؟ نعم، ذكرفى "الدرالمختار" فى باب الجمعة أنه يجب الاستماع لسائرالخطب، كخطبة النكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد، لكن لايلزم منه وجوب الجلوس كما فى خطبة النكاح لايجب الجلوس لكن ان جلس يجب استماعه، والظاهرأن يقال: إنه لايجب الجلوس لخطبة العيد كمالايجب نفس خطبة العيد، ولكن إن جلس يجب استماعه، كماقالوا: إن من حضرالتلاوة يجب استماعه مع عدم وجوب الجلوس له، فان ظفرأحد بالرواية الفقهية فى هذاالباب فليخبرناأويلحق بهذاالمقام.

......**فثبت أن التخلف عن خطبة العيد جائز. وأما إذا جلس لها فيكره الكلام وترك الاستماع لها، كما صرح به في الدر.** (اعلاء السنن :۸/۱٤٤، كيفية صلاة العيدين،ادارة القرآن)

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار رہے۔ملاحظہ ہو:

عن عبدالله بن السائب رضی اللہ عنہ قال حضرت العيد مع رسول الله ﷺ فصلى بنا العيد ثم قال: قد قضينا الصلاة فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب.

(رواه ابن ماجة:ص۹۱،باب ماجاء في انتظار الخطبة بعد الصلاة،قديمي۔وابوداؤد:۱/۱٦۳،باب الجلوس للخطبة ،وقال:هذا حديث مرسل۔والنسائي:۱/۲۳۳،باب التخيير بين الجلوس للخطبة)

شراح حدیث نے بھی یہی تشریح فرمائی ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: عون المعبود:٤/۱۲۔وحاشية السندي على سنن النسائي:۳/٤۳۔وفتح الباري لابن رجب الحنبلي:٦/١٤٨)

امداد المفتین میں ہے:

خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنت مؤکدہ ہے، لیکن جب خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔(امداد المفتین :۱/۳۳۰،بحوالہ درمختار۔وامداد الفتاوی: ۱/ ۴۵۸۔وفتاوی محمودیہ:۸/۴۵٦،مبوب ومرتب۔واحسن الفتاوی:۵/ ۳۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم:

سوال: عیدین میں مصافحہ اور معانقہ جائز ہے یا بدعت؟ اس کو روکنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے مکروہ بعض نے بدعت وغیرہ کہا ہے۔ لیکن واضح اور بے غبار بات یہ ہے کہ جو کام مسنون ومستحب نہ سمجھا جائے اس کے لئے نفسِ ثبوت کافی ہے یا یہ کہ نصوصِ شریعت سے متصادم نہ ہو جیسے تعویذات یا دم اس کے لئے مطلق ثبوت یا اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہونا کافی ہے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

بنابریں اگر مصافحہ ومعانقہ عیدین میں اظہارِ مسرت کا ذریعہ سمجھا جائے تو اس کے لئے خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت کافی ہے اور متعدد احادیث میں خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

بخاری شریف میں ہے:

(۱) عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النهار لايكلمنی ولا أكلمه حتى إلى سوق بنی قينقاع فجلس بفناء بيت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: أثم لكع أثم لكع؟ فحبسته شيئاً فظننت أنها تلبسه سخاباً أوتغسله فجاء يشتد حتى عانقه وقبله فقال: أحبه وأحب من أحبه. (رواه البخاری:۱/۲۸۵،ماذکرفی الاسواق۔ وأخرجه مسلم أيضاً فی فضائل الحسين رضی اللہ عنہ ولفظه: حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه فقال:...... (رواه مسلم:۲/۲۸۲،فضائل الحسین رضی اللہ عنہ)

(۲) وأخرج البخاری فی قصة هجرعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن الزبيربسبب منعه اياهاعن كثرة الصدقة وشفاعة المسوربن مخرمة وعبدالرحمن بن الأسود إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: فی آخرالحديث......فلما دخلوا دخل ابن الزبير رضی اللہ عنہ الحجاب فاعتنق عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وطفق يناشدها ويبكی...... (رواه البخاری:۲/۸۹۷، کتاب الادب)

(۳) وأخرج الترمذی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قدم زيد بن حارثة رضی اللہ عنہ المدينة ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بيته فأتاه فقرع الباب فقام إليه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرياناً يجرثوبه واللہ مارأيته عرياناً قبله ولابعده فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذی:۲/۱۰۲،المعانقة)

(۴) وأخرج أحمدفی مسنده بسنده عن عبداللہ بن محمد انه سمع جابربن عبداللہ رضی اللہ عنہ يقول: بلغنی حديث عن رجل سمعه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشتريت بعيراً ثم شددت على رحلی فسرت إليه شهراً حتى قدمت عليه الشام فاذا عبداللہ بن أنيس فقلت للبواب قل له جابر رضی اللہ عنہ على الباب فقال: ابن عبداللہ قلت: نعم فخرج يطأ ثوبه فاعتنقنی واعتنقته...... (مسندالامام احمدبن حنبل: ۳/۴۹۵/۱٦٤٦٥)

(۵) وعن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: بينمارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بيتی يوماً إذ قالت الخادم إن علياً رضی اللہ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالسدة قالت: فقال لی قومی فتنحی لی عن أهل بيتی،قالت: قمت فتنحيت فی البيت قريباً فدخل علی رضی اللہ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ومعهما الحسن رضی اللہ عنہ والحسين رضی اللہ عنہ وهماصبيان صغيران فاخذ الصبيين فوضعهما فی حجره فقبلهما

قال :واعتنق علیاً رضی اللہ عنہ بإحدی یدیه وفاطمةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنهاباليد الأخری فقبل فاطمةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنها وقبل علیاً...... . (مسندالامام احمد:٦/٢٩٦/٢٧٢٩٩۔ و٥/١٦٢/٢٢٠٥٧، حدیث ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ)

(٦) وأخرج الترمذی عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ فی قصة خروج النبی ﷺ من بیته فی ساعة لایخرج فیهاولقاء ه أبابکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ......وذهابهم إلی منزل أبی الهیثم بن التیهان الأنصاری رضی اللہ عنہ وأنه لم یکن حاضراً فقال فیه:فلم یلبث أن جاء أبوالهیثم بقربة......ثم جاء یلتزم النبی ﷺ .(رواه الترمذی:٢/٦١،معیشة اصحاب النبی ﷺ)

(٧) وأخرج الطبرانی عن عون بن ابی جحیفة عن أبیه قال: لماقدم جعفر رضی اللہ عنہ من هجرة الحبشة تلقاه النبی ﷺ فعانقه وقبل مابین عینیه .(مسندابی یعلی الموصلی:٤/٤٤٣۔ومجمع الزوائد:٢/٢٢٩،دارالفکر)

(٨) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ وأصحابه یسبحون فی غدیرفقال النبی ﷺ لیسبح کل رجل منکم إلی صاحبه فسبح کل رجل منهم إلی صاحبه وبقی النبی ﷺ وأبوبکر رضی اللہ عنہ فسبح النبی ﷺ إلی أبی بکرحتی عانقه وقال:أنا إلی صاحبی،أنا إلی صاحبی.

(مجمع الزوائد:٨/٣٤٠۔وطبرانی کبیر٩/٤٥٨)

(٩) عن عطاء بن أبی رباحؒ یقول:خرج أبوأیوب إلی عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ وهوبمصر یسأله عن حدیث سمعه من رسول اللّٰہ ﷺ ولم یبق أحد سمعه من رسول اللّٰہ ﷺ غیره وغیرعقبة رضی اللہ عنہ فلما قدم أتی إلی منزل سلمة بن مخلد الأنصاری وهوأمیرمصرفاخبربه فجعل یخرج إلیه فعانقه ثم قال:ماجاء بک یاأباأیوب.فقال:حدیث سمعته من رسول اللّٰہ ﷺ لم یبق أحد سمعه من رسول اللّٰہ ﷺ غیری وغیرعقبة رضی اللہ عنہ فابعث من یدلنی علی منزله فبعث معه من یدله علی منزله فاخبرعقبة رضی اللہ عنہ به فعجل فخرج إلیه فعانقه...... .

(مسندالحمیدی:١/١٨٩، حدیث ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ)

(١٠) وعن عمروبن میمون بن مهران یقول:کنت مع أبی ونحن نطوف بالکعبة فلقی أبی شیخ فعانقه...... .(حلیة الاولیاء:٤/٩٠،میمون بن مهران)

(۱۱) وعن الحسن قال: خرج رسول اللّٰہ ﷺ فلمارأہ عثمان رضی اللہ عنہ عانقه فقال رسول اللّٰہ ﷺ: قد عانقت أخی عثمان فمن کان له أخ فلیعانقه. (الجامع الکبیرللسیوطی:۱/رقم ۱۵، کنزالعمال: رقم: ۳۶۲٤۰)

(۱۲) وعن عبادة بن منصورقال: کان رجل منایقال له کابس بن ربیعة فرآه أنس بن مالک رضی اللہ عنہ فعانقه وبکی وقال: من أحب أن ینظرإلی رسول اللّٰہ ﷺ فلینظرإلی کابس بن ربیعة. (جامع الاحادیث: ۳۳/۲۱۹/۳٦۱۰۸،مسندانس بن مالک رضی اللہ عنہ)

(۱۳) وعن علی رضی اللہ عنہ قال: إن الرجل من أهل الجنة یشتاق إلی أخیه فی اللّٰہ فیؤتی بنجیبة من نجائب الجنة فیرکبهاإلی أخیه وبینه وبینه مسیرة ألف ألف عام بقدرمسیر أحدکم فرسخاً أوفرسخین فیلقاه ویعانقه. (جامع الاحادیث:۲۹/۳٦۰۔مسندعلی رضی اللہ عنہ ، کنزالعمال: رقم ۳۹۷۸۳)

ان تمام احادیث میں اظہارِ محبت کے لئے معانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز اظہارِ محبت ومسرت کے لئے مصافحہ بھی جائز ہے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اوران کے ساتھ مصافحہ کیا دوسرے حضرات کا مصافحہ نہ کرنا اورحضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مصافحہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بوقتِ خوشی ومسرت مصافحہ جائز ہے، لیکن مصافحہ نہ کرنے والے زیادہ تھے، جس سے معلوم ہوا کرنے کی گنجائش اورنہ کرنا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۱۴) عن عبداللّٰہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ عن أبیه فی حدیث طویل......قال کعب رضی اللہ عنہ حتی دخلت المسجد فاذا برسول اللّٰہ ﷺ جالس حوله الناس فقام إلیّ طلحة بن عبیداللّٰہ رضی اللہ عنہ یهرول حتی صافحنی وهنّانی واللّٰہ ماقام إلیّ من المهاجرین غیره....... (رواہ البخاری:۲/٦۳٦)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: مذکورہ بالا مسئلہ پرایک اشکال ہوتا ہے کہ عام فتاوی میں مرقوم ہے کہ عیدین کے بعد یا نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے نیز ہمارے علماء نے اس پر زور بھی دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اگر عید کے دن مصافحہ ومعانقہ عید کی نماز کی وجہ سے کرتا ہوتو نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے، اور اگر عید کی خوشی کی وجہ سے ہو جیسا کہ معمول ہے کہ نماز کے بعد ایک دو دن تک لوگ کرتے ہیں تو پھر اگر سنت نہ سمجھے تو خوشی کے اظہار کے لئے گنجائش ہے لیکن لوگوں نے اس کو ایک رسم بنایا ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتداء ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعت مکروہہ ہے طریقہ روافض ہے، حنفیہ مالکیہ شافعیہ وغیرہ سب سے علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة ﷺ ماصافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجرؒ عن الشافعية أنها بدعة مکروهة لاأصل لها فی الشرع وأنه ینبه فاعلها أولاً ویعذر ثانیاً ثم قال: وقال إبن الحاج من المالکیة فی المدخل إنها من البدع، وموضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخیه لافی أدبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یعضها فینهی عن ذلک ویزجر فاعله لما أتی به من خلاف السنة ثم أطال فی ذلک فراجعه. "الشامی: ۳۸۱/۶"

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۴۳/۳، مبوب ومرتب)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

گلے ملانے کو معانقہ کہا جاتا ہے جو کہ بذاتِ خود مسنون ہے البتہ اس کا کسی وقت سے مثلاً نمازِ عید کے بعد تخصیص کرنا مختلف فیہ ہے قیل مسنونۃ وقیل مباحۃ وقیل مکروہۃ پس احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے البتہ کرنے والے پر اشد انکار نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۳۰۲/۱)

فتاویٰ مفتی محمود میں ہے: یہ عید کے روز نماز کے بعد معانقے اور مصافحے اور مبارک بادیاں سلف صالحین کے زمانے میں نہیں تھیں اس لئے اس کا ترک ہی مناسب ہے۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۵۲۳/۲)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی رشیدیہ: ص۱۴۷۔ وامداد الاحکام: ۱۸۸/۱۔ وامداد الفتاوی ۴۸۱/۱۔ واحسن الفتاوی: ۳۵۴/۱۔ وفتاوی رحیمیہ: ۲۸۰/۱۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”من دخل البیت دخل فی حسنۃ
وخرج من سیئۃ مغفوراً لہ“
(المعجم الکبیر)

باب ...... (۱۸)

مسائل شتیٰ

نماز کے متفرق مسائل

تارک الصلوٰۃ کا حکم:

سوال: بعض حضرات تارک الصلاۃ کو کافر کہتے ہیں، کیا قرآن اور حدیث کی روشنی میں تارک الصلاۃ کافر ہے یا نہیں؟

الجواب: تارک الصلاۃ مرتکبِ کبیرہ ہونے کی وجہ سے فاسق وفاجر ہے، لیکن احناف کے نزدیک کافر نہیں ہے۔ اور جو احادیث تارک الصلاۃ کے کفر پر دلالت کرتی ہیں وہ زجر وتوبیخ پر محمول ہیں۔

قال العلامة اللكنويؒ: الصلاة أفضل الأعمال، حتى قيل: إنها أفضل من الصوم أيضاً. وقد وردت في أدائها أحاديث، ووردت في جزاء تركها أخبار شديدة:

منها: ما رواه أبوداود (٤٣٠) وابن ماجه (١٤٠٣) أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم، قال: قال الله تعالىٰ: "افترضت على أمتک خمس صلوات، وعهدت عندی عهداً أنه من حافظ عليهن لوقتهن أدخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلا عهد له عندي".

ومنها: ما رواه أبوداود: أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم سئل أی الأعمال أفضل، قال: "الصلاة لوقتها". (سنن ابوداود(٤٢٦)، وصحيح البخاری(٢٦٣٠)، وصحيح ابن حبان(١٤٧٥)، ومستدرك الحاكم(٦٧٤).

ومنها: ما رواه الترمذی أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم، قال: "بين الكفر والإيمان ترک الصلاة". (سنن الترمذی(٢٦١٨)، وصحيح مسلم(٨٢)، والسنن الكبری(٣٣٠)، والمعجم الكبير(١/٢٣٧)، ومسندابن الجعد(ص ٣٨٥).

ومنها: مانقل فی مجالس الأبرار: أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "من ترک الصلاة متعمداً فقد کفر". قال العراقی فی "تخریج الاحیاء" (۳۲۷/۱) أخرجه البزارمن حدیث أبی الدرداء بإسناد فیه مقال .

ومنها: ما نقل الغزالی فی "احیاء العلوم":"الصلاة عماد الدین فمن ترکها فقد هدم الدین". قال الشوکانی : هذا الحدیث ضعفه الفیروزآبادی فی"المختصر" وکذا السخاوی...إلی قوله وقد اختلف الصحابة والتابعون فی کفر من ترک الصلاة متعمداً وجزائه :

فقال من الصحابة: سیدنا عمر، وعبد اللّٰہ بن مسعود، وعبد اللّٰہ بن عباس، ومعاذبن جبل، وجابربن عبد اللّٰہ ، وابوالدرداء،وابوهریرة، وعبدالرحمن بن عوف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم.

ومن غیر الصحابة: أحمد بن حنبل ، وإسحاق بن راهویه، وعبد اللّٰہ بن المبارک، والنخعی ، وأیوب السختیانی، وأبوداودالطیالسی، وأبوبکربن أبی شیبة: أن من ترک الصلاة فی وقت واحد بلا عذر یکفر.

وقال حماد بن زید، ومکحول ، والشافعی، ومالک : لایکفر ، ولکن یقتل .

وعندنا: لایکفر ، ولایقتل ، ویعزر تعزیراً .

والأحادیث الدالة علی کفر التارک محمولة علی الزجر والتوبیخ .

وبالجملة من ترک الصلاة فقد أتی کبیرة عظیمة یعاقب علیها عقاباً فریداً إن لم یتب ، فقد ورد أن أول مایحاسب العبد یوم القیامة:الصلاة. (فتاوی اللکنوی،المسماة بـ نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل،مع التعلیقات،ص:۱۷۱ـ۱۷۷).

فتح الملهم میں ہے:

وحدیث عائشةؓ فی المسند أیضاً قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم : "الدواوین عند اللّٰہ ثلاث دیوان لایعبأ اللّٰہ به شیئاً ، ودیوان لایترک اللّٰہ منه شیئاً ، ودیوان لایغفراللّٰہ ،فأما الدیوان الذی لایغفراللّٰہ ، فالشرک قال اللّٰہ عزوجل: أنه من یشرک باللّٰہ

فقد حرم الله عليه الجنة الآية،[المائدة:۷۲] **وأما الديوان الذى لايعبأ الله به شيئاً فظلم العبد نفسه فيما بينه وبين ربه من صوم تركه أوصلاة تركها فإن الله عزوجل يغفر ذلك ويتجاوز عنه إن شاء، وأما الديوان الذى لايترك الله منه شيئاً فظلم العباد بعضهم بعضاً للقصاص لامحالة يدل على بقاء نفس الإيمان المانع من تخليد النار، ولعل المراد من عدم قبول شيء من أعمال تارك الصلاة الأعمال القالبية التى تلتحق الإيمان، لا العمل القلبى مع الإقرار اللسانى الذى يسمى إيماناً.** (فتح الملهم:۲/۸٦،مكتبه دارالعلوم كراچى) .

اوجز المسالک میں ہے:

اختلف العلماء في تارك الصلاة عمداً تكاسلاً بعد الاتفاق على أن تاركه منكراً كافراً، إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام، أو لم يخالط المسلمين بحيث يبلغه وجوب الصلاة، فقال مالك والشافعي: إنه لايكفر بل يفسق، فإن تاب وإلا فقتلناه حداً كالزانى المحصن إلا أنه يقتل بالسيف .

وذهب جماعة إلى أنه يكفر، وهو مروى عن عليؓ **وإحدى الروايتين عن أحمد بن حنبل، وبه قال ابن المبارك وإسحاق بن راهويه، وهو وجه لبعض الشافعية .**

وذهب أبوحنيفةؒ **وجماعة من أهل الكوفة والمزنى من الشافعية إلى أنه لايكفر، ولايقتل، بل يحبس حتى يتوب.** (اوجز المسالك:۱/٤٦٦،دارالقلم ،دمشق).

چند اشکالات اوران کے جوابات:

اشکال: احناف کے ہاں تارک الصلوٰۃ کافر کیوں نہیں جب کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ”**من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله**“. (اخرجه احمد، رقم:۲۲۱۲۸، والطبرانى:۱۵٦، وقال الهيثمى: رجال احمد ثقات الا ان عبد الرحمن بن جبيربن نفيرلم يسمع من معاذ واسنادالطبرانى متصل وفيه عمروبن واقد القرشى وهو كذاب). ؟

الجواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے، اس کو جیل میں ڈال سکتے ہیں۔

اورجن روایات میں ”کفر“ کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ترک الصلوٰۃ استحلال واستخفاف کے

ساتھ ہوتو کفر تک پہنچ جاتا ہے، یا کفر بمعنی ناشکری، کفرانِ نعمت یعنی کفرعملی کیا، اور قرآنِ کریم میں آیا ہے:
﴿أقيموا الصلاة ولاتكونوا من المشركين﴾ (سورة الروم:٣١) کا مطلب یہ ہے کہ ترکِ صلوٰۃ علامتِ مشرک ہے، کیونکہ مشرکین نماز نہیں پڑھتے تھے، ﴿وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاء وتصدية﴾ (سورة الانفال:٣٥) (مشرک جو دو تین معبودوں کو مانتے ہیں)، اور جیسے حدیث شریف میں فرمایا ہے: ''من وجد سعة فلم يحج فليمت إن شاء يهودياً أونصرانياً''. من قول عمربن الخطابؓ. (ذكره ابن عبدالبرفي التمهيد: ٢٠/٧٠). وعن أبي أمامةؓ مرفوعاً بلفظ: ''من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة أوسلطان جائرأومرض حابس فمات ولم يحج فليمت إن شاء يهودياً وإن شاء نصرانياً''.
(اخرجه الدارمي،رقم:١٧٨٥،والبيهقي في شعب الايمان:٣٩٧٩،وواسناده ضعيف لضعف ليث بن ابي سليم - انظر: البدر المنير،والتلخيص الحبير،ونصب الراية،وتخريج احاديث الكشاف،وتنزيه الشريعة). تو ترکِ حج علامتِ یہودیت ونصرانیت ہے۔

اشکال: (۲) ﴿فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم﴾ (سورة التوبة:٥)
یعنی تارک الصلوٰۃ کو بطورِ حد قتل کیا جانا چاہئے، جو حضرات قتل کے قائل ہیں وہ اسی آیتِ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں؟

الجواب: اس کا مطلب یہ ہے اگر یہ اعمال کرے تو ان کے ساتھ قتال نہ کرو۔ اگر تارک الصلاۃ واجب القتل ہو تو پھر تارک الزکاۃ بھی واجب القتل ہونا چاہئے؟

دوسری دلیل پیش کرتے ہیں ''فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دمائهم...''. (أخرجه البخاري:٣٨٥).

اگر نماز پڑھی تو حقوق محفوظ ہوگئے، اسی طرح زکوٰۃ ادا کردی تو خون محفوظ اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کی تو قتل کیا جائیگا؟

الجواب: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ '' عصموا منى دمائهم وأموالهم من القتال لوجود علامة الإسلام. اگر کوئی اشکال کرے کہ ''عصموا منى دمائهم'' صلوٰۃ کے ساتھ ہے اور '' أموالهم'' زکوٰۃ کے ساتھ ہے تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں اور جو چیز یقینی نہ ہو اس سے حد کیسے ثابت ہوگی؟ جب کہ قاعدہ یہ ہے: ''الحدود تدرأ بالشبهات''.

خلاصہ یہ ہے کہ تارک الصلاۃ کافر نہیں ہے۔

(۱) حدیث شریف میں ہے: ”یخرج من كان في قلبه مثقال خردلة من الإيمان“ (رواہ مسلم) تارک الصلوۃ کے دل میں ایمان ہے تو جہنم سے نکالا جائیگا، لہذا کافر نہیں ہے۔

(۲) صلوۃ اعمال میں سے ہے اور جس طرح دیگر فرائض کا تارک کافر نہیں اسی طرح تارکِ صلوۃ بھی کافر نہیں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے: ”عن عبادة بن الصامت قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خمس صلوات افترضهن الله على عباده فمن جاء بهن لم ينتقص منهن شيئاً استخفافاً بحقهن، فإن الله جاعل له يوم القيامة عهداً أن يدخله الجنة، ومن جاء بهن قد انتقص منهن شيئاً استخفافاً بحقهن لم يكن له عند الله عهد إن شاء عذبه وإن شاء غفر له. یعنی تارک الصلوۃ کی مغفرت کا امکان ہے جب کہ کافر کی مغفرت کا امکان ہی نہیں ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے:” من قال: لا إله إلا الله دخل الجنة قال أبو ذرؓ: وإن زنى وإن سرق قال: وإن زنى وإن سرق“. الحديث. (رواہ البخاری: ۵۸۲۷).

بایں وجہ امام صاحبؒ کے نزدیک کافر نہیں ہاں محبوس رکھا جائیگا۔

درمختار میں ہے:

هي فرض عين على كل مكلف... ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي وتاركها عمداً مجانة أي تكاسلاً فاسق يحبس حتى يصلي لأنه يحبس بحق العبد فحق الحق أحق، وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم. وفي الشامية: قوله فحق الحق أحق: لايقال: إن حقه تعالىٰ مبني على المسامحة لأنه لاتسامح في شيء من أركان الإسلام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۵۱، ۳۵۲، ط: سعید).

امداد الاحکام میں ہے:

تارک الصلوۃ عمداً بشرطیکہ وہ نماز سے استہزاء نہ کرتا ہو حنفیہ کے نزدیک کافر نہیں بلکہ فاسق ہے، جس کی سزا یہ ہے کہ اس کو اتنا مارا جائے کہ بدن سے خون بہنے لگے پھر قید کر دیا جائے حتی کہ مر جائے یا توبہ کر لے۔ (امداد الاحکام: ۱/۱۱۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟

الجواب: خانہ کعبہ میں آنحضور ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، لہذا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا مستحب ہوگا اگر کسی کو موقع ملے تو پڑھ لینا چاہئے لیکن آج کل خانہ کعبہ میں داخل ہونا دشوار ترین ہے اس وجہ سے حطیم کعبہ میں پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم بھی کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔

ملاحظہ ہو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی فضیلت:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب دخول الكعبة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفوراً له". (رواه الطبراني في الكبير والبزّار بنحوه، صحيح ابن خزيمة: ۲/ ۱۰ ۲۱٤، المكتب الاسلامي۔مجمع الزوائد: ۳/ ۲۹۳، دار الفكر)

آنحضور ﷺ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذى قبل وجهه قريباً من ثلاثة أذرع صلى يتوخى المكان الذى أخبره به بلال رضي الله عنه أن النبي ﷺ صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلى فى أى نواحى البيت شاء. (بخاری شریف ۱/ ۷۲/ ۵۰۰، فيصل)

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ دخل الكعبة وأسامة بن زيد رضي الله عنه وبلال رضي الله عنه وعثمان بن طلحة الحجبى رضي الله عنه فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً رضي الله عنه حين خرج ما صنع رسول الله ﷺ قال: جعل عموداً عن يساره وعموداً عن يمينه وثلاثة أعمدة وراءه وكان البيت يومئذٍ على ستة أعمدة ثم صلى...... (بخاری شریف: ۱/ ۷۲/ ٤۹۹، باب الصلاة بين السوارى فى غير جماعة، فيصل)

حطیم کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: سألت النبى ﷺ عن الجدار أمن البيت هو؟ قال: نعم

قلت :فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال :إن قومك قصرت بهم النفقة......ولو أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر أن أدخل الجدار في البيت.(بخاری شریف:۱/۲۵۱)

صحیح ابن خزیمة میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت :كنت أحب أن أدخل البيت فأصلي فيه فأخذ رسول الله** ﷺ **بيدي فأدخلني الحجر فقال يا عائشة إن قومك لما بنوا الكعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البيت فإذا أردت أن تصلين في البيت فصلي في الحجر فإنما هو قطعة من البيت**.(صحيح ابن خزيمة:۲/۱۴۱۳، باب استحباب الصلاة في الحجر اذا لم يكن دخول الكعبة اذ بعض الحجر من البيت،المكتب الاسلامي)

بیت اللہ کے دروازے کے پاس بھی آنحضور ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے۔ملاحظہ ہو:صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ **قال دخل النبي** ﷺ **البيت فجئت فإذا هو قد خرج وإذا بلال قائم عند باب الكعبة قلت :يا بلال أين صلى النبي** ﷺ **فقال ههنا قال ثم خرج فصلى ركعتين بين الحجر والباب**...... .(صحيح ابن خزيمة:۲/۱۴۱۱،المكتب الاسلامي)۔**واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا:

سوال: بعض مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر ۳۰یا۵۰رکعت نوافل پڑھوائی جاتی ہے کیا نماز کو سزا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے؟اور کیا اس نماز کا ثواب اس کو ملے گا؟

الجواب: مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے کسرِ شہوت کے لئے روزہ رکھنے کو فرمایا تو اس میں روزہ کا ثواب بھی ہے اور کسرِ شہوت بھی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ **قال :قال رسول الله** ﷺ **يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء.**

(بخاری شریف:۲/۷۵۸۔ومشکاة:۲/۲۶۷)

ظاہر ہے کہ یہ روزہ براہِ راست رضاءِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ زنا سے بچنے کے لئے کسرِ شہوت ہے یہاں بھی

نماز پڑھوانا نفس کو سزا دینے اور مدرسہ کے احکام بجالانے کے لئے ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ڈاکٹر کے لیے بوقتِ ضرورت فرض نماز توڑنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی ڈاکٹر آن کال (ON CALL) ہو اور اس وقت کوئی فرض یا واجب نماز ادا کر رہا ہو تو اس فرض یا واجب نماز کو توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

آن کال (ON CALL) کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر اپنے معمول کے مطابق دن کے آٹھ گھنٹے ہسپتال میں مکمل کر کے اپنے مریضوں کے پاس ایک نرس کو چھوڑ کر واپس آجاتا ہے، وہ نرس ڈاکٹر کی ہدایات کے موافق مریضوں کی تیمارداری ونگرانی کرتی رہتی ہے، لیکن اگر کسی مریض کی حالت سنگین محسوس کرتی ہے تو وہ نرس ڈاکٹر کو فون کر کے فوراً بلا لیتی ہے، اور آن کال میں بعض مرتبہ نائب موجود نہیں ہوتا ہے، ایسے وقت میں اگر فرض نماز کے دوران یا خطبہ جمعہ کے دوران بلاوہ آجائے تو نماز جاری رکھے یا توڑ دے؟ اگر نماز توڑ دی تو قضا واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جب کسی مریض کی محالت بہت سنگین ہوجائے مرض بڑھ جانے یا جان چلے جانے کا خطرہ ہو، اور کوئی نائب [جو اچھی طرح یہ کام اجام دے سکتا ہو] موجود نہ ہو تو نماز توڑ کر جانا واجب ہے چاہے نماز فرض ہو یا نفل، ہاں اگر نماز قریب الختم ہے یا چند منٹ میں ختم ہوجائے گی تو نماز پوری کر کے چلا جائے کیونکہ اکثر چند منٹ گزرنے سے فرق نہیں پڑتا۔

پھر جو نماز توڑ دی ہے اس کو بعد میں پڑھ لے اگر وقت ہے ورنہ قضا کر لے۔

اور اگر کوئی صحیح ماہر نائب موجود ہو تو پھر نماز پوری کر کے جائے۔

خطبہ سننے کے دوران اگر اس قسم کی کوئی ضرورت پیش آجائے تو خطبہ چھوڑ کر جانے کی گنجائش ہے، اور اس کی کوئی قضا نہیں ہے۔

اگر نمازِ تراویح کے دوران نماز توڑ کر جانے کی ضرورت ہو تو بعد میں دو رکعت کی قضا کرے۔

درمختار میں ہے:

ويجب القطع لنحو إنجاء غريق أوحريق . وفي الشامية : والحاصل أن المصلي متى سمع أحداً يستغيث وإن لم يقصده بالنداء ، أو كان أجنبياً ، وإن لم يعلم ماحل به أوعلم،

کان قدرة علی إغاثته وتخلیصه ، وجب علیه إغاثته وقطع الصلاة فرضاً کانت أوغیره قطع الصلاة ... والواجب لإحیاء نفس. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/ ۵۱، ۵۲،سعید).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا خاف المصلی أن یسقط أعمی أو صبی من سطح ، أو تحرقه نار، أو یغرقه ماء ، علیه قطع الصلاة ، ولو سرق منه مایساوی درهماً له قطع الصلاة . (الفتاوی السراجیة،ص:۱۰۵).

وللاستزادة انظر: (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/ ۶۵۴،سعید،والفتاوی الهندیة:۱/ ۱۰۹، والبحر الرائق:۲/ ۷۱، کوئٹه). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نذر مانی جب بھی فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز جرمانہ کے طور پر پڑھے گا پھر اس منت سے نکلنا چاہے تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: اس قسم کی منت لازم ہوتی ہے لہذا اس کا پورا کرنا لازم ہے یعنی جب بھی ایک رکعت چھوٹ جائے دو رکعت نفل لازم ہوگی اور اگر نہیں پڑھی تو اس کا فدیہ دینا زندگی میں درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ ﷺ قال: من نذر أن یطیع الله فلیطعه ومن نذر أن یعصیه فلا یعصیه. (مشکوۃ شریف:۲/ ۲۹۷) فیه دلیل علی أن من نذرطاعة یلزم الوفاء به.

درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فیه تفصیل فإن علقه بشرط یریده کأن قدم غائبی أوشفی مریضی یوفی وجوباً إن وجد الشرط. و فی الشامی: (قوله ثم إن المعلق) اعلم أن المذکورفی کتب ظاهرالروایة أن المعلق یجب الوفاء به مطلقاً: أی سواء کان الشرط مما یرادکونه أی یطلب حصوله کإن شفی الله مریضی أولا کإن کلّمت زیداً أودخلت الدارفکذا. (الدر المختارمع الشامی:۳/ ۷۳۸ أحکام النذر،سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پاجائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال نماز کے ابتدائی وقت میں ہوجائے اور اب تک نماز نہیں پڑھی تھی تو اس نماز کا فدیہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس نماز کا فدیہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اعتبار آخری وقت کا ہے اور آخری وقت میں زندہ نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت) وهو قدر ما يسع التحريمة فان كان المكلف في آخره مسافراً وجب ركعتان وإلا فأربع لأنه المعتبر في السببية عند عدم الأداء قبله. وفي الشامي: قوله وجب ركعتان أي وإن كان في أوله مقيماً وقوله: وإلا فأربع أي وإن لم يكن في آخره مسافراً بأن كان مقيماً في آخره فالواجب أربع. قال في النهر: وعلى هذا قالوا: لو صلى الظهر أربعاً ثم سافر أي في الوقت فصلى العصر ركعتين ثم رجع إلى منزله لحاجة فتبين أنه صلاهما بلا وضوء صلى الظهر ركعتين والعصر أربعاً لأنه كان مسافراً في آخر وقت الظهر ومقيماً في العصر......قوله عند عدم الأداء قبله أي قبل الآخر والحاصل أن السبب هو الجزء الذي يتصل به الأداء أو الجزء الأخير إن لم يؤد قبله وإن لم يؤد حتى خرج الوقت فالسبب هو كل الوقت. قال في البحر: وفائدة إضافته إلى الجزء الأخير اعتبار حال المكلف فيه فلو بلغ صبي أو أسلم كافر أو أفاق مجنون أو طهرت الحائض أو النفساء في آخره لزمتهم الصلاة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۲۸، باب صلاة المسافر، قديمي)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

نماز کے فدیہ کا ثبوت:

سوال: فقہائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں تو ہر نماز کے لیے نصف صاع گیہوں صدقہ کیا جائے، یہ فدیہ کہاں سے ثابت ہے؟ ہمارے علاقہ میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث شریف سے نماز کا فدیہ ثابت نہیں، فقہاء نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے، اس قول کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے شیخ فانی کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص روزے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلادے، اور یہ مسئلہ ایک حدیث شریف سے اخذ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عطا سمع ابن عباس رضی اللہ عنہ یقرأ : وعلی الذین یطوقونه فدیة طعام مسکین. قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: لیست بمنسوخة، هو للشیخ الکبیر والمرأة لایستطیعون أن یصوما، فیطعمان مکان کل یوم مسکیناً. (روه البخاري:٢/٦٤٧).

نیز جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان مبارک کے روزوں کی قضا ہو تو ہر روزے کے عوض نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور وغیرہ دیا جائے یہ فدیہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکیناً . (رواه الترمذي:١/١٥٢).

مذکورہ بالا دونوں احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ ''جب کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ نمازیں باقی ہوں تو ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار فدیہ دیا جائے'' کیونکہ نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادات ہیں، اور روزے کے بارے میں نص موجود ہے اور دونوں کی علت مشترک ہے کہ نماز اور روزے کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے، اس وجہ سے فدیہ واجب کیا گیا۔ ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلاة کالصوم باستحسان المشایخ . وفی البنایة : أی إلا أن المشایخ استحسنوا فی التجویز لأنها تشبه الصوم من حیث کونها عبادة مالیة. (البنایةمع الهدایة:٢/١٣٥٣،فیصل آباد).

نورالانوار میں ہے:

ووجوب الفدیة فی الصلاة للاحتیاط جواب سوال مقدر تقریره: أن الفدیة فی الصوم للشیخ الفاني لما کانت ثابتة بنص غیرمعقول ینبغی أن تقتصروا علیه ولم تقیسوا علیه من مات وعلیه صلاة مع أنکم قلتم إنه إذا مات وعلیه صلاة وأوصی بالفدیة یجب علی الوارث أن یفدی بعوض کل صلاة ما یفدی لکل صوم علی الأصح فأجاب بأن وجوب الفدیة في

قضاء الصلاة للاحتياط لا للقياس و ذلک لأن نص الصوم يحتمل أن يكون مخصوصاً بالصوم ويحتمل أن يكون معلولاً لعلة عامة توجد في الصلاة أعني العجز والصلاة نظير الصوم بل أهم منه في الشان والرفعة فأمرنا بالفدية عن جانب الصلاة فإن كفت عنها عند اللّٰه تعالىٰ فبها وإلا فله ثواب الصدقة ، ولذا قال محمد في الزيادات: تجزئه إن شاء اللّٰه تعالىٰ، والمسائل القياسية لاتعلق بالمشية قط . (نورالانوار،مبحث الامر،ص۳۹).

وللمزيد انظر: (فتح القدير:۲/۳۵۹،۳۶۰،دارالفكر،والعناية في شرح الهداية:۲/۳۶۰، دارالفكر، وامدادالفتاح،ص:٤٨٤،بيروت، وشرح تحفة الملوك مع التعليقات:۲/۱۳۳٤).

نیز یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ ہر مسئلہ کے لیے صریح صحیح حدیث موجود نہیں ہوتی بلکہ بہت سارے مسائل قرآن واحادیث کی روشنی میں مستنبط ہوتے ہیں۔

اور یہ کہنا کہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے یہ بات سراسر جہالت پر مبنی ہے،شریعتِ مطہرہ میں کسی شخص کو اپنی طرف سے احکامات بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ہاں فقہاء نے مزاجِ شریعت ومرادِ شریعت کوواضح کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے،خود علامہ ابن تیمیہؒ نے بڑے عجیب انداز میں فقہاء کی تعریف فرمائی ہے۔فرماتے ہیں:

ويفهمونهم مراده بحسب اجتهادهم واستطاعتهم . (فتاوى ابن تيمية:۲۰/۲۲٤).

عوام الناس کے لیے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ علماء فقہاء کی باتوں کو مانیں اوران پر عمل پیرا ہو دین اورشریعت میں دخل اندازی کرناان کے لیے کسی طرح جائز اور درست نہیں،بصورتِ دیگران کے دین واسلام کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

وإنما حق العوام أن يومنوا ويسلموا ويشتغلوا بعبادتهم ومعاشيهم ، ويتركوا العلم للعلماء فإن العامي لو يزني ويسرق كان خيراً له من أن يتكلم في العلم ، فإنه من تكلم في اللّٰه وفي دينه من غير اتقان العلم وقع في الكفر من حيث لايدرى كمن يركب لجة البحرو هو لايعرف السباحة. (احياء علوم الدين:۳/۳٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچہ رات کے وقت بالغ ہو تو قضاء کا حکم:

سوال: اگر نابالغ عشاء کے بعد سو گیا اور فجر کے وقت بیدار ہوا اور منی کے اثرات دیکھے تو عشاء کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں احتیاطاً نمازِ عشاء کی قضاء کرے گا اور یہی مختار قول ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے: **صبی احتلم بعد صلاة العشاء و استیقظ بعد الفجر لزمه قضاؤها.**

وفی الشامی: قوله لزمه قضاؤها لأنها وقعت نافلة، ولما احتلم فی وقتها صارت فرضا علیه، لأن النوم لایمنع الخطاب فیلزمه قضاؤها فی المختار، ولذا لو استیقظ قبل الفجر لزمه إعادتها إجماعاً کما قدمناه أول کتاب الصلاة عن الخلاصة. وفی الظهیریة: حکی عن محمد بن الحسنؒ: أنه جاء إلی الإمام أول احتلامه فقال: ما تقول فی غلام احتلم فی اللیل بعد ما صلی العشاء هل یعیدها؟ قال نعم فقام محمد إلی زاویة المسجد وأعادها و هی أول مسألة تعلمها من الإمام. (شامی مع الدر: ۲/۷۶، قضاء الفوائت، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۲/۹۰، تتمة باب قضاء الفوائت، الماجدیة۔ وشرح منیة المصلی: ۵۳۴ فصل فی قضاء الفوائت، سهیل۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نانی کا انتقال ہوا گذشتہ تین سالوں سے انھیں دماغ کی کمزوری کی شکایت تھی اور اس حد تک سرایت کر چکی تھی کہ ۵ منٹ پہلے کیا ہوا کام بھی یاد نہیں رہتا تھا اس وجہ سے کافی عرصہ سے انھوں نے نمازیں نہیں پڑھی تھی، اب ان کے انتقال کے بعد فوت شدہ نمازوں کا فدیہ لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: دماغی مریض کے بالکل ہوش وحواس نہ رہیں اور یہ کیفیت مسلسل ایک دن یا اس سے زیادہ دن تک ہو تو نماز کی قضاء نہیں ہے اور نہ فدیہ وغیرہ لازم ہے۔ لیکن صورتِ مسئولہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت نہیں تھی یعنی نماز کے وقت میں صحیح طور پر نماز پڑھ سکتی تھی تو نماز پڑھنا لازم تھا نہ پڑھنے پر قضاء لازم تھی اب چونکہ انتقال ہو چکا ہے لہٰذا فدیہ ادا کیا جائے ہر نماز کا علیحدہ علیحدہ یعنی رات دن کی کل ۵ نمازوں کا وتر کے

ساتھ اور فدیہ وہی ہے جو صدقۃ الفطر میں ادا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن أغمي عليه خمس صلوات أو دونها قضي وإن كان أكثر من ذلك لم يقض وهذا استحسان، والقياس أن لاقضاء عليه إذا استوعب الإغماء وقت صلاة كاملاً......وفي فتح القدير: والقياس أن لا......وهو قول الشافعيؒ والمالكؒ وتوسط أصحابنا فقالوا: إن كان أكثر من يوم وليلة سقط القضاء وإلاوجب، والزيادة على يوم وليلة من حيث الساعات وهو رواية عن أبي حنيفةؒ فإذا زاد على الدورة ساعة سقط، وعند محمدؒ من حيث الأوقات فإذا زاد على ذلك وقت صلاة كامل سقط و إلا لا ، و هو الأصح تخريجاً...... عن ابن عمر رضي الله عنه قال في الذي يغمى عليه يوماً وليلةً قال: يقضي...... وقال عبد الرزاق: أخبرنا الثوري عن ابن أبي ليلى عن نافع أن ابن عمر رضي الله عنه أغمي عليه شهراً فلم يقض ما فاته. (فتح القدير مع الهداية: ۲/۹، دار الفكر ـ وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۵٦۱، قضاء الفوائت، سعيد ـ وكذا في المبسوط: ۱/۲۱۷ باب صلاة المريض ـ وكذا في الدر المختار: ۱/۳۵٦، سعيد ـ والبحر الرائق: ۲/۱۱۵، باب صلاة المريض ـ كوئتة)

درمختار میں ہے:

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. (الدر المختار ۲/۷۲، باب قضاء الفوائت، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

فيخرج عنه وليه......لصوم كل يوم......وصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر......نصف صاع من بر......أو قيمته وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير، وإن لم يوص و تبرع عنه وليه أو أجنبي جاز إن شاء الله تعالىٰ. وفي الطحطاوي: (لتنوع حاجات الفقير) فإنه قد يكون مستغنياً عن هذه الأعيان ويحتاج إلى الدراهم ليصرفها في حاجاته. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ٤۳۸، قديمي كتب خانه) ـ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: **سماحة المفتي من فضلك أريد استفتاءً على ما يلي بين لي بالتفصيل من**

النصوص أثابكم الله.

(١) لماذا صلى النبي ﷺ في نعليه وموسى عليه السلام صلى بخلع نعليه والله سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿فبهداهم اقتده﴾؟

(٢) لماذا نصلي بخلع نعالنا و نبينا ﷺ صلى في نعليه؟

(٣) هل يجوزلنا أن نصلي في نعالنا؟

(٤) هل صلى النبي ﷺ على البساط بغيرنعليه؟

(٥) ما هوأراء الفقهاء في الصلاة في النعال؟

(٦) لماذا أمرنا النبي ﷺ بخلاف اليهود في خلع النعال وهم كانوا يتبعون موسى عليه السلام؟

الجواب: (١) أن أمره سبحانه وتعالىٰ لرسوله ﷺ بالاقتداء هو خاص عند المفسرين في التوحيد وأصول الدين والأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة دون الشرائع لأن الشرائع مختلفة.

(٢) لأنه لايمكن لنا التحفظ من وطء الأقذاروالرشاش على النعال ومع هذا، الصلاة في النعال خلاف الأدب والعرف في زماننا ولم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذرأصلاً.

(٣) نعم إذاكانا طاهرين ويتمكن معهما من إتمام السجود بأن يسجد على جميع أصابع رجليه ومع ذلك الأدب خلع النعلين وأما إذا لم يكن طاهرين أولم يتمكن من إتمام السجود فخلعهما واجب.

(٤) نعم.

(٥) لأنهم قد غيروا الشريعة ولايتبعون موسى عليه السلام كما حقه كما قال سبحانه وتعالىٰ ﴿وقالت اليهود عزيربن الله﴾ وما جاء موسى عليه السلام بهذا، وقد بين سبحانه وتعالىٰ أنهم ضلوا وأضلوا، وقال أيضاً: ﴿اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضّالين﴾ فلهذا ينبغي لنا أن نجتنب كل الاجتناب.

وفي تفسير القرطبي:

قوله تعالىٰ: ﴿فبهداهم اقتده﴾ قيل: المعنى اصبر كما صبروا وقيل معنى ﴿فبهداهم اقتده﴾ التوحيد والشرائع مختلفة. (تفسير القرطبی: ۷/۳۵)

وفی تفسیر روح المعانی:

والمراد بهداهم عند جمع طريقهم فی الإيمان بالله تعالى وتوحيده وأصول الدين دون الشرائع القابلة للنسخ فإنها بعدالنسخ لاتبقى هدى وهم أيضاً مختلفون فيها فلا يمكن التأسی بهم جميعا ومعنى أمره ﷺ بالاقتداء بذلك الأخذ به لامن حيث أنه طريق أولئك الفخام بل من حيث أنه طريق العقل والشرع ففی ذلک تعظيم لهم وتنبيه على أن طريقهم هوالحق الموافق لدليل العقل والسمع...... وحقق القطب الرازی فی حواشيه على الكشاف أنه يتعين أن الاقتداء المأموربه ليس إلافی الأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة كالحلم والصبروالزهد وكثرة الشكروالتضرع ونحوها. (روح المعانی: ۷/۲۱۶)

وفی سنن أبی داؤد:

وعن عبد الله بن السائب رضی الله عنه قال رأيت النبی ﷺ يصلی يوم الفتح ووضع نعليه عن يساره، وفی رواية عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده رضی الله عنه قال رأيت رسول الله ﷺ يصلی حافياً متنعلاً.

وفی رواية له......عن يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "خالفوا اليهود فإنهم لايصلون فی نعالهم ولاخفافهم. (سنن أبو داؤد: ۱/۹۵)

وفی بذل المجهود:

قلت: دل هذا الحديث على أن الصلاة فی النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود وأما فی زماننا فينبغی أن تكون الصلاة مأمورة بهما حافياً لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلين لايخلعون عن أرجلهم. (بذل المجهود: ۴/۳۲۰ ـ وكذا فی إعلاء السنن: ۵/۱۹۰ ـ وكذا فی شرح النووی للمسلم: ۱/۲۵۴ ـ وكذا فی شرح ابن بطال: ۲/۴۹ ـ وكذا فی فيض الباری: ۲/۲۶ ـ وكذا فی شرح المسلم لقاضی عياض: ۲/۴۸۸)

وفی المرقاة شرح المشكاة:

أن الأدب الذی استقرعلیه آخرأمره علیه الصلاة والسلام خلع نعلیه أوالأدب فی زماننا عند عدم الیهود والنصاری أوعدم اعتیادهما الخلع ثم سنح لی أن معنی الحدیث خالفوا الیهود فی تجویز الصلاة مع النعال والخفاف فإنهم لایصلون أی لایجوزن الصلاة فیهما ولایلزم منه الفعل وإنما فعله علیه الصلاة والسلام تاکیداً للمخالفة وتأییداً للجواز. (مرقاة شرح المشکاة:۲/۲۳۷)

وفی الشامی :

(قوله وصلاته فیهما)أی فی النعل والخف الطاهرین أفضل مخالفة للیهود تاترخانیة:وفی الحدیث:"صلوا فی نعالکم ولاتشبهوا بالیهود"رواه الطبرانی کما فی الجامع الصغیررامزاً لصحته وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولوکان یمشی بها فی الشوارع لأن النبی ﷺ وصحبه﷽ کانوا یمشون بها فی طرق المدینة ثم یصلون بها، قلت:لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه وإن کانت طاهرة، وأما المسجد النبوی فقدکان مفروشاً بالحصا فی زمنه ﷺ بخلافه فی زماننا ولعل ذلک محمل ما فی عمدة المفتی من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب تأمل.(شامی ۱/۶۵۷،سعید)

وفی مقالات الکوثری:

وأما الصلاة بالنعل فصحیحة إذاکانت طاهرة لاتمانع وضع باطن رؤوس الأصابع علی الأرض کما هوشأن تمام السجدة علی ما ذکره الخطابی وغیره وکان مسجد النبی علیه الصلاة والسلام مفروشاً بالحصباء وحجرات أزواج النبیﷺ کانت فی اتصال المسجد فلم تکن نعله علیه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذرأصلاً لأنه لم یکن یطأ بها شوارع قذرة وکانت المدینة المنورة طاهرة الأزفة من الأرواث والأرجاس انصیاعاً من الصحابة﷽......بخلاف شوارع الیوم ومراحیض الیوم فإنها لایمکن فیها التحفظ من وطء الأقذاروالرشاش علی النعال لکون مراحیضها صلبة ترش حتما علی النعال ولاسیما إذا بال الشخص وهوقائم لأنها علی طرازأفرنجی لایتمکن من البول فیها إلا وهوقائم.وقد صح أنه علیه الصلاة والسلام خلع نعله عند الصلاة فی فتح مکة فیکون هذا آخرالأمرین کما أنه

خلع حينما أعلمه جبريل عليه السلام أن بنعله أذى و الترخيص عند التحقق من إظهار النعل هو مقتضى الأدلة عند المحققين ومن يرى استحباب لبسها بشرطه إنما استحب لمخالفة اليهود لكن أهل الكتاب أصبحوا اليوم يدخلون كنائسهم ويصلون بنعالهم فتكون المخالفة لهم في خلع النعال لا في لبسها......وقد تطابقت كلمات أهل العلم على أن الصلاة في نعال الشوارع اليوم خلاف الأدب وإن كانت طاهرة بل سوء الأدب كما تجد تفصيل ذلك في منية المفتي للسجستانيؒ وفتح المتعال للعلامة المقريؒ وشرح المشكاة لعلي القاريؒ وغاية المقال للمحدث عبد الحي اللكهنويؒ وغيرها(مقالات الكوثري:١٧٤،دارشمسي)واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز سے قبل شلوار موڑنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکی ہوئی ہے تو نماز سے پہلے اسکو موڑنا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپڑے کو موڑنا نہیں چاہئے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ موڑنے کی صورت میں کپڑا الٹا ہوجاتا ہے اور یہ ممنوع ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: جو چیز نماز سے باہر مکروہ ہے نماز میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور کراہت کا ازالہ نماز سے قبل کرنا چاہئے لہذا اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو سمجھادیں کہ یہ فعل خارج الصلاۃ بھی مکروہ ہے لہذا پاجامہ اور شلوار ٹخنوں سے اوپر سلوالیا کریں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:"ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار". (رواه البخاري:٢/٨٦١/٥٥٥٩،باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار،فيصل)

نماز میں کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لہذا فقہاء نے فرمایا کہ نماز سے قبل ٹھیک کرلے۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

ويكره السدل وهو أن يرسله من غير أن يضم جانبه وقيل:هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه......قال في فتح القدير:(١/٣٥٩) يصدق على ما إذا كان المنديل مرسلاً في كتفيه كما يعتاده كثير فينبغي لمن يعتاده أن يضعه عند الصلاة.(فتاوى اللكهنوي:١٠٣، بيروت)

نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ کراہت کا ازالہ نماز میں بھی جائز ہے تو خارج الصلاۃ بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ مستحب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

فـان سـقـطـت قـلـنسـوـة مـن رأسـه وأمـكـنه أن يرفعها بيد واحدة ،الأولىٰ أن لايصلى مكشوف الرأس كذا فى خزانة الروايات.(فتاوی اللکھنوی:۱ ۳۰، بیروت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کی نماز میں حضور ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے داہنی طرف کردیا یعنی نماز میں کراہت کا ازالہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قـال......فتـوضـأ ثم قام يصلى فقمت عن يساره فأخذنى فجعلنى عن يمينه. (بخاری شریف: ۱/۹۷)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
”من شهد الجنازة حتىٰ يصلى عليها فله قيراط
ومن شهد حتىٰ تدفن كان له قيراطان“

(رواه البخارى)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
”من حمل جوانب السرير الأربع
كفر الله عنه أربعين كبيرة“

(المعجم الأوسط)

فصلِ اول
قریب المرگ سے متعلق احکام

قریب المرگ شخص کولٹانے کا طریقہ:

سوال: آدمی جب مرنے لگے تو اس کو کس طرح لٹانا چاہئے؟

الجواب: قریب المرگ شخص کولٹانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کر کے داہنی کروٹ پر کردے، لیکن اگر چت لٹادے اور سر کو تکیہ کے ذریعہ قبلہ رخ کردے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور بوقتِ دشواری جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کرے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن وهو السنة كذا في الهداية، وهذا إذا لم يشق عليه فإذا شق ترك على حاله كذا في الزاهدی. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۷، الفصل الأول فی المحتضر)

درمختار میں ہے:

(يوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه إليها وهو المعتاد فی زماننا ولكن يرفع قليلاً ليتوجه للقبلة وقيل يوضع كما تيسر على الأصح صححه فی المبتغی وإن شق عليه ترك على حاله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۸۹، سعيد كمپنی)

بدائع الصنائع میں ہے:

إذا احتضر الإنسان فالمستحب أن يوجه إلى القبلة على شقه الأيمن كما يوجه في القبر لأنه قرب موته فيضجع كما يضجع الميت في اللحد. (بدائع الصنائع:۱/۲۹۹،سعید کمپنی)

مرنے کے بعد غسل کے وقت بھی یہی بہتر ہے کہ قبلہ رخ میت کو لٹایا جائے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کینسر میں مبتلاء ہے وہ کسی رشتہ دار کو کچھ مال ہدیہ کرنا چاہتا ہے اور کچھ مال اجنبی شخص کو دینا چاہتا ہے کیا اس کا ہدیہ دینا درست ہوگا اور یہ وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب: مرض الموت میں کسی شخص کا ہدیہ یا وصیت اجنبی کے حق میں صرف ایک ثلث میں نافذ ہوگی۔اس سے زیادہ میں نہیں اور وارث کے حق میں ہدیہ یا وصیت نافذ نہ ہوگی،ہاں دوسرے ورثاء کی اجازت سے وارث کے حق میں بھی نافذ ہوگی،اور ثلث سے زائد میں بھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه قال: عادني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا مريض فقال: أوصيت؟ قلت: نعم، قال: بكم؟ قلت: بمالي كله في سبيل الله عز وجل قال: فما تركت لولدك قلت: هم أغنياء بخير فقال: أوص بالعشر فمازلت أناقصه حتى قال: أوص بالثلث والثلث كثير. رواه الترمذي. وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في خطبته عام حجة الوداع إن الله عز وجل قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلاوصية لوارث. رواه أبوداود وابن ماجة والترمذي. (مشكاة شريف:۱/۲٦٥، باب الوصايا،قديمي كتب خانه)

درمختار میں ہے:

إعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه كل ذلك حكمه كحكم وصيته فيعتبر من الثلث. وفي الشامي: إذا اتصل بها القبض قبل موته أما إذا مات ولم يقبض فتبطل الوصية لأن هبة المريض هبة حقيقة وإن كانت وصية حكماً. (الدرالمختار مع الشامي:٦/٦٨٠،سعيد)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرض الموت کی تعریف:

سوال: مرض الموت کس کو کہتے ہیں کیا کینسر کا مریض اس میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مرض میں مریض اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے نہ نکل سکے، اسی طرح اس مرض سے صحت کی امید بہت کم ہو اور موت کا غالب گمان ہو، لہذا اس تعریف کے پیشِ نظر کینسر کا مریض جس سے صحت کی امید بہت کم ہو مرض الموت میں کہلائے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

المريض مرض الموت من لايخرج إلى حوائج نفسه وهو الأصح كذا في خزانة المفتي. مرض الموت تكلموا فيه والمختار للفتوىٰ أنه إذا كان الغالب منه الموت كان مرض الموت سواء كان صاحب الفراش أم لم يكن كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ٤/ ١٧٦)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مریض کی وصیت کا حکم:

سوال: کسی مریض نے اپنے رشتہ دار کو یہ وصیت کی کہ تم ہر ہفتہ میری قبر پر حاضری دو کیا یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا وصیت واجب نہیں ہے، البتہ ان کی خواہش کی بنا پر زیارت کے لئے جانا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أوصى بأن يصلي عليه فلان أويحمل بعد موته إلى بلد آخر أويكفن في ثوب كذا أو يطين قبره أويضرب على قبره قبة أويقرأ عنده شيئاً معيناً فهي باطلة. (الدر المختار: ٦/ ٦٦٦، ٦٩٠، سعيد كمپنى)

شامی میں ہے:

أقول: في الولوالجية: لوزار قبر صديق أوقريب له وقرأ عنده شيئاً من القرآن فهو حسن، أما الوصية بذلك فلا معنى لها. (شامى: ٦/ ٦٩٠، قبيل باب الوصية بالخدمة، سعيد كمپنى)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم:

سوال: مرنے کے بعد غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کا جسم چھپا ہوا ہے تو میت کے پاس تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جسم کھلا ہوا ہے تب بھی اصح قول یہ ہے کہ میت میں حدث ہے نجاست وغلاظت نہیں، لہٰذا اس کے قریب تلاوت کرنا درست ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ غسل دینے سے پہلے جہراً تلاوت نہ کی جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

اختلفوا في نجاسة الميت فقيل نجاسة خبث، وقيل: حدث ويشهد للثاني مارويناه من تقبيله ﷺ عثمان بن مظعون ؓ وهو ميت قبل الغسل، اذ لو كان نجساً لما وقع فاه الشريف على جسده. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص٥٦٤، احكام الجنائز، قديمی)

درمختار میں ہے:

تكره القراءة عنده حتى تغسل......تنزيهاً للقرآن عن نجاسة الميت لتنجسه بالموت قيل نجاسة خبث وقيل حدث وعليه فينبغي جوازها كقراءة المحدث......فإنه إذا جاز للمحدث حدثاً أصغر القراءة فجوازها عند الميت المحدث بالأولىٰ. (الدر المختار مع الشامی: ٢/١٩٤، سعيد كمپنی)

شامی میں ہے:

قوله ويقرأ القرآن فی بعض النسخ ولا يقرأ بلا والصواب إسقاطها.

تنبيه: الحاصل أن الموت إن كان حدثاً فلا كراهة فی قراءة القرآن عنده وإن كان نجساً كرهت والظاهر أن هذا أيضاً إذا لم يكن الميت مسجى بثوب يستر بدنه، لأنه لو صلى فوق نجاسة على حائل من ثوب أو حصير لا يكره فيما يظهر فكذا إذا قرأ عند نجاسة مستورة وكذا ينبغي تقييد الكراهة بما إذا قرأ جهراً......فتحصل من هذا إن كان الموضع معداً للنجاسة كالمخرج والمسلخ كرهت القراءة مطلقاً وإلا فإن لم يكن هناك نجاسة ولا أحد مكشوف العورة فلا كراهة مطلقاً وإن كان فانه يكره رفع الصوت فقط. (الشامی: ٢/١٩٣، ١٩٤، مطلب فی القراءة عند الميت، سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کاحکم:

سوال: جس کمرہ میں میت موجود ہو وہاں حائضہ عورت بیٹھ سکتی ہے یانہیں؟

الجواب: اگرمیت کے سرہانے نہ بیٹھے بلکہ ذرا دور بیٹھے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے،اس لئے کہ حائضہ کے نکالنے میں اختلاف ہے لہذا اس میں تشدد اور سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے: **فی النهر:ينبغي إخراج الحائض......وفي نورالإيضاح :واختلف في إخراج الحائض.** (شامی:۲/۱۹۳،سعید)

وفي حاشية نورالإيضاح:قوله واختلفوا: اختلاف المشايخ في إخراج هؤلاء في الأولوية وعدمها،لاعلى سبيل الوجوب،ووجه الإخراج امتناع حضورالملائكة محلاً به حائض أونفساء ووجه عدم الإخراج به قد لايمكن الإخراج للشفقة أوللاحتياج إليهن.

(حاشية نورالايضاح للشيخ محمداعزازعلى:ص۱۲۷۔وكذافى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۵۶۳،باب احكام الجنائز،قديمى)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولابأس بجلوس الحائض والجنب عنده وقت الموت. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۱۸۸،باب فى غسل الميت ومايتعلق به)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

موت کے بعد بیوی کاچہرہ دیکھنے کاحکم:

سوال: کیاشوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کی موت کے بعداس کاچہرہ دیکھے؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کاچہرہ دیکھنا جائزاور درست ہے۔

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظرإليهاعلى الأصح منية،وفي الشامي:ولعل وجهه أن النظرأخف من المس فجازلشبهة الاختلاف. (الدرالمختارمع الشامى: ۲/۱۹۸، سعيد۔وكذا فى الهندية:۱/۱۶۰،الفصل الثانى فى الغسل۔والفتاوى الخانيةعلى هامش الهندية:۱/۱۸۷،باب فى غسل الميت ومايتعلق به)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کر سکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۲۱۵۔وفتاوی رشیدیہ:ص۲۵۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم:

سوال: موت کے بعد شوہر بیوی کے چہرے یا ہاتھ کو چھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کو چھونا درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح ،منية. (الدر المختار مع الشامی:۲/۱۹۸، باب صلاة الجنازة،سعید)

مبسوط میں ہے:

ولنا حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ سئل عن امرأة تموت بين رجال فقال: تيمم الصعيد ولم يفصل بين أن يكون فيهم زوجها أو لا يكون والمعنى فيه أن النكاح بموتها ارتفع بجميع علائقه فلا يبقى حل المس. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۲/۷۱،باب غسل الميت، ادارة القرآن۔واحسن الفتاوی:۴/۲۱۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم:

سوال: پوسٹ مارٹم کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ میت کی توہین میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے ساتھ ہر وہ کام کرنا جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے جائز اور درست نہیں ہے،اور پوسٹ مارٹم میں جسم کی تقطیع ہے اور یہ معاملہ اگر زندہ کے ساتھ کیا جائے تو ضرر رساں ہے لہذا میت کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا اس میں جسمِ انسانی کی توہین ہے حتی الامکان اپنی میت کو اس سے بچانا چاہئے ،لیکن اگر مجبوراً کرانا پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو عصرِ حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

میت کی لاش کا پوسٹ مارٹم اب محض ایک طبعی ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ تفتیشِ جرائم کے لئے قانون وانصاف کے شعبہ میں بھی اس کا سہارہ لینا ناگزیر ہوگیا ہے،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا عمل جس میں انسانی جسم کی قطع وبرید اور چیر پھاڑ نے کے بغیر کام نہ چلتا ہو اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی ہے۔(عصرِ حاضر کے فقہی

مسائل:ص۴۷۔ وجدید مسائل کا شرعی حل:ص۲۴۸)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

پوسٹ مارٹم بھی اگر کسی ضرورت کے پیشِ نظر ناگزیر ہو جائے تو جائز ہے مثلاً مقدمہ کی تحقیق کے لئے موت کی وجہ معلوم کرنی ہو، یا کوئی شخص اپنا اندرونی عضو ہبہ کر دے اور علماء اس کے جواز کا فتوی دے دیں، اس لیے اس عضو کو نکالنا ہو وغیرہ، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے اس مردہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے جس کے پیٹ کا بچہ ابھی زندہ ہے تا کہ اس طرح اس کو نکالا جا سکے۔ (جدید فقہی مسائل: جلد اول:ص۲۰۳، پوسٹ مارتم، پروگریسو بکس)

کفایت المفتی میں ہے:

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو نا جائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو تا ہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر واحترام میت کا التزام ضروری ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔ (کفایت المفتی:۴/۲۰۰، آٹھواں باب، کتاب الجنائز، دارالاشاعت۔ ونظام الفتاوی:۱/۴۱۲، پوسٹ مارٹم کا حکم، اسلامک فقہ اکیڈمی۔ وامداد الفتاوی:۱/۵۰۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

میت کے سامنے کھڑے ہو کر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا تو کسی عورت نے خاندان کی عورتوں سے کہا آپ سب اس میت کو معاف کر دیں اس طرح کہ آپ ان کے سامنے کھڑی ہو کر کہو کہ ہم نے معاف کر دیا جو ہمارے درمیان ہوا تھا اس لئے کہ میت سنتی ہے اور شوہر اکیلا میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھتا ہے شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس طرح عورتوں کا میت کو خطاب کرنا اور معاف کرنا وغیرہ درست نہیں ہے اس لئے کہ میت سنتی ہے یا نہیں سنتی اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مردے سنتے ہیں بعض کے نزدیک نہیں سنتے جن کے نزدیک سنتے ہیں تو ہر بات ہر وقت نہیں سنتے بلکہ جب اللہ تعالی سنا دے تو سنتے ہیں

لہذا یہ عمل درست نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

شوہر میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرسکتا ہے، اور چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے نیز محارم کے ساتھ قبر میں اتر کر دفن کرنے میں مدد بھی کرسکتا ہے، البتہ میت کو غسل دینا اور چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله أو كلمتک) إنما تقيد بالحياة لأن المقصود من الكلام الإفهام والموت ينافيه لأن الميت لايسمع ولايفهم وأورد أنه عليه الصلاة والسلام قال لأهل القليب قليب بدر هل وجدتم ما وعدربكم حقاً؟ فقال عمر: يارسول الله ما تكلم من أجساد لاأرواح لها فقال النبیﷺ والذی نفسی بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم وأجيب بأنه غيرثابت يعنى من جهة المعنى وإلافهوفى الصحيح وذلک أن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها ردته بقوله تعالىٰ: ﴿وماأنت بمسمع من فى القبور﴾ و﴿إنک لاتسمع الموتىٰ﴾ وقوله من جهة المعنى ينظرماالمراد به فإن ظاهره يقتضي ورود اللفظ عن الشارعﷺ وأن المعنى لايستقيم وفيه مافيه وأجيب أيضاً بأنه إنما قاله على وجه الموعظة للأحياء لالإفهام الموتىٰ كماروى عن علىؓ أنه قال: السلام عليكم دارقوم مؤمنين أما نساؤكم فنكحت وأما أموالكم فقسمت وأمادوركم فقدسكنت فهذا خيركم عندنا فماخيرنا عندكم ويرده أن بعض الأموات رد عليه بقوله: الجلود تمزقت والأحداق قد سئلت...... إلى قوله وردعنه عليه الصلاة والسلام أن الميت ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا، كمال وفى النهرأحسن ما أجيب به أنه كان معجزة لهﷺ. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۲/ ۳۸۲، باب اليمين فى الضرب والقتل، كوئته)

درمختار میں ہے:

ويمنع زوجهامن غسلهاومسهالامن النظرإليهاعلى الأصح، منية. وفى الشامى: ولعل وجهه أن النظرأخف من المس فجازلشبهة الاختلاف. (الدرالمختارمع الشامى: ۲/ ۱۹۸، سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۵۰،

دارالاشاعت)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: دیکھ سکتا ہے اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے **لأنه مس من حائل.**

(امدادالفتاوی:۱/۵۰۳وکذا فی فتاوی رحیمیہ:۳/۹۳)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کی آنکھوں میں کونٹیک لینس ہے تو اس کو نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب: کونٹیک لینس دوسرے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور نکالنے میں بھی دقت ہے اور یہ ایک زائد چیز بھی معلوم نہیں ہوتی لہذا انہیں نکالنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

اگر دانت منہ سے نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیئے جائیں غسل وکفن میں کوئی محذور نہیں، مال کی حرمت سے میت کی حرمت زیادہ ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۲۴۰)

شامی میں ہے:

وإن كان حرمة الآدمي أعلىٰ من صيانة المال لكنه زال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لوسقط في جوفه بلا تعدلايشق اتفاقاً. (شامی:۲/۲۳۸،سعید)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

میت دوبارہ زندہ ہو جائے تو جائداد واپس لینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہو گیا تو وہ اپنی جائداد واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہو جائے تو جو جائداد ورثاء کے پاس باقی ہے وہ اس کو ملجائیگی اور جو باقی نہیں ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لكن لوعادحياً بعد الحكم بموت أقرانه قال ط: الظاهر أنه كالميت إذا حيي والمرتد إذا أسلم، فالباقي في يد ورثته له ولايطالب بماذهب. (شامی:۴/۲۹۷ كتاب المفقود،سعید۔و كذافی

الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۱۷٤، کوئٹه۔والبزازیة علی هامش الهندیة:٦/۲۲٥)

شامی میں دوسری جگہ مذکور ہے:

قال ح: کأنه نظیر المیت إذا أحیاه اللّٰه تعالیٰ فإنه یأخذ مابقی من ماله فی أیدی ورثته فیعطی له حکم الأحیاء. (شامی:۱/۳٦۱،مطلب لوردت الشمس بعدغروبها،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم:

سوال: اگرکسی کی موت کا فیصلہ کیا گیا اوراس کی بیوی نے دوسری جگہ نکاح کیا تواس کے واپس آنے کے بعد بیوی اس کو ملے گی یا موجودہ شوہر کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب: بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی اس کوواپس نہیں ملے گی زوجِ ثانی کے پاس رہے گی۔

لیکن علامہ شامیؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو ملے گی اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اصلاً اس کی بیوی ہے۔ ملاحظہ ہوفتاوی ہندیہ میں ہے:

فإن عاد زوجها بعد مضی المدة فهوأحق بها وإن تزوجت فلاسبیل له علیها. (الفتاوی الهندیة۲/۳۰۰،کتاب المفقود)

شامی میں ہے:

لکن لوعاد حیاً بعد الحکم بموت أقرانه......ثم بعدرقمه رأیت المرحوم أباالسعود نقله عن الشیخ شاهین ونقل أن زوجته له والأولاد للثانی،تأمل. (شامی:٤/۲۹۷،کتاب المفقود، سعید کمپنی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے:

سوال: کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا دنیا میں ممکن ہے یانہیں؟ قادیانی اس کوناممکن بتلاتے ہیں،اس مسئلہ میں ان کے استدلال کی کیا حقیقت ہے؟اورصحیح مذہب کیا ہے؟

الجواب: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی صاحب نے حل القرآن میں اچھی تحقیق فرمائی ہے چنانچہ آیتِ کریمہ ﴿**ثم بعثناکم من بعدموتکم لعلکم تشکرون**﴾ سورة البقرة:الآیة: کے تحت فرماتے ہیں

ملاحظہ ہو:

اس مقام پر سمجھنا چاہئے کہ موت وحیات دونوں کی دو، دو قسمیں ہیں: ایک اصلی دوسری عارضی، موتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ کا ختم کرنا ہو، اور موتِ عارضی وہ ہے جس سے تکالیفِ شرعیہ کے ختم کرنے کے علاوہ کوئی اور مطلوب ہو، جیسے تنبیہ یا اظہارِ قدرت وغیرہ، اسی طرح حیاتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ ہوں، اور حیاتِ عارضی وہ ہے جس سے علاوہ تکالیفِ شرعیہ کے امر آخر مطلوب ہے، جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ موتِ اصلی کے بعد حیاتِ اصلی نہیں ہوسکتی، ہاں حیاتِ عارضی ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے مردے زندہ ہوتے تھے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت مطلوب تھا، اور عمل کے لئے ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجنا منظور نہ تھا، اسی لئے وہ پھر فوراً مر جاتے تھے ......اور موتِ عارضی کے بعد حیاتِ اصلی بھی ممکن ہے جیسا کہ آیاتِ زیرِ بحث میں اور دوسری آیات میں مذکور ہے، پس اس تقریر پر تمام آیتیں منطبق ہوگئی، اور کسی آیت میں اس تحریف کی ضرورت نہ رہی جو قادیانی لوگ اپنی اباطیل کی ترویج کے لئے کرتے ہیں، اور معلوم ہوگیا کہ ﴿ وحرام علی قرية أهلكناها أنهم لايرجعون ﴾ کے معنیٰ یہ نہیں ہے کہ جس کو ہم مار چکے ہیں، اسے ہم کبھی زندہ نہ کریں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی میعاد دنیا میں ختم ہوچکی ہے وہ دنیا میں دوبارہ عمل کے لئے واپس نہ ہوں گے۔ (حل القرآن: ۱/۴۴)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: حل القرآن: ۱/۱۲۳-۱۲۴)

نیز اس موضوع پر علامہ ابن ابی الدنیا نے مستقل رسالہ "من عاش بعدالموت" تحریر فرمایا ہے، جس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے کچھ واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔

ان میں چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج بسنده عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: عدت شاباً من الأنصار فما كان بأسرع من أن مات، فأغمضناه ومددنا عليه الثوب فقال بعضنا لأمه: احتسبيه، قالت: وقد مات؟ قلنا: نعم، قالت: أحق ما تقولون؟ قلنا: نعم، فمدت يديها إلى السماء، وقالت: اللّٰهم إني آمنت بك وهاجرت إلى رسولك فإذا أنزلت بي شدة شديدة دعوتك، ففرجتها، فاسئلك اللّٰهم لاتحمل علي هذه المصيبة اليوم قال: فكشف الثوب عن وجهه فما برحنا أكلنا وأكل معنا. (من عاش بعدالموت: ص۲)

(۲)وقصة زيدبن خارجة ﷺ:وهي أنه توفي بين الظهر والعصر ثم تكلم بعدالمغرب ،و قال: كلمات في شأن النبي ﷺ وأبي بكر ﷺ وعمر ﷺ وعثمان ﷺ وأوصى الناس بالخير. (من عاش بعدالموت:ص:٤)

(۳)عن ربعي بن حراش ﷺ قال: كنا إخوة ثلاثة وكان أعبدنا وأصومنا وأفضلنا الأوسط منا،فغبت غيبة إلى السواد،ثم قدمت على أهلي،فقالوا:أدرك أخاك فإنه في الموت ، فخرجت أسعى إليه فانتهيت وقد قضى وسجي بثوب،فقعدت عندرأسه أبكيه قال:فرفع يده ،فكشف الثوب عن وجهه،وقال:السلام عليكم،قلت: أي أخي أحياة بعدالموت؟ قال:نعم ، إلى لقيت ربي عزوجل فلقيني بروح وريحان ورب غيرغضبان......فعجلوا جهازي،ثم طفئ فكان أسرع من حصاة لو القيت في الماء......فبلغ ذلك عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها ،فصدقته ، وقالت: كنانسمع أن رجلاً من هذه الأمة سيتكلم بعدموته.(من عاش بعد الموت:ص:۹)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: رسالۃ"من عاش بعدالموت"لابن أبي الدنيا،ص۲ـ۵۶،موقع جامع الحدیث)۔واللہ ﷻ اعلم۔

میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک کمپنی میں ملازم ہے اس کمپنی میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) ہے،یعنی جب اس کا یا اس کے اہل وعیال میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو وہ کمپنی اپنی طرف سے تجہیز وتکفین کا خرچہ دیتی ہے تو اس کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) پر جو رقم ملتی ہے وہ حکومت یا کمپنی کی طرف سے عطیہ اور ایک قسم کا تعاون ہے لہذا اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا درست ہے جس طرح پراویڈنٹ فنڈ بونس اور پینشن وغیرہ کی رقم لینا شرعاً درست ہے۔ ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

جو رقم تنخواہ سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے...... بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی

عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/۹۶، کتاب الربوا، دارالاشاعت)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

پینشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/۹۷، کتاب الربوا، دارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ دوم

میت کو غسل دینے کا بیان

میت کو غسل دیتے وقت کفن پر عطر ملنے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیتے وقت اس کے کفن پر لوگ عطر لگاتے ہیں شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں یا لوگوں نے خواہ مخواہ عادت بنالی ہے؟

الجواب: بعض روایات سے کفن پر خوشبو لگانے کا ثبوت ملتا ہے، اس وجہ سے اس کی گنجائش ہے، اور زیادہ تشدد مناسب نہیں ہے۔ نیز احادیث میں کفن کو خوشبودار چیز سے دھونی دینے کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو نصب الرایہ میں ہے:

روى ابن حبان في "صحيحه". والحاكم في المستدرك"، وقال: صحيح على شرط مسلم عن قطبة بن عبد العزيزعن الأعمش عن أبي سفيان عن جابرؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: " إذا أجمرتم الميت فأجمروا ثلاثاً "، وفي لفظ لابن حبان: فأوتروا . وفي لفظ للبيهقي: جمروا كفن الميت ثلاثاً ، قال النووي: وسنده صحيح... (نصب الراية:٢/٢٦٤،فصل فی التكفين، واعلاء السنن :٨/٢٤٩).

ورواه أحمد (١٤٥٨٠)، **بسنده عن جابرؓ، قال الشيخ شعيب: إسناده قوي على شرط، وابن أبي شيبة في "مصنفه"** (١١٢٣٢)، **وأبويعلى في "مسنده"** (٢٣٠٠)، **قال حسين أسلم أسد: إسناده صحيح على شرط مسلم، وقال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح.** (مجمع الزوائد:٣/٢٦).

وعن أسماء بنت أبي بكرؓ أنها قالت لأهلها: أجمروا ثيابي إذا أناْ مت، ثم كفنوني، ثم حنطوني... (مصنف عبدالرزاق:۳/٤۱۷،المجلس العلمی).

وفی المصنف لابن أبي شيبة: عن أسماء، أنها قالت عند موتها إذا أناْ مت فأغسلوني وكفنوني وأجمروا ثيابي. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۲٦٥/۱۱۲۲٤).

وفي نصب الراية: ورواه مالک فی "الموطا" عن هشام به، وزاد: وحنطوني، ولاتتبعوني بنار، انتهى. وهذا سند صحيح. (نصب الراية:۲/۲٦٤،فصل فی التكفين).

مذکورہ بالا روایات میں میت اور کفن کو خوشبودار چیز کی دھونی دینے کا ذکر ہے جس کا مقصد میت اور کفن کو خوشبودار کرنا ہے اور عطر میں یہ علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔اس وجہ سے عطر کو خوشبودار دھونی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، نیز بعض روایات میں میت پر حنوط لگانے کا ذکر ہے اس کا مقصد بھی میت کے جسم کو خوشبودار بنانا ہے۔ملاحظہ ہو:

(مصنف عبدالرزاق:۳/٤۱٤،المجلس العلمی،واعلاء السنن:۸/۲۱۸،ونصب الراية:۲/۲٥۹).

البتہ جو خوشبو مرد کے لیے زندگی میں مکروہ ہے وہ بعد الموت بھی مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله وجعل الحنوط على رأسه ولحيته، لأن التطيب سنة وذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب والحنوط مركب من أشياء طيبة ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة وقد ورد النهي عن المزعفر للرجال وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران فی الكفن عند رأس الميت في زماننا. (البحر الرائق:۲/۱۷۳،کوئٹہ).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: سوال: خوشبو کفن میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب: مستحب ہے:" وصفة تكفين الرجل أن يبخر الكفن أولاً بالبخور الطيبة، ويرش عليه الحنوط إن وجد، ويبسط اللفافة، ثم الإزار وهو من القرن إلى القدم ثم يجعل عليه حنوط إن وجد، ويطلى بالكافور مساجده...الخ. (رسائل الأركان،ص:۱٥٤).

البتہ جو خوشبو مرد کے لیے حالتِ حیات میں منع ہے یعنی ورس اور زعفران، اس کا کفن میں لگانا بھی منع ہے،اسی کو درمختار میں لکھا ہے کہ یہ جہل ہے...(فتاویٰ محمودیہ:۸/۵۲۴،جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

مردے کو کفن پہنانے سے پہلے کفن کو لوبان کی دھونی دینا مسنون ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۰۳/۳)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بعض کتبِ فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے، مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے، غالبًا اسی لیے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ سارا جسم معطر ہو جائے، اس طرح ستر کو ہاتھ لگنے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۳/۴۹۹،ط: دیوبند)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنانے کی دلیل:

سوال: بعض غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ میت عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی جائیگی اس مسئلہ کی دلیل احناف کے پاس موجود نہیں پھر بھی اپنے غلط مذہب پر جمے ہوئے ہیں درس ترمذی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس ”مسئلہ میں حنفیہ کی کوئی مضبوط دلیل تلاش کے باوجود نہ مل سکی“۔ کیا واقعی اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: غیر مقلدین کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، صحیح بخاری شریف میں تین قرون اور دو قرون کا ذکر ہے، اور دو قرون بیہقی، طبرانی کی روایات میں بھی ہے، اور احناف کا طریقہ روایات کے مابین تطبیق دینے کا ہے، لہٰذا دو قرون کو مان کر تیسرے قرن میں یہ تطبیق دی کہ ایک حیثیت سے قرن ہے کہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہے اور ایک حیثیت سے بالوں کا گچھا ہے، لہٰذا تین قرون کہنا بھی صحیح ہے اور دو قرون بھی صحیح ہے۔ جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بارے میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں بعض میں تین زینوں کا ذکر ہے اور بعض میں صرف دو کا۔ اس میں بھی یہ تطبیق دی گئی ہے کہ اصل تین زینے تھے جس نے اوپر کی چھت شمار نہیں کی اس نے دو زینے بیان کیے۔ بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن أم عطية قالت: ضفرنا شعربنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تعنی ثلاثة قرون. وقال وكيع عن سفيان: ناصيتها وقرنيها. (بخاری شريف: ١/ ١٦٨، باب هل يجعل شعرالمرأة ثلاثة قرون).

عمدة القاری میں ہے:

قال وكيع بن جراح عن سفيان الثورى بهذا الإسناد: ناصيتها وقرنيها، أى : جانبي رأسها، وهذا التعليق وصله الإسماعيلي عن محمد بن علويه : حدثنا عمرو بن عبد اللّٰه حدثنا وكيع عن سفيان ، ورواه أيضاً عن حارث المحاربي عن سفيان ، ومن حديث عبد اللّٰه بن صالح حدثنا هارون بن عبد اللّٰه حدثنا قبيصة حدثنا سفيان عن هشام، ورواه الفريابى عن سفيان. (عمدة القارى:٦/٦٥،ملتان).

بیہقی کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ليث بن أبي سليم عن عبد الملک بن أبي بشير عن حفصة بنت سيرين عن أم سليم أم أنس بن مالکؓ قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا توفيت المرأة فأرادوا أن يغسلوها فليبدأ ببطنها فليمسح بطنها مسحاً رفيقاً إن لم تكن حبلى...ثم طيبيها وكفنيها واضفرى شعرها ثلاثة قرون قصة وقرنين ولاتشبهيها بالرجال...الخ. (رواه البيهقى فى الكبرى:٤/٥،باب فى غسل المرأة).

طبرانی میں ہے:

عن جنيد بن أبي وهرة التيمي عن عبد الملک بن أبي بشرعن حفصة بنت سيرين عن أم سليم قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا توفيت المرأة فأرادوا أن يغسلوها...ثم طيبيها وكفنيها واضفرى شعرها ثلاثة قرون قصة وقرنين ولاتشبهيها بالرجال...الخ. (رواه الطبرانى فى الكبير،رقم:٢٠٨١٢).

قال الهيثمى فى المجمع (٣/٢٢،دارالفكر): **رواه الطبراني فى الكبير بإسنادين فى أحدهماليث بن أبي سليم وهو مدلس ولكنه ثقة وفى الآخرجنيد وقد وثق وفيه بعض كلام.**

حدیث شریف میں قصہ کا لفظ ہے اس کی وضاحت ملاحظہ ہو:

القصة من الفرس شعر الناصية وقيل: ما أقبل من الناصية على الوجه القصة بالضم شعر الناصية... ومنه حديث معاويةؓ تناول قصة من شعر كانت فى يد حرسى والقصة تتخذها المرأة فى مقدم رأسها تقص ناحيتها عدا جبينها. (لسان العرب:٧/٧٣، بيروت).

یعنی بالوں کا ایک گچھا جو پیشانی پر ہوتا ہے۔

قرن کے دو معنی ہیں: (۱) **القرن الذی یکون طویلاً إلی الأسفل**۔ اس سے مراد عورت کے گیسو ہیں۔

(۲) القرن: سینگ کے معنی میں بھی آتا ہے، یعنی جو سینگ کی شکل میں اوپر کی طرف ہو۔
تطبیق یہ ہوگی کہ دو قرن لمبے ہوں گے اور ایک قرن اوپر کی طرف گچھے کی شکل میں ہوگا، بخاری شریف کی روایت میں ثلاثۃ قرون سے یہ مرالیا جاسکتا ہے۔ اور اس کی تائید بخاری شریف کی دوسری روایت "**ناصیتھا و قرنیھا**" سے بھی ہوتی ہے۔ اس کی مثال منبر نبوی کے زینے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابوداود شریف میں دو زینوں کا ذکر ہے:

"**فاتخذله منبراً مرقاتین**". (رواه ابوداود، رقم:۱۰۸۳).

دوسری روایت میں تین کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

...**فاتخذ له مرقاتین أو ثلاثة**". (رواه البیهقی فی الکبری، رقم:۵۹۰۹، والدارمی، رقم:۱۶۰۶).

اگر اوپر والی چھت شمار کریں تو تین زینے ہوں گے اور اگر چھت شمار نہ کریں تو دو ہوں گے۔

قال العلامة العینیؒ: فإن قیل: ما التوفیق بین الحدیثین ؟ فإن في حدیث مسلم کما ذکرنا ثلاثة درجات، وفي هذا الحدیث مرقاتان وهما درجتان ؟ قلنا: الذی قال: "مرقاتین" کأنه لم یعتبر الدرجة التي یجلس علیها، والذي روی ثلاثاً اعتبرها. (شرح ابی داود للعلامة العینی:۴/۲۰۴،ط:الریاض،وعمدة القاری،باب الصلاة فی السطوح والمنبر).

بعض فقہاء حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ روایت ملاحظہ ہو:

عبد الرزاق عن الثوری عن حماد عن إبراهیم أن عائشةؓ رأت امرأة یکدون رأسها فقالت: علام تنصون میتکم. (مصنف عبدالرزاق:۳/۴۳۷).

کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کنگھی کی نفی ہے ثلاثۃ قرون کی نفی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کنگھی کے ساتھ تین چوٹیاں ہوں، کنگھی کے ساتھ دو چوٹیاں بھی ہوسکتی ہیں، بلکہ اس حدیث میں دو یا تین قرون کا ذکر ہی نہیں ہے، اور کنگھی نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو چوٹیاں ہوں بلکہ کنگھی نہ کرنے کی صورت میں بھی تین چوٹیاں ہوسکتی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت قابلِ غسل نہیں مثلاً میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت اگر غسل کے قابل نہیں ہے تو اس پر پانی بہا دینا کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقط تیمّم کرا دیا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه. (الفتاوى الهندية:الفصل الثاني في غسل الميت:۱/۱۵۸)

البحر الرائق میں ہے:

فأما الخنثى المشكل المراهق إذا ماتت ففيه اختلاف و الظاهر أنه ييمم و إذا ماتت المرأة في السفر بين الرجال ييممها ذو رحم محرم منها و إن لم يكن لف الأجنبي على يديه خرقة ثم يممها و إن كانت أمة ييممها الأجنبي بغير ثوب و كذا إذا مات رجل بين النساء تيممه ذات رحم محرم منه أو زوجته أو أمته بغير ثوب و غيرهن بثوب. (البحر الرائق:۲/۱۷٤) ۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

نجاست سے کفن ملوث ہو جائے تو دھونے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیا گیا بعد میں اس کے بدن سے خون بہنے لگا تو کفن بدلنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: غسل دینے کے بعد کفن بھی پہنا دیا گیا پھر کوئی نجاست نکلے اور کفن ملوث ہو جائے تو کفن بدلنا اور دھونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله و لم يعد غسله لأن الغسل عرفناه بالنص و قد حصل مرة و كذا لا تجب إعادة وضوءه لأن الخارج منه من قبل أو دبر أو غيره هما ليس بحدث لأن الموت حدث كالخارج فلما لم يؤثر الموت في الوضوء و هو موجود لم يؤثر الخارج. (البحر الرائق:۲/۱۷۳، الماجدية)

فتاوی درمختار میں ہے:

و لا يعاد غسله و لا وضوءه بالخارج منه لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية إلا أن المسلم يطهر بالغسل كرامة له

وقدحصل، بحر و شرح و مجمع. (الدر المختار مع الشامی:۲/۱۹۷، سعید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مسلمان میت کو غیر مسلم کا غسل دینا:

سوال: میت مسلمان عورت ہے تو غیر مسلم عورت غسل دے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر مسلمان مرد کو غیر مسلم مرد غسل دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مسلمان شخص کی موجودگی میں کسی کافر نے غسل دیا تو مکروہ ہے لیکن اگر کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اور کافر غسل دے تو درست ہے البتہ خلافِ سنت ہوگا، اور بظاہر مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے مگر یہ کہ میت مسلمان مرد ہے اور صرف عورتیں ہیں تو وہ مسلمان عورتیں کسی کافر کو غسل سکھلا دیں پھر وہ کافر مسلمان کو غسل دے۔ **لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف.** ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وليس للكافر غسل قريبه المسلم وفي الشامي: أي إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم بين نساء معهن كافر يعلمنه الغسل ثم يصلين عليه فتغسل الكافر المسلم فيه للضرورة فلا يدل على أنه يمكن من تجهيز قريبه المسلم عند عدمها خلافاً للزيلعيؒ، أفاده في البحر.

(الدر المختار مع رد المحتار:۲/۲۳۱، سعید۔ و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۳۷۹۔ والبحر الرائق:۲/۱۹۱۔ والفتاوی الهندية:۱/۱۵۹)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو لم يكن فيهن امرأته ولكن معهن رجل كافر علمنه غسل الميت ويخلين بينهما موفقة في الدين. (بدائع الصنائع:۱/۳۰۴، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل، غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلّف ہونا شرط نہیں ہے۔ **وأنه يسقط وإن لم يكن الغاسل مكلفاً.** (شامی:۱/۸۰۵)

مگر اس میں دو خرابیاں ہیں:

(۱) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابقِ سنت نہیں ہے۔

(۲) مسلم کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے لہذا مسلمانوں کے

ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق دیا جانا ضروری ہے چاہے وہ ہسپتال میں ہو یا گھر میں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۳۷۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت بغیر غسل دئے دفن کیا گیا تو دوسرے دن اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دفن کرنے کے بعد فریضہ غسل ساقط ہو گیا لہذا مردہ کو زمین سے نہیں نکالا جائے گا۔ ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو دفنوه بعد الصلاة عليه ثم ذكروا أنهم لم يغسلوه فإن لم يهيلوا عليه التراب أخرجوه وغسلوه وصلوا عليه ثانياً وإن أهالوا عليه التراب لم يخرجوه ويعيدون الصلاة عليه ثانياً على القبر استحساناً لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل. (الجوهرة النيرة: ١/١٢٩، مكتبه امداديه)

البحر الرائق میں ہے:

فلو دفن بلاغسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش صلىٰ على قبره بلاغسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد فإنه يخرج ويغسل ولو صلىٰ عليه بلاغسل جهلاً مثلاً ولايخرج إلا بالنبش تعاد لفساد الأولىٰ. (البحر الرائق: ٢/١٧٩، ١٩٥، الماجدية)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

دفن بغير كفن أو قبل غسل أهيل عليه التراب أو لا لاينبش لأن الكفن والغسل مامور والنبش منهي والنهي راجح على الأمر. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٤/٨٠ـ وكذافى الهندية: ١/١٦٣)

امداد الفتاوی میں ہے: بے غسل وکفن اگر دفن ہو گیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ (امداد الفتاوی: ۱/۴۸۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ:

سوال: جب مسلمان مر جائے تو غسل دیتے وقت لٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں احناف کے ہاں تین اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ جس طرف لٹانے میں سہولت وآسانی ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویوضع المیت کیف ما اتفق علی الأصح قاله شمس الأئمة السرخسیؒ،وقیل: إلی القبلة فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلاة إیماءً.وفی القهستانی عن المحیط وغیره أنه السنة.(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵٦۷،قدیمی کتب خانه)

درمختار میں ہے:

ویوضع کمامات کما تیسرفی الأصح علی سریرمجمروتراً.وفی الشامی:قوله فی الأصح،وقیل یوضع إلی القبلة طویلاً وقیل:عرضاً کمافی قبره. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۵،باب صلاة الجنائز،سعید کمپنی۔وشرح عنایة:۱/۷۰) ۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خنثیٰ مشکل کو غسل دینے کا حکم:

سوال: خنثیٰ مشکل کو غسل کیسے دیا جائے گا؟

الجواب: خنثیٰ مشکل اگر مراہق ہو تو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمّم کرادیا جائے اور اگر مراہق نہ ہو بلکہ چھوٹا بچہ ہو تو پھر مرد وعورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وکذا الخنثی المشکل ییمم فی ظاهر الروایة وقیل یجعل فی قمیص لایمنع وصول الماء إلیه ویجوزللرجل والمرأة تغسیل صبی وصبیة لم یشتهیالأنه لیس لأعضائهما حکم العورة.(مراقی الفلاح ص۲۱۱،باب احکام الجنائز،مکة المکرمة۔وکذافی الشامی:۲/۲۰۱،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والخنثی المشکل المراهق لایغسل رجلاً ولاامرأةً ولایغسلهارجل ولاامرأة وییمم وراء الثوب.(الفتاوی الهندیة:۱/۱٦۰،الفصل الثانی فی الغسل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصلِ سوم

نمازِ جنازہ کا بیان

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو مسجد نمازِ پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہو اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، نیز ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر میت مسجد سے باہر ہو تو بھی مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے، ہاں ضرورت ہو تو گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام أحمد في "مسنده"(۹۸٦۵) **بسنده ، فقال: حدثنا حجاج**(ثقة) **ويزيد بن هارون**(ثقة) **قالا: أخبرنا ابن أبي ذئب** (ثقة) **عن صالح**(ثقة،قد اختلط) **مولى التوأمة عن أبى هريرة**رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله**ﷺ**:"من صلى على جنازة فى المسجد فلا شيء له".**

قلت: إسناده صحيح ؛ فيه: صالح بن نبهان مولى التوأمة ؛ قال ابن الجوزى:ثقة ، وقد سمع منه قديماً ابن أبى ذئب. قال ابن معين: ثقة حجة. قال العجلى: مدني، ثقة. قال ابن المديني: ثقة. وذكره ابن شاهين وابن خلفون فى الثقات. قال إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني: تغير أخيراً ، فحديث ابن أبي ذئب عنه مقبول لسنه وسماعه القديم عنه. قال ابن عدى: لا بأس به إذا سمعوا منه قديماً مثل ابن أبي ذئب... وحديثه الذى حدث به قبل الاختلاط ، لا أعرف له حديثاً منكراً ، إذا روى عنه ثقة، وإنما البلاء ممن دون ابن أبي ذئب

فیکون ضعیفاً ، فیروی عنه، ولا یکون البلاء من قبله، وصالح لا بأس به وبروایاته وحدیثه .
قلت: لکن ضعفه شعیب الأرنؤوط، فما أصاب، وأطال الکلام علیه ورجح حدیث عائشةؓ .

وأیضاً أخرجه البوصیري فی"الزوائد" (۱۹۰۵)، والبیقهي فی سننه الکبریٰ" (۷۲۹۱)، وفی"الصغریٰ"(۱۱۵٤)، والطحاوي فی"شرح معانی الآثار"(۱/٤۹۲)، وعلی بن الجعد فی"مسنده"(۲۷۵۱)، وأبوداود الطیالسی فی"مسنده" (۲٤۲۹)، وعبدالرزاق فی"مصنفه"(٦٥۷۹)، وابن المنذر فی"الأوسط"(٥/٤۱٦)، أبوداود فی"سننه"(۳۱۹۱) .

قال الإمام أبوداود الطیالسی: قال صالح : وأدرکت رجالاً ممن أدرکوا النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وأبابکر إذا جاء وا فلم یجدوا إلا أن یصلوا فی المسجد رجعوا فلم یصلوا.

قال البیهقی فی"الکبریٰ":قال صالح: فرأیت الجنازة توضع فی المسجد، فرأیت أباهریرةؓ إذا لم یجد موضعاً إلا فی المسجد انصرف ولم یصل علیها .

قلت: فدل علی أن حدیث عائشةؓ منسوخ .

ہدایہ میں ہے:

ولا یصلی علی میت فی مسجدجماعة لقول النبی ﷺ:"من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجرله"ولأنه بنی لأداء المکتوبات ولأنه یحتمل تلویث المسجد وفیما إذا کان المیت خارج المسجد اختلف المشایخ. (الهدایة:۱/۱۸۱،فصل فی الصلاة علی المیت،شرکت علمیة)

فتح القدیر میں ہے:

ولا یصلی علی میت فی مسجدجماعة فی الخلاصة:مکروہ سواء کان المیت والقوم فی المسجد أوکان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد. (فتح القدیر:۲/۱۲۸،دارالفکر۔ وکذا فی الشامی:۲/۲۲٤،سعید۔والبحرالرائق:۲/۱۸٦،کوئٹه)۔واللہ ﷻ اعلم۔

نمازِ جنازہ کا حق اولیائے میت کو حاصل ہے:

سوال: نمازِ جنازہ کا حقدار کون ہے؟ کیا اولیائے میت کسی محترم شخصیت کو بلا اجازتِ امام آگے

کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: شرعی خلیفہ اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہے اور امام نہ ہو یا اجازت دے تو ولی حقدار ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر الحسنؒ عن أبی حنیفةؒ :أن الإمام الأعظم وهو الخلیفة أولیٰ إن حضروإن لم یحضر فإمام المصرفإن لم یحضرفالقاضی فإن لم یحضرفصاحب الشرط فإن لم یحضر فإمام الحی فإن لم یحضرفالأقرب من ذوی قرابته وبهذه الروایة أخذ کثیرمن مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ.

(الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۳،الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ویقدم الأقرب فالأقرب کترتیبهم فی النکاح ولکن یقدم الأب علی الابن فی قول الکل علی الصحیح لفضله وقال شیخ مشایخی العلامة نورالدین علی المقدسیؒ:لتقدیم الأب وجه حسن وهوأن المقصود الدعاء للمیت ودعوته مستجابة روی أبوهریرةؓ عن النبیﷺ :" ثلاث دعوات مستجابات دعوة المظلوم ودعوة المسافرودعوة الوالد لولده".

رواه الطیالسی فی مسنده برقم:۲۵۱۷۔وابن ماجة فی الدعاء برقم۳۸۶۲۔(مراقی الفلاح مع الحاشیة:ص۲۱۵،باب احکام الجنائز،مکة المکرمة۔وکذافی الشامی:۲/۲۲۰۔سعید).

البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علی الاطلاق ولی میت حقدار ہے اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے،اور اس قول کو علامہ شامیؒ محقق ابن ہمامؒ علامہ شرنبلالیؒ صاحبِ محیط برہانیؒ،علامہ طحطاویؒ،علامہ جلال الدین خوارزمیؒ،اور صاحب الاختیار لتعلیل المختار وغیرہ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ جب اولین حقدار میت کا ولی ہے تو پھر وہ کسی محترم شخصیت کو بھی آگے کرسکتا ہے۔البتہ حاضرین میں امام الحی افضل ہو تو پھر مستحب یہ ہے اسی کو آگے کرے۔ اور درجِ ذیل دلائل بیان فرمائے ہیں:

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ:﴿ وأولوا الأرحام بعضهم أولی ببعض في کتاب اللّٰه﴾.

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ:﴿النبي أولی بالمؤمنین من أنفسهم وأزواجه أمهٰتهم﴾.

امداد الفتاح میں ہے:

ولي المیت أولی علی کل حال...وفی التاتارخانیة: لایتقدم إمام الحي إلا بإذن

الأب انتهی، وإنما يستحب تقديمه على الولي إذا كان أفضل من الولي كذا في البحر عن شرح المجمع لمصنفه...وأما إمام الحي فيستحب تقديمه على طريق الأفضل، وليس بواجب، كذا في المستصفى...ولمن له حق التقدم أن يأذن لغيره. (امداد الفتاح،ص:۶۲۲،بیروت).

وفی الكفاية فی شرح الهداية، والمحيط البرهانی: ولأن هذا حكم تعلق بالولاية، فيكون الولی مقدماً على السلطان ومن سميناهم قياساً على النكاح، ولأن المقصود من صلاة الجنازة الدعاء للميت والشفاعة، ودعاء القريب أرجى فی الإجابة، لأنه أشفق على الميت فيوجد منه زيادة تضرع في الدعاء والاستغفار لا يوجد ذلک من السلطان، فيكون هو أولی. (المحیط البرهانی:۲/۳۱۸،والکفایة:۲/۸۲).

شرح منية المصلی میں ہے:

وإن حضر الوالی أوخليفته والقاضي وصاحب الشرطة وإمام الحي والأولياء فأبی الأولياء أن يقدموا أحداً من هؤلاء وأرادوا أن يتقدموا فلهم ذلک و لهم أن يقدموا من شاءوا ولايتقدم أحد من هؤلاء إلا بإذنهم وهذا قياس قول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وزفرؒ وبه أخذ الحسنؒ انتهی. (شرح منیة المصلی،ص:۵۸۵،سہیل).

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگرکوئی ولی اس (امام) سے بہتر ہوتو پھر ولی اولیٰ ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۵۲۵)۔

خلاصہ یہ ہے اصل حقدار میت کے اولیاء ہیں یا اولیائے میت جس کو اجازت دیں، البتہ ولی میت کو چاہئے کہ اگر امام الحی صلاح وتقویٰ میں حاضرین میں سب سے افضل ہوتو اس کو مقدم کرے۔لیکن امام کا حق واجب نہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے مراجعہ فرمالیں: (الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/۲۲۰،ط:سعید، وحاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص:۵۸۹، قديمی، وشرح منية المصلی،ص:۵۸۵،سهيل، وفتح القدير:۲/۸۱، والكفاية:۲/۸۲، والعناية: ۲/۸۲، مكتبه رشيديه، وامداد الفتاح،ص:۶۲۲،والمحيط الابرهانی:۲/۳۱۸،مكتبه رشيديه، والاختيار لتعليل المختار: ۱/۱۰۰، بيروت، واوجز المسالک:۴/۲۸۶،دارالقلم،دمشق). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کومؤخر کرنے کا حکم:

سوال: تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کومؤخر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں تعجیل مطلوب ومقصود ہے لہذا محض تکثیر جماعت کے لئے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وکره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة فالأفضل أن يعجل بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحر، وظاهره أن الكراهة تنزيهية. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۸۰، كوئته۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۱، كوئته۔ والشامي: ۲/۲۳۲، مطلب في حمل الميت، سعيد)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خنثیٰ مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: خنثیٰ مشکل کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جائے، یعنی مذکر کی طرح یا مؤنث کی طرح؟

الجواب: خنثیٰ مشکل اگر جوان ہو تو عام طور پر نمازِ جنازہ جس طرح پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائے کیونکہ مرد وعورت کی نمازِ جنازہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر بچہ ہو تو دونوں میں اختیار ہے، اگر مذکر کی دعاء پڑھی تو ضمیر میت کی طرف راجع ہوگی اور اگر مؤنث کی پڑھی تو بتاویل نفس ہو کر نفس کی طرف راجع ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وسننها أربع: الأولىٰ قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكراً كان الميت أو أنثى لأن الصدر موضع القلب، وفيه نور الإيمان...... والرابعة من السنن الدعاء للميت ولنفسه ولأبويه ولجماعة المسلمين بعد التكبيرة الثالثة، ولا يتعين له أي: الدعاء، شيء سوى كونه بأمور الآخرة ولكن إن دعا بالمأثور عن النبي ﷺ فهو حسن وأبلغ لرجاء قبوله...... وفي حديث إبراهيم الأشهل عن أبيه كان رسول الله ﷺ إذا صلىٰ على الجنازة قال: "اللّٰهمّ اغفر لحيّنا وميّتنا، وشاهدنا وغائبنا، وصغيرنا وكبيرنا، وذكرنا وأنثانا". رواه الترمذي والنسائي عن أبي هريرة رضي الله عنه، وزاد فيه: "اللّٰهمّ من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان". (امداد الفتاح: ص ۶۱۸، سنن الصلاة مطلب سنن الجنازة، بيروت)

مزید ملاحظہ ہو: مراقی الفلاح: ص ۲۱۴، مکة المکرمة۔ وعمدة الفقه: کتاب الصلاة حصه دوم ص ۵۱۹، نمازِ جنازہ کا مفصل طریقه، المجددیة)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب:

سوال: نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا خیال رکھنا مستحب ہے تو کیا طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے اگلی صف کو ناقص چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ سے ۳ عدد کا استحباب واہتمام ثابت ہوتا ہے اگر چہ لوگ کم ہوں تین صفوف بنالی جائے، اور اگر لوگ زیادہ ہیں تو ۵، ۷ وغیرہ طاق عدد میں بنالی جائے، اور اگر ۴ صف بنتی ہو تو چوتھی کو ناقص رکھ کر پانچویں نہ بنائے کیونکہ استحباب وفضیلت تین میں حاصل ہوگئی۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن مرثد بن عبد الله اليزني قال كا ن مالک بن هبيرة إذا صلى على جنازة فتقالّ الناس عليها جزاهم ثلاثة أجزاء ثم قال: قال رسول الله ﷺ من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب، وفي الباب عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها و أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها و أبي هريرة ؓ وميمونة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي ﷺ. (رواه الترمذي: ۱/ ۲۰۰، باب كيف الصلاة على الميت و الشفاعة له، فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي ﷺ قال: ما من ميت تصلي عليه أمة من المسلمين يبلغون مأة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه، كذا عن أنس ؓ. (رواه مسلم: ۱/ ۳۰۸، فيصل)

قال النووي ؒ: ويحتمل أن يكون النبي ﷺ أخبر بقبول شفاعة مأة فأخبربه ثم بقبول شفاعة أربعين ثم ثلا ثة صفوف و إن قل عددهم. (شرح المسلم: ۱/ ۳۰۸، فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابن عباس ؓ قال: سمعت النبي ﷺ يقول ما من مسلم يموت فيقوم على جنازة أربعون رجلاً لايشركون بالله شيئاً إلا شفعوا فيه. (رواه ابو داؤد: ۲/ ۴۵۲، باب فضل الصلاة على

الجنائز وتشییعها،فیصل)

عون المعبود میں ہے:

والحدیث عند أحمد ومسلم أیضاً وتقدم حدیث مالک بن هبیرة مرفوعاً بلفظ "مامن میت یموت فیصلی علیه ثلاثة صفوف من المسلمین" الحدیث ثم ذکر کلام النووی. (عون المعبود:۸/۴۵۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذاکان القوم سبعة قاموا ثلثة صفوف یتقدم واحد وثلاثة بعده،واثنان بعدهم وواحد بعدهماکذا فی التاتارخانیة. (فتاوی الهندیة:۱/۱۶۴،الفصل الخامس فی الصلاة علی الجنائز)

شامی میں ہے:

ولهذا قال فی المحیط :یستحب أن یصف ثلاثة صفوف،حتی لوکانوا سبعة یتقدم أحدهم للإمامة ویصف وراء ه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. (شامی:۲/۲۱۴،سعید)

النّتف فی الفتاوی میں ہے:

فأما القوم إذا قاموا علی الجنازة ینبغی أن یقوموا ثلاثة صفوف وإن قلوا لأن ذلک أفضل،وقد جاء ت الآثاربذلک. (النّتف فی الفتاوی:ص۸۲،مطلب الصلاة علی الجنازة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ویستحب أن یصفوا ثلاثة صفوف،ذکره فی المحیط لقوله علیه السلام:"من صلی علیه ثلاثة صفوف غفر له" رواه أبوداؤد والترمذی والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم۔ (شرح منیة المصلی:۵۸۸،سهیل۔وکذافی الفقه الحنفی وأدلته:۱/۳۰۹،دارالفکر)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ جنازہ میں طاق عدد کی صفوں کا لحاظ رکھا جائے یہی شرعاً مستحب ہے اس طاق عدد سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ:۸/۵۹۸،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے تو کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور شراب پینے والے کو کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے پس بے نمازی، شرابی، سب کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، ہاں علماء مقتداء وغیرہ شرکت نہ کریں عبرت کے لئے تو مضائقہ نہیں نیز محض شراب پینے کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا درست نہیں، الا یہ کہ شراب کو حلال سمجھے۔

کنز العمال میں ہے:

قال النبی ﷺ صلوا خلف کل بر و فاجر وصلوا علی کل بر و فاجر. (کنز العمال: ٦/٥٤)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں عورتوں کو جنازہ میں نہیں جانا چاہئے، البتہ اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے اور امامت کے وقت عورتوں کے درمیان کھڑی رہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا صلين النساء جماعة علی جنازة قامت الإمامة وسطهن کما فی الصلاة المفروضة المعهودة. (بدائع الصنائع: ١/٣١٤، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا:

سوال: نمازِ جنازہ میں امام میت کے سینہ کے پاس کھڑا رہے مذہبِ احناف میں اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، شعبی، عطاء، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن جریج وغیرہ سب سے عند الصدر مروی ہے تو احناف نے ان روایات کے پیشِ نظر سینہ کے پاس قیام کو اصل وافضل قرار دیا اور سر یا پشت کے برابر کھڑے ہونے کو جواز پر محمول کیا۔

الاستذکار میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ أنـه أتی جنازة رجل فقام عند رأس السريروأتی جنازة امرأة فقام أسفل من ذلک عند الصدرفقال العلاء بن زياد يا أبا حمزة هكذا رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصنع؟ قال: نعم فأقبل عليه العلاء فقال: احفظوا. (رقم الحديث:١١٤٦٨)

وقال الشعبی: يقوم الذی يصلی علی الجنازة عند صدرها. (رقم الحديث:١١٤٧١)

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وعطاء بن إبراهيم: يقوم الذی يصلی علی الجنازة عند صدرها ولم يفرقوا بين الرجل والمرأة. (الاستذكارلابن عبد البر: ٨/٢٨٠/١١٤٧٤)

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

لما روی عن غالب الخياط قال شهدت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ صلی علی جنازة فقام عند رأسه فلما رفعت أتی بجنازة امرأة فصلی عليها فقام وسطها وفينا العلاء ابن زياد العدوی فلما رأی اختلاف قيامه علی الرجل والمرأة فقال ياأبا حمزة هكذاكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقوم من الرجل حيث قمت ومن المرأة حيث قمت؟ قال نعم. رواه أحمد وأبوداود والترمذی وحسنه وابن ماجة وفی لفظ رواه أحمد: قال أبوغالب صليت خلف أنس رضی اللہ عنہ علی جنازة فقام حيال صدره، وذكر الحديث. (رقم الحديث:١٠٨٦)

وفی الصحيحين عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی امرأة ماتت فی نفاسها فقام وسطها ونقل عنه حرب رأيته قام عند صدرالمرأة...... (شرح الزركشی علی مختصر الخرقی:٢/٣٢٩/١٠٨٧)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن الثوری عن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدرالرجل و منكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥١)

عبد الرزاق عن معمرعن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدرالرجل ومنكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥٢)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال: حدثنی من أصدق عن الحسن أنه قال يقوم الرجل من المرأة إذا صلی عليها عند صدرها. (مصنف عبد الرزاق:٣/٤٦٨/٦٣٥٤، ادارة القرآن)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن قال يقام من المرأة حيال ثديها و من الرجل فوق ذلك. وعن أبى الحسن قال: كان عبد الله إذا صلى على الجنازة قام وسطها ويرفع من صدر المرأة شيئاً. وعن عطاء قال: إذا صلى الرجل على الجنازة قام عند الصدر. وعن إبراهيم قال: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها. (المصنف لا بن أبى شيبة :۳/۳۱۳،فى المرأة اين يقام منها فى الصلاة و الرجل اين يقام منه، ادارة القرآن)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کی کیا تفصیل ہے؟ کیونکہ مختلف ممالک کے مسلمان یہاں رہتے ہیں تو رشتہ دار کی موت پر نماز کے لئے ہمیں کہا جاتا ہے،اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، البتہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے،لہذا کسی حنفی کو نمازِ جنازہ پڑھانا درست نہیں بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھا یا جائے اوران میں سے ہی ایک شخص امامت کرائے ہاں اگر کوئی حنفی مجبوری کی صورت میں دعا کی نیت سے اقتدا کرے تو درست ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

رأى الحنفية و المالكية:عدم جواز الصلاة على الغائب،وصلاة النبى ﷺ على النجاشى لغوية أوخصوصية،وتكون الصلاة حينئذٍ مكروهة.ورأى الشافعية الحنابلة: جواز الصلاة على الميت الغائب عن البلد وإن قربت المسافة ولم يكن فى جهة القبلة لكن المصلى يستقبل القبلة لماروى جابر رضی اللہ عنہ:"أن النبى ﷺ صلىٰ على أصحمة النجاشى، فكبر أربعاً"وتتوقف الصلاة على الغائب عندالحنابلة بشهر كالصلاة على القبر لأنه لايعلم بقائه من غيرتلاش أكثرمن ذلك. (الفقه الاسلامى و ادلته:۲/۵۰۴،الصلاة على الغائب، دارالفكر)

مذہبِ حنفیہ:

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فلا تصح علی غائب......وصلاة النبیﷺ علی النجاشی لغویة أو خصوصیة.وفی الشامی:أو لأنه رفع سریره حتی رأه علیه الصلاة والسلام بحضرته فتکون صلاة من خلفه علی میت یراه الإمام وبحضرته دون المأمومین،وهذا غیر مانع من الاقتداء،فتح.

(الدر المختار مع الشامی:۲/۲۰۹،باب صلاة الجنازة،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱٦٤)

مزید ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی۴/۲۰۰۔وفتاوی رحیمیہ۶/۳۷۲۔

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ولا یصلی علی غائب أی یکره وأما صلاته علیه الصلاة والسلام وهو بالمدینة علی النجاشی لما بلغ موته بالحبشة فذلک من خصوصیاته،أو أن صلاته لم تکن علی غائب لرفعه لهﷺ حتی رأه فتکون صلاته علیه کصلاة الإمام علی میت رأه ولم یکن یره المأمومون ولا خلاف فی جوازها.(حاشیة الدسوقی:۱/٦٦۹،احکام الجنائز،دار الفکر)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

تجوز الصلاه علی المیت الغائب لماروی أبوهریرة رضی الله عنه أن النبیﷺ نعی النجاشی لأصحابه وهو بالمدینة وصلی علیه وصلوا خلفه وإن کان المیت معه فی البلد لم یجز إن صلیٰ علیه حتی یحضر عنده لأنه یمکنه الحضور من غیر مشقة.(شرح المهذب:٥/۲٥۰، دار الفکر)

مذہبِ حنابلہ:

شرح کبیر میں ہے:

(مسئلة : و یصلیٰ علی الغائب بالنیة فإن کان فی أحد جانبی البلد لم تصح علیه بالنیة فی أصح الوجهین) تجوز الصلاة علی الغائب فی بلد آخر بالنیة بعیداً کان البلد أو قریباً، فیستقبل القبلة ویصلی علیه کصلاته علی الحاضر.(الشرح الکبیر:۲/۳٥٤،دار الکتب العلمیة)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اگر متعدد جنازے اکھٹے پڑھادئے جائیں اور ان میں مرد وعورت اور بچے شامل ہوں تو ان کو امام کے سامنے کس طرح رکھنا چاہئے؟

الجواب: افضل یہ ہے کہ ہرایک پر علیحدہ نماز پڑھی جائے ،لیکن سب پر ایک ساتھ بھی جائز ہے، اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک یہ ہے کہ ایک میت امام کے سامنے رکھی جائے ،اس کے پاؤں کی طرف دوسری کا سر اور اسکے پاؤں کی طرف تیسری کا سر (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو میت امام کے سامنے ہے اس سے قبلہ کی طرف دوسری اور اس سے قبلہ کی طرف تیسری ،سب کا سینہ امام کے سامنے ہو، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پہلی میت کے قبلہ کی طرف دوسری میت اس طرح رکھی جائے کہ پہلی کے کندھوں کے برابر دوسری کا سر ہو اسی طرح دوسری کے کندھوں کے برابر تیسری کا سر ہو، تینوں صورتوں میں امام کے قریب مرد کی میت ہو پھر لڑکا پھر عورت۔ (احسن الفتاوی: ۴/ ۲۰۸۔ وعمدۃ الفقہ : کتاب الصلاۃ حصہ دوم :ص ۵۲۳، المجددیۃ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پہلی صورت: سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر عورت کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر ناپالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل کے پاس کھڑا ہو۔

دوسری صورت: سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگر اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اور اس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔

تیسری صورت: یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح)۔ (فتاوی رحیمیہ: ۵/ ۱۰۰، رحیمیہ)

تینوں صورتیں نقشۂ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

رت: یہ افضل ہے

(۴)

(۳)

(۲)

(۱)

امام کی جگہ

رت:

(۴)

(۳)

(۲)

(۱)
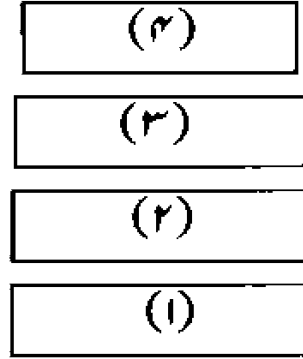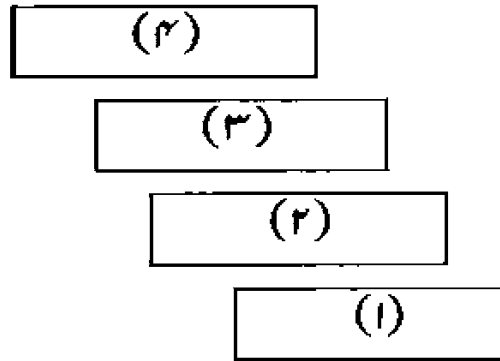
امام کی جگہ

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإذا اجتمعت الجنائزفأفرد الصلاة على كل واحدة أولىٰ من الجمع وتقديم الأفضل أفضل وإن اجتمع جاز،ثم إن شاء جعل الجنائزصفاً واحداً وقام عند أفضلهم ، وإن شاء جعلها صفاً واحداً ممايلى القبلة واحداً خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة ممايلى الإمام ليقوم بحذاء صدرالكل وإن جعلها درجاً فحسن لحصول المقصود وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحياة،فيقرب منه الأفضل فالأفضل الرجل ممايليه،فالصبى ،فالخنثى

فالبالغة فالمراهقة،والصبی الحر یقدم علی العبد،والعبدعلی المرأة.وفی الشامی:قوله وإن جمع جازأی بأن صلی علی الکل صلاة واحدة،قوله صفاً واحداً أی کما یصطفون فی حال حیاتهم عندالصلاة بدائع:أی بأن یکون رأس کل عندرجل الآخر فیکون الصف علی عرض القبلة،(قوله وإن شاء جعلهاصفاًواحداً)ذکرفی البدائع التخییر بین هذا والذی قبله،ثم قال هذاجواب ظاهرالروایة.وروی عن أبی حنیفةؒ فی غیرروایة الأصول أن الثانی أولیٰ لأن السنة هی قیام الإمام بحذاء المیت،وهویحصل فی الثانی دون الأول. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۲۱۹،سعید۔وکذافی البحرالرائق:۲/۱۸۸،کوئٹہ۔والفتاوی الهندیة:۱/۱۶۵۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۹۳،قدیمی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ثناء میں ”وجلّ ثناؤک“ پڑھنے کا حکم:

سوال: ثناء میں ”وجلّ ثناؤک“ پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے لہذا نمازِ جنازہ میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:......اللّٰهمّ کن لی جاراً من شرهم جلّ ثناؤک وعزجارک وتبارک اسمک ولاإله غیرک. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۱۰/۲۰۳،کتاب الدعاء)

الفردوس میں ہے:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ إن من أحب الکلام إلی اللّٰه عزوجلّ أن یقول العبد:”سبحانک اللّٰهمّ وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجلّ ثناؤک ولاإله غیرک. (الفردوس بمأثورالخطاب للدیلمی:۱/۲۱۴)

شرح منیة المصلی میں ہے:

إن زاد فی دعاء الاستفتاح بعدقوله وتعالیٰ جدک وجلّ ثناؤک لایمنع من زیادته وإن سکت عنه لایؤمربه لأنه لم یذکرفی الأحادیث المشهورة وقدروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ من قوله فی حدیث ذکره ابن أبی شیبة وابن مردویه فی کتاب الدعاء ورواه الحافظ ابن شجاع

فی کتاب الفردوس عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ إن من أحب الکلام إلی اللّٰہ عزوجل...... (شرح منية المصلی:ص۳۰۲،سهيل اكيڈمی)

طحطاوی میں ہے:

قال فی سکب الأنهر: والأولیٰ ترک وجلّ ثناؤک إلا فی صلاة الجنازة. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۸۴،فصل الصلاة علی الميت،قديمی كتب خانه)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور ثناء وہی ہے جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں اس میں "وتعالیٰ جدک" کے بعد "وجل ثناؤک" زیادہ کرنا بہتر ہے۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۵۱۹،نمازِ جنازہ کا مفصل طریقہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے درود میں "کماصلیت وسلمت وبارکت ورحمت" کا اضافہ درست ہے یانہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں بھی درودِ ابراہیم جو عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے وہی افضل اور بہتر ہے، البتہ کچھ اضافہ کردیا جائے تب بھی درست ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کمافی التشهد. وفی الشامی: أی المراد الصلاة الإبراهيمية التی يأتی بها المصلی فی قعدة التشهد. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۲۱۲،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

قوله کما فی التشهد بأن يذکر الصلاة والبرکة والرحمة مع زيادة السيادة ندباً وتکرار إنک حميد مجيد وفی القهستانی عن الجلابی: يصلی بمايحضره،واتباع المسنون أولیٰ. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۷۳،كوئته۔وكذافی فتح القدير:۲/۱۲۲،دارالفكر۔ومجمع الانهر:۱/۱۸۳۔وفتاوی محموديه:۸/۵۶۲،مبوب ومرتب)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت:

سوال: نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ بعض لوگ صرف ایک جانب

سلام پھیرتے ہیں۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق دونوں جانب پھیرنا چاہئے ،احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن إبراهيم الهجري قال: أمنا عبد الله بن أبي أوفىٰ على جنازة ابنته فكبر أربعاً فمكث ساعة حتى ظننا أنه سيكبر خمساً ثم سلم عن يمينه وعن شماله فلما انصرف قلنا له ماهذا؟ قال: إني لا أزيدكم على مارأيت رسول الله ﷺ يصنع أوهكذا صنع رسول الله ﷺ ثم ركب دابته وقال للغلام: أين أنا قال: أمام الجنازة قال: ألم أنهك وكان قد كف يعني بصره. وفي رواية له عن علقمة والأسود عن عبد الله قال: ثلاث خلال كان رسول الله ﷺ يفعلهن تركهن الناس إحداهن التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقي:٤/٤٣، كتاب الجنائز، باب من قال يسلم عن يمينه وعن شماله، بيروت)

اعلاء السنن میں ہے:

عن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنه "أنه كبر على جنازة ابنة له أربع تكبيرات......الخ، رواه البيهقي في السنن الكبرى، قال الحاكم أبوعبدالله: هذا حديث صحيح، كذا في الأذكار للإمام النووي. (اعلاء السنن:٨/٢٦٢/٢٢٣٠، كيفية صلاة الجنازة، ادارة القرآن كراچی۔ورواه الطبراني في الكبير:١٠/٨٢)

دوسری جگہ مذکور ہے: **قال المؤلف: وفي التلخيص: وروى البيهقي عن عبدالله التسليم على الجنازة كالتسليم في الصلاة، وسكت عنه الحافظ، فهو حسن أو صحيح، كما ذكرناه قبل ودلالته على الباب ظاهرة .** (اعلاء السنن: ٨/٢٦١، كيفية صلاة الجنازة، ادارة القرآن كراچی)

وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد وقال: رواه الطبراني في الكبير ورجاله ثقات .

(مجمع الزوائد:٣/٣٤، باب الصلاة على الجنازة، دار الفكر)

مزید ملاحظہ ہو: **بدائع الصنائع: ١/٣١٣، فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة، سعيد. والفتاوى الهندية: ١/١٦٤، الفصل الخامس في الصلاة على الميت. وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ص ٥٢٠، المجددية). والله سبحانه وتعالى اعلم۔**

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول نہیں ہے بلکہ اجتماعی جہری دعا کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

کرہ أن یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاۃ ویدعو للمیت ویرفع صوتہ. (الفتاوی الھندیۃ:۳۱۹/۵، الباب الرابع فی الصلاۃ و التسبیح)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فقہاء نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہوکر اجتماعی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاوی میں اس کو منع کیا ہے۔ **لایقوم بالدعاء بعدصلاۃ الجنازۃ.** خلاصۃ الفتاوی:۲۲۵/۱، الفصل الخامس العشرون فی الجنائز، رشیدیہ۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۸ا۷، مبوب ومرتب)۔ **واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔**

جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت:

سوال: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی کوئی فضیلت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے پر چالیس سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من حمل جوانب السریر الأربع کفر اللہ عنہ أربعین کبیرۃ. رواہ الطبرانی فی الأوسط:(۶۰۸۲/۱۶۰/۱۳)، وفیہ علی بن أبی سارۃ وھو ضعیف۔ (مجمع الزوائد:۲۶/۳، باب حمل السریر، دار الفکر)

مراقی الفلاح میں ہے:

وینبغی لکل واحد حملھا أربعین خطوۃ یبدأ الحامل بمقدمھا الأیمن فیضعہ علی یمینہ أی علی عاتقہ الأیمن ویمینھا أی الجنازۃ ما کان جھۃ یسار الحامل لأن المیت یلقی علی ظھرہ ثم یضع مؤخرھا الأیمن علیہ أی علی عاتقہ الأیمن ثم مقدمھا الأیسر علی یسارہ أی علی عاتقہ الأیسر ثم یختم الجانب الأیسر یحملھا علیہ أی علی عاتقہ الأیسر فیکون من کل

جانب عشر خطوات لقوله ﷺ:من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة. (مراقی الفلاح :ص۲۱۹،باب احکام الجنائز،مکة المکرمة)

نیز ملاحظہ ہو: شرح النقایة:۱/۳۲۵۔والدرالمختارمع الشامی:۲/۲۳۱،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصلِ چہارم
دفن کرنے کا بیان

کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم:

سوال: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کے وارثوں کی تعزیت کرنا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

(۱)﴿**ولاتصل على أحد منهم مات أبداً ولاتقم على قبره**﴾(سورة التوبة:٨٤)

(۲)﴿**ماكان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين**﴾(سورة التوبة:١١٣)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولاتصل: المراد بالصلاة الدعاء والاستغفار للميت فيشتمل صلاة الجنازة أيضاً لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار......مات أبداً ولاتقم على قبره للدفن أوللزيارة.

(تفسیر مظهری:٤/٢٧٦)

معارف القرآن میں ہے:

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز واکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس کے منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی

طرح بغیر رعایتِ طریقِ مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے۔(معارف القرآن:۴/۴۳۷،سورۂ توبہ:۸۴،بحوالہ بیان القرآن)

فتاوی شامی میں ہے:

وفي النوادرجاريهودي أومجوسي مات ابن له أوقريب ينبغي أن يعزيه،ويقول أخلف الله عليك خيراً منه،وأصلحك وكان معناه أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام ورزقك ولداً مسلماً كفاية. (فتاوی الشامی:۶/۳۸۸،کتاب الحظروالاباحة ،فصل فی البیع، سعید۔والفتاوی الهندية:الباب الرابع عشرفی اهل الذمة۔وتبيين الحقائق:فصل فی البيع)

امدادالمفتین میں ہے:

کافر کی عیادت جائز ہےاور جب مرجائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بہتر بدلا عطا فرمائے ،لیکن کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہےاور وہ مستحق اہانت ہے نہ کہ مستحقِ تعظیم، نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ کافر شفاعت کا اہل نہیں ہے۔ (امدادالمفتین: اول ودوم:ص۳۶۶،امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا جائز نہیں،تعزیت کرسکتا ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۲۳۳)

الغرض مصلحت کی وجہ سے جا سکتا ہے دعائے مغفرت کے لئے نہیں جا سکتا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضور ﷺ نے فرمایا:تم جا کر باپ کی لاش کو دفن کردو۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقال أبوداود الطيالسي:حدثناشعبة،عن أبي إسحاق سمعت ناجية بن كعب يقول: سمعت علياً رضي الله عنه يقول:لما توفي أبي أتيت رسول الله ﷺ فقلت: إن عمك قد توفي فقال: "اذهب فواره" فقلت:إنه مات مشركاً،فقال:"اذهب فواره ولاتحدثن شيئاً حتى تأتي" ففعلت فأتيته،فأمرني أن أغتسل.ورواه النسائي،عن محمد بن المثنى، عن غندر، عن شعبة.ورواه أبوداود والنسائي من حديث سفيان، عن أبي إسحاق،عن ناجية،عن علي رضي الله عنه ......(البداية والنهاية:۳/۱۳۶، فصل وفاة أبي طالب عم رسول الله ﷺ،بيروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا حکم:

سوال: میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، اور اس وقت مناسب یہ ہے کہ نیچے مٹی بچھادی جائے اور اوپر والے حصہ کو بھی مٹی سے لیپ دیا جائے اور دونوں طرف پکی اینٹیں رکھدی جائے تاکہ لحد کی طرح ہو جائے۔ اور ضرورت کے بغیر میت کو صندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا بأس باتخاذ تابوت أي يرخص ذلك عند الحاجة وإلا كره كما قدمناه آنفاً قال في الحلية: نقل غير واحد من الإمام ابن الفضل أنه جوزه في أراضيهم لرخاوتها وقال: لكن ينبغي أن يفرش فيه التراب وتطين الطبقة العليا مما يلي الميت ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت ويساره ليصير بمنزلة اللحد. (الشامی:۲/۲۳۴، مطلب فی دفن المیت، سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله ولا بأس باتخاذ التابوت ولو من حديد ويكون من رأس المال إذا كانت الأرض رخوة، أو ندية، و يكره التابوت فی غيرها باجماع العلماء . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۶۰۸، فصل فی حملها و دفنها، قدیمی۔ و کذافی بدائع الصنائع: ۱/۳۱۸، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۴۔ وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۸۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی میت کو اس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے رشتہ دار کو کسی دوسرے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر غالب گمان ہے کہ میت بوسیدہ ہو کر خاک ہوگئی ہوگی تو اس وقت دوسری میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال في الفتح ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب......وقال الزيلعي: ولو بلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه......قلت: فالأولىٰ إناطة الجواز بالبلا إذ

لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره وإن صار الأول تراباً لاسیمافی الأمصار الکبیرة الجامعة. (شامی:۲/۲۳۳،مطلب فی دفن المیت،سعید۔وکذافی فتح القدیر:۲/۱۴۱،دارالفکر۔ والبحرالرائق:۲/۱۹۵۔ وفتاوی الهندیة:۱/۱۹۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

دیدہ ودانستہ پرانی قبرکوبحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کےکھودنا جائزنہیں اوراگراتفاقاً قبرکھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں توان کوایک طرف کریں اورکس قدربیچ میں پردہ رکھ کردوسری میت کودفن کریں یہ جائزہے کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعدجوازہی مختارہے چنانچہ شامی میں بعدنقل اقوالِ علماء یہ لکھاہے :فالأولیٰ إناطة الجوازبالبلا إذلایمکن أن یعدلکل میت قبرلایدفن فیه غیره. (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۳۸۵،مسائل دفن،مدلل مکمل،دارالاشاعت)۔واللہ ﷻ اعلم۔

شوہر بیوی کوقبر میں اتارسکتا ہے:

سوال: شوہربیوی کوقبرمیں اتارسکتاہے یانہیں جبکہ اس کےمحارم موجودہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ محارم عورت کوقبرمیں اتارے ہاں شوہراتارنے میں مددکرےتودرست ہے ورنہ بلاحائل چھونادرست نہیں۔ ملاحظہ ہودرمختارمیں ہے:

ویمنع زوجهامن غسلهاومسهالامن النظرإلیهاعلی الأصح منیة. وفی الشامی:قوله لا من النظرإلیها علی الأصح عزاه فی المنح إلی القنیة، نقل عن الخانیة أنه إذاکان للمرأة محرم یمسها بیده وأما الأجنبی فبخرقة علی یده ویغض بصره عن ذراعها وکذا الرجل فی امرأته إلا فی غض البصر، ولعل وجهه أن النظرأخف من المس فجازشبهة الاخلاف واللّٰه أعلم.(الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۸،باب صلاة الجنازة،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة، وکذا ذو الرحم غیرالمحرم أولیٰ من الأجنبی فإن لم یکن فلابأس للأجانب وضعهاکذا فی البحر الرائق . (الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۶،الفصل السادس فی القبروالدفن۔والبحرالرائق۲/۱۹۳،کوئته)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۲۱۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو بچہ کا حکم:

سوال: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے اور بچہ بھی اندر مرا ہو تو کیا بچہ کو نکال کر الگ سے دفنایا جائے گا یا نہیں؟ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں یہ کام کس طرح سرانجام دیا جائے جب کہ وہاں ڈاکٹر اور ہسپتال نہیں ہے؟

الجواب: اگر بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ ہے اور ماں کا انتقال ہو گیا تو اس بچہ کو نکال سکتے ہیں، اور اس میں دایہ وغیرہ سے مدد لے سکتے ہیں جس طرح ولادت کے وقت مدد کرتی ہے، اور اگر بچہ زندہ نہیں ہے تو اس کو نہیں نکال سکتے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

حامل ماتت وولدها حيي يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج لو ميتاً وإلا لا كما في كراهة الاختيار (قوله ولو بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية قوله قطع أي بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته (قوله لو ميتاً لا وجه له بعد قوله ولو بالعكس قوله وإلا لا أي ولو كان حياً لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم. (الدر المختار مع الشامی:۲/۲۳۸،سعید)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت:

سوال: قبر میں دفن کرتے وقت مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت حدیث میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى على جنازة ثم أتى قبر الميت فحثى عليه من قبل

رأسه ثلاثاً. (سنن ابن ماجه:۱۱۲، باب ماجاء فی حثو التراب فی القبر وقال السیوطی فی مصباح الزجاجة هذا اسناد صحیح رجاله ثقات)

نیز ملاحظہ ہو: المعجم الأوسط للطبرانی:۶۵/۵۔ وسنن الدارقطنی:۴۴۰/۳، باب حی التراب علی المیت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر سیلاب کی زد میں آگئی اور میت کے بہہ جانے کا خطرہ ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: پانی کے غلبہ سے میت کے منتقل کرنے میں اختلاف ہے قرینِ قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر گمان غالب کے موافق صاحبِ قبر کا جسد صحیح سالم ہے تو اس کو منتقل کرنے میں حرج نہیں جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو احد میں منتقل کیا تھا کیوں کہ شہداء کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور اگر ایسا نہ ہو تو منتقل نہ کیا جائے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إذا غلب الماء على القبر فقيل: يجوز تحويله لما روى أن صالح بن عبيد الله رؤى في المنام وهو يقول حولوني عن قبري فقد آذاني الماء ثلاثاً فنظروا فإذا شقه الذي يلي الماء قد أصابه الماء فأفتى ابن عباس رضی اللہ عنہ بتحويله وقال الفقيه أبو جعفر: يجوز ذلك أيضاً ثم رجع ومنع. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۶۱۵، قدیمی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے گرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو مستحکم بنانے کے لئے قبر کے اردگرد اینٹیں وغیرہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قبر درمیان میں کچی رہے اور اردگرد گرنے کے اندیشہ سے اینٹیں رکھدی جائے تو درست ہے، ورنہ نفسِ قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبر وأن يقعد وأن يبنى عليه. (رواه

مسلم:۱/۳۱۲۔ والترمذی:۱/۲۰۳)

احسن الفتاوی میں ہے:

قبر پر ہر قسم کی بناء بغرضِ زینت حرام ہے اور بغرضِ استحکام مکروہِ تحریمی ہے گناہ میں مکروہِ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے چار دیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ بلکہ اصل مٹی سے زائد مٹی ڈالنا بھی بناء میں داخل ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۱۸۹)

کفایت المفتی میں ہے:

قبر کو چار طرف سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے جسم کے محاذ میں نیچے سے اوپر تک کچی رہے مباح ہے یعنی میت کا جسم چاروں طرف سے مٹی کے اندر رہے پرے پختہ ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔(کفایت المفتی ۴/۵۰،فصل چہارم قبر و دفن،دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو قبر میں دفن کیا اور اس قبر میں اس کی رقم گر گئی تو کیا قبر کھود کر نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قبر کھود کر نکالنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولوبقي فيه متاع لإنسان فلابأس بالنبش،ظهيرية. (شامی ۲/۲۳۶،مطلب فی دفن المیت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن وقع في القبر متاع فعلم بذلك بعد ماأهالوا عليه التراب ينبش كذا في فتاوى قاضيخان،قالوا:ولوكان المال درهماً كذا في البحر الرائق. (الفتاوی الهندية:۱/۱۶۷،فصل فی القبر و الدفن)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے اندر کسی مردے کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں تو اس میں دوسرے مردہ کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: میت کو دفن کرنے کے لئے کسی دوسرے مردے کی قبر کو نہیں کھودا جائے گا،اگر کھدائی کے

وقت قبر میں کچھ ہڈیاں ظاہر ہوں تو ان کو ایک طرف کر کے دوسری میت کو دفن کرنے کی گنجائش ہے دوسری علیحدہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب......قال في الإمداد: ويخالفه مافي التاترخانية: إذا صار الميت تراباً في القبر يكره دفن غيره في قبره، لأن الحرمة باقية ،وإن جمعوا عظامه في ناحية ثم دفن غيره فيه تبركاً بالجيران الصالحين ويوجد موضع فارغ يكره ذلك ، قلت: لكن في هذا مشقة عظيمة فالأولىٰ إناطة الجواز بالبلا إذ لا يمكن أن يعد لكل ميت قبر لا يدفن فيه غيره وإن صار الأول تراباً لاسيما في الأمصار الكبيرة الجامعة وإلا لزم أن تعم القبور السهل والوعر على أن المنع من الحفر إلى أن لا يبقى عظم عسر جداً وإن أمكن ذلك لبعض الناس ،لكن الكلام في جعله حكماً عاماً لكل أحد فتأمل. (شامی:۲/۲۳۳،مطلب فی دفن المیت،سعید۔و کذافی فتح القدیر:۲/۱۴۱،دار الفکر۔و الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۷۔و البحر الرائق:۲/۱۹۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھدی جائیں۔ (فتاوی محمودیہ:۹/۹۷،مبوب ومرتب)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تلقین بعد الدفن کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق تلقین بعد الدفن کا کیا حکم ہے:

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایۃ کے مطابق دفن کرنے کے بعد تلقین نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے: **ولا يلقن بعد تلحيده ذكر في المعراج أنه ظاهر الرواية .**

(شامی:۲/۱۹۱،مطلب فی التلقین بعد الموت،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأما التلقين بعد الموت فلا يلقن عندنا في ظاهر الرواية كذافي العيني شرح الهداية

ومعراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٥٧، الفصل الاول فى المحتضر۔ و كذافى فتح القدير: ٢/ ٦٨، دار الفكر۔ و كفاية: ٢/ ٦٨۔ و الفتاوى اللكنوى: ص ٥٠٨، بيروت)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو تحریر کیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے اور شکوک دور ہوجائیں۔

الجواب: میت کو دفن کرنے کے بعد لوگوں کے رخصت ہونے سے پہلے دعا کا ثبوت ابوداود شریف کی روایت میں موجود ہے، اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اجتماعی تھی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان ﷺ قال: كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل. (رواه ابوداود: ٢/ ١٠٣، باب الاستغفار عند القبر للميت فى وقت الانصراف، سعيد)

بذل المجہود میں اس کے عنوان کی تشریح یوں ہے: "**باب الاستغفار عند القبر للميت فى وقت الانصراف أى الرجوع عن دفنه**. (بذل المجهود: ٤/ ٢١٦)

فتح الباری میں ہے:

فى حديث ابن مسعود ﷺ رأيت رسول الله ﷺ فى قبر عبدالله ذى البجادين، الحديث وفيه "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه "أخرجه أبوعوانة فى صحيحه. (فتح البارى: ١١/ ١٤٤، باب الدعاء مستقبل القبلة، دار نشر الكتب، لاهور)

درمختار میں ہے:

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه. وفى الشامى: وكان ابن عمر ﷺ يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (الدر المختار مع الشامى: ٢/ ٢٣٧، مطلب فى دفن الميت، سعيد)

کفایت المفتی میں یہ مسئلہ وضاحت سے مذکور ہے:

سوال: في سنن أبي داود كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره...... الخ، مرقومہ بالا حدیث سے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادی فرادی؟

جواب: ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے تھے ، کیوں کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر و توقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت و مغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم کرتے تھے......الخ۔ (کفایت المفتی: ۴/۷۱، فصل ہفتم، دار الاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ ۹/۱۴۸، مبوب و مرتب۔ فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/۴۰۰، مدلل و مکمل دار الاشاعت۔ واللہ ﷻ اعلم۔

قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم:

سوال: قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کرے یا قبر کی طرف متوجہ ہو؟

الجواب: قبرستان میں اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو استقبالِ قبلہ کرے تاکہ شرک کا وہم نہ رہے اور اگر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرتا ہے تو قبر کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت ويقول السلام عليكم......وإذا أراد الدعاء يقول مستقبل القبلة كذا في خزانة الروايات. (الفتاوى الهندية ٥/٣٥٠، الباب السادس عشر في زيارة القبور)

شامی میں ہے:

قال في الفتح والسنة زيارتها قائماً والدعاء عندها قائماً كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول السلام عليكم......ومن آدابها أن يسلم بلفظ السلام عليكم على الصحيح......ثم يدعو قائماً طويلاً. (شامي: ٢/٢٤٢، مطلب في زيارة القبور، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی حضرت نبی اکرم ﷺ نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہے تو آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی

طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے۔وفی حدیث ابن مسعود ﷺ رأیت رسول اللہ ﷺ فی قبر عبداللہ ذی البجادین الحدیث فیہ فلمافرغ من دفنہ استقبل القبلة رافعاً یدیہ أخرجہ أبوعوانة فی **صحیحہ**. (فتح الباری شرح بخاری شریف: ۱۱/۱۴۴۔وشرح صحیح مسلم شریف للنووی:کتاب الجنائزفصل فی الذھاب الی زیارة القبور:۱/۳۱۳)۔(فتاوی محمودیہ:۹/۱۴۷،مبوب ومرتب۔واحسن الفتاوی:۴/۲۱۲)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: قبر یا کسی شخص کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی بچہ یا کوئی شخص مجمع کے سامنے تلاوت کررہا ہو تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے اس طرح کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو اور کوئی قبر وغیرہ سامنے نہ ہو تو قرآنِ کریم کے احترام میں بطریقِ اولیٰ جائز ہے، اس میں سامعین کی تعظیم نہیں بلکہ قرآنِ کریم کا احترام مطلوب ہے، ہاں کسی شخص کے سامنے اس طرح کھڑے رہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے جیسے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے فرمایا زیارۃ القبور کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر کے علاوہ خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو ارشاد الساری میں ہے:

ثم توجہ بالقلب مع رعایة غایة الأدب فقام تجاہ الوجہ الشریف متواضعاً خاضعاً خاشعاً مع الذلة والانکسار والخشیة والوقار أی السکینة......واضعاً یمینہ علی شمالہ أی تأدباً فی حال إجلالہ مستقبلاً لوجہ الکریم. (ارشادالساری الی مناسك الملاعلی القاری:ص۵۵۸، فصل ولوتوجہ إلی الزیارة،بیروت)

شفاء السقام میں ہے:

وقال القاضی عیاض فی الشفاء: قال بعضھم: رأیت أنس بن مالک ﷺ أتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیہ حتی ظننت أنہ افتتح الصلاة فسلم علی النبی ﷺ ثم انصرف. (شفاء السقام:ص۷۳)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے سعایہ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل درج

ہے:

قلت: الحق الحقيق بالقبول هو أنه لابأس بهذه الهيأة عندزيارة قبر النبی ﷺ بل هو الأولىٰ للمتأدب وأماعندزيارة قبرغيره فهوخلاف الأولىٰ خصوصاً عندزيارة قبر العوام فاحفظه فإنه تنبيه مهم قل من ذكره. (السعاية فی كشف مافی شرح الوقاية:۲/۱۵۹، ۱۶۰،باب صفة الصلاة ،سهيل اكيڈمی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض حضرات اکابرؒ نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابرؒ نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے: ''ودروقتِ آنحضرت ﷺ ووقوفِ درآں جناب باعظمت دستِ راست بردستِ چپ نہند، چنانچہ درحالتِ نماز کند، کرمانی کہ ازعلمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ است'' (جذب القلوب ص ۲۱۷) لہذا اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ:۳/۱۲۰،مبوب ومرتب)۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم:

سوال: حکومت نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی اس میں عیسائی کی ایک قبر ہے، باقی زمین بالکل خالی ہے جو بہت بڑی ہے اب اس ایک قبر کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں غیر مسلم کی قبر کو اکھاڑا نہیں جائے گا بلکہ دیوار کے ذریعہ احاطہ کرلیا جائے گا، چنانچہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان کے درمیان دیوار کا احاطہ ہوتا ہے اور اسی کو حائل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ایک قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرتے وقت مٹی سے آڑ بنانے سے عندالضرورۃ دو قبروں کے حکم میں ہو جاتی ہے، لہذا درمیان میں دیوار لگانے سے علیحدگی ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی الواقعات عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتى لاتكسر. (البحر الرائق:۲/۱۹۵ ، كوئٹه)

مراقی الفلاح میں ہے:

ولابأس بدفن أكثرمن واحد فی قبرواحد للضرورة قاله قاضيخان،ويحجزبين كل اثنين

بالتراب هکذا أمررسول الله ﷺ فی بعض الغزوات. وفی الطحطاوی قوله: ویحجزبین کل اثنین بالتراب ندباً إن أمکن کما فی ابن أمیرحاج لیکون فی حکم قبرین کمافی العینی علی البخاری. (حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح: ٦١٢، فصل فی حملها ودفنها، قدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

ویجعل بین کل میتین حاجزاً من التراب لیصیرفی حکم قبرین هکذا أمر النبی ﷺ فی شهداء أحد. (البحر الرائق: ٢/ ١٩٤، کوئٹه)

نیز فقہاء نے ''احیاء الموات'' کے تحت فرمایا ہیں کہ حد بندی سے بھی زمین الگ ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

والتحجیر للإعلام سمی به لأنهم کانوا یعلمونه بوضع الأحجار أو یعلمونه لحجر غیرهم عن إحیاءه، ثم التحجیر قد یکون بغیر الحجر بأن غرز حولها أغصاناً یابسة أونقی الأرض وأحرق ما فیها من الشوک وخضد ما فیها من الحشیش أو الشوک و جعلها حولها وجعل التراب علیها. (هدایه ٤/ ٤٧٩) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم:

سوال: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھی جاتی ہیں یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالی جاتی ہیں بعض جگہ اس کا دستور ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں آیاتِ قرآنی کی توہین ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالنا ازروئے شرع درست نہیں اس میں آیاتِ قرآنیہ کی اہانت ہے۔ ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: قد تعارف فی بلادنا أنهم یلقون علی قبر الصلحاء ثوباً مکتوباً فیه سورة الإخلاص هل فیه بأس؟

الاستبشار: هو استهانة بالقرآن لأن هذا الثوب إنما یلقی تعظیماً للمیت، ویصیر هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال کتاب الله من أسباب عذاب الله، کذا فی نصاب الاحتساب فی باب الاحتساب علی من یحضر للتعزیة فی الأیام المعهودة فی المقابر.

قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التى فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبورمن أهل الزهد والورع. (نفع المفتى والسائل: ص٤٠٣، ما يتعلق بتعظيم اسم الله الخ ،بيروت)

شامی میں ہے:

وقد أفتى ابن صلاح بأنه لايجوزأن يكتب على الكفن يٓس والكهف ونحوهما خوفاً من صديدالميت، والقياس المذكورممنوع لأن القصد ثم التمييزوهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها فلايجوزتعريضاً للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود، لأن مثل ذلک لايحتج به إلا إذا صح عن النبیﷺ طلب ذلک وليس كذلک. وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذلک إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت، فتأمل. (شامی:۲/۲۴٦، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، سعيد)

نیز آیاتِ قرآنیہ والی چادریں میت کے صندوق پر ڈالی جاتی ہیں ان سے بھی اجتناب بہتر ہے اس لئے کہ بے وضوء چھونے کا اندیشہ ہے اور آیاتِ قرآنیہ بلا وضو چھونا ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويحرم به أى بالأكبروبالأصغرمس مصحف: أى ما فيه آية كدرهم وجدران. وفى الشامية: (قوله أى ما فيه آية) أى المراد مطلق ما كتب فيه قرآن مجازاً، من إطلاق اسم الكل على الجزء، أومن باب الإطلاق والتقييد، قال ح: لكن لايحرم فى غيرالمصحف إلا بالمكتوب: أى موضع الكتابة كذا فى باب الحيض من البحر. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۱۳، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر پودے لگانے کا حکم:

سوال: قبروں پر پودے اور گھاس لگانے کی شرعا کیا حیثیت ہے؟

الجواب: قبروں پر پودے گھاس لگانے کی شرعا گنجائش ہے البتہ اس کو ضروری نہ سمجھے اور بالیقین

تخفیفِ عذاب کا اعتقاد نہ رکھے صرف امید ہونی چاہئے ،لیکن موجودہ دور میں قبروں پر پھول ڈالنے کی رسم چلی ہے خصوصاً اولیاء اللہ کی قبروں پر اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے یہ بدعت ہے اس میں بہت سارے مفاسد ہیں جن سے عوام الناس کے اعتقادات خراب ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بحائط من حیطان المدینة أو مکة فمسع صوت إنسانین یعذبان فی قبورهما،فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال: بل کان أحدهما لا یستتر من بوله وکان الآخر یمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین فوضع علی کل قبر منهما کسرة، فقیل له یا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله أن یخفف عنهما ما لم ییبسا .(بخاری شریف:۱/ ۱۸٤ ـ ومشکوۃ شریف:۱/ ٤۳)

مرقات میں ہے:

أما وضعهما علی القبر فقیل أنه علیه السلام سأل الشفاعة لهما فاجیب بالتخفیف إلی أن ییبسا وقد ذکر مسلم فی آخر الکتاب فی حدیث جابر رضی اللہ عنہ أن صاحبی القبرین، أجیبت شفاعتی فیهما،وقیل أنه کان یدعو لهما فی تلک المدة وقیل لأنهما یسبحان ما داما رطبتین،قال کثیر من المفسرین فی قوله تعالی:﴿ وإن من شیء إلا یسبح بحمده﴾ معناه إن من شیء حی ثم قال وحیاة کل شیء بحسبه فحیاة الخشب ما لم ییبس وحیاة الحجر ما لم یقطع والمحققون علی العموم وان التسبیح علی حقیقته لأن المراد الدلالة علی الصانع...... .(مرقاۃ:۱/ ۳۵۱،ملتان)

شامی میں ہے:

تتمة:یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس وعلله فی الإمداد:بأنه مادام رطباً یسبح الله تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکره الرحمة.

أقول:دلیله ما ورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلاة والسلام الجریدة الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین اللذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف عنهما ما لم ییبسا أی یخفف عنهما ببرکة تسبیحهما . (شامی:۲/ ۲٤۵،مطلب فی وضع الجرید،سعید۔ واعلاء السنن: ۸/ ۳٤٤/ ۲۳۲۳، باب استحباب غرز الجریدة الرطبة علی القبر)

قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۹/۱۷۴،مبوب ومرتب۔وفتاوی رحیمیہ:۵/۹۸۔واللہ ﷻ اعلم۔

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:

سوال: قبر پر کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قبر پر کوئی چیز لگانا یا پختہ کرنا سب ممنوع ہے البتہ قبر سے علیحدہ سرہانے پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال:نهی رسول اللهﷺ أن يجصص القبوروأن يكتب عليهاوأن يبنى عليهاوأن تؤطأ. (رواه الترمذی وقال:هذاحديث حسن صحيح،۱/۲۰۳،باب ماجاء فی كراهية تجصيص القبوروالكتابة علها،فيصل)

شامی میں ہے:

قوله لابأس بالكتابة لأن النهی عنها وإن صح فقد وجدالإجماع العملی بها فقد أخرج الحاكم من طرق ثم قال:هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليهافإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهوعمل أخذ به الخلف عن السلف، ويقوى بماأخرجه أبوداود بأسانيد جيد:"أن رسول اللهﷺ حمل حجراً فوضعهاعند رأس عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وقال: أتعلم بهاقبرأخی وأدفن إليه من تاب من أهلی" فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبربها،نعم يظهرأن محل هذا الإجماع العملی على الرخصة فيها ما إذاكانت الحاجة داعية إليه فی الجملة كما أشارإليه فی المحيط بقوله وإن احتيج إلى الكتابة،حتى لايذهب الأثرولايمتهن فلابأس به فأماالكتابة بغيرعذرفلا، حتى يكره كتابة شیء عليه من القرآن أوالشعرأواطراء مدح له ونحوذلک حلية ملخصاً. (شامی:۲/۲۳۷،مطلب فی دفن الميت،سعيد۔والبحرالرائق:۲/۱۹۷،كوئته)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

ويكره إلصاق اللوح بها والكتابة عليهاولايبنى على بيت ولايجصص. (الفتاوى البزازية

علی هامش الهندیة: ٤/ ٨١، نوع آخر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وكره أبويوسف الكتابة أيضاً. (شرح منية المصلی: ص٥٩٩، السادس فی الدفن، سهيل اکیڈمی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ پنجم

ایصالِ ثواب کا بیان

میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت:

سوال: میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت کسی حدیث یا کتبِ فقہ میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے دعاء استغفار اور ایصالِ ثواب کرنے کا ثبوت بعض روایات میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال: كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل. (ابوداؤد شریف:۲/۱۰۳،باب الاستغفار عندالقبرللميت فی وقت الانصراف،سعید)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها كان رسول الله ﷺ كلما كان ليلتها من رسول الله ﷺ يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دارقوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون إنا إن شاء الله بكم لاحقون اللّٰهم اغفرلأهل بقيع الغرقد". (مسلم شریف:۱/۳۱۳،باب ما يقول اذا زارالقبور)

کتاب الروح میں ہے:

أخبرني الحسن بن الهيثم سمعت أبابكربن الأطروش ابن بنت أبي نصربن التماريقول

کان رجل یجیء إلی قبر أمه یوم الجمعة فیقرأ سورة یٓس فجاء فی بعض أیامه فقرأ سورة یٰس ثم قال: اللّٰهم إن کنت قسمت لهذه السورة ثوابا فاجعله فی أهل هذه المقابر فلما کان یوم الجمعة التی تلیها جاء ت امرأة فقالت: أنت فلان ابن فلانة فقال: نعم قالت: إن بنتاً لی ماتت فرأیتها فی النوم جالسة علی شفیر قبرها فقلت ما أجلسک ههنا؟ فقالت: إن فلان ابن فلانة جاء إلی قبر أمه فقرأ سورة یٓس وجعل ثوابها لأهل المقابر فأصابنا من روح ذلک أوغفرلنا أو نحو ذلک. (کتاب الروح: ص ۱۱، المسئلة الأولیٰ وهی تعرف الأموات زیارة الأحیاء وسلامهم أم لا، بیروت)

حدیث شریف میں ہے:

عن الحسن عن أبیه علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من مر علی المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدی عشر مرة ثم وهب أجره للأموات أعطی من الأجر بعدد الأموات. (من فضائل سورة الأخلاص وما لقارئها: ۱/۱۰۲/۵۴ ـ واعلاء السنن: ۸/۳۴۳/۲۳۲۰ زیارة القبور، ادارة القرآن کراچی)

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن فضائل میں ثواب کی نیت سے عمل کرنا درست ہے اسی وجہ سے فقہاء نے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔ (جلد اول میں اس حدیث پر کلام گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

مزید ملاحظہ ہو: **(فتاوی الشامی: ۲/۵۹۶، باب الحج عن الغیر، مطلب فیمن أخذ فی عبادته شیئاً من الدنیا، سعید. فتح القدیر: ۳/۱۴۳، دار الفکر. مراقی الفلاح: ۲۳۳، مکة المکرمة. مواهب الجلیل فی شرح مختصر الخلیل: ۵/۴۵۲. مطالب أولی النهی: ۵/۹).**

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وحکی عن أبی بکر بن أبی سعید أنه قال: یستحب عند زیارة القبور قراء ة سورة الإخلاص سبع مرات فإنه بلغنی من قرأها سبع مرات إن کان ذلک المیت غیر مغفور له یغفر له وإن کان مغفوراً له غفر لهذا القاری ووهب ثوابه للمیت کذا فی الذخیرة فی فضل قراء ة القرآن. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۵۰، کتاب الکراهیة، باب زیارة القبور)

وعن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "من دخل المقابر ثم قرأ "فاتحة الکتاب" و "قل هو الله أحد" و "ألهاکم التکاثر" ثم قال: اللّٰهم إنی قد جعلت ثواب ما قرأت من کلامک

لأهل المقابرمن المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالى''. أخرجه أبو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائده. (شرح الصدوربشرح حال الموتی والقبور:ص۳۰۳،باب فی قرء ة القرآن للميت أوعلی القبر، بيروت)

وعن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال:"من دخل المقابرفقرأسورة يٓس خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات''. أخرجه عبد العزيزصاحب الخلال بسنده۔(شرح الصدوربشرح حال الموتی والقبور:ص٤ ۳۰،باب فی قرء ة القرآن للميت أوعلی القبر،بيروت)

وعن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ قال:سمعت النبی ﷺ يقول:"إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره،وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بفاتحة البقرة''. رواه البيهقی فی شعب الإيمان وقال:والصحيح أنه موقوف عليه(۲/۲۱۵)وفی الأذكارللنووی:٧٤ورويناه فی سنن البيهقی بإسناد حسن"ان ابن عمر رضی اللہ عنہ استحب أن يقرأ على القبربعدالدفن أول سورةالبقرة وخاتمتها" وهوموقوف فی حكم المرفوع، فانه غيرمدرك بالرأی. (اعلاء السنن: ۳٤۲/۸،زيارة القبور،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغيرأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرهاكذا فی الهداية بل فی زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم و لاينقص من أجره شیء. هو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامی:۲/۲٤۳،مطلب فی القراء ة للميت واهداء ثوابها له،سعيد۔وكذا فی الفتاوی الهندية:۱/۲۵۷، الباب الرابع عشرفی الحج عن الغير۔وكذا فی فتح القدير مع الهداية:۳/۱٤۲،باب الحج عن الغير، دار الفكر)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: کیا زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے لیکن بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا نہ

کریں بلکہ رفعِ درجات کی دعا کریں اس وجہ سے کہ وہ معصوم ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غیرها کتلاوة القرآن و الأذکار، فتح القدیر، عند أهل السنة و الجماعة لما روی عن النبیﷺ أنه ضحی بکبشین أملحین أحدهما عن نفسه والآخرعن أمته ممن أقر بوحدانیة الله تعالیٰ وشهد له بالبلاغ. (هدایه: ۲۹٦/۱، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، شرکة علمیة)

شامی میں ہے:

وفی البحر: من صام أوصلی أوتصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز، و یصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة کذا فی البدائع، ثم قال: ولهذا علم أنه لافرق بین أن یکون المجعول له میتاً أوحیاً......قلت: وقول علمائنا له أن یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبیﷺ فإنه أحق بذلک حیث أنقذنا من الضلالة، ففی ذلک نوع شکرو اسداء جمیل له، والکامل قابل لزیادة الکمال. (شامی: ۲۴۳/۲، ۲۴۴، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له، سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

درجات میں ترقی بہر حال ہوتی ہے، اس لئے ایصالِ ثواب میں کیا اشکال ہے معصوم کے لئے استغفار کی حاجت نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۳۸/۹، باب إهداء الثواب للمیت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے بلکہ کرنا چاہئے اور یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت ہے بلکہ یہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق ومحبت کا ایک ذریعہ ہے جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا نفع خود ایصالِ ثواب کرنے والوں کو پہونچتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

ذکر ابن الحجر فی الفتاوی الفقهية : أن الحافظ ابن تيمية زعم منع اهداء ثواب القراءة للنبی ﷺ لأن جنابه الرفيع لايتجرأ عليه إلابما أذن فيه، وهوه الصلاة عليه و سؤال الوسيلة له قال :وبا لغ السبكی وغيره فی الرد عليه،فإن مثل ذلک لايحتاج لإذن خاص، ألا ترىٰ أن ابن عمر رضی اللہ عنہ كان يعتمرعنه ﷺ عمراً بعد موته من غيروصية،وحج ابن الموفق وهو فی طبقة الجنيد عنه سبعين حجة، وختم ابن السراج عنه ﷺ أكثرمن عشرة آلاف ختمة، وضحىٰ عنه مثل ذلک.قلت:رأيت نحوذلک بخط مفتی الحنفية الشهاب أحمد بن الشلبی شيخ صاحب البحرنقلا عن شرح الطيبة للنويری،ومن جملة ما نقله:أن ابن عقيل من الحنابلة قال :يستحب إهداؤها له ﷺ.

قلت : وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبی ﷺ فإنه أحق بذلک حيث أنقذنا من الضلالة، ففی ذلک نوع شكروإسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال،وماستدل به بعض المانعين، من أنه تحصيل الحاصل لأن جميع أعمال أمته فی ميزانه......يجاب عنه بأنه لامانع من ذلک، فإن الله تعالى أخبرنا بأنه صلى عليه ثم أمرنا بالصلاة عليه،بأن نقول :اللّٰهم صل على محمد. (رد المحتار:۲/۲۴۴،مطلب فی إهداء ثواب القراءة للنبی ﷺ،سعيد)

’’آپ کے مسائل اوران کا حل‘‘ میں ہے:

امت کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب نصوص سے ثابت ہے۔

چنانچہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام وسیلہ کی درخواست ہے۔

عن عبد الله بن عمروبن عاص رضی اللہ عنہ أنه سمع النبی ﷺ يقول :إذاسمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلى علیّ صلاة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا لی الوسيلة فإنها منزلة فی الجنة لاتنبغی لأحد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو،فمن سئل لی الوسيلة حلت عليه الشفاعة.(مسلم شريف:۱/۱۶۶)

عن جابرابن عبد الله رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺقال من قال حين يسمع النداء:اللّٰهم رب هذه

الدعوة التامة والصلاة القائمه ات محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محمود الذی وعدته، حلت له شفاعتی يوم القيامة. (مسلم شریف: ۱/۸٦)

ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترقی درجات کی دعاء ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال استأذنت النبی ﷺ فی العمرة فأذن لی وقال لاتنسنا يا أخیّ من دعائک وفی رواية أشركنا يا أخیّ فی دعائک. (ابوداؤد شریف: ۱/۲۱۰، ترمذی شریف: ۲/۱۹۵)

جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعاء مطلوب تھی اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعاء مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کی طرف سے قربانی کی جائے۔

حدثنا محمد بن عبيد المحاربی الكوفی حدثنا شريک عن أبی الحسناء عن الحكم عن حنش عن علی رضی اللہ عنہ أنه كان يضحی بكبشين أحدهما عن النبی ﷺ والآخر عن نفسه فقيل له فقال: أمرنی به يعنی النبی ﷺ فلا أدعه أبدا. هذا حديث غريب لانعرفه إلامن حديث شريك۔ (ترمذی شریف: ۱/۱۸۰، باب فی التضحية بكبشين، فیصل۔ وابوداؤد شریف: ۲/۲۹، باب الاضحية عن الميت، سعید)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۱۷۷۔۱۷۸، ایصالِ ثواب)

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے مذکورہ بالا حدیث کی سند پراشکال کیا ہے ملاحظہ ہو:

وقال المنذری: حنش هوأبوالمعتمر الكنانی الصنعانی وتكلم فيه غيرواحد حتی صار مما لا تحتج به، وشريک هوابن عبد الله القاضی فيه مقال وقد أخرج له مسلم فی المتابعات، قلت: وأبوالحسناء شيخ عبد الله مجهول كما عرفت فالحديث ضعيف. (تحفة الأحوذی: ٦/۲۹۰)

اشکال کا جواب ملاحظہ ہو:

(۱) حنش أبوالمعتمر الصنعانی الكوفی:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

قال أبوداؤد: هوثقة، وقال العجلی: هو تابعی ثقة. (تهذيب التهذيب: ۳/۵۳/۱٦۵۳، بيروت۔ وتهذيب الكمال: ۷/۴۳۳، مؤسسة الرسالة)

معرفۃ الثقات میں مذکور ہے: حنش بن عبد الله ثقة.(معرفة الثقات:١/٣٢٦)

(۲)شریک: تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

وقال يزيد بن الهيثم عن ابن معين:شريک ثقة،وهوأحب إلیّ من أبی الأحوص و جريروهويروی عن قوم لم يروعنهم سفيان الثوری،قال ابن معين:ولم يكن شريک عند يحيی يعنی القطان بشیء وهوثقة ثقة،......وقال العجلی:كوفی ثقة،وكان حسن الحديث ، وكان أروی الناس عنه إسحاق الأزرق.(تهذيب التهذيب:٤/٣٠٥/٢٨٨٣،بيروت)

(۳)أبو الحسناء: اعلاء السنن میں ہے:

قال الدولابی فی الكنی:حدثنا العباس بن محمد عن يحيی بن معين قال:أبو الحسناء روی عنه شريک والحسن بن صالح الكوفی وهذا كما تری قد عرفه يحيی بن معين وناهيک بمن قد عرفه ولم يذكره بجرح ولا تعديل فهوثقة،قال ابن معين: لايسكت عن جرح المجروحين، وقد روی عن أبی الحسناء اثنان من الثقات وليس بمجهول من روی عنه اثنان(كما مرفی المقدمة)واندحض بذلک قول الهيثمی فی مجمع الزوائد:فيه أبو الحسناء ولايعرف روی عنه غيرشريک.(اعلاء السنن: ١٧/٩،٢٦٨باب التضحية،ادارة القرآن)

امام ترمذیؒ نے فرمایا:" لانعرفه إلا من حديث شريک" اس کے بارے میں علی بن المدینیؒ نے فرمایا:قد رواه غيرشريک.(عارضه الأحوذی:٦/٢٩٠)

لہذا یہ حدیث صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے۔

اور اسی حدیث کے مثل مرقاۃ میں ایک صحیح حدیث ہے:

وفی رواية صححها الحاكم أنه(علی رضی الله عنه) كان يضحی بكبشين عن النبی ﷺ و بكبشين عن نفسه وقال ان رسول الله ﷺ أمرنی أن أضحی عنه أبداً فأنا أضحی عنه أبداً.

(مرقاة شرح المشكاة:٣/٣٠٩،باب التضحية ،الفصل الثانی،امداديه ،ملتان)

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها وعن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد للّٰه بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخرعن محمد ﷺ وآل محمد ﷺ.(ابن ماجه

شریف: ص ۲۲۵،باب اضاحی رسول اللہ ﷺ،آرام باغ کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں یقیناً ایسے حضرات ہیں جو مغفور لھم ہیں جب ان کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے تو معصوم کو کیوں نہیں ہوسکتا؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: ایک بستی کے باشندوں میں سے بہت کم لوگ قرآن خواں ہیں، بستی میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو میت کے رشتہ دار کسی حافظ صاحب کو معاوضہ دے کر قرآن شریف برائے ایصالِ ثواب ختم کراتے ہیں، کیا حافظ صاحب کے لئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا حافظ صاحب ایک قرآن شریف پڑھ کر متعدد اموات کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحسن اور اچھا کام ہے، میت کے رشتہ دار کو چاہئے کہ خود جتنا پڑھ سکتے ہیں قرآن یا اذکار و غیرہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کردے، پورا قرآن پڑھنا یا پڑھوانا ضروری نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے: ''**شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتھالیل**'' اس میں آپ نے اس مسئلہ پر بالتفصیل کلام فرمایا ہے، عدمِ جواز پر چند احادیث پیش فرمائی مثلاً۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ اقرئوا القرآن ولاتأکلوبہ ولا تجفواعنہ ولا تغلّوا فیہ ولاتستکثروا بہ. (رواہ اسحاق فی مسندہ و عبدالرّزاق فی مصنّفہ)

(۲) حدیث عبادة بن الصّامت، وذکر فیہ تعلیم عبادة بعض الصحابة القرآن واھداء رجل منھم إلیہ قوسا، ولما سئل النبی ﷺ عن ذلک قال: إن أردت أن یطوّقک اللہ طوقاً من النار فاقبلھا. وکذا قصة أبی بن کعب رضی اللہ عنہ فی ذلک.

اس رسالہ میں بہت سی فقہی کتب اور فتاوی سے نقل کیا گیا ہے کہ تلاوۃِ مجردہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، مثلاً **کتاب الکراھیة من الخلاصة، فتاوی قاضی خان، مجمع الانھر. الفتاوی البزازیہ.**

رسائل ابن عابدین میں ہے:

وقال الشيخ الرّملي على هامش البحر: المفتىٰ به جواز الأخذ استحساناً على تلاوة القرآن لاعلى القراءة المجردة كما في التاتارخانية. (رسائل ابن عابدين: ص ۱۶۸)

محیطِ برہانی میں ہے:

إذا أوصى أن يدفع إلى إنسان كذا من ماله كذا ليقرء القرآن عند قبره فهذه الوصية باطلة وهي بدعة ولم يفعلها أحد من الخلفاء رضي الله تعالىٰ عنهم. (المحيط البرهاني: ۳۹/۲۳)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

یہ لینا بھی ناجائز دینا بھی ناجائز ہے، قال تاج الشريعة في شرح الهداية: ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لالللميت ولاللقاري. (فتاوی محمودیہ: ۲۱۶/۹، مبوب ومرتب)

کفایت المفتی میں ہے:

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا، اوراس کے معاوضہ میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا جائز نہیں، ہاں اگر بطورِ تبرع کے دے دیا جائے تو مباح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔ (کفایت المفتی: ۱۳۵/۴، فصل دوم، دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کر کے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام پر مختلف قراء کی قراءت نشر کرتے ہیں بعض حضرات کچھ رقم دیتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ان کے مرحوم رشتہ داروں کو پہنچ جائے کیا اس طرح ایصالِ ثواب کرانا صحیح ہے؟ اوراس طرح رقم لینا صحیح ہے یانہیں؟ اور بہت سی مرتبہ قاری خود نہیں پڑھتا بلکہ ٹیپ ریکارڈ پر تلاوت جاری کرتے ہیں کیا اس کے سننے سے بھی ثواب ملے گا؟ اور مردوں کو ثواب پہنچے گا؟

الجواب: اگر قاری کچھ رقم لے کر ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ لے تو یہ ناجائز ہے، لیکن قاری کچھ نہ لے بلکہ کچھ رقم ریڈیو اسلام کے وقت کو مخصوص کرنے اور ریڈیو کے دوسرے اخراجات کے لئے ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، نیز جب قرآن کریم کا پڑھنا ثواب ہے سننا بھی باعثِ اجر ہے لہذا اس کا ایصالِ ثواب کرنا بھی درست اور صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال جلست في عصابة من ضعفاء المهاجرين وان بعضهم

لیستتر ببعض من العری وقارئ یقرأ علینا إذ جاء رسول اللہ ﷺ فقام علینا فلما قام رسول اللہ ﷺ سکت القاری فسلم ثم قال ما کنتم تصنعون قلنا کنا نستمع إلی کتاب اللہ فقال الحمد للہ الذی جعل من امتی من أمرت أن أصبر نفسی معهم قال فجلس وسطنا لیعدل بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له فقال أبشروا یا معشر صعالیک المهاجرین بالنور التام یوم القیمة تدخلون الجنة قبل أغنیاء الناس بنصف یوم و ذلک خمس مأة سنة. رواه أبو داؤد. (مشکوۃ شریف:۱/ ۱۹۱، فضائل القرآن)۔

جہاں تک اجروثواب کا تعلق ہے وہ کلامِ الٰہی کے کان میں پڑنے سے متحقق ہوجائے گا، اور یہ خاموش رہنے اور آداب کی رعایت کے ساتھ سننے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر اجروثواب کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون﴾ (سورۃ الأعراف:۲۰۴).

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سننا چاہیے، پڑھنے والا چاہے کوئی بھی ہو۔ "**وإذا قرأتم**" نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ ٹیپ ریکارڈ سے سننے میں بھی ثواب ملتا ہے۔

علامہ شیخ محمد بخیت المطیعی الحنفی مفتی الدیار المصریۃ اپنے رسالہ "**أحکام قراء ۃ الفونوغراف**" (ص:۹) میں تحریر فرماتے ہیں: "**ومتی علمت أن ما یسمع من الصندوق من ألفاظ القرآن قرآن حقیقة وهو کلام اللّٰہ بلا شک وأن صدوره منه وسماعه کصدوره من الإنسان وسماعه فإذا صدرت الکلمات القرآنیة من ذلک الصندوق مستوفیة للشروط بدون أن یکون بها خلل وقصد من رسم مخارج تلک الکلمات فی الاسطوانات سماعها للعظة والتدبیر فلا شک فی الجواز وفی أن السماع عبادة.**

فتاویٰ بینات میں ہے:

چونکہ کیسٹ سے وہ کلام اللہ کی آواز سن رہا ہے اور اس کے دل میں کلام اللہ کی عظمت میں اضافہ ہورہا ہے اور دیگر گناہ کی چیزوں سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، اس لیے اس کو ریکارڈ شدہ تلاوت سننے پر اجروثواب ضرور ملے گا۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص۴۲۲)۔

نیز ٹیپ ریکارڈ سے گانا سننے میں گناہ ہے تو تلاوت سننے میں ثواب بھی ہونا چاہئے، حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے میں ثواب نہیں یہ ان کی رائے ہے ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۲۸۔۲۳۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

قرآن سننے کے آداب کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے جن میں کسی مسلمان کے کان میں کلام الٰہی کے الفاظ پہنچ جائیں، خواہ وہ خود تلاوت کرنے والے کی زبان سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ اس لیے سماعت کے آداب یعنی خاموشی اختیار کرنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ رہنا ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سنتے وقت بھی ضروری ہے اور سننے والے کو چوں کہ اسی بنیاد پر اجر ملتا ہے۔ اس لیے انشاء اللہ اجر بھی ملے گا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۷۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ ششم

تعزیت کا بیان

تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات:

تعزیت کے فضائل:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال من عزى مصاباً فله مثل أجره. (رواه ابن ماجة: ۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی۔ والترمذی: ۱/ ۲۰۵، باب ماجاء فی اجرمن عزی، فیصل۔ والبیهقی فی السنن الکبری: ۲/ ۳۲۲/ ۷۳۳۹، باب مایستحب من تعزیة اهل)

ترجمہ: جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔

وعن أبی برزة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال من عزى ثكلى كسي برداً فی الجنة. (رواه الترمذی: ۱/ ۲۰۶، باب آخر فی فضل التعزية، فیصل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مرگیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔

وعن عمروبن حزم رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ما من مؤمن يعزی أخاه بمصيبة إلا كساه الله عزوجل من حلل الكرامة يوم القيامة. (رواه ابن ماجة بإسناد حسن: ص۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی)

یعنی جوشخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔

وعن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من عزی أخاه المؤمن من مصیبة کساه الله یوم القیمة حلة خضراء یحبر بها یوم القیمة قیل: یا رسول الله ما یحبر؟ قال: یغبط. (تاریخ بغداد: ۳۹۷/۷، بیروت)

وقال الإمام النووی رحمہ اللہ: التعزیة مشتملة علی الأمربالمعروف والنهی عن المنکروهی داخلة أیضا فی قول الله تعالی: ﴿وتعاونوا علی البروالتقوی﴾ وهذا من أحسن ما یستدل به فی التعزیة وثبت فی الصحیح أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیه.

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة رضی اللہ عنہا ما أخرجک یا فاطمة من بیتک؟ قالت: أتیت أهل هذا المیت فترحمت إلیهم میتهم أو عزیتهم به. (رواه أبوداؤد: ۸۹/۲، باب فی التعزیة، سعید۔ والنسائی)

وعن أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وعمران بن حصین رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال موسی علیہ السلام لربه عزوجل ما جزاء من عزی الثکلی قال: أجعله فی ظل یوم لاظل إلاظلی. (رواه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة: ص ۱۵۸، دائرة المعارف العثمانیة)

تعزیت کا مسنون طریقہ:

تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جا کر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے، صبر کی تلقین وترغیب دے اور ان کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔ (فتاوی رحیمیہ وکفایت المفتی)

تعزیت کی منقول دعائیں:

(۱) إن لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیء عنده لأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب. (بخاری شریف: ۱۷۱/۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت، قدیمی)

یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اس کی ملکیت ہے، ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے

(یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

(۲) اللّٰھم اغفرله وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين وغفرلنا وله يا رب العالمين وافتح له في قبره ونورله فيه. (مسلم شریف: ۱/۳۰۱، کتاب الجنائز)

(۳) اللّٰھم اخلفه في أهله وبارک له في صفقة يمينه، قالها ثلاث مرات. (مسند أحمد)

(۴) أعظم الله أجرک وأحسن عزاءک وغفرلميتک. (الأذکار للنووی: ص ۱۳۶، باب التعزية، مکتبة القدس)

خدا تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور تمہارے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اور آپ کی میت کی بخشش کرے۔

(۵) إنالله وإناإليه راجعون ما شاء الله كان ومالايشأ لايكون غفرالله له وأسكنه جنة الفردوس وأفاض عليه شأبيب غفرانه وادعوا الله تعالیٰ أن يفرغ على قلوبكم صبراً جميلاً وعلى من فقد تم أجراً جزيلاً بلطفه ورحمته آمين بحرمة سيد المرسلين ﷺ. (فتاوی رحیمیہ)

تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے:

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذاتِ خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، وہ خط مبارک یہ ہے:

وكتب النبيﷺ إلى معاذ بن جبلؓ يعزيه في ابن له:

"بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليک فاني أحمد إليک الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد فأعظم الله لک الأجروألهمک الصبرو رزقنا وإياک الشكر، ان أنفسنا وأهلينا وأموالنا وأولادنا من مواهب الله عزوجل الهنيّة وعواريّة المستودعة يمتع بها إلى أجل معلوم ويقبض لوقت محدود ثم افترض علينا الشكر إذا أعطى والصبر إذا ابتلى وكان ابنک من مواهب الله الهنيّة وعواريّه المستودعة متّعک به في غبطة وسرور وقبضه منک بأجر كبير، الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر و لا يحبط جزعک أجرک فتندم، واعلم أن الجزع لايرد شيئاً ولايدفع حزناً وما هونازل فكان قد والسلام". (حلية الاولياء: ۱/۲۴۳، دارالفکر، مع المستدرك على الصحيحين: ۳/۳۴۱/۵۱۹۳، دارابن حزم).

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کوان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے مبارک عطیے عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اوران کو واپس لے لے) تو صبر کریں، تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہونچایا، اور (اب) اجرِ عظیم،، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلہ اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودیں، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہوکر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام۔ (حصن حصین ص ۱۸۰، پانچویں منزل بروز پیر)

تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات:

دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے:

☆ لاتقل فیما جری کیف جری   کل شیء بقضاء وقدر

جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضا وقدر کے موافق ہوتی ہے۔

☆ ألا یا ساکن القصر المعلی   ستدفن عن قریب فی التراب

اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہوجا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

☆ لہ ملک ینادی کل یوم   لِدوا للموت وابنوا للخراب

فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ۔

☆ قلیل عمرنا فی دار دنیا   ومرجعنا إلی بیت التراب

ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

اور جب وقتِ مقرر آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

☆ وإذا المنية أنشبت أظفارها ألقيت كل تميمة لا تنفع

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے:

☆ اصبر تكن بك صابرين فإنما صبر الرعية بعد صبر الرأس

☆ خير من العباس أجرك بعده والله خير منك للعباس

یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں،صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔

منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔

(ملخص از فتاوی رحیمیہ ۶/۳۴۱۔۳۴۶ تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعہ خط تعزیت کرنا،مسائل شتیٰ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں کسی کے انتقال کے بعد لوگ تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں شرعاً یہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تعزیت میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو میت کے گھر والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین وغیرہ کرنا اور دوسری یہ کہ میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا اور دعاءِ مغفرت کے وقت ہاتھوں کے اٹھانے کا ثبوت روایات میں ملتا ہے لہذا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ تعزیت میں اکثر میت کے اہلِ خانہ کو تسلی اور صبر کی تلقین ہوتی ہے اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے۔ہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي موسى رضي الله عنه قال لما فرغ النبي صلى الله عليه وسلم من حنين بعث أ با عامر رضي الله عنه على جيش إلى أوطاس فلقي دريد بن الصمة فقتل دريد وهزم أصحابه قال أبوموسى رضي الله عنه وبعثني مع أبي

عامر رضی اللہ عنہ فرماه أبو عامرفی رکبته،رماه جشمی بسهم فأثبته فی رکبته فانتهیت إلیه......قال یا ابن أخی اقرئ النبی ﷺ السلام وقل له استغفرلی واستخلفنی أبوعامرعلی الناس فمکث یسیراً ثم مات فرجعت فدخلت علی النبی ﷺ فی بیته علی سریرمرمل وعلیه فراش قد أثررمال السریربظهره وجنبیه فأخبرته بخبرنا وخبر أبی عامروقال قل له استغفر له فدعا بماء فتوضأ ثم رفع یدیه فقال:" اللّٰهم اغفرلعبید أبی عامرورأیت بیاض ابطیه ثم قال:اللّٰهمّ اجعله یوم القیمة فوق کثیرمن خلقک ومن الناس. (رواه البخاری ۲/۶۱۹/۴۱۵۳،باب غزوة أوطاس،فیصل)

شامی میں ہے:

ولابأس بتعزیة أهله وترغیبهم فی الصبرأی تصبیرهم والدعاء لهم به،قال فی القاموس:العزاء الصبرأوحسنه وتعزی:انتسب فالمراد هنا الأول......قال فی شرح المنیة:ویستحب التعزیة للرجال والنساء اللاتی لایفتن لقوله علیه الصلاة والسلام"من عزی أخاه بمصیبة کساه الله من حلل الکرامة یوم القیامة"رواه ابن ماجة وقوله علیه الصلاة والسلام"من عزی مصاباً فله مثل أجره"رواه الترمذی وابن ماجة،والتعزیة أن یقول:أعظم الله أجرک وأحسن عزائک وغفرلمیتک.(شامی:۲/۲۳۹،سعید کمپنی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعزیت اورنمازِ جنازہ دونوں میں فرق:

سوال: کیاتعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ ہے یا نمازِ جنازہ تعزیت کے لئے کافی ہے؟

الجواب: تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ چیز ہے نمازِ جنازہ میت کا حق ہےاورتعزیت میت کے اہلِ خانہ کے لئے تسلی اورصبر کی تلقین کا نام ہے،ہاں اگر جنازہ میں میت کے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی اوران کی تعزیت کی تو دوبارہ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

التعزیة لصاحب المصیبة حسن کذا فی الظهیرة وروی الحسن بن زیاد إذا عزی أهل المیت مرة فلا ینبغی أن یعزیه مرة أخری کذا فی المضمرات ووقتهامن حین یموت إلی ثلاثة أیام ویکره بعدها إلاأن یکون المعزی أوالمعزی إلیه غائباً فلا بأس بها وهی بعد الدفن

أولی منها قبله هذا إذا لم یر منهم جزع شدید فإن رؤی ذلک قدمت التعزیة. (الفتاوی الهندیه:۱/۱٦۷)

شامی میں ہے:

وفی الإمداد: وقال کثیر من متأخری ائمتنا یکره الاجتماع عند صاحب المیت و یکره له الجلوس فی بیته حتی یأتی إلیه ،من یعزی،بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بأمره. (شامی:۲/۲٤۱،مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تعزیتی جلسہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ اگر کسی بڑی شخصیت کا انتقال ہوجائے اور بغیر کسی دن کی تعیین کے ان کے متعلقین کا اجتماع بلالیا جائے اور اس کا مقصد اس شخصیت کے کارناموں کا بیان ہو اور ان کے اعمال واخلاق کا تذکرہ ہوتا کہ ان کے متعلقین ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان کے طریقہ کو زندہ کریں اور ایک دوسرے کی آراء سے استفادہ کریں، ہاں آسانی کی وجہ سے ایک دن معین کیا جائے لیکن وہ تعیین آسان کے لئے ہوں شریعت کا حکم سمجھ کر نہیں کیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اس اجتماع کا مقصد ان حالات کے مقابلہ کی تیاری ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی وفات سے پیدا ہوجاتے ہیں، نیز اس اجتماع کو لازم اور ضروری یا سنت نہیں سمجھا جاتا چنانچہ نہ کرنے والوں پر کوئی نکیر نہیں ہوتی؟

الجواب: جب اجتماع کسی ایسی شخصیت کے متعلق ہو جس سے بے شمار فوائدِ دین وابستہ ہوں ان کی زندگی کا ہر پہلو قابلِ تشریح اور قابلِ تقلید ہو ان کے اعمال واخلاق کے پھیلانے کی ضرورت ہو ان کے متعلقین ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہوں ان کے مشن کو بڑھانے کی ضرورت ہو تو متعلقین کی آسانی کے لئے ایک دن مقرر ہوسکتا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان گنت فتنوں کو دبانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اجتماع سے خطاب فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع ہوا تھا، نیز بخاری شریف کی روایت سے بھی تائید ہوتی ہے ملاحظہ ہو:

عن زیاد بن علاقة قال: سمعت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ یوم مات المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قام

فحمد الله وأثنى عليه وقال عليكم باتقاء الله وحده لا شريك له والوقار والسكينة حتى يأتيكم أمير فإنما يأتيكم الآن ثم قال: استغفروا لأميركم فإنه كان يحب العفو، الحديث. (رواه البخاري: ١/١٤/٥٨، باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة، فيصل)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم:

سوال: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا کیا حکم ہے؟ عام کتابوں میں مکروہ لکھتے ہیں اس میں بظاہر حرج ہے۔

الجواب: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنا آداب کے خلاف ہے، البتہ اگر حرج ہو اور جوتے گندگی وآلائش وغیرہ سے صاف ہو نیز چلنے میں تکبر کا اظہار نہ ہو بلکہ قبور کا احترام کرتے ہوئے تواضع وانکساری کے ساتھ چلے تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو بذل المجہود میں ہے:

عن بشير مولى رسول الله ﷺ ...... بينما أنا أماشي مع رسول الله ﷺ ...... ثم مر بقبور المسلمين ...... فإذا رجل لم أقف على تسميته يمشي في القبور عليه نعلان فقال يا صاحب السبتيتين ويحك ألق سبتيتيك فنظر الرجل فلما عرف رسول الله ﷺ خلعهما فرما بهما ...... وأمره بالخلع احتراماً بالنعال بين القبور قلت: لايتم ذلك إلا على بعض الوجوه المذكورة. (بذل المجهود: ٤/٢١٣)

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بال اترے ہوئے جوتے فیشن ایبل سمجھے جاتے تھے تو حدیث میں اس بات کی تلقین ہے کہ مقبرہ میں تواضع کی ہیئت اختیار کرے تکبر والی چیزوں سے اجتناب کرے اس لئے موجودہ زمانہ میں صاف بغیر بالوں کے جوتے عام استعمال کی چیز ہے لہذا مقبرہ میں اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ١/١٦٧، الفصل السادس في القبر والدفن)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے، مگر جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے

تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے، عالمگیری میں ہے: والمشی فی القبور لایکره عندنا۔ ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۹۷، کتاب الجنائز)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم:

سوال: احناف اور شوافع کے یہاں عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت ہے، ہاں فتنہ، شرک اور بدعت وغیرہ مفاسد کا اندیشہ ہو تو اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احادیث کی روشنی میں:

(۱) أخرج ابن عبد البر في التمهيد عن عبدالله بن أبي مليكة وكذا الحاكم في المستدرك عنه "أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أقبلت ذات يوم من المقابر فقلت لها: يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت من قبر أخي عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه فقلت لها: "أليس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور؟ قلت: نعم، كان ينهى عن زيارتها. ثم أمر بزيارتها.

(التمهيد لابن عبد البر: ۳/۲۳۳، مكتبة المؤيد ـ والمستدرك للحاكم: ۱/ ۴۹۵ /۱۳۹۲، وقال الذهبي: صحيح)

وأخرجه ابن عبد البر بطريق آخر عن ابن أبي مليكة يقول: ركبت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها فخرج إلينا غلامها، فقلت: أين ذهبت أم المؤمنين؟ قال: ذهبت إلى قبر أخيها. (التمهيد: ۳/۲۳۵)

(۲) وأخرج الترمذي في الجنائز عن عبدالله بن أبي مليكة قال: توفي عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه بالحبشي قال: فحمل إلى مكة فدفن بها، فلما قدمت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه فقالت:

وكنا كندماني جذيمة حقبة الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني ومالكا لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

إلى آخر الحديث. (ترمذی شریف: ۱/۲۰۳)

(۳) وأخرج مسلم أيضاً في الجنائز عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: كيف أقول لهم

یارسول اللہ؟ قال:قولی:”السلام علی أهل الديارمن المؤمنين والمسلمين،ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين،وإنا إنشاء الله بكم لاحقون.(مسلم شریف:۱/۳۱۴)

(۴)وأخرج سعد فی الطبقات الکبری قال:أخبرنا موسى بن داؤد سمعت مالک بن أنسؓ يقول:قسم بيت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها باثنين:قسم كان القبر، وقسم كان تكون فيه عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها،وبينهما حائط،فكانت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ربما دخلت حيث القبرفضلاً،فلما دفن عمر رضی اللہ عنہ لم تدخل إلاوهی جامعة عليها ثيابها.(طبقات ابن سعد: ۲/۲۲۴، دارالکتب العلمیة ،بیروت،فصل ذکرحفر قبررسول اللہﷺ)

(۵)وفی الطبقات الكبرى أيضاً قال:أنا عبد الله بن نميرقال:أنازياد بن المنذرعن أبی جعفرقال:كانت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنهاتأتی قبرحمزة رضی اللہ عنہ ترمه و تصلحه.(الطبقات الکبری لابن سعد:۳/۱۳،طبقات البدریّین من المهاجرين ذکرالطبقة الاولی حمزة بن عبد المطلب)

(۶)وفی التمهيد لابن عبد البرعن جعفربن محمد،قال:كانت فاطمة بنت رسول اللهﷺ تزورقبرحمزة بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ كل جمعة،وعلمته بصخرة. (التمهید لإبن عبد البر: ۳/۲۳۴)

(۷)أخرج البخاری بسنده عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال مرالنبیﷺ بامرأة تبكی عند قبر فقال:اتقی الله واصبری قالت:إليک عنّی فإنک لم تصب بمصيبتی....... (رواه البخاری: ۱/۱۷۱)

قال الحافظ فی الفتح بعد ذكرمذاهب العلماء فی هذا الباب:

ويؤيد الجوازحديث الباب،وموضع الدلالة منه أنه لم ينكرعلى المرأة قعودها عند القبر،وتقريره حجة.(فتح الباری:۳/۱۴۸)

(۸)أخرج ابن ماجة عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن النبیﷺ كان فی جنازة فرأى عمرامرأةً فصاح بها فقال النبیﷺ دعها ياعمر.......(ابن ماجة:۱/۱۱۴،جنائز)

فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ ہوں: درمختار میں ہے:

لابأس......بتعزية أهله......و بزيارة القبوروللنساء لحديث”كنت نهيتكم عن زيارة

القبورألا فزوروها“. طحطاوی میں ہے:

قوله ولولنساء......وقيل تحريم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن،بحر.(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۸۳،کوئٹہ)

شامی میں ہے:

وقال الخير الرملی:ان كان لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور،وان كان للاعتبارو الترحم من غير بكاء والتبرك لزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذاكن عجائز، ويكره إذاكن شواب كحضور الجماعة فی المساجد.(شامی:۱/۲۴۲،سعید).

مبسوط میں ہے:

وعن بريدة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال:نهيتكم عن ثلاث:عن زيارة القبور، فزوروها،فقد اذن لمحمد في زيارة قبرأمه،ولا تقولوا هجرا، وعن لحم الأضاحی فوق ثلاثة أيام،فأمسكوه ما بدالكم وتزوّدوا،فإنما نهيتكم ليتسع به موسركم على معسركم،وعن النبيذ فی الدباء والحنتم والمزفت،فاشربوا فی كل ظرف،فإن الظرف لايحل شيئاً ولايحرمه، ولا تشربوا مسكراً......ومن العلماء من يقول:الإذن للرجال،دون النساء،والنساء يمنعن من الخروج إلى المقابرلما روى أن فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها خرجت فی تعزية لبعض الأنصار......لعلك أتيت المقابرقالت لا......،والأصح أن الرخصة ثابتة فی حق الرجال والنساء جميعاً.فقد روى أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها كانت تزورقبررسول الله ﷺ فی كل وقت وانها لما خرجت حاجة زارت قبرأخيها عبد الرحمن رضی اللہ عنہ،وانشدت عند القبرقول القائل:وكنا كندمانی......الخ.(المبسوط:۱۰/۲۴، الاشربۃ،ادارۃ القرآن)

البحرالرائق میں ہے:

ولم يتكلم المصنف رحمہ اللہ على زيارة القبور،ولابأس ببيانه تكميلاً للفائدة......وصرح فی المجتبى بأنها مندوبة،وقيل:تحرم على النساء والأصح أن الرخصة ثابتة لهما....... (البحر الرائق:۲/۱۹۵،کوئٹہ)

مراقی الفلاح میں ہے:

ندب زيارتها من غير أن يطأ القبور للنساء والرجال،وقيل تحرم على النساء ،والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء،لأن السيّدة فاطمة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها كانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنہ كل جمعة،وكانت عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها تزور قبر أخيها عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بمكة،كذا ذكره البدر العينىؒ فى شرح البخارى.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:٦٢٠،قديمى)

اشکال اور جواب:

اشکال: اس مسئلہ پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور.(ابوداؤد:١/٤٦١)

وفى رواية :لعن رسول الله ﷺ زوّارات القبور.(ابن ماجة:١/١١٣)۔اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: پہلی روایت یعنی ”زائرات القبور“ پر بہت کلام ہے اور دوسری روایت یعنی ”لعن رسول الله ﷺ زوّارات القبور.“ صحیح ہے لہذا مطلب یہ ہوگا کہ بہت زیادہ جانا ممنوع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یا دیگر مفاسد ہوں مثلاً نوحہ وغیرہ تو جائز نہیں ہے ورنہ نفسِ جواز مذکورہ بالا روایات کے پیشِ نظر ثابت ہے۔

شیخ البانیؒ نے احکام الجنائز میں مذکورہ بالا روایت پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

لايجوز لهن الإكثار من زيارة القبور والتردد عليها لأن ذالك قد يفضى بهن إلى مخالفة الشريعة،من مثل الصياح والتبرج واتخاذ القبور مجالس للنزهة وتضييع الوقت فى الكلام الفارغ كما هو مشاهد اليوم فى بعض البلاد الإسلامية وهذا هو المراد إن شاء الله بالحديث المشهور:لعن رسول الله وفى لفظ:لعن الله زوّارات القبور.

وقد روى عن جماعة من الصحابة :أبو هريرة رضی اللہ عنہ،حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ،وعبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ.

(١)أما حديث أبى هريرة رضی اللہ عنہ فهو من طريق عمر بن أبى سلمة عن أبيه عنه،أخرجه الترمذى، وابن ماجة، وابن حبان، والبيهقى، والطيالسى، وأحمد، واللفظ الآخر للطيالسى والبيهقى، وقال الترمذى:حديث حسن صحيح وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل

أن يرخص النبى ﷺ في زيارة القبور ، فلما رخص دخل فى رخصته الرجال والنساء، و قال بعضهم: إنما كره زيارة القبورفى النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن.

قلت :ورجال إسناد الحديث ثقات كلهم.غيرأن فى عمربن أبى سلمة كلاماً لعل حديثه لاينزل به عن مرتبة الحسن،لكن حديثه هذا صحيح لما له من الشواهد الآتية:

(٢) وأما حديث حسان بن ثابت رضي الله عنه فهومن طريق عبد الرحمن بن بهمان عن عبد الرحمن بن ثابت عن أبيه به.أخرجه ابن أبى شيبة،وابن ماجة،والحاكم،والبيهقى، وأحمد، وقال البوصيرى فى الزوائد:إسناده صحيح رجاله ثقات،كذا قال:وابن بهمان هذا لم يوثقه غيرابن حبان،والعجلى وهما معروفان بالتساهل فى التوثيق،وقال ابن المدينى فيه: لانعرفه، ولذا قال الحافظ فى التقريب:مقبول يعنى عند المتابعة،ولم أجد له متابعاً،لكن الشاهد الذى قبله وبعده فى حكم المتابعة:فالحديث مقبول.

(٣)وأماحديث ابن عباس رضي الله عنه فهومن طريق أبى صالح عنه باللفظ الأول إلا أنه قال: زائرات القبوروفى رواية زوّارات،أخرجه ابن أبى شيبة ،وأصحاب السنن الأربعة،وابن حبان، و الحاكم، والبيهقى، والطيالسى، والرواية الأخرى لهما وأحمد، وقال الترمذى: حديث حسن. وأبوصالح هذا مولى أم هانى بنت أبى طالب واسمه: باذان ويقال باذام .

قلت: وهو ضعيف بل اتهمه بعضهم وقد أوردت حديثه فى "سلسلة الأحاديث الضعيفة" لزيادة تفرد بها فيه، و ذكرت بعض أقوال الأئمة فى حاله فيراجع ، قد تبين من تخريج الحديث أن المحفوظ فيه إنما هوبلفظ زوّارات لاتفاق حديث أبى هريرة رضي الله عنه و حسان رضي الله عنه عليه، وكذا حديث ابن عباس رضي الله عنه فى رواية الأكثرين على ما فيه من ضعف فهى إن لم تصلح للشهادة فلاتضر،كما لايضرفى الاتفاق المذكورالرواية الأخرى من حديث ابن عباس رضي الله عنه كما هوظاهر،وإذاكان الأمر كذلك فهذه اللفظ:"زوّارات"إنما يدل على لعن النساء اللاتى يكثرن الزيادة بخلاف غيرهن فلايشملهن اللعنة،فلا يجوزحينئذ أن يعارض بهذا الحديث ما سبق من الأحاديث الدالة على استحباب الزيارة للنساء،لأنه خاص وتلك عامة ، فيعمل كل منهما فى محله،فهذا الجمع أولى من دعوى النسخ وإلى نحوما ذكرنا

ذهب جماعة من العلماء،فقال القرطبی:اللعن المذکورفی الحدیث إنما هو للمکثرات من الزیارة لما تقتضیه الصیغة من المبالغة ، و لعل السبب ما یفضی إلیه ذلک من تضییع حق الزوج و التبرج، وما ینشأ من الصیاح ونحوذلک وقد یقال:إذا أمن جمیع ذلک فلا مانع من الإذن لهن، لأن تذکر الموت یحتاج إلیه الرجال و النساء .

قال الشوکانی فی نیل الأوطار: وهذا الکلام هو الذی ینبغی اعتماده فی الجمع بین أحادیث الباب المتعارضة فی الظاهر. (أحکام الجنائز للشیخ الألبانی: ص۱٤۸)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان

ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے:

سوال: کسی مسلمان کو اگر غیر مسلم دکان وغیرہ میں قتل کر دے تو شہید کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ظلماً قتل کیا جانے والا مسلمان شہید ہے یعنی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، لہذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اسی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو نزل عليه اللصوص ليلاً في المصرفقتل بسلاح أوغيره أوقتله قطاع الطريق خارج المصربسلاح أوغيره فهوشهيدلأن القتيل لم يخلف في هذه المواضع بدلاً هومال ولوقتل في المصرنهاراً بسلاح ظلماً بأن قتل بحديدة أومايشبه الحديدة كالنحاس والصفر وما أشبه ذلك، أومايعمل عمل الحديدة من جرح أوقطع أوطعن بأن قتله بزجاجة أوبليطة قصب أوطعنه برمح لازج له أورماه بنشابة لانصل لهاأوأحرقه بالناروفي الجملة كل قتل يتعلق به وجوب القصاص فالقتيل شهيد . (بدائع الصنائع:۱/۳۲۱،فصل فی الشهيد،سعيد)

درمختار میں ہے:

وهو كل مسلم طاهر......قتل ظلماً بغيرحق بجارحة أي بمايوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل المال بل قصاص حتى لووجب المال بعارض كالصلح أوقتل الأب ابنه

لاتسقط الشهادة. (الدرالمختار:۲/۲٤۷۔والشامی:۲/۲۵۰،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱٦۷،الفصل السابع فی الشهید۔وفتاوی محمودیه:۹/۲۹۵،باب احکام الشهید)

بہشتی زیور میں ہے: شہید کے جواحکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدث اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو،

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اوراس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کردیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کواس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگراس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں......اگرکسی شہید میں ان شرئط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تواس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔(بہشتی زیور گیارہواں حصہ:ص۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم:

سوال: سنامی میں جولوگ شہید ہوئے بعض لوگ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حدیث اورحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ”عصفور من عصافیر الجنة“ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو شہداء نہیں کہنا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ ان کو شہداء کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سنامی میں انتقال کرنے والوں کوشہداء کہنا صحیح اوردرست ہے، کیوں کہ غریق بھی شہید کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الشهداء خمس المطعون و المبطون الغريق وصاحب الهدم و الشهيد فی سبيل اللّٰه. (رواه الترمذی: ۱/ ۲۰۴، باب کاجاء فی الشهداء من هم، فيصل)

ہاں قطعی فیصلہ بغیر وحی کے نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قطعی فیصلہ کرنے والوں پر تنبیہ فرمائی البتہ ان شاء اللہ کے ساتھ شہید کہنے میں کوئی حرج نہیں لہذا اب ان دونوں احادیث کی وجہ سے کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ والی روایت ملاحظہ ہو:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرنی خارجة بن زيدبن ثابت رضی اللہ عنہ أن أم العلاء امرأة من الأنصار رضی اللّٰه تعالىٰ عنها بايعت رسول اللّٰه ﷺ أخبرته أنهم اقتسموا المهاجرين قرعة قالت: فطار لنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وأنزلناه فی أبياتنا فوجع وجعة الذی توفی فيه فلما توفی غسل وكفن فی أثوابه دخل رسول اللّٰه ﷺ قالت: فقلت رحمة اللّٰه عليک أباالسائب فشهادتی عليک لقد أكرمک اللّٰه فقال رسول اللّٰه ﷺ وما يدريک أن اللّٰه أكرمه فقلت: بأبی أنت يارسول اللّٰه فمن يكرمه اللّٰه فقال رسول اللّٰه ﷺ: أما هوفوالله جاء ه اليقين والله إنی لأرجوله الخير ووالله ماأدری وأنارسول اللّٰه ماذا يفعل بی فقالت: والله لاأزكی بعده أحداً أبداً. (رواه البخاری: ۲/ ۱۰۳۷/ ۶۷۳۳، باب رؤيا النساء)

حدیث **"عصفور من عصافير الجنة"** ملاحظہ ہو:

عن عائشة أم المؤمنين رضی اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: دعی رسول اللّٰه ﷺ إلى جنازة صبی من الأنصار فقلت: يارسول اللّٰه طوبىٰ لهذا عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه قال: أوغير ذلک ياعائشة إن اللّٰه خلق للجنة أهلاً خلقهم لها وهم فی أصلاب آباء هم فخلق للنار أهلاً خلقهم لها وهم فی أصلاب آباء هم. (رواه مسلم: ۲/ ۳۳۷) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے قتل ہونے والا شخص شہید کے حکم میں لہذا اس پر شہداء کے احکام جاری ہوں گے یعنی حنفیہ کے ہاں غسل نہیں دیا جائے گا۔ مبسوط میں ہے:

ومن صار مقتولاً من جهة قطاع الطريق لم يغسل أيضاً لأنه قتل دافعاً عن ماله وقد قال ﷺ: "من قتل دون ماله فهو شهيد" فلهذا لا يغسل. (المبسوط:۲/۵۲،باب الشهيد،ادارة القرآن)

ہدایہ میں ہے:

ومن قتله أهل حرب أو أهل البغي أو قطاع الطريق فبأى شيء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ما كان كلهم قتيل السيف والسلاح. (الهداية:۱/۱۸۳،باب الشهيد،شركة علمية۔ودرر الحكام شرح غرر الاحكام:۱/۱۶۹،باب الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے: شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو،

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کر دیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہو ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے

زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں......اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا ۔(بہشتی زیور گیارھواں حصہ:ص۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔واللہ ﷻ اعلم۔

اقسامِ شہداء:

سوال: شہداء کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کون سی؟

جواب: شہداء کی بہت ساری قسمیں ہیں علامہ سیوطیؒ نے مستقل رسالہ "أبواب السعادة في أسباب الشهادة" تحریر فرمایا ہے جس میں ۴۵ سے زیادہ اقسام بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ "التعليق الممجد" میں فرماتے ہیں:

قد ورد فی الأخبار عدد كثير لمن يجد ثواب الشهادة فمن ذلک:(۱)المقاتل المجاهد وهو أعلى الشهداء (۲) والمطعون (۳)والمبطون (۴)والغريق(۵)وصاحب ذات الجنب(٦) والحريق(۷)والتی تموت بجُمع(۸)والذی يموت بهدم(۹)ومن يقصد الشهادة ويعزم عليه ولايتفق له ذلک كما هوثابت فی حديثی الباب(۱۰) وصاحب السُّل أخرجه أحمد من حديث راشد بن خنيس والطبرانی من حديث سلمان رضی اللہ عنہ(۱۱) والغريب أی المسافربأی مرض مات أخرجه ابن ماجة من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ والبيهقی فی الشعب من حديث أبی هريرة رضی اللہ عنہ والدارقطنی من حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ والصابونی فی المأتين من حديث جابر رضی اللہ عنہ والطبرانی من حديث عنترة رضی اللہ عنہ (۱۲)و صاحب الحمی أخرجه الديلمی من حديث أنس رضی اللہ عنہ (۱۳) واللديغ (۱۴)والشريق(۱۵)والذی يفترسه السبع(۱٦) والخارعن دابته رواها الطبرانی من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ(۱۷)والمتردی أخرجه الطبرانی من حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ(۱۸)والميت على فراشه فی سبيل الله من حديث أبی هريرة رضی اللہ عنہ(۱۹)والمقتول دون ماله(۲۰)والمقتول دون دينه(۲۱)والمقتول دون دمه(۲۲)والمقتول دون أهله أخرجه أصحاب السنن من حديث سعيد بن زيد رضی اللہ عنہ (۲۳)أودون مظلمته أخرجه أحمد من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ(۲۴)والميت فی السجن وقد حبس ظلماًرواه ابن مندة من حديث

علی رضی اللہ عنہ(۲۵)والمیت عشقاً وقد عف وکتم أخرجه الدیلمی من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ(۲۶)والمیت وهو طالب العلم أخرجه البزار من حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ وأبی هریرة رضی اللہ عنہ(۲۷)والمرأة فی حملها إلی وضعها إلی فصالها ماتت بین ذلک أخرجه أبونعیم من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ(۲۸)والصابر القائم ببلد وقع به الطاعون أخرجه أحمد من حدیث جابر رضی اللہ عنہ(۲۹)والمرابط فی سبیل الله(۳۰)ومن قتل بأمره الإمام الجائر بالمعروف ونهیه عن المنکر(۳۱) ومن صبر من النساء علی الغیرة أخرجه البزار والطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ(۳۲)ومن قال کل یوم خمساً وعشرین مرة ''اللّٰهم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت'' أخرجه الطبرانی من حدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها(۳۳)ومن صلی الضحی وصام ثلاث أیام من الشهر ولم یترک الوتر فی السفر ولا الحضر أخرجه الطبرانی من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ(۳۴)والمتمسک بالسنة عند فساد الأمة أخرجه الطبرانی من حدیث أبی هریرة رضی اللہ عنہ (۳۵)والتاجر الأمین الصدوق أخرجه الحاکم من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ(۳۶)ومن دعا فی مرضه أربعین مرة ''لا إله إلا أنت سبحانک إنی کنت من الظالمین'' ثم مات أخرجه الحاکم من حدیث سعد رضی اللہ عنہ(۳۷)وجالب طعام إلی بلد أخرجه الدیلمی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۸)والمؤذن المحتسب،أخرجه الطبرانی من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ(۳۹)ومن سعی علی امرته أو ماملکت یمینه یقیم فیهم أمر اللّٰه ویطعمهم من الحلال(۴۰) ومن اغتسل بالثلج فأصابه برد(۴۱)ومن صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مأة مرة،أخرجه الأول ابن أبی شیبة فی المصنف عن الحسن والثانی الطبرانی فی الأوسط من حدیث أنس رضی اللہ عنہ(۴۲)من قال حین یصبح ویمسی''اللّٰهم إنی أشهدک انک أنت اللّٰه الذی لا إله إلا أنت وحدک لاشریک لک وأن محمداً عبدک ورسولک أبوء بنعمتک علیّ وأبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرک'' أخرجه الأصبهانی من حدیث حذیفة رضی اللہ عنہ(۴۳)ومن قال حین یصبح ثلاث مرات أعوذ باللّٰه السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ویقرأ ثلاث آیات من سورة الحشر أخرجه الترمذی من حدیث معقل رضی اللہ عنہ(۴۴)ومن مات یوم الجمعة أخرجه حمید بن منجویه من حدیث رجل من الصحابة(۴۵)ومن طلب الشهادة صادقاً أخرجه مسلم فهذه

خمسة وأربعون ورد فيهم أن لهم أجر الشهداء وقد ساق الأخبار الواردة فيها السيوطيؒ فی رسالته"أبواب السعادة فی أسبا ب الشهادة"مع زيادة. (التعليق الممجد على مؤطا امام محمد مع تحقيق الدكتور تقی الدين ندوی:۲/۸۹،۹۰،۹۱،باب ما يكون من الموت شهادة،دارالسنة والسيرة بدمشق ـ وكذافی مظاهرحق جديد:۲/۳۸،دارالاشاعت ـ ودليل الفالحين: ۴/۱۵۷،باب بيان جماعة من الشهداء فی ثواب الآخرةويغسلون ـ والشامی:۲/۲۵۲،مطلب فی تعدادالشهداء، سعيد)

اضافہ کے ساتھ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) راہِ خدا میں جس کو قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(۲) طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۳) پیٹ کی بیماری میں یعنی دست اور استسقاء میں مرجانے والا شہید ہے۔

(۴) پانی میں بے اختیار ڈوب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۵) نمونیہ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۶) جل کر مرنے والا شہید ہے۔

(۷) کنواری یا حالتِ حمل میں مرجانے والی عورت شہید ہے۔

(۸) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۹) اور جسے شہادت کی پرخلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہو اور اس کا وقت پورا ہوجائے اور شہادت کی تمنا دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوجائے وہ شہید ہے۔

(۱۰) دِق "ٹی بی" کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۱) حالتِ سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۲) بخار میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۳) جو زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۴) گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۵) درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا شہید ہے۔

(۱۶) سفر جہاد میں سواری سے گر کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۷) جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مرجائے یعنی کسی حادثہ میں مرجائے جیسے کار کا حادثہ، ہوائی جہاز کا حادثہ وغیرہ وغیرہ وہ شہید ہے۔

(۱۸) دورانِ جہاد اپنی موت مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۹-۲۳) اپنے مال، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا شہید ہے۔

(۲۴) جس شخص کو حاکم وقت ظلم وتشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مرجائے وہ شہید ہے۔

(۲۵) پاکباز اور پرہیزگار عاشق جس نے اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حال میں اس کا انتقال ہوگیا وہ شہید ہے۔

(۲۶) طلبِ علم میں مرنے والا شہید ہے، اور طلب علم میں مرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو، یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو، یا کسی علمی مجالس میں حاضر ہو۔

(۲۷) جو عورت حاملہ ہونے کے بعد سے بچے کی پیدائش تک، یا بچہ کا دودھ چھڑانے تک مرجائے وہ شہید ہے،

(۲۸) کسی شہر میں طاعون پھیل جائے اس وقت اسی شہر میں صبر کرکے ٹھہر جائے وہ شہید ہے۔

(۲۹) اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے دوران مرجانے والا شہید ہے۔

(۳۰) جو شخص ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہوکر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے تو وہ شہید ہے۔

(۳۱) جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر وضبط سے کام لیا اسے شہید کا ثواب ملے گا۔

(۳۲) جو شخص روزانہ یہ دعا "اللّٰھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" پچیس مرتبہ پڑھے گا اور اپنی فطری موت مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳۳) جو شخص اشراق اور چاشت کی نماز کا اہتمام کرے اور مہینہ میں تین روزے رکھے، اور حالتِ سفر وحضر میں وتر کی نماز نہ چھوڑے اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

(۳۴) جب امت میں اعتقادی اور عملی گمراہی پھیل جائے اس وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے

والا شہید ہے۔

(۳۵) سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(۳۶) جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا ”لا إلـه إلا أنـت سبحـانـک إنی کنت من الظالمین“ چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں مرجائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(۳۷) جو شخص مسلمانوں کے لئے غلہ فراہم کرے وہ شہید ہے۔

(۳۸) بلا اجرت صرف رضائے الٰہی کی خاطر اذان دینے والا مؤذن۔

(۳۹) جو شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام باندی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔

(۴۰) برف سے غسل کرنے کی وجہ سے سردی نے مارڈالا ہو وہ شہید ہے۔

(۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براءت یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

(۴۲) جو شخص صبح وشام یہ دعا پڑھے ”اللّٰهم إنی أشهدک انک أنت اللّٰـه الذی لاإلـه إلا أنت وحدک لا شریک لک وأن محمداً عبدک ورسولک أبوء بنعمتک علیّ وأبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرک“ وہ شہید ہے۔

(۴۳) جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ ”أعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم“ اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں اور وہ شخص اگر اس دن مرجاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے، اور جو شخص شام کو یہ آیتیں پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴۴) جو شخص جمعہ کی شب میں مرجاتا ہے وہ شہید ہے۔

(۴۵) جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے اور مرجائے تو وہ شہید ہے۔

(۴۶) منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۷) جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۸) جو شخص باوضو مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۹) اسی طرح رمضان کے مہینے میں بیت المقدس، مکہ یا مدینہ مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۰) دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۱) جو شخص کسی آفت وبلا میں مبتلا ہو اور اس آفت وبلا پر صبر ورضا کا دامن پکڑے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۵۲) جو شخص صبح وشام "له مقاليد السموات والأرض" پڑھے وہ شہید ہے۔

(۵۳) منقول ہے کہ جو شخص نوے برس کی عمر میں مرے وہ شہید ہے۔

(۵۴) یا آسیب زدہ ہوکر مرے۔

(۵۵) یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں۔

(۵۶) یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ شہید ہے۔

(۵۷) اسی طرح عادل حاکم وبادشاہ اور شرعی قاضی، یعنی وہ قاضی جو ہمیشہ حق وانصاف کی روشنی میں فیصلہ کرے وہ شہید ہے۔

(۵۸) جو مسلمان کسی کمزور مسلمان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے وہ بھی شہید ہے۔

(۵۹) گڑھے میں گر کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۶۰) جو شخص کشتی میں بیٹھا اور دورانِ سفر قے میں مبتلا ہوا تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

(۶۱) جس شخص نے اپنی زندگی لوگوں کی مہمان داری اور خاطر وتواضع میں گزاری وہ شہید ہے۔

(۶۲) جو شخص میدانِ کارزار میں زخمی ہوکر فوراً نہ مرجائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے وہ بھی شہید ہے۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شہداء کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔

ملاحظہ ہو اوجز المسالک میں ہے:

وهكذا كمارأيت ترتقي الشهداء إلى قريب من ستين. (أوجز المسالك الى مؤطامالك:٤/٥٤٧، باب النهي عن البكاء على الميت،دمشق)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وفات پانے کی فضیلت:

سوال: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وفات یا تدفین کی فضیلت احادیث سے بیان کریں، اوران احادیث کا کیا درجہ ہے وہ بھی ذکر کریں؟

الجواب: مکہ مکرمہ میں وفات کی فضیلت میں چند احادیث حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن عباسؓ قال: لما أشرف النبي صلى الله عليه وسلم على المقبرة وهوعلى طريقها الأول أشار بيده وراء الصفرة فقال: نعم المقبرة قلت للذي يخبرني خص الشعب قال: هكذا نسمع أن النبي صلى الله عليه وسلم خص الشعب المقابل بالبيت. (مصنف عبدالرزاق:۳/۵۷۹/۶۷۳۴).

و رواه عنه الطبراني فی "الكبير" (۱۱۲۸۲)، **وأحمد بن حنبل في "مسنده"** (۳۴۷۲)، **قال الهيثمي في "مجمع الزوائد"** (۳/۲۹۸باب فی مقبرة مكة، دارالفكر) : **وفيه إبراهيم بن أبي خداش حدث عنه ابن جريج و ابن عيينة كما قال أبوحاتم ولم يضعفه أحد ، وبقية رجاله رجال الصحيح . وكذا ذكر عنه الأعظمي في تعليق المصنف.لكن ضعفه شعيب الأرنؤوط فی تعليقه على مسند أحمد** (۳۴۷۲) .

(۲) عن جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من مات في أحد الحرمين بعث آمناً. (رواه البيهقی فی شعب الايمان،رقم:۴۱۸۱،والطبرانی فی الصغير،رقم:۸۲۷،والاوسط،۵۸۸۳).

قال الهيثمي: وفيه موسى بن عبد الرحمن المسروقي وقد ذكره ابن حبان فی الثقات وفيه عبد اللّٰه بن المؤمل وثقه ابن حبان وغيره وضعفه أحمد وغيره وإسناده حسن. (مجمع الزوائد:۲/۳۱۹،دارالفكر).

وفي رواية عن أنس بن مالكؓ قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مات في أحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة ومن زارني محتسباً إلى المدينة كان في جواري يوم القيامة . (رواه البيهقی فی شعب الايمان ،رقم۳۸۶۱).

قلت: إسناده ضعيف، فيه سليمان بن يزيد الكعبی وهوضعيف، وفيه بعض من لم

أعرفهم.

وفي رواية له عن سلمان عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: من مات في أحد الحرمين استوجب شفاعتي وجاء يوم القيامة من الآمنين . رواه البيهقی، (رقم ۳۸۸۲)، قال: عبد الغفور هذا ضعيف وروى بإسناد آخر أحسن من هذا .

قال الهيثمي: رواه الطبراني فی الكبير وفيه: عبد الغفور بن سعيد وهو متروک.
(مجمع الزوائد:۲/۳۱۹-دارالفکر).

(۳) عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: الحجون والبقيع يؤخذان بأطرافهما وينشران فی الجنة . قال المصنف وهما مقبرتا مكة والمدينة. قلت(الزيلعی): غريب جداً.
(تخریج الاحادیث والآثارالواقعة فی تفسیرالکشاف،رقم:۲۰۹)

قال القاريؒ فی "المصنوع فی معرفة الموضوع"(رقم:۱۰۸): لايعرف له أصل .

(۴)عن عبد اللّٰه بن جعفرأنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: أول من أشفع له من أمتي أهل المدينة وأهل مكة وأهل طائف. (رواه الطبرانی فی الاوائل،رقم:۷۶،وفی الاوسط،رقم۱۸۲۷،ووابونعیم فی معرفة الصحابة:۴/۱۸۷۹،والفاکهی فی "اخبارمکة"،رقم:۱۸۱۷،وینظر: التعلیق، والضیاء المقدسی فی "الاحادیث المختارة"،رقم:۱۵۹).

قال الهيثمي في"مجمع الزوائد": رواه البزار والطبراني فی الكبير والأوسط وفيه من لم أعرفهم. (۱۰/۵۴،دارالفکر).

ولكن ذكره الإمام السيوطي فی الجامع الصغير ورمزله بالصحة، (الجامع الصغیر، رقم: ۲۸۳۱).

(۵) أخرج أبو عبد اللّٰه الفاكهي في"أخبار مكة "(۱۸۱۰)، قال: حدثنا محمد بن يوسف بن حميد، قال: ثنا موسى بن طارق، عن ابن جريج، قال: حدثت عن الزهری،قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من قبر بمكة جاء آمناً يوم القيامة ، ومن قبر بالمدينة كنت عليه شهيداً ، وله شفيعاً . قال المحقق عبدالملک : اسناده ضعيف،لانقطاعه وارساله محمد بن يوسف هو ابوحمة الزبيدی .

(٦) عـن ابـن عباسؓ قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نعم المقبرة هذه" قال ابن جريج : يعني: مقبرة مكة. (اخرجه الفاكهي في اخبارمكة، رقم:٢٣٦٩).

قال المحقق عبد الملک: إسناده صحيح،إبراهيم بن أبي خداش ذكره ابن حبان في ثقات التابعين (١٠/٤) وسكت عنه البخارى(٢٨٤/١)، وابن أبي حاتم (٩٨/٢)...الخ.

(٧)عن عبد الله بن مسعودؓ قال: وقف النبى صلى الله عليه وسلم على المقبرة وليس بها يومئذٍ مقبرة فقال: "يبعث الله تبارک وتعالىٰ من هذه البقعة ومن هذا الحرم كله سبعين ألفاً يدخلون الجنة بغيرحساب ، يشفع كل واحد منهم في سبعين ، وجوههم من الأولين والآخرين كالقمر ليلة البدر"فقال أبوبكر: يارسول الله ! فمن هم؟ قال صلى الله عليه وسلم "من الغرباء" فقال: يارسول الله ! ما لمن هلک في حرم الله عزوجل؟ قال صلى الله عليه وسلم :"من هلک في حرم الله تعالىٰ محتسباً داره بعثوا آمنين يوم القيامة"قال: فما لمن هلک في حرمک؟ قال صلى الله عليه وسلم "من هلک بالمدينة محتسباً داره حباً لله تعالىٰ ولرسوله بعثوا آمنين يوم القيامة" قال: فما لمن هلک بين الحرمين مكة والمدينة؟ قال صلى الله عليه وسلم: "من هلک بين مكة والمدينة حاجاً أومعتمراً أوطلب طاعة من طاعة الله عزوجل بعثوا آمنين يوم القيامة". (اخرجه الفاكهي في اخبارمكة،رقم:٢٢٩٧).

قال المحقق عبدالملک في تعليقه على" أخبار مكة "(رقم:٢٢٩٧): إسناده متروک،عبد الرحيم بن زيد العمى ضعيف،كذبه ابن معين ، قال النسائي: متروک الحديث...الخ .

وللمزيد من البحث راجع : (الضعفاء لابن الجوزى،١٩١٥).

(٨) قال محمد بن إسحاق الخوارزمي (٨٢٧ م) في"إثارة الترغيب والتشويق إلى تاريخ المساجد الثلاثة والبيت العتيق"(ص:٢٥٣) ويروى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل الله عز وجل عما لأهل البقيع الغرقد فقال الله تعالىٰ: لهم الجنة، فقال: يا رب مالأهل المعلا؟ قال : يا محمد ! سألتني عن جوارک فلا تسألني عن جواري .

مذکورہ کتاب میں سند مذکور نہیں ہے لہذا اسند کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

(۹) ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے قبرستان میں صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ مدفون ہیں اوران کی صحبت میں دفن ہونا بھی باعثِ خیر برکت کا ذریعہ ہے۔ملاحظہ ہوایک حدیث میں ہے:

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"ادفنوا موتاكم وسط قوم صالحين فإن الميت يتأذى بجار السوء كما يتأذى الحي بجار السوء". قال الإمام السيوطي فی" الجامع الكبير" (۹۵۵)حديث أبي هريرة: أخرجه أبونعيم فی الحلية (۳۵٤/٦) والديلمی (۳۳۷) ،والرافعی (۱۷۷/۲)،وابن حبان فی الضعفاء(۲۹۰/۱)(ترجمة ۳۲۵،داودبن الحصين بن عقيل بن منصور) وقال :حدث حديثين منكرين عن الثقات ، ثم ذكر الحديث ، وقال: هذا باطل لا أصل له. وابن الجوزي فی الموضوعات من طريق أبي نعيم(۱۷۸۱) وقال: حديث لايصح .

وحديث عليؓ : أخرجه ابن عساكر فی"تاريخه"(۱۹۷/۳۷) بلفظ: أمرنا أن ندفن موتانا وسط قوم صالحين وقال: إن الموتى يتأذون بجيران السوء كما يتأذى الأحياء. وفيه سليمان بن عيسى ، وهو متروك .

وحديث ابن مسعودؓ : أخرجه ابن عساكر (۳۷۷/۵۸). إسناده ضعيف، وبالجملة، فهذا الطريق خير طرق هذا الحديث. قاله الألباني فی "الضعيفة" (۶۱۳).

قال الإمام السخاوي فی"المقاصد" بعد أن أورده: ولكن لم يزل عمل السلف والخلف على هذا وما يروى في كون الأرض المقدسة لاتقدس أحداً إنما يقدس المرأ عمله قد لاينافيه .

مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی فضیلت ملاحظہ ہو:

(۱) عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت بالمدينة فإني أشفع لما مات بها. رواه ابن حبان فی صحيحه(۳۷٤۱) قال الشيخ شعيب : إسناده صحيح على شرط الشيخين .

ورواه أيضاً الترمذی (۳۹۱۷)، وابن ماجه(۳۱۱۲)، وأحمد (۵٤۳۷)، والبزار(۵۸٤۲).

(۲) عن سبيعة الأسلمية أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت فإنه لن يموت بها أحد إلا كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة ، قال

البیهقی: قال الشیخ أحمد: وفي روایة إسماعیل بن أبی أویس عن عبد اللّٰه بن عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب قال: فإنه لایموت فیها أحد إلا کنت له شهیداً أو شفیعاً یوم القیامة. (رواه البیهقی فی شعب الایمان،رقم:۳۸۸٦).

و رواه أیضاً الطبراني فی"الکبیر"(٤٥٨)، عن امرأة یتیمة، وأبونعیم فی معرفة الصحابة (٦/٣٥٨٧)، عنها، وقال الهیثمي: رواه الطبراني فی الکبیر وإسناده حسن ورجاله رجال الصحیح خلا شیخ الطبرانی. (٣/٣٠٦،دارالفکر).

(۳) عن عمرؓ قال: اللّٰهم ارزقني شهادة في سبیلک واجعل موتي في بلد رسولک صلی اللّٰه علیه وسلم . (رواه البخاری،رقم:١٨٩٠).

(۴) عن یحی بن سعید قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم جالساً وقبر یحفر بالمدینة فاطلع رجل فی القبر فقال: بئس مضجع المؤمن فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: بئس ماقلت، فقال الرجل: إني لم أرد هذا یارسول اللّٰه ! إنما أردت القتل في سبیل اللّٰه فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا مثل للقتل في سبیل اللّٰه ما علی الأرض بقعة هي أحب إلي أن یکون قبري بها منها ثلاث مرات یعنی المدینة. (رواه الامام مالک مرسلاً، رقم:١٦٧٨).

قال ابن عبدالبر فی"الاستذکار" (٥/١١٢): لا أحفظ لهذا الحدیث سنداً لکن معناه محفوظ فی الأحادیث المرفوعة .

(۵) عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً ألا أحدثکم عني وعن أمي قال: فظننا أنه یرید أمه التي ولدته قال: قالت عائشةؓ: ألا أحدثکم عني وعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قلنا: بلی، قال: قالت: لما کانت لیلتي التي کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم فیها عندي...قال: فإن جبریل أتاني حین رأیت فناداني فأخفاه منک فأجبته فأخفیته منک ولم یدخل علیک وقد وضعت ثیابک وظننت أن قد رقدت فکرهت أن أوقظک وخشیت أن تستوحشي فقال: إن ربک یأمرک أن تأتي أهل البقیع فتستغفرلهم ...الخ.

(رواه مسلم ، رقم:٩٧٤،واحمد،رقم:٢٥٨٥٥).

نیز جو روایات مکہ مکرمہ میں وفات پانے کی فضیلت میں مذکور ہوئیں ان میں سے بعض مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ دونوں کے مابین مشترک ہیں۔

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان تمام فضائل کے باوجود صحابہ کرامؓ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو بھی ترک کیا، اور وہیں پر مدفون ہیں۔ تو کیا موت فی سبیل اللہ افضل ہے یا حرمین میں وفات پانا افضل ہے؟

الجواب: حضرت شیخ اوجز المسالک میں فرماتے ہیں:

أن القتل في سبيل الله أفضل من الموت بالمدينة عند المجهور، وحكى القاري الإجماع على ذلک خلافاً لما يظهر من كلام الطيبي من عكسه...وقال صاحب "المحلى": أى ليس الموت بالمدينة مثل القتل في سبيل الله، بل هو أفضل، هكذا فسر الطيبى، فعلم منه أن الموت والدفن فيها أفضل من الشهادة.

قال جدى الشيخ الأجل الدهلوي۔ قدس سره۔: قد اختلج أن الظاهر على هذا التقدير أن يقال: ليس القتل في سبيل الله مثل الموت فى المدينة، ويحتمل أن يكون معناه ليس الموت بالمدينة مثل القتل في سبيل الله، بل القتل أفضل، لكن لم يرزق الشهادة، فالمدينة أفضل من غيرها، وهذا احتمال لفظي، ولا شک أن المعنى الأول أبلغ وأدخل فى فضيلة المدينة.

قال صاحب "المحلى" يؤيد ما ذكره الشيخ إيراد الإمام هذا الحديث فى أبواب فضائل الجهاد، ولو كان المعنى كما فسره الطيبي كان ينبغى إيراده في أبواب فضائل المدينة.

قلت: أشار القاري إليه بقوله: بل فى الحديث ما يدل الخ. فهو إشارة إلى ما فى "المشكاة" براوية النسائى وابن ماجه عن عبد الله بن عمر. وقال: توفى رجل بالمدينة ممن ولد بها، فصلى عليه النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا ليته مات بغير مولده قالوا: ولم ذاک يا رسول الله؟ قال: إن الرجل إذا مات بغير مولده، قيس له من مولده إلى منقطع أثره

فی الجنة . (اوجز المسالك:۹/۳۴۸،۳۴۹).

وللاستزادة انظر: (الدرالمنثور ، و تفسير الكشاف، تحت قوله تعالىٰ: ﴿ومن دخله كان آمناً﴾، ومرقاة المفاتيح:۶/۲۷، وأوجزالمسالك:۹/۳۴۴).

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک قتل فی سبیل اللہ افضل ہے،اوراگرکسی کوقتل فی سبیل اللہ کے ساتھ دفن فی المدینہ میسرہوتو''نورعلی نور'' اور''سونے پہ سہاگا''ہے۔تاہم ہرمسلمان کے دل میں حرمین میں خصوصاً مدینہ منورہ میں موت کی تمناوخواہش ہونی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کونصیب فرمائے۔آمین۔واللہ ﷻ اعلم۔

مصادر ومراجع

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ دوم

القرآنِ الکریم تنزیل من رب العٰلمین

الف

امداد الفتاح شرح نور الإیضاح للفقیه حسن بن عمار الشرنبلالی بیروت

آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدھیانوی

اتحاف السادة المتقین فی شرح احیاء علوم الدین للسید محمد الحسینی الشھیر بمرتضیٰ حسن دار الفکر

الأبواب والتراجم حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی

احسن الکلام فی ترک القراء ة خلف الإمام حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

الاختیار لتعلیل المختار عبد اللہ بن محمود الموصلی بیروت

الاستذکار ابن عبد البر

اسنی المطالب ابو یحیی زکریا الآنصاری بیروت

آکام المرجان فی غرائب الاخبار و أحکام الجان آرام باغ کراچی

الأشباه والنظائر الامام جلال الدین السیوطیؒ بیروت

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کراچی

إعانة الطالبین ابوبکر عثمان بن محمد التوفیقیة

أحکام القنطرة فی أحکام البسملة مولانا عبدالحی لکھنوی ادارة القرآن

اقامة الحجة على أن الإكثار فى التعبد ليس ببدعة مولانا عبدالحی لکھنوی ادارة القرآن
الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف ابن عبد البر جامع الحديث
الاعجوبة فى عربية خطبة العروبة حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
ابو داود للحافظ سليمان بن اشعث ابو داود السجستانیؒ و ۲۰۲ ت ۲۷۵ کتب خانہ مرکز علم کراچی
احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کمپنی
احكام القرآن ابو بكر محمد بن عبد الله ابن عربى دار الفكر
اوجز المسالک لشيخ الحديث المولانا محمد زكرياؒ مكتبه امداديه ملتان
امدادالفتاوی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی
الاذكار ابو زكريا محى الدين بن شرف النووى و ۶۳۱ ت ۶۷۶ دار العربيه بيروت
احياء علوم الدين امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالى ت ۵۰۵ دار الفكر
ابن ماجه ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ قديمى كتب خانه
الاتقان فى علوم القرآن جلا ل الدين عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى دار احياء العلوم بيروت
امدادالاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی و مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی
أحكام الجنائز محمد ناصر الدين ألبانى
الآحاد والمثانى ابن أبى عاصم جامع الحديث
أخلاق النبى صلى الله عليه وسلم ابو الشيخ الأصبهانى جامع الحديث
اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور
آثار السنن علامہ محمد علی النیموی ت ۱۳۲۲ صدیقیہ کتب خانہ
اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی التھانویؒ ادارة القرآن كراچى
الأشباه و النظائر زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفى ت ۹۷۰ ادارة القرآن كراچى
امداد المفتيين حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و ۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶ دار الاشاعت
انجاح الحاجة حاشية ابن ماجه الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى ۱۲۹۵ قديمى كتب خانه
ارشاد السارى الى مناسک الملا على القارى حسين بن محمد المكى الحنفى بيروت
اكمال المعلم بفوائدمسلم أبو الفضل عياض بن موسى دا ر الوفا
الإصباح حاشية نور الإيضاح مولانا اعزاز على ديوبندى مجيديه
امانى الأحبار مولانا محمد يوسف صاحبؒ اداره تاليفات اشرفه

ارواء الغلیل فی تخریج احادیث بناء السبیل للشیخ الالبانی صاحب الکمتب الاسلامی

باء

البنایة شرح الهدایة للعلامه العینیؒ فیصل آباد

البخاری ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاریؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

بذل المجهود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لکھنؤ

البدایة و النهایة للحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقیؒ ت۷۷۴ دار المعرفة

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بہشتی گوہر اصلی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بدایة المجتهد ابو الولید محمد بن احمد القرطبی دار نشر الکتب

البیان ابو الحیسن یحیی بن أبی الخیر دار المنهاج

البجیرمی علی الخطیب للشیخ سلیمان بن محمد التوفیقیة

البحر الرائق للشیخ زین الدین ابن نجیم مصری المکتبة الماجدیة

بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع لعلاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی ت۵۸۷ سعید کمپنی

برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق حضرت مولانا یعقوب قاسمی جمہوسرو برطانیہ

تاء

تفسیر الماوردی ابو الحسن علي بن محمد بن حبیب الماوردیؒ و۳۶۴ ت۴۵۰ دار الکتب العلمیة

تفسیر القرطبی محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ دار الکتب العلمیة

تفسیر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر الطبری دار المعرفة بیروت

تهذیب التهذیب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت

تحفة الأحوذی ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوریؒ و۱۲۸۳ ت۱۳۵۳ دار الفکر

الترمذی ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمزیؒ و۲۰۹ ت۲۷۹ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

تفسیر بیضاوی ناصر الدین عبد الله بن عمر البیضاوی موقع التفاسیر

التعلیقات علی المراسیل للشیخ شعیب الأرناؤط مؤسسة الرسالة

التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد مولانا فخر الحسن گنگوہی سعید کمپنی

تدویر الفلک فی حصول الجماعة بالجن والملک　علامہ لکھنوی　ادارة القرآن
التاج والإکلیل لمختصر الخلیل　للشیخ محمد بن یوسف العبدری　موقع الإسلام
التعلیقات علی الترمذی و ابی داؤد وابن ماجه و ابن خزیمه　للشیخ الألبانی　المکتب الاسلامی
التعلیقات علی صحیح ابن حبان　للشیخ شعیب الأرنووط　دار السلام
التیسیر شرح جامع الصغیر　زین الدین عبد الرؤوف المنادی　الریاض
التعلیق الحسن　علامہ نیموی　صدیقیه کتب خانه
التعلیق الممجد　علامہ عبدالحی لکھنوی　بتحقیق الدکتور تقی الدین الندوی　دمشق
تهذیب الکمال　للحافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزّی و۶۵۴ ت ۷۴۲　مؤسسة الرسالة
تاریخ بغداد　للحافظ ابی بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی و۳۹۳ت ۴۶۳　الکتب العلمیة
تقریب التهذیب　للشیخ احمد بن علی بن حجر العسقلانی و۷۷۳ت ۸۵۲　دار نشر الکتب الاسلامیة
التذکرة فی احوال الموتی وامور الآخرة　ابو عبد الله محمد بن احمد　الانصاری القرطبی دار الریان للتراث
تحریر التقریب　للدکتور بشار عواد معروف والشیخ شعیب الارنؤوط　موسسة الرسالة
تاج العروس　للسید محمد المرتضی الزبیدی　مطبعه خیریه
تنویر الابصار　للعلامه شمس الدین محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ت ۱۰۰۴　سعید کمپنی
تلبیس ابلیس (مترجم)　علامہ ابن جوزی (مترجم علامہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑہی) کتب خانہ مجیدیہ
التفسیر المظهری　للقاضی محمد ثناء الله　ت ۱۲۲۵　بلوچستان بک ڈپو
التمهید　ابو عمر یوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و۳۶۸ت ۴۶۳ مکتبة المؤید
تفسیر عثمانی　شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ　مدینہ منورہ
الترغیب و الترهیب　للحافظ ذکی الدین عبد العلیم المنذری ت ۶۵۶　دار احیاء التراث
تفسیر ابن أبی حاتم　ابن أبی حاتم الرازی
تکملة فتح الملهم　مفتی محمد تقی عثمانی صاحب　مکتبۂ دارالعلوم کراچی
التعلیقات علی نصب الرایة　للشیخ محمد عوامة　المکتبة المکیة
التعلیقات علی ابن ماجه　الدکتور بشار عواد معروف　دار الجیل بیروت
تعلیم الاسلام　حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی　تاج کمپنی لاہور
تنقیح الفتاوی الحامدیة　للسید محمد امین ابن عابدین الشامی　دار الاشاعة العربیة
تالیفاتِ رشیدیہ　حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳　ادارہ اسلامیات لاہور

تذکرة الموضاعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت۵۰۷ میر محمد کتب خانه کراچی
تبیین الحقائق علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی مکتبه امدادیه ملتان
تذکرة الرشید حضرت مولوی محمد عاشق الٰہیؒ مکتبه عاشقیة
التعلیقات علی مشکاة للشیخ الألبانی المکتبة الاسلامی
التعلیقات علی تهذیب الکمال للدکتور بشار عواد معروف مؤسسة الرسالة
تعلیق الشیخ محمد عوامه علی المصنف للشیخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه المجلس العلمی
تذکرة الموضوعات للشیخ محمد طاهر الفتنی الهندی المطبعة الیمنیة
تقریرات الرافعی علامہ رافعی سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر للحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی ت۷۷۴ دارالسلام
تسهیل الفلکیات پروفیسر عبداللطیف کراچی

ثاء

الثمر الدانی صالح عبد السمیع الأزهری دار الفکر

جیم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی
جمع الوسائل فی شرح الشمائل للشیخ ملا علی بن سلطان محمد القاری اداره تالیفات اشرفیه
الجامع الصغیر لجلال الدین بن أبی بکر السیوطی ت ۹۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت
الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری لعلاء الدین الماردینی ابن الترکمان ت۷۴۵ دار المعرفة
جامع الأحادیث لجلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱ دار الفکر
الجوهرة النیرة أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت۸۰۰ مکتبة امدادیة
جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
جزء رفع الیدین الامام البخاری

حاء

حاشیة سنن النسائی الامام السندهی قدیمی کتب خانه
حاشیة امداد الفتاح للشیخ عبد الکریم العطا بیروت

حاشية مؤطا امام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی
حاشية صحيح ابن خزيمة الدكتور محمد مصطفى الأعظمى المكتب الاسلامى
حاشية الدسوقى شمس الدين محمد عرفه الدسوقى دار الفكر
حاشية تبيين الحقائق للشيخ شهاب الدين احمد الشلبى امداديه
حواشى الشيروانى للشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى دار الفكر
حديث اسماعيل بن جعفر للشيخ اسماعيل بن جعفر موقع الحديث
حاشية القليوبى شهاب الدين القليوبى و الشيخ عميرة ابناء السورتى تجارة الكتب
حياة الصحابة حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ المكتبة التجارية
حلية الأولياء للحافظ أبى نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ۴۳۰ دار الفكر
حیاتِ محمود فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مکتبہ محمودیہ
حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح للعلامه السيد أحمد الطحطاوى مير محمد كتب خانه كراچى
الحاوى للفتاوى لجلال الدين السيوطى ت ۹۱۱ فاروقى كتب خانه
حاشية الجمل للشيخ سليمان الجمل دار الفكر
حجة الله البالغة حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مکتبہ حجاز دیوبند
حاشیۃ لامع الدراری حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی

خاء

خیر الفتاویٰ مولانا خیر محمد جالندھری ودیگر مفتیانِ خیر المدارس شرکت پرنٹنگ لاہور
خلاصة الفتاوىٰ للشيخ طاهربن عبد الرشيد البخارى مكتبه رشيديه كوئٹه
خزائن السنن مولانا سرفراز خان صفدر
خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى للعلامه السمهودىؒ

دال

الدر المنثور عبد الرحمن جلال الدّين السيوطىؒ و ۸۴۹ ت ۹۱۱ مركز للبحوث و الدّراسة العربية مكة
الدر المختار علاء الدين محمد بن على حصكفىؒ و ۱۰۲۵ ت ۱۰۸۸ ايچ ايم سعيد كمپنى
دليل الفالحين محمد بن علان الشافعى المكى مصر
درر الحكام فى شرح غرر الأحكام القاضى المنلا خسرو معارف نظارت جليلة

درس ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ذال

الذخیرة شهاب الدين احمد بن ادريس القرافى دار القرب الإسلامى

راء

روح المعانى شهاب الدين السيد محمود الآلوسى البغدادیؒ ت۱۲۷۰ التراث القاهرة

رد المحتار خاتمة المحققين محمد امين (ابن عابدين الشامى) ت ۱۲۵۲ ایچ ایم سعید کمپنی

روضة الطالبين الإمام النووى المكتب الإسلامى

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز مفتی جمیل احمد نذیری لاہور

رسائل ابن عابدین علامہ شامیؒ سہیل اکیڈمی

زاء

زاد المعاد فى هدى خير العباد شمس الدين أبو عبد الله الزرعى و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

سين

سلسلة الاحاديث الضعيفة للشيخ محمد ناصر الدين الالبانیؒ المكتب الاسلامى

سلسلة الأحاديث الصحيحة محمد ناصر الدين الألبانى مكتبة المعارف الرياض

سنن الكبرى للنسائى أحمد بن شعيب النسائى

سير اعلام النبلاء شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى و۶۷۳ت۷۴۸ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمى عبد الله بن عبد الرحمن الدارمى السمرقندى و ۱۸۱ت۲۵۵ قديمى كتب خانه

سنن الدارقطنى للحافظ على بن أبى بكر الدارقطنى و ۳۰۶ت۳۸۵ مكتبة المتبنى القاهرة

السنن الصغير الامام البيهقى دار الفكر

السنن الصغرى للبيهقى الامام البيهقى

سنن سعيد بن منصور سعيد بن منصور الخراسانى ت۲۲۷ الدار السلفية الهند

السنن الكبرى للحافظ ابى بكر احمد بن الحسين بن على البيهقى دار المعرفة

السعاية علامہ لکھنوی سہیل اکیڈمی

السنن و البدعات

شین

شرح النقایة حافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی

شرح الطیبی شرف الدین حسین بن محمد بن عبد الله الطیبی ت۷۴۳ ادارة القرآن

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی

شرح المسلم أبوالفضل عیاض بن موسی دار الوفاء

شرح بلوغ المرام شیخ عطیه سالم بیروت

شرح الوجیز ابو القاسم عبد الکریم بن محمد بیروت

شرح المجلة محمد خالد الاتالسی رشیدیه

شرح وقایه عبد اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی

شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی مکتبه اسعدی

شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند

شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی

شر ح المسلم للنووی ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و۶۳۱ت۶۷۶ دار احیاء التراث

شفاء السقام فی زیارة خیر الانام علامہ سبکی

الشرح الکبیر للشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت

شرح الصدور حافظ جلال الدین السیوطی ت۹۱۱ دار المؤید الریاض

شرح الزرقانی علامة محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکیؒ دار احیاء التراث بیروت

شرح مختصر الخلیل شیخ محمد علیش دار الفکر

صاد

صحیح و ضعیف سنن نسائی محمد ناصر الدین الألبانی

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت

طاء

الطبقات الکبری محمد بن سعدؒ دار صادر بیروت

الطحطاوی علی الدر المختار للعلامه السید أحمد الطحطاوی مکتبة العربیة کوئٹه

عین

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی المحدث الکبیر انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی
عمدة المفتیین الإمام النووی المکتب الإسلامی
العطر العنبری فی حکم اجابة الأذان المنبری مولانا قاضی رحمۃ اللہ صاحب راندیری
عمدة الرعایة علی شرح الوقایة مولانا عبدالحی لکھنوی المجیدی کانفوری
عیدگاہ کی سنیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی
عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد
عارضة الأحوذی الإمام ابن العربی المالکی دار الکتاب العربی
عمل الیوم و اللیلة أبو عبد الله أحمد بن شعیب النسائی ت۳۰۳ دار الفکر
عجالة الراغب المتمنی فی تخریج ابن السنی أبو اسامه بن سلیم بن عبد الهلالی دار ابن حزم
عمدة الفقه حضرت مولانا زوار حسین صاحب مجددیہ
عالمی تاریخ مولانا عثمان معروف
عمل الیوم و اللیلة أبوبکر أحمدبن محمدبن اسحاق ابن السنی دائرة المعارف العثمانیة
عمدة الرعایه مولانا عبدالحی لکھنوی مطبع مجیدی
عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة
العنایة شرح الهدایة أکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸۶
عمدة القاری فی شرح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان

غین

الغرر البهیة للشیخ زکریا بن محمد الأنصاری
غمز عیون البصائر للشیخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن
غنیه المتملی فی شرح منیة المصلی للشیخ ابراهیم الحلبی ت۹۵۶ سهیل اکیڈیمی لاهور

فاء

فتاویٰ حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ
فتاویٰ مفتی محمود مولانا مفتی محمود صاحب ملتان لاہور

فتح الباری شرح صحیح البخاری للشیخ ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی
فتاوی واحدی للعلامہ عبد الواحد السیوستانی کوئٹہ ،پاکستان
الفتاوی السراجیة ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان آرام باغ کراچی و زمزم پبلشرز
الفتاوی الموصلة للشیخ العز بن عبد السلام الشافعی بیروت
فتاویٰ خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
فتاویٰ عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کراچی
فتاویٰ محمودیہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کتب خانہ مظہری کراچی وجامعہ فاروقیہ
فتح الباری فی شرح البخاری للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ و۷۷۳ت ۸۵۲ دار نشر الکتب الاسلامیة
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (کبیر) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند
فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی
فیض القدیر للحافظ محمد عبد الرؤف المناویؒ دار الفکر
الفتاوی الہندیة للشیخ نظام الدین وجماعة من علماء الہند الاعلام بلوچستان بک ڈپو
فتاویٰ ثنائیہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری اسلامک پبلشنگ ہاوس
فتاوی ابن تیمیہ للشیخ احمد ابن تیمیة دار العربیة بیروت
فتاویٰ رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ
فتح القدیر کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن ہمام ت ۶۸۱ دار الفکر
فیض الباری حضرت مولانا انورشاہ کشمیری ت۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاہرة
فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ مکتبۂ رحمانیہ لاہور
فتح باب العنایة للشیخ الملا علی القاری
الفروع أبو عبد اللہ محمد بن مفلح المقدسی دار الکتاب العربی
فتاوی قاضیخان للفقیہ فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی ت۵۹۲، بلوچستان بک ڈپو
الفقہ الاسلامی و أدلتہ للدکتور وہبة الزحیلی دار الفکر
الفتاوی التاتارخانیة عالم بن علاء الانصاری الاندربنی الدہلوی ت۷۸۶ ادارةالقرآن
فتاوی اللکھنوی أبو الحسنات عبد الحی اللکھنوی و۱۲۶۴ ت۱۳۰۴، دار ابن حزم کراچی
الفتاوی البزازیة لحافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب البزار الکردی ۸۲۷ بوچستان بک ڈپو
الفقہ علی مذاہب الأربعة للشیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر

فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحب اکوڑہ خٹک
الفردوس بمأثور الخطاب ابو شجاع الديلمی دار الكتب العلمية

قاف

قواعد فی علوم الحديث حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی دار السلام
القاموس الوحيد مولانا وحیدالزمان کیرانوی حسینیہ دیوبند
قيام الليل ابو النصر المروزی بيروت
قواعد الفقه لمولانا عميم الاحسان المجددی

کاف

كتاب الدعاء أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ دار الكتب العلمية بيروت
كتاب العلل و معرفة الرجال الإمام أحمد بن حنبل
كتاب الحجة الامام ابوحنيفةؒ
كتاب الجرح و التعديل أبو محمد عبد الرهمن بن أبی حاتم الرازی ت۳۲۷ دائرة المعارف العثمانية
كتاب الضعفاء والمتروكين أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزی دار الكتب العلمية
كنز العمال لعلاء الدين علی المتقی بن حسام الدين الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة
کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ دارالاشاعت کراچی
كشف الخفاء للشيخ اسماعيل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احياء التراث بيروت
كتاب الروح للشمس الدين ابی عبد الله ابن القيم الجوزيه دار الفكر
كشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن يونس بن ادريس البهوتی دار الفكر
كتاب الام الإمام الشافعی بيروت

گاف

گیارہ رکعت تراویح مناظرہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کراچی

لام

لسان العرب للعلامه ابن منظورؒ و ۶۳۰ ت ۷۱۱ مكتبة دار الباز مكة المكرمة
لغات الحديث للعلامه وحيد الزمان آرام باغ كراچی

لامع الدراری حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سعید کمپنی

لسان الميزان ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانى ت ۸۵۲ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

لا جديد فى أحكام الصلوة أبو زيد بكر بن عبد الله دار العاصمة

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و االإفتاء للشيخ احمد بن عبد الرزاق الدويش رياض

ميم

مشكاة المصابيح ابو عبد الله محمد بن عبد الله خطيب طبريزیؒ قديمى كتب خانه كراچى

مرقاة المفاتيح للشيخ الملا على القاریؒ مكته امداديه ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشيریؒ و ۲۰۶ ت ۲۶۱ مكتبة الاشرفية ديوبند

مختصر التحفة المرغوبة فى أفضلية الدعاء بعد المكتوبة للشيخ محمد قاسم السندى حلب

مختصر القدورى ابوالحسن احمد بن محمد البغدادى سعيد

مجموعة الرسائل علامہ لکھنوی

المحيط البرهانى محمود صدر الشريعة ابن مازه الرياض

مختصر المذنى الامام المذنى الشافعى بيروت

منحة الخالق حاشية البحر الرائق للعلامة الشامى كوئٹه

منح الجليل شرح مختصر الخليل للشيخ محمد عليش دار الفكر

ماہانہ ندائے شاہی

منظومه ابن وهبان عبد البر بن محمد ابن الشحنة الوقف المدنى ديوبند

مجموعة فتاوى و رسائل للشيخ ابن عثيمين بيروت

مجمع بحار الأنوار للشيخ محمد طاهر الفتنى الغجراتى الهندى مدينه منوره

المصاحف للامام ابى داؤد

منتخب نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین الاعظمی صاحب

المقاييس و المقادير عند العرب الشهيدة نسيبة محمد فتحى الحريرى دار المعارف ديوبند

الموسوعة الفقهية وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامية الكويت

المدخل ابوعبد الله ابن الحاج دار الفكر

مغنى المحتاج محمد بن محمد الخطيب الشربينى التوفيقية

معرفة السنن و الآثار الإمام البيهقى جامع الحديث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی موقع الإسلام
مظاہرحق جدید نواب قطب الدین خان دہلوی دارالاشاعت
المستدرک للحاکم ابو عبد الله المعروف بالحاکم ت۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکة المکرمة
مجمع الزوائد للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی ت۸۰۷ دار الفکر
مسند الامام احمد بن حنبل للاما م احمد بن حنبل الشیبانی و۱۶۴ ت ۲۴۱ دار الفکر
معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ت۱۳۹۶ ادارة المعارف کراچی
المصنف للحافظ ابی بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت۲۳۵ ادارة القرآن کراچی
معارف القرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مکتبة المعارف
المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار الفکر
میزان الاعتدال للحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی
المعجم الکبیر حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و۲۶۰ت ۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه
مصباح اللغات ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی قدیمی کتب خانه کراچی
مختصر المعانی للشیخ سعد الدین التفتازانی سعید کمپنی
مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ
المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه
ماہنامہ ''المحمود''
ملفوظاتِ فقیہ الامت فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی میرٹھ
مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
مستخرج ابو عوانة ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
مسند الامام الاعظم ابوحنفیة النعمان بن ثابت الکوفی التابعی و۸۰ ت ۱۵۰ میر کتب خانه
مقالات کوثری شیخ محمد زاہد الکوثری ت۱۳۷۱ دار سحنی
الموسوعة الفقهیة أبو الحسین أحمد بن محمدالبغدادی القدوری و ۳۶۲ت۴۲۸، دار السلام
مدارک التنزیل وحقائق التاویل أبو البرکات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفی ت ۷۰۱ دار الفکر
موضوعات کبیر علی بن سلطان محمد الھروی ملاعلی القاری ت۱۰۱۴ میر محمد کتب خانہ کراچی
المغنی عن حمل الأسفار للعلامه زین الدین أبی الفضل عبد الرحیم العراقی ت۸۰۶ ،دار الفکر
المقاصد الحسنة لشمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی دار الکتب العلمیة

المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد المالکی ابن الحاج ت۷۳۷ دار الفکر
مسند أبو داؤد طیالسی أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت۲۰۴، دار المعرفة
المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت۳۶۰ مکتبة المعارف
مسند أبی یعلی شیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی و ۲۱۰ ت۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن
من فضائل سورة الاخلاص وما لقارئها أبو محمد الحسن الخلال و ۳۵۲ ت ۴۳۹، مکتبة لینه القاهرة
مواهب الجلیل أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربی ت۹۵۴ دار الکتب العلمیة
مسند البزار أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار و ۲۱۵ ت۲۹۲، مؤسسة علوم القرآن
لمعجم الصغیر ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت۳۶۰، المکتب الاسلامی
المبسوط شمس الائمة ابو بکر محمد احمد السرخسی دار المعرفة بیروت
مصنف عبد الرزاق أبو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و۱۲۶ ت ۲۱۱ ادارة القرآن کراچی
المؤطا الامام مالک بن انسؒ
المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة للشیخ احمد بن الصدیق الغماری
مراقی الفلاح للشیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی ت ۱۰۶۹ مصطفی البانی الحلبی
المغنی ابن قدامة الحنبلی دار الکتب العلمیة
المقدمات الامام محمد زاهد الکوثری و ۱۲۹۶ ت۱۳۷۸ سعید کمپنی
معارف السنن للعلامة السید محمد یوسف البنوریؒ
مجمع الأبحر شرح ملتقی الأبحر عبد الله بن شیخ محمد داماد افندی دار إحیاء التراث
المراسیل للامام ابی داؤد مؤسسة الرسالة
المسند ابوبکر عبد الله بن الزبیر الحمیدی سملک ڈابھیل الهند
المدونة الکبری الإمام مالکؒ بیروت

نون

نصب الرایه جمال الدین ابو محمد عبد الله بن یوسف الزیلعی الحنفی المکتبه المکیة ۱۵۶
نیل الاوطار للشیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ ادارة القرآن کراچی
النتف فی الفتاوی شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن الحسین السغدی بیروت
النشر فی القراء ات العشر للعلامة ابن الجزری دارالفکر

النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دارالاشاعت کراچی
نهاية المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبى العباس دار الفكر
النسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ و۲۱۵ت۳۰۳ قدیمی کتب خانه
نور الایضاح للفقیه حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی مجیدیه

هاء

الهداية ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ و۵۱۱ت ۵۹۳ مکتبة شركة علمية
هدى السارى مقدمة فتح البارى للحافظ ابن الحجر العسقلانی دار نشر الكتب الإسلامية